از کتاب السیر
تا
از کتاب الوقف

تصنیف
شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن علی ابن ابی بکر فرغانی مرغینانی

مترجم وشارح
مفتی عبدالحلیم قاسمی بستوی معین مفتی دارالعلوم دیوبند

تسہیل عنوانات و تخریج
مولانا صہیب اشفاق صاحب

مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
فون: 042-37224228-37221395

احسن الہدایہ
جلد ۷

ترجمہ و شرح اردو

ہدایہ

احسن الہدایہ

جلد ۷

ترجمہ و شرح اردو

ھدایہ

از کتاب السیر تا کتاب الوقف

تصنیف

شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر فرغانی مرغینانی

المتوفی ۵۹۳ ہجری المقری

مترجم و شارح

مفتی عبدالحلیم قاسمی بستوی

معین مفتی دارالعلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

نام کتاب: -------------- احسن الہدایہ (جلد ہفتم)

مصنف: -------------- شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر: -------------- مکتبہ رحمانیہ

مطبع: -------------- لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

فہرست مضامین

كِتَابُ الشِّرْكَةِ

یہ کتاب احکام شرکت کے بیان میں ہے ۲۳۷

فصل ۲۴۸

فصل في الشركة الفاسدة ۲۷۱

فصل ۲۷۵

كِتَابُ الْوَقْفِ

یہ کتاب احکامِ وقف کے بیان میں ہے ۲۸۰

فصل ۳۰۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب السیر کو کتاب الحدود کے بعد فوراً بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حدود اور سیر دونوں کا مقصد دنیا کو فتنہ وفساد سے پاک کرنا ہے، لیکن حدود میں چوں کہ ادنی درجے کی تطہیر ہے اور سِیَر یعنی جہاد میں اعلیٰ درجے کی تطہیر ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوتی ہے، اس لیے صاحب ہدایہ ادنی تطہیر کے بعد اعلیٰ کو بیان کر رہے ہیں، محشی ہدایہ علامہ لکھنویؒ نے حدود کو مغازی یعنی سیر پر مقدم کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حدود کا مقصد دنیا کو فسق وفجور سے پاک کرنا ہے جب کہ سِیَر یعنی جہاد کا مقصد کفر وشرک سے پاک کرنا ہے نیز بعض حدود حق العبد بھی ہیں جب کہ جہاد صرف حق اللہ ہے اور حقوق العبد حقوق اللہ سے مقدم ہوتے ہیں، لہٰذا ان حوالوں سے بھی حدود کو سیر سے مقدم کیا گیا ہے، سیر کے لغوی اور شرعی معنی کتاب میں موجود ہیں۔ (دیکھئے بنایہ:۶/۴۸۹)

اَلسِّيَرُ جَمْعُ سِيْرَةٍ وَهِيَ الطَّرِيْقَةُ فِي الْأُمُوْرِ، وَفِي الشَّرْعِ تَخْتَصُّ بِسِيَرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ مَغَازِيْهِ.

ترجمہ: سیر سیرۃ کی جمع ہے (جس کے لغوی معنی ہیں) کاموں کا طریقہ اور شریعت میں یہ اُس طریقے کے ساتھ خاص ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے اپنے غزوات میں اپنایا تھا۔

اللغاتُ:

﴿سِيَر﴾ واحد سیرۃ؛ طریقہ، طرز، اسلوب۔ ﴿مغازی﴾ جنگیں، غزوات۔

"سیر" کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

سیرۃ کے لغوی معنی ہیں طریقہ، عادت، ہیئت۔ اور شریعت میں سیرۃ اس طریقے کا نام ہے جو آپ ﷺ اپنے غزوات میں اختیار فرمایا کرتے تھے۔ اور چوں کہ اس کتاب میں حضرت نبی اکرم ﷺ، حضرات صحابۂ کرام اور غازی مسلمانوں کے احوال وواقعات بیان کئے گئے ہیں اس لیے اسی مناسبت سے اس کتاب کا نام کتاب السیر رکھا گیا ہے۔ (بنایہ:۶/۴۸۹)

قَالَ الْجِهَادُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ إِذَا قَامَ بِهِ فَرِيْقٌ مِنَ النَّاسِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِيْنَ، أَمَّا الْفَرِيْضَةُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً﴾ (سورة التوبه : ٣٦) وَلِقَوْلِهِ[1] عَلَيْهِ السَّلَامُ ((اَلْجِهَادُ مَاضٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)) وَأَرَادَ بِهِ فَرْضًا بَاقِيًا وَهُوَ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ، لِأَنَّهُ مَافُرِضَ لِعَيْنِهِ إِذْ هُوَ إِفْسَادٌ فِيْ نَفْسِهِ، وَإِنَّمَا فُرِضَ لِإِعْزَازِ دِيْنِ اللّٰهِ وَدَفْعِ الشَّرِّ عَنِ الْعِبَادِ فَإِذَا حَصَلَ الْمَقْصُوْدُ بِالْبَعْضِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِيْنَ كَصَلَاةِ الْجَنَازَةِ وَرَدِّ السَّلَامِ، فَإِنْ لَمْ يَقُمْ بِهِ أَحَدٌ أَثِمَ جَمِيْعُ النَّاسِ بِتَرْكِهِ، لِأَنَّ الْوُجُوْبَ عَلَى الْكُلِّ وَلِأَنَّ فِيْ اِشْتِغَالِ الْكُلِّ بِهِ قَطْعَ مَادَّةِ الْجِهَادِ مِنَ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ فَيَجِبُ عَلَى الْكِفَايَةِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ النَّفِيْرُ عَامًّا فَحِيْنَئِذٍ يَصِيْرُ مِنْ فُرُوْضِ الْأَعْيَانِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ (سورة التوبه : ٤١).

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جہاد فرض کفایہ ہے اگر ایک جماعت اسے انجام دے گی تو باقی لوگوں سے فرضیت ساقط ہوجائے گی۔ رہی فرضیت تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ہے ''تم سب لوگ مل کر مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ مل کر تم سے قتال کرتے ہیں'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ گرامی سے ثابت ہے ''جہاد قیامت تک لیے جاری ہے اور اس فرمان سے آپ کی مراد یہ ہے کہ جہاد باقی رہنے والا فرض ہے، اور جہاد فرض کفایہ اس لیے ہے کہ جہاد بالذات فرض نہیں ہوا، کیونکہ یہ فی نفسہ فساد پھیلانا ہے۔ اور جہاد تو دینِ خداوندی کے اعزاز کی خاطر اور بندوں سے شر کو دفع کرنے کے لیے فرض ہوا ہے، لہٰذا جب کچھ لوگوں سے مقصود حاصل ہوجائے گا تو باقی لوگوں سے فرضیت ساقط ہوجائے گی جیسے نماز جنازہ اور سلام کا جواب۔ چنانچہ اگر کسی نے بھی جہاد نہیں کیا تو ترکِ جہاد کی وجہ سے سارے لوگ گناہ گار ہوں گے، کیونکہ وجوب سب پر ہے، اور اس وجہ کہ تمام لوگوں کے جہاد میں مشغول ہونے سے جہاد کے سامان یعنی گھوڑے اور ہتھیار کو ختم کرنا لازم آئے گا اس لیے جہاد فرض کفایہ کے طور پر واجب ہے، لیکن اگر نفیر عام ہو تو اس صورت میں جہاد فرض عین ہوگا اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: و انفروا خفافا وثقالا الخ۔

اللغات:

﴿فریق﴾ جماعت، گروہ۔ ﴿کافّۃ﴾ سب کے سب۔ ﴿إفساد﴾ خراب کرنا۔ ﴿أثم﴾ گناہ گار ہوں گے۔ ﴿کراع﴾ مراد جہاد کے گھوڑے وغیرہ۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار، اسلحہ۔ ﴿نفیر﴾ نکلنا۔ ﴿یصیر﴾ ہوجائے گا۔

تخریج:

① اخرجه ابوداؤد فی کتاب الجهاد باب فی الغزو مع ائمة الجور، حدیث: ٢٥٣٢.

جہاد کی شرعی حیثیت اور اس کے دلائل:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جہاد اس زمانے میں عام مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے اور اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت جہاد کرکے اس کا حق ادا کردے تو تمام لوگوں سے اس کی فرضیت ساقط ہوجائے گی، لیکن جس شہر یا جس ملک میں کفار مسلمانوں پر حملہ کردیں اس جگہ

کے تمام لوگوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے، نفسِ فرضیت کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے: **فاقتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة** نیز اس حدیث سے بھی جہاد کی فرضیت ثابت ہے **الجهاد ماض إلى يوم القيامة** اور یہ قول صاحب ہدایہ" اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ ہے کہ جہاد قیامِ قیامت تک باقی رہنے والا فریضہ ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جہاد کی اصل اور حقیقت افساد ہے، کیونکہ اس سے لوگوں کو تکلیف دینا اور ملکوں اور شہروں کو خراب کرنا لازم آتا ہے، اس لیے یہ فرض لعینہ نہیں ہوگا، بلکہ فرض لغیرہ ہوگا، کیونکہ جہاد کے ذریعے دینِ خداوندی کا استحکام اور اعزاز ہوتا ہے اور بندوں سے شر دور کیا جاتا ہے اور جب بعض لوگوں کے جہاد کرنے سے یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ ہر ایک پر فرداً فرداً اسے فرض کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے جنازہ کی نماز پڑھنا یا ایک ساتھ بیٹھے ہوئے چند لوگوں میں سے بعض کا سلام کا جواب دینا فرضِ کفایہ ہے اور ہر ہر شخص پر جنازے کی نماز یا سلام کا جواب فرض نہیں ہے، اسی طرح جہاد کرنا اور جہاد میں مشغول ہونا بھی ہر ایک پر فرض نہیں ہے، لیکن اگر کوئی بھی قوم اور کوئی بھی جماعت اس فریضے کو ادا نہیں کرے گی تو سب کے سب گنہگار اور سزاوار ہوں گے، کیونکہ نفسِ وجوب تو ہر ایک پر ہے البتہ وجوبِ ادا سب پر نہیں ہے اور کسی کے بھی جہاد نہ کرنے سے نفسِ وجوب کا ترک لازم آتا ہے، اس لیے ترکِ وجوب کی وجہ سے سب لوگ گنہگار ہوں گے۔

ولأن في اشتغال الكل الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمام لوگ جہاد میں مشغول ہو جائیں گے تو جہاد کے سامان یعنی گھوڑے اور ہتھیار سب ناپید ہو جائیں گے اور مجاہدین مشقت میں مبتلا ہو جائیں گے، اسی لیے شریعت نے جہاد کو فرض کفایہ قرار دیا ہے، ہاں اگر امام المسلمین کی طرف سے نفیر عام ہو اور ہر ایک کے لیے کوچ کرنا لازمی ہو تو اس صورت میں جہاد فرض عین ہو جائے گا اور بچوں اور بوڑھوں سب پر فرض ہوگا تا کہ مسلمانوں کی کثرت اور قوت دیکھ کر کافر مرعوب ہوں اور ان پر ہیبت طاری ہو جائے۔ اس حکم کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ہے **انفروا خفافا وثقالا** یعنی خواہ تم ہلکے پھلکے نکلو یا بھاری بھر کم ہو کر نکلو بہر صورت نفیر عام کی صورت میں نکلنا ہی نکلنا ہے اور بدون نکلے چھٹکارا نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے **خفافا وثقالا** کی تفسیر پیادہ پا اور سوار ہو کر نکلنے سے کی ہے۔

وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ وَاجِبٌ إِلَّا أَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ سَعَةٍ حَتَّى يَحْتَاجَ إِلَيْهِمْ فَأَوَّلُ هٰذَا الْكَلَامِ إِشَارَةٌ إِلَى الْوُجُوْبِ عَلَى الْكِفَايَةِ وَاٰخِرُهُ إِلَى النَّفِيْرِ الْعَامِّ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ عِنْدَ ذٰلِكَ لَايَتَحَصَّلُ إِلَّا بِإِقَامَةِ الْكُلِّ فَيَفْتَرِضُ عَلَى الْكُلِّ، وَقِتَالُ الْكُفَّارِ وَاجِبٌ وَإِنْ لَمْ يَبْدَءُوْا لِلْعُمُوْمَاتِ، وَلَايَجِبُ الْجِهَادُ عَلَى الصَّبِيِّ، لِأَنَّ الصَّبِيَّ مَظِنَّةُ الْمَرْحَمَةِ وَلَا عَبْدٍ وَلَا امْرَأَةٍ لِتَقَدُّمِ حَقِّ الْمَوْلٰى وَالزَّوْجِ، وَلَا أَعْمٰى وَلَا مُقْعَدٍ وَلَا أَقْطَعَ لِعِجْزِهِمْ، فَإِنْ هَجَمَ الْعَدُوُّ عَلٰى بَلَدٍ وَجَبَ عَلٰى جَمِيْعِ النَّاسِ الدَّفْعُ تَخْرُجُ الْمَرْأَةُ بِغَيْرِ إِذْنِ زَوْجِهَا وَالْعَبْدُ بِغَيْرِ إِذْنِ الْمَوْلٰى، لِأَنَّهُ صَارَ فَرْضَ عَيْنٍ وَمِلْكُ الْيَمِيْنِ وَرِقُّ النِّكَاحِ لَايَظْهَرُ فِيْ حَقِّ فُرُوْضِ الْأَعْيَانِ كَمَا فِيْ

الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ، بِخِلَافِ مَاقَبْلَ النَّفِيْرِ، لِأَنَّ بِغَيْرِهِمَا مَقْنَعًا فَلَاضَرُوْرَةَ إِلَى إِبْطَالِ حَقِّ الْمَوْلَى وَالزَّوْجِ، وَيُكْرَهُ الْجُعْلُ مَادَامَ لِلْمُسْلِمِيْنَ فَيْءٌ، لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الْأَجْرَ، وَلَاضَرُوْرَةَ إِلَيْهِ، لِأَنَّ مَالَ بَيْتِ الْمَالِ مُعَدٌّ لِنَوَائِبِ الْمُسْلِمِيْنَ، فَإِذَا لَمْ يَكُنْ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَقْوِيَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، لِأَنَّ فِيْهِ دَفْعُ الضَّرَرِ الْأَعْلَى بِإِلْحَاقِ الْأَدْنَى يُؤَيِّدُهُ⑪ وَأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَخَذَ دُرُوْعًا مِنْ صَفْوَانَ، وَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يُغْزِي الْأَعْزَبَ عَنْ ذِي الْحَلِيْلَةِ وَيُعْطِي الشَّاخِصَ فَرَسَ الْقَاعِدِ.

ترجمه: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں فرمایا کہ جہاد واجب ہے تاہم مسلمانوں کے لیے گنجائش ہے یہاں تک کہ ان کی ضرورت پیش آئے۔ اس کلام کے پہلے حصے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اور آخری حصے میں نفیر عام کی طرف اشارہ ہے اور یہ اس وجہ سے کہ نفیر عام کے وقت تمام لوگوں کے جہاد کیے بغیر مقصود حاصل نہیں ہوگا لہٰذا سب پر جہاد فرض ہوگا۔ اور کفار سے جہاد کرنا واجب ہے اگر چہ وہ پیش قدمی نہ کریں، کیونکہ آیات واحادیث میں عموم ہے، بچے پر جہاد واجب نہیں ہے، کیونکہ بچہ محلِ شفقت ہے۔ غلام اور عورت پر بھی جہاد نہیں ہے، اس لیے کہ مولیٰ اور شوہر کا حق مقدم ہے۔ اندھے، لنگڑے اور پاؤں کٹے ہوئے شخص پر بھی جہاد واجب نہیں ہے اس لیے کہ یہ لوگ عاجز اور بے بس ہوتے ہیں۔

پھر اگر دشمن کسی ملک پر حملہ کردیں تو تمام لوگوں پر نکلنا واجب ہوگا چنانچہ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نکلے گی اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکلے گا، کیونکہ اب جہاد فرض عین ہوگیا ہے اور فرض عین میں ملکِ یمین اور ملکِ نکاح کا اثر ظاہر نہیں ہوتا جیسے روزے اور نماز میں ہے۔ برخلاف نفیر سے پہلے کے، کیونکہ (اس صورت میں) ان کے بغیر بھی کفایت ہوجاتی ہے، لہٰذا مولیٰ اور شوہر کے حق کو باطل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور جب تک مسلمانوں کے پاس مال ہو اس وقت تک خاص جہاد کے لیے چندہ وغیرہ وصول کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ جہاد میں چندہ کرنا اجرت کے مشابہ ہے اور چندہ کی ضرورت بھی نہیں ہے، اس لیے کہ بیت المال کا مال مسلمانوں کی آفات دور کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہے لیکن اگر بیت المال میں مال نہ ہو تو (چندہ جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے) ایک کے دوسرے کو تقویت پہنچانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنے میں ضرر ادنیٰ کو برداشت کرکے اعلیٰ ضرر کو دور کرنا ہے، اس کی تائید اس واقعے سے ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے کچھ زرہیں لی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ غیر شادی شدہ لوگوں کو شادی شدہ لوگوں کی طرف سے بھیجتے تھے اور جہاد میں جانے والے کو نہ جانے والے کا گھوڑا دیدیتے تھے۔

اللغاتُ:

﴿سعة﴾ گنجائش۔ ﴿لم يبدوا﴾ وہ پیش قدمی نہ کریں۔ ﴿صبیّ﴾ بچے۔ ﴿مظنة﴾ مقام، محل۔ ﴿مقعد﴾ اپاہج، معذور۔ ﴿هجم﴾ حملہ آور ہوجائے۔ ﴿عدوّ﴾ دشمن۔ ﴿دفع﴾ دفاع کرنا، مدافعت کرنا۔ ﴿رقّ﴾ غلامی۔ ﴿مقنع﴾ کفایت، کام چل جانا۔ ﴿معدّ﴾ تیار کیا گیا ہے۔ ﴿نوائب﴾ پیش آمدہ ضروریات۔ ﴿دروع﴾ واحد درع؛ زرہیں۔ ﴿يغزی﴾ جنگ پر بھیجتے تھے۔ ﴿أعزب﴾ کنوارا، غیر شادی شدہ۔ ﴿حليلة﴾ بیوی۔ ﴿شاخص﴾ لڑنے والا، جہاد پر جانے والا۔ ﴿فرس﴾ گھوڑا۔

تخریج:

❶ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب البیوع، باب فی تضمین العاریۃ (۳۵۶۲).

مختلف حالات میں جہاد کے مختلف احکام:

قدوری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے جہاد کی فرضیت اور اس کی نوعیت واضح کرنے کے بعد صاحب کتاب جامع صغیر کے حوالے سے جہاد کی فرضیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جہاد واجب تو ہے لیکن ہر ایک پر وجوب نہیں ہے، بلکہ اس میں گنجائش ہے یعنی تمام لوگوں کو جہاد کرنا واجب نہیں ہے، ہاں اگر نفیر عام ہو اور امام المسلمین کی طرف سے سب کے لیے نکلنا لازمی قرار دے دیا جائے تو اس صورت میں یہ گنجائش اور رعایت ختم ہو جائے گی۔

إلّا أن المسلمین في سعة سے جہاد کا فرضِ کفایہ ہونا ثابت ہے اور حتی یحتاج إلیهم سے اس کا فرضِ عین ہونا ثابت ہے۔

وقتال الکفار واجب الخ فرماتے ہیں کہ کفار اور مشرکین سے جہاد کرنا فرض اور واجب ہے اگر چہ ان کی طرف سے قتال اور جدال پر پیش قدمی نہ ہو، اس لیے کہ قرآن کریم کی آیتوں أقتلوا المشرکین وقاتلوهم الخ میں عموم ہے نیز احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں بھی عموم ہے مثلاً الجهاد ماض إلی یوم القیامة، أمرت أن أقاتل حتی یقولوا لا إله إلا الله، اور یہ عموم اس بات کی دلیل ہے کہ کفار سے قتال کیا جائے خواہ ان کی طرف سے پہل ہو یا نہ ہو۔

ولا یجب الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ بچے، غلام اور عورت پر جہاد فرض نہیں ہے، کیونکہ اوّلاً تو بچہ امور شرع کا مکلف نہیں ہے، ثانیاً وہ محل شفقت ہے اور اسے جہاد میں لے جانا شفقت والفت کے خلاف ہے اور عورت اور غلام چوں کہ اپنے شوہر اور آقا کی خدمت کے لیے وقف رہتے ہیں اور ان کے جہاد میں جانے سے ان لوگوں کے حقوق کی پامالی ہوگی اور چوں کہ یہ حقوق العبد ہیں لہٰذا حق اللہ پر مقدم ہوں گے۔

فإن هجم العدو الخ فرماتے ہیں کہ اگر دشمن مسلمانوں کے ملک پر حملہ کر دیں تو اس صورت میں ہر ایک پر جہاد فرض عین ہو جائے گا حتی کہ بیوی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نکل جائے گی اور غلام اپنے مولیٰ کی مرضی کے بغیر نکلے گا، کیونکہ فرض عین کی ادائیگی میں شوہر اور سردار کا حق مانع نہیں ہوتا جیسے نماز اور روزہ فرض عین ہیں اور ان کی ادائیگی میں کسی کا حق مانع نہیں ہے اسی طرح نفیر عام ہونے کی صورت میں جہاد میں جانے سے بھی کسی کا حق مانع نہیں ہوگا۔

البتہ اگر نفیر عام نہ ہو تو اس صورت میں عورت اور غلام پر جہاد فرض عین نہیں ہوگا، کیونکہ اب ان کے بغیر بھی موجودہ مسلمان مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہوں گے اور ان کے نہ رہنے سے مسلمانوں کی قوت میں کمی نہیں آئے گی لہٰذا بلا وجہ شوہر اور مولیٰ کے حق کو باطل نہیں کیا جائے گا۔

ویکره الجعل الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بیت المال میں مال موجود ہو تو اسی مال سے جہاد کیا جائے اور جہاد کے لیے مخصوص چندہ نہ کیا جائے، کیونکہ جہاد کے لیے چندہ جمع کرنا اجرت لینے کے مشابہ ہے حالانکہ جہاد خالص اللہ کا حق ہے اور اس میں اجرت کی گنجائش نہیں ہے اور بیت المال میں مال ہوتے ہوئے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیونکہ بیت المال اسی لیے تو بنایا جاتا ہے

تاکہ مسلمانوں پر پیش آنے والی آفات وبلیات میں وہ ان کے کام آئے اس لیے جب تک بیت المال میں مال ہوگا اس وقت تک جہاد کے لیے چندہ جمع کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ فقہائے کرام کی نگاہوں میں مکروہ ہے، ہاں اگر بیت المال میں مال نہ ہو تو اس صورت میں چندہ وغیرہ جمع کرکے ایک دوسرے کی مدد کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ چندہ کرنا ادنیٰ ضرر ہے اور کفار کا مقابلہ کرکے انہیں مار بھگانے کو ترک کرنا اعلیٰ درجے کا ضرر ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ إذا اجتمع مَفسَدَتَان رُوعِيَ أَعظَمُهُمَا ضَرَرًا بِارْتِكَابِ أَخَفِّهِمَا یعنی جب کسی مسئلے میں دو ضرر جمع ہو جائیں تو ان میں سے اخف اور ادنی کو اختیار کیا جاتا ہے لہٰذا یہاں بھی ادنی یعنی چندہ جمع کرنے کو برداشت کرلیا جائے گا تاکہ کفار کے شر سے بچا اور بچایا جاسکے۔

اس کی تائید حضرت نبی اکرم ﷺ کے اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے صفوان بن اُمیة سے غزوۂ حنین میں چند زرہیں عاریت پر لی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقۂ کار یہ تھا کہ آپ غیر شادی شدہ نوجوانوں کو شادی شدہ مردوں کی طرف سے جہاد میں بھیجتے تھے اور جو شخص جہاد میں جاتا اور اس کے پاس سواری نہ ہوتی اسے نہ جانے والے کا گھوڑا دلوا دیتے تھے، اسی کا نام جعل ہے اس سے معلوم ہوا کہ بقدر حاجت وضرورت جعل کی گنجائش ہے ہاں بلاضرورت مکروہ ہے۔ واللہ اُعلم وعلمہ اُتم

بَابُ كَيْفِيَّةِ الْقِتَالِ

یہ باب قتال کی کیفیت کے بیان میں ہے

چوں کہ جہاد کا سب سے پہلا مرحلہ قتل وقتال ہے اسی لیے صاحب کتاب کتاب السیر کے معا بعد باب کیفیة القتال کو بیان کررہے ہیں۔

وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُوْنَ دَارَالْحَرْبِ فَحَاصَرُوْا مَدِيْنَةً أَوْحِصْنًا دَعَوْهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ لِمَا رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما [1] ((أَنَّ النَّبِيَّ علیہ السلام مَاقَاتَلَ قَوْمًا حَتَّى دَعَاهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ)) فَإِنْ أَجَابُوْا كَفُّوْا عَنْ قِتَالِهِمْ لِحُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ [2] ((وَقَدْ قَالَ صلی اللہ علیہ وسلم أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ))، الْحَدِيْثَ وَإِنِ امْتَنَعُوْا دَعَوْهُمْ إِلَى أَدَاءِ الْجِزْيَةِ، بِهِ [3] ((أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ علیہ السلام أُمَرَاءَ الْجُيُوْشِ))، وَلِأَنَّهُ أَحَدُ مَايَنْتَهِي بِهِ الْقِتَالُ عَلَى مَانَطَقَ بِهِ النَّصُّ، وَهٰذَا فِي حَقِّ مَنْ يُقْبَلُ مِنْهُ الْجِزْيَةُ، وَمَنْ لَاتُقْبَلُ مِنْهُ كَالْمُرْتَدِّيْنَ وَعَبَدَةِ الْأَوْثَانِ مِنَ الْعَرَبِ لَافَائِدَةَ فِيْ دُعَائِهِمْ إِلَى قَبُوْلِ الْجِزْيَةِ، لِأَنَّهُ لَايُقْبَلُ مِنْهُمْ إِلَّا الْإِسْلَامُ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ أَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ (سورة الفتح: ١٦)، فَإِنْ بَذَلُوْهَا فَلَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِيْنَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ لِقَوْلِ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ إِنَّمَا بَذَلُوا الْجِزْيَةَ لِيَكُوْنَ دِمَاؤُهُمْ كَدِمَائِنَا وَأَمْوَالُهُمْ كَأَمْوَالِنَا، وَالْمُرَادُ بِالْبَذْلِ الْقَبُوْلُ، وَكَذَا الْمُرَادُ بِالْإِعْطَاءِ الْمَذْكُوْرِ فِيْهِ فِي الْقُرْاٰنِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمه: اگر مسلمان دار الحرب میں داخل ہوکر کسی شہر یا کسی قلعے کا محاصرہ کرلیں تو کافروں کو اسلام کی دعوت دیں، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی قوم کو اسلام کی دعوت دیئے بغیر ان سے قتال نہیں کیا، چنانچہ اگر کفار اسلام لے آئیں تو مجاہدین انہیں مارنے سے باز آجائیں، کیونکہ مقصود حاصل ہو چکا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا إله إلا الله کا اقرار کرلیں۔ اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کردیں تو انہیں جزیہ دینے کے لیے کہیں۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکروں کے سرداروں کو اسی کا حکم دیا تھا اور اس لیے کہ یہ ان اشیائے میں سے

ایک ہے جن سے قتال ختم ہوجاتا ہے اور یہ حکم ان کافروں کے متعلق ہے جن سے جزیہ قبول کیا جاتا ہے اور جن سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا جیسے مرتد اور بت پرست لوگ تو انہیں جزیہ دینے کے لیے کہنا بے سود ہے، کیونکہ ان سے اسلام کے علاوہ کچھ بھی مقبول نہیں ہے ،ارشاد خداوندی ہے تم ان سے اتنا قتال کرو حتی کہ وہ اسلام لے آئیں۔

پھر اگر وہ کفار جزیہ دینا قبول کرلیں تو انھیں وہی ملے گا جو مسلمانوں کو ملتا ہے اور ان پر وہ سب کچھ لازم ہوگا جو مسلمانوں پر لازم ہوتا ہے، اس لیئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ کافروں نے اسی لیے جزیہ دینا قبول کیا ہے تاکہ ان کے خون ہمارے خون کی طرح اور ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح محفوظ ہوجائیں۔ اور بذل سے قبول کرنا مراد ہے اور اس سلسلے میں قرآن میں جو اعطاء مذکور ہے اس سے بھی قبول کرنا مراد ہے۔

اللغاتُ:

﴿حاصروا﴾ محاصرہ کرلیں۔ ﴿حصن﴾ قلعہ۔ ﴿أجابوا﴾ انہوں نے قبول کرلیا۔ ﴿کفّوا﴾ رُک جائیں، باز آجائیں۔ ﴿امتنعوا﴾ انھوں نے انکار کیا۔ ﴿جیوش﴾ واحد جیش؛ لشکر، فوج۔ ﴿عبدة الأوثان﴾ بت پرست لوگ۔ ﴿بذلوھا﴾ اس (جزیہ) کو خرچ کردیں۔ ﴿دماء﴾ خون، مراد جانیں، زندگیاں۔

تخریج:

❶ حاکم، اخرجہ حاکم فی المستدرک، کتاب الایمان (۱۵/۱).

❷ اخرجہ مسلم فی کتاب الایمان باب الامر بقتال الناس، حدیث ۳۳.

❸ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الجهاد باب فی دعاء المشرکین، حدیث ۲۶۱۲.

جنگ کے ابتدائی احکام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مسلمان کفار سے مقابلہ کرنے کے لیے نکلیں اور دارالحرب میں گھس کر کسی شہر یا کسی قلعے کا محاصرہ کرلیں تو انھیں چاہئے کہ فوراً کافروں پر حملہ نہ کریں، بلکہ پہلے انھیں اسلام کی دعوت دیں اور اگر وہ اسلام لے آئیں تو قتل وقتال نہ کریں، کیونکہ یہی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا جیسا کہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں اس کی وضاحت ہے اور حدیث أمرت أن أقاتل الناس الخ میں لا الہ إلا اللہ کا اقرار کرنے تک قتال کرنے کا جواز ثابت ہے جو یہ بتارہا ہے کہ توحید ورسالت کے اقرار کرنے کے بعد کفار سے قتال نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ ان کے اسلام لانے سے قتال اور جہاد کا مقصد یعنی اعلاء کلمۃ اللہ اور اظہار حق حاصل ہو چکا ہے اور مقصد کا حاصل ہونا ہی اصل ہے، لہٰذا جب بغیر قتال کے یہ مقصد حاصل ہو چکا ہے تو بلاوجہ خون خرابہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

ہاں اگر کفار اسلام لانے سے انکار کردیں تو اب انھیں جزیہ کی پیش کش کی جائے اگر وہ جزیہ دینے پر راضی ہوجائیں تو بھی ان سے قتال نہ کیا جائے، کیونکہ جزیہ سے بھی قتال ساقط ہوجاتا ہے چناں چہ قرآن کریم میں ہے **قاتلوا الذین لایؤمنون باللہ — حتی یعطوا الجزیة**۔ نیز مجاہد اعظم، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لشکروں کے امراء کو جزیہ کی پیش کش کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن یہ بات

ذہن میں رہے کہ جزیہ کی دعوت کا حکم انھی کفار کے ساتھ خاص ہے جو مرتد اور بت پرست نہ ہوں اور ان سے جزیہ لیا جاسکتا ہو یہی وجہ ہے کہ مرتدین اور بت پرستوں کو جزیہ کی پیش کش نہیں کی جائے گی، بلکہ اگر وہ لوگ اسلام کی دعوت نہیں قبول کریں گے تو ان کی گردن اڑادی جائے گی اس لیے کہ ان سے جزیہ لینا درست نہیں ہے ان کے متعلق تو قرآن کا اعلان یہ ہے تقاتلونهم أو يسلمون کہ یا تو ان سے مجاہدین قتال کریں یا پھر یہ لوگ اسلام کے دامن میں پناہ لے لیں۔

فإن بذلوها الخ فرماتے ہیں کہ اگر بت پرست اور مرتدین کے علاوہ دیگر کفار جزیہ دینے پر راضی ہوجائیں اور اس پیش کش کو قبول کرلیں تو مسلمانوں کے اموال اور دماء کی طرح ان کے بھی اموال اور دماء محفوظ اور محترم ہوجائیں گے اور جو قوانین وضوابط مسلمانوں پر عائد ہوں گے وہی ان پر بھی لازم اور لاگو ہوں گے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمان میں اس کی صراحت موجود ہے۔

والمراد الخ فرماتے ہیں کہ بذل سے بھی قبول کرنا مراد ہے اور قرآن کریم کی آیت کریمہ میں حتى يعطوا الجزية میں بھی إعطاء سے قبول کرنا ہی مراد ہے۔

وَلَايَجُوْزُ أَنْ يُقَاتَلَ مَنْ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ إِلَى الْإِسْلَامِ إِلَّا أَنْ يَدْعُوَهُ[1] لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ((فِيْ وَصِيَّةِ أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ))، وَ لِأَنَّهُمْ بِالدَّعْوَةِ يَعْلَمُوْنَ أَنَّا نُقَاتِلُهُمْ عَلَى الدِّيْنِ لَا عَلٰى سَلْبِ الْأَمْوَالِ وَسَبْيِ الذَّرَارِيْ فَلَعَلَّهُمْ يُجِيْبُوْنَ فَنُكْفٰى مُؤْنَةَ الْقِتَالِ، وَلَوْ قَاتَلَهُمْ قَبْلَ الدَّعْوَةِ أَثِمَ لِلنَّهْيِ، وَلَا غَرَامَةَ لِعَدَمِ الْعَاصِمِ وَهُوَ الدِّيْنُ أَوِ الْإِحْرَازُ بِالدَّارِ فَصَارَ كَقَتْلِ النِّسْوَانِ وَالصِّبْيَانِ، وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَدْعُوَ مَنْ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ مُبَالَغَةً فِي الْإِنْذَارِ وَلَايَجِبُ ذٰلِكَ، لِأَنَّهُ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ[2] عَلَيْهِ السَّلَامُ أَغَارَ عَلٰى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّوْنَ وَعَهِدَ إِلٰى أُسَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنْ يُغِيْرَ عَلٰى أُبْنٰى صَبَاحًا ثُمَّ يُحَرِّقُ وَالْغَارَةُ لَايَكُوْنُ بِدَعْوَةٍ.

ترجمہ: اور ان لوگوں سے قتال کرنا جائز نہیں ہے جنھیں اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو الا یہ کہ مجاہدین انھیں دین کی دعوت دیں، کیونکہ لشکروں کے امراء کی وصیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ سب سے پہلے انھیں شہادتِ توحید کی دعوت دو، اور اس لیے کہ دعوت دینے کی صورت میں وہ یہ جان لیں گے کہ ہم دین کے لیے ان سے قتال کررہے ہیں، مال چھیننے اور ان کے اہل وعیال کو قید کرنے کے لیے نہیں لڑ رہے ہیں، اور ممکن ہے کہ وہ اسے قبول کرلیں اور ہم بھی قتال کی مشقت سے بچ جائیں اور اگر لشکر نے دعوت دینے سے پہلے ہی ان سے قتال کرلیا تو سارے اہل لشکر گناہ گار ہوں گے، کیونکہ قبل الدعوۃ قتال کرنا ممنوع ہے لیکن مسلمانوں پر ضمان نہیں ہوگا، اس لیے کہ (کفار کے حق میں) عاصم یعنی دین یا احراز بدار الاسلام معدوم ہے تو یہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی طرح ہوگیا۔

جسے دعوت پہنچی ہو اسے دوبارہ دعوت دینا مستحب ہے تاکہ انذار میں مبالغہ ہوجائے لیکن دوبارہ دعوت دینا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ صحیح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنومصطلق پر شب خوں مارا تھا اور وہ لوگ غافل تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ مقام اُبنیٰ میں صبح کے وقت چھاپہ ماریں پھر اس جگہ کو جلادیں اور چھاپہ مارنے سے پہلے دعوت نہیں دی جاتی۔

اللغات:

﴿يقاتل﴾ جنگ کی جائے۔ ﴿أجناد﴾ واحد جند؛ لشکر، فوجیں۔ ﴿شهادة﴾ گواہی۔ ﴿سلب﴾ چھیننا۔ ﴿سبی﴾ قید کرنا۔ ﴿زراری﴾ بچے۔ ﴿يجيبون﴾ وہ قبول کرلیں۔ ﴿مؤنة﴾ مشقت، تکلیف۔ ﴿إحراز﴾ محفوظ کرنا۔ ﴿أغار﴾ حملہ کیا۔ ﴿صبيان﴾ واحد صبّی؛ بچے۔ ﴿يحرق﴾ جلا ڈالیں۔

تخریج:

❶ اخرجه مسلم فی كتاب الايمان باب الامر بقتال الناس، حديث: ۳۳.

❷ اخرجه ابن ماجه فی كتاب الجهاد، باب التحريق بأرض العدو، حديث: ۲۸۴۳.

قتال کے جواز کے لیے تبلیغ کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جن کافروں کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہے انھیں دعوت دینے سے پہلے ان سے قتال کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ لشکر کے سرداروں اور ذمے داروں کو یہ وصیت اور نصیحت فرماتے تھے کہ کافروں کو پہلے دعوت دیں پھر ان سے قتال کریں۔ دعوت دینے کے بعد قتال کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ یہ سمجھ جائیں گے کہ مسلمان مجاہدین صرف دین کی سربلندی اور سُرخ روئی کے لیے ہم سے لڑ رہے ہیں اور انہیں ہمارے مال اور اہل وعیال کی حرص نہیں ہے، اس لیے ہوسکتا ہے وہ مجاہدین کی دعوت کو قبول کرلیں اور مسلمان بھی قتال کی محنت اور مشقت سے نجات پاجائیں، لہٰذا دعوت دیکر ہی کفار سے قتال اور جہاد کرنا چاہیے اور اگر بدون دعوت کے کسی لشکر نے کافروں سے قتال کرلیا تو سب لوگ گناہ گار ہوں گے اس لیے کہ یہ لوگ مرتکب ممنوع ہوئے اور ممنوع اور منھی عنہ کا ارتکاب کرنے والے مجرم ہیں، تاہم اس جرم کی وجہ سے مجاہدین پر کوئی ضمان اور تاوان نہیں ہوگا کیونکہ کفار مباح الدم ہیں اور ان کا خون معصوم نہیں ہے، اس لیے کہ نہ تو ان کے پاس ایمان ویقین کی دولت ہے اور نہ ہی انھیں دار الاسلام کا احراز اور وہاں کی حفاظت حاصل ہے۔

ويستحب أن يدعوا من بلغته الخ فرماتے ہیں کہ جن کافروں کو دعوت پہنچ چکی ہے ان سے قتال کرنے سے پہلے انھیں بھی دوبارہ دعوت دینا مستحب ہے تاکہ کما حقہ تبلیغ کا فریضہ انجام دیدیا جائے اور علی وجہ الکمال انذار مستحق ہوجائے، لیکن ایسا کرنا مستحب ہے واجب اور لازم نہیں ہے، کیونکہ صحت کے ساتھ یہ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے قبیلۂ بنو مصطلق کی ایک شاخ پر چھاپہ مارا تھا اور وہ لوگ غافل تھے یعنی انھیں دعوت نہیں دی گئی تھی اسی طرح حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے یہ عہد لیا تھا کہ وہ فلسطین میں اُبنیٰ نامی جگہ پر چھاپہ ماریں اور پھر انھیں جلا دیں اور یہاں بھی دعوت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قبل القتال دعوت کا جو حکم تھا وہ اسلام کے شروع زمانے میں تھا اور بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا تھا۔ اور پھر چھاپہ مارنے کا عمل چوری چھپکے انجام دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دعوت دینے سے یہ کام ممکن نہیں ہوگا۔

قَالَ فَإِنْ أَبَوْا ذٰلِكَ اسْتَعَانُوْا بِاللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَحَارَبُوْهُمْ لِقَوْلِهِ ❶ **عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ حَدِيْثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَإِنْ**

أَبَوْا ذٰلِكَ فَادْعُهُمْ إِلٰى إِعْطَاءِ الْجِزْيَةِ إِلٰى أَنْ قَالَ فَإِنْ أَبَوْهَا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَقَاتِلْهُمْ، وَلِأَنَّهُ تَعَالٰى هُوَ النَّاصِرُ لِأَوْلِيَائِهِ وَالْمُدَمِّرُ عَلٰى أَعْدَائِهِ فَيُسْتَعَانُ بِهِ فِيْ كُلِّ الْأُمُوْرِ، وَنَصَبُوْا عَلَيْهِمُ الْمَجَانِيْقَ كَمَا نَصَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الطَّائِفِ، وَحَرَّقُوْهُمْ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَحْرَقَ الْبُوَيْرَةَ، قَالَ وَأَرْسَلُوْا عَلَيْهِمُ الْمَاءَ وَقَطَعُوْا أَشْجَارَهُمْ وَأَفْسَدُوْا زُرُوْعَهُمْ، لِأَنَّ فِيْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ إِلْحَاقَ الْكَبْتِ وَالْغَيْظِ بِهِمْ وَكَسْرَ شَوْكَتِهِمْ وَتَفْرِيْقَ جَمْعِهِمْ فَيَكُوْنُ مَشْرُوْعًا، وَلَا بَأْسَ بِرَمْيِهِمْ وَإِنْ كَانَ فِيْهِمْ مُسْلِمٌ أَسِيْرٌ أَوْ تَاجِرٌ، لِأَنَّ فِي الرَّمْيِ دَفْعَ الضَّرَرِ الْعَامِّ بِالذَّبِّ عَنْ بَيْضَةِ الْإِسْلَامِ، وَقَتْلُ الْأَسِيْرِ وَالتَّاجِرِ ضَرَرٌ خَاصٌّ، وَلِأَنَّهُ قَلَّمَا يَخْلُوْ حِصْنٌ عَنْ مُسْلِمٍ فَلَوِ امْتَنَعَ بِاعْتِبَارِهِ لَانْسَدَّ بَابُهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کفار جزیہ دینے سے انکار کردیں تو مجاہدین ان کے خلاف اللہ سے مدد طلب کریں اور ان سے مقاتلہ کریں اس لیے کہ حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''اگر کفار اسلام لانے سے انکار کردیں تو انھیں جزیہ دینے کے لیے کہو، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا اگر وہ جزیہ دینے کے لیے بھی تیار نہ ہوں تو ان کے خلاف اللہ سے مدد طلب کر اور ان سے جنگ کر، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا مددگار ہے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے والا ہے لہٰذا جملہ امور میں اسی سے مدد طلب کرنا چاہئے۔

اور مجاہدین کو چاہئے کہ وہ کفار پر فلاخن نصب کردیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پر منجنیق قائم فرمادی تھی اور انھیں جلادیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام بویرہ کو جلا دیا تھا۔ امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ مجاہدین کافروں پر پانی چھوڑ دیں، ان کے درختوں کو کاٹ دیں اور ان کی کھیتیاں ویران کردیں اس لیے کہ ان افعال سے کفار کو ذلت محسوس ہوگی، انھیں غصہ آئے گا، ان کی شان وشوکت گھٹ جائے گی اور اُن کا شیرازہ بکھر جائے گا لہٰذا یہ افعال مشروع ہوں گے۔

اور کفار پر پتھر برسانے میں کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ ان میں کوئی مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر ہو، اس لیے کہ پتھر برسانے میں جمعیتِ اسلام سے ضررِ عام کو دفع کرنا ہے جب کہ مسلم قیدی، یا مسلم تاجر کا قتل ضررِ خاص ہے اور اس لیے کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی قلعہ مسلمانوں سے خالی ہو، لہٰذا اگر مسلمان کی وجہ سے رمی کو روک دیا جائے تو جہاد کا دروازہ بند ہوجائے گا۔

اللغات:

﴿ابوا﴾ وہ انکار کردیں۔ ﴿استعانوا﴾ مدد طلب کریں۔ ﴿حاربوهم﴾ ان سے جنگ شروع کردیں۔ ﴿إعطا﴾ دینا۔ ﴿مُدَمِّر﴾ ہلاک کرنے والا۔ ﴿مجانیق﴾ توپ خانہ، منجنیق فلاخن وغیرہ۔ ﴿حرقوهم﴾ ان کو جلا دیں۔ ﴿أرسلوا﴾ بھیج دیں۔ ﴿کبت﴾ ذلت، تکلیف۔ ﴿کسر﴾ توڑنا۔ ﴿رمی﴾ تیر اندازی، گولہ باری۔ ﴿أسیر﴾ قیدی۔ ﴿ذبّ﴾ ہٹانا۔ ﴿بیضة﴾ روشنی، سفیدی۔ ﴿قلّما﴾ بہت کم ہوتا ہے کہ۔ ﴿حصن﴾ قلعہ۔ ﴿لانسدّ﴾ ضرور بند ہوجائے گا۔

تخریج:

❶ قد مرّ تخریجہٗ.

❷ اخرجہ ترمذی فی کتاب الأدب باب ماجاء فی الاخذ من اللحیۃ، حدیث: ۲۸۶۲.

❸ اخرجہ مسلم فی کتاب الجهاد، حدیث: ۲۹.

جزیہ سے انکار کے بعد کا لائحۂ عمل:

عبارت میں کئی مسئلے بیان کئے گئے ہیں جو ان شاء اللہ حسبِ بیانِ مصنف آپ کے سامنے آئیں گے (۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار جزیہ دینے سے انکار کردیں تو مجاہدین کو چاہئے کہ وہ کافروں کے خلاف اللہ سے مدد طلب کریں اور پھر اللہ کا نام لے کر ان سے قتال شروع کردیں اس لیے کہ حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ **فإن أبوا ها فاستعن باللّٰہ علیهم وقاتلهم**۔ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اللہ پاک مسلمانوں کے ناصر اور مددگار ہیں اور کافروں کے لیے جبّار وقہار ہیں اور ہر چیز پر قادر ہیں اس لیے اللہ ہی سے جملہ امور میں مدد طلب کرنی چاہئے۔

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ کفار پر حملہ کرنے کے لیے منجنیق قائم کردیں اور انھیں آگ سے جلا دیں، کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے طائف پر منجنیق قائم کرنا اور مقام بویرہ کے کھجور کے درختوں کو جلانا ثابت ہے۔

(۲) مجاہدین کے لیے ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ وہ کفار پر پانی چھوڑ دیں اور ان کے درختوں اور ان کی کھیتوں کو اکھاڑ پھینک دیں، کیونکہ ان اموال کے ضائع ہونے سے کفار کا پتہ پانی ہوجائے گا اور ان کی شان وشوکت جل کر راکھ ہوجائے گی اور ہر اعتبار سے وہ پست ہوجائیں گے۔

(۳) مسئلہ یہ ہے کہ اگر زمینی لڑائی سے کام نہ چل سکے یا اس کا موقع نہ ہو تو کفار پر پتھر برسانے سے بھی دریغ نہ کیا جائے اگر چہ ان میں کوئی مسلمان قیدی یا کوئی مسلمان تاجر موجود ہو، کیونکہ پتھر برسا کر کفار کو مارنا اور انھیں صفحۂ ہستی سے مٹانا ضررِ عام کو دور کرنا ہے اور پوری امت مسلمہ کا ان کے شر سے بچانا ہے جب کہ ایک مسلمان کا قتل ضررِ خاص ہے اور ماقبل میں آپ نے یہ ضابطہ پڑھا ہے کہ ضررِ عام کو دور کرنے کے لیے ضررِ خاص کو برداشت کرلیا جاتا ہے لہٰذا پتھر برسانے کے حوالے سے کسی فردِ واحد کی رعایت نہیں کی جائے گی۔

اور پھر کفار کے قلعوں میں اِکّا دُکّا مسلمان تو ہوتے ہی ہیں، اب اگر ایک دو کی رعایت میں کفار پر حملہ نہ کیا گیا تو جہاد کا دروازہ ہی بند ہوجائے گا اور کفار کی ہمت بڑھ جائے گی، لہٰذا انھیں پست حوصلہ کرنے کے لیے ان پر حملہ ضروری ہے۔

فائدہ: مجانیق، مِنْجَنیق کی جمع ہے جس کے معنی ہیں فلاخن، پتھر پھینکنے کا آلہ، جیسے توپ ہے۔

وَإِنْ تَتَرَّسُوْا بِصِبْيَانِ الْمُسْلِمِيْنَ أَوْ بِالْأَسَارٰى لَمْ يَكُفُّوْا عَنْ رَمْيِهِمْ لِمَا بَيَّنَّا، وَيَقْصُدُوْنَ بِالرَّمْيِ الْكُفَّارَ، لِأَنَّهُ إِنْ تَعَذَّرَ التَّمْيِيْزُ فِعْلًا فَلَقَدْ أَمْكَنَ قَصْدًا، وَالطَّاعَةُ بِحَسْبِ الطَّاقَةِ، وَمَا أَصَابُوْا مِنْهُمْ لَا دِيَةَ عَلَيْهِمْ وَلَا كَفَّارَةَ،

لِأَنَّ الْجِهَادَ فَرْضٌ، وَالْغَرَامَاتُ لَاتُقْرَنُ بِالْفَرْضِ، بِخِلَافِ حَالَةِ الْمَخْمَصَةِ، لِأَنَّهُ لَايَمْتَنِعُ مَخَافَةَ الضَّمَانِ لِمَا فِيْهِ مِنْ إِحْيَاءِ نَفْسِهِ، أَمَّا الْجِهَادُ فَمَبْنِيٌّ عَلَى إِتْلَافِ النَّفْسِ فَيَمْتَنِعُ حَذَرَ الضَّمَانِ.

ترجمہ: اور اگر کفار مسلمان بچوں یا مسلم قیدیوں کو ڈھال بنا کر آگے کرلیں تو بھی مجاہدین ان پر پتھر برسانے سے دست کشی نہ کریں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور مجاہدین کفار کو مارنے کی نیت کریں، اس لیے کہ اگر چہ فعل کے اعتبار سے تمیز متعذر ہے تاہم قصد وارادے کے لحاظ سے امتیاز پیدا کرنا ممکن ہے اور بقدر وسعت ہی اطاعت واجب ہے۔ اور مسلمان بچوں یا مسلم قیدیوں کو جو زخم لگے گا مجاہدین پر اس کی دیت نہیں ہوگی اور نہ ہی (کسی کے قتل پر) کفارہ ہوگا، اس لیے کہ جہاد فرض ہے اور تاوان فرائض سے متعلق نہیں ہوتے۔ برخلاف حالت مخمصہ کے، کیونکہ ضمان کے خوف سے دوسرے کا مال کھانا ممنوع نہیں ہے، کیونکہ اس میں اپنے نفس کا احیاء ہے، رہا جہاد تو اس کا مدار اتلاف نفس پر ہے، لہٰذا ضمان سے بچتے ہوئے یہ ممنوع ہوگا۔

اللغاتُ:

﴿تترّسوا﴾ ڈھال بنالیں۔ ﴿أساری﴾ واحد أسیر؛ قیدی۔ ﴿لم یکفّوا﴾ نہ رکیں۔ ﴿رمی﴾ تیر اندازی، گولہ باری۔ ﴿تمیز﴾ فرق کرنا۔ ﴿قصدًا﴾ ارادے کے اعتبار سے۔ ﴿غرامات﴾ جرمانے۔ ﴿لاتقرن﴾ نہیں ملتے۔ ﴿مخمصة﴾ فاقہ کشی۔ ﴿إحیاء﴾ زندہ کرنا۔ ﴿حذر﴾ بچنا، پرہیز کرنا۔

کفار کا مسلمانوں کو ڈھال بنانا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار مسلمان بچوں یا مسلم قیدیوں کو ڈھال اور بچاؤ کا ذریعہ بنا کر انھیں اپنے سامنے کرلیں تو بھی مجاہدین ان پر پتھر برسانے سے باز نہ آئیں اور بچوں اور قیدیوں کی رعایت نہ کریں، کیونکہ ان کا زخمی ہونا یا مقتول ہونا ضرر خاص ہے اور کفار کا خاتمہ کرنا ضرر عام ہے اور ضرر عام کو ختم کرنے کے لیے ضرر خاص کو برداشت کرلیا جاتا ہے لما بینا سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے، البتہ مجاہدین کو چاہئے کہ وہ کفار پر پتھر برساتے وقت انھی ظالموں کو مارنے کی نیت کریں اور مسلم بچوں اور مسلم قیدیوں کو بالقصد نہ ماریں اور نہ ہی انھیں مارنے کی نیت کریں، کیونکہ ان کے کافروں کے ساتھ مخلوط ہونے کی وجہ سے فعل رمی میں ان کے اور کفار کے مابین امتیاز اور فرق کرنا مشکل ہے تاہم نیت اور ارادے کے اعتبار سے امتیاز کرنا ممکن ہے اور چوں کہ بندہ بقدر وسعت ہی اطاعت اور فرماں برداری کا مکلف ہے لہٰذا اس کے بس میں جو ہے وہ اس کی انجام دہی سے گریز نہ کرے۔

وما أصابوا منهم الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ کفار پر رمیٔ حجار کی صورت میں اگر مسلم بچوں یا مسلم قیدیوں کو زخم لگ جائے تو مجاہدین پر اس کی دیت نہیں ہوگی یا اگر کوئی مقتول ہو جائے تو مجاہدین پر اس کا کفارہ نہیں ہوگا، اس لیے کہ جہاد کرنا فرض ہے اور فرائض کی ادائیگی میں تاوان اور ضمان نہیں واجب ہوتا، کیونکہ فرائض کو ادا کرنا مامور بہ ہے جب کہ ضمان صرف عدوان ہے اور منہی عنہ ہے اور مامور بہ اور منہی عنہ میں کھلا ہوا تضاد ہے، لہٰذا دونوں جمع نہیں ہوں گے۔

بخلاف حالة المخمصة الخ فرماتے ہیں کہ مسلم قیدی یا بچوں کے زخمی ہونے یا مقتول ہونے کی صورت میں ضمان اور

کفارہ نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص جاں کنی اور مخمصہ کی حالت میں ہو اور وہ دوسرے کا مال اس کی اجازت کے بغیر کھالے تو اس پر اس مال کا ضمان واجب ہوگا کیونکہ ایسا شخص ضمان دینے کے خوف سے دوسرے کا مال کھانے سے گریز نہیں کرے گا اس لیے کہ اس مال سے اس کی زندگی بچ جائے گی۔ اس کے برخلاف اگر جہاد کی صورت میں ہم مجاہدین پر مسلم قیدیوں یا بچوں کا ضمان یا کفارہ واجب کردیں تو ضمان دینے کے خوف سے کوئی بھی جہاد کے لیے تیار نہیں ہوگا، کیونکہ جہاد کا دارومدار مارنے اور ہلاک کرنے پر ہے۔ یہ در اصل حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قیاس کا جواب ہے جو انھوں نے صورتِ مسئلہ کو حالتِ مخمصہ پر قیاس کرکے اس میں ضمان واجب قرار دیا ہے۔

قَالَ وَلَا بَأْسَ بِإِخْرَاجِ النِّسَاءِ وَالْمَصَاحِفِ مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ إِذَا كَانَ عَسْكَرًا عَظِيْمًا يُؤْمِنُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ الْغَالِبَ هُوَ السَّلَامَةُ وَالْغَالِبُ كَالْمُتَحَقِّقِ، وَيُكْرَهُ إِخْرَاجُ ذٰلِكَ فِيْ سَرِيَّةٍ لَايُؤْمِنُ عَلَيْهَا، لِأَنَّ فِيْهِ تَعْرِيْضُهُنَّ عَلَى الضِّيَاعِ وَالْفَضِيْحَةِ وَتَعْرِيْضُ الْمَصَاحِفِ عَلَى الْإِسْتِخْفَافِ فَإِنَّهُمْ يَسْتَخِفُّوْنَ بِهَا مَغَايَظَةً لِلْمُسْلِمِيْنَ وَهُوَ التَّاوِيْلُ الصَّحِيْحُ لِقَوْلِهِ [1] عَلَيْهِ السَّلَامُ ((لَاتُسَافِرُوْا بِالْقُرْاٰنِ فِيْ أَرْضِ الْعَدُوِّ))، وَلَوْ دَخَلَ مُسْلِمٌ إِلَيْهِمْ بِأَمَانٍ لَابَأْسَ بِأَنْ يَحْمِلَ مَعَهُ الْمُصْحَفَ إِذَا كَانُوْا قَوْمًا يُوْفُوْنَ بِالْعَهْدِ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ عَدَمُ التَّعَرُّضِ، وَالْعَجَائِزُ يَخْرُجْنَ فِي الْعَسْكَرِ الْعَظِيْمِ لِإِقَامَةِ عَمَلٍ يَلِيْقُ بِهِنَّ كَالطَّبْخِ وَالسَّقْيِ وَالْمُدَاوَاةِ فَأَمَّا الشَّوَابُ فَقَرَارُهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ أَدْفَعُ لِلْفِتْنَةِ وَلَايُبَاشِرْنَ الْقِتَالَ، لِأَنَّهُ يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلٰى ضَعْفِ الْمُسْلِمِيْنَ إِلَّا عِنْدَ الضَّرُوْرَةِ، وَلَايَسْتَحِبُّ إِخْرَاجُهُنَّ لِلْمُبَاضَعَةِ وَالْخِدْمَةِ، فَإِنْ كَانُوْا لَابُدَّ مُخْرِجِيْنَ فَبِالْإِمَاءِ دُوْنَ الْحَرَائِرِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مجاہدین کے ساتھ قرآن پاک اور عورتوں کو لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ لشکر بڑا ہو اور اس کے شکست کا خطرہ نہ ہو اس لیے کہ (ان کی) سلامتی غالب ہے اور غالب محقق اور یقین کی طرح ہوتا ہے، ہاں کسی سریہ میں جس پر شکست کا خطرہ ہو انھیں لے جانا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں عورتوں کو ضیاع اور رسوائی پر پیش کرنا ہے اور قرآن پاک کو بے حرمتی کے دہانے پر لیجانا ہے، اس لیے کہ مسلمانوں کو بھڑکانے کے لیے کفار ان کی بے حرمتی ضرور کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی یہی صحیح تاویل ہے کہ ''دشمنوں کی زمین میں قرآن لے کر نہ چلو''۔

اور اگر کوئی مسلمان امان لے کر کفار کے پاس جائے تو اسے اپنے ساتھ قرآن پاک لیجانے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ لوگ عہد کو پورا کرتے ہوں، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ اس کے ساتھ چھیڑ خانی نہیں کریں گے۔

اور بوڑھی عورتیں بڑے لشکر میں اپنے حسب حال کام کرنے کے لیے نکل سکتی ہیں جیسے کھانا پکانا، پانی پلانا اور علاج ومعالجہ کرنا، لیکن جوان عورتوں کا گھروں میں رہنا ہی فتنے کو ختم کرنے والا ہے اور یہ عورتیں لڑائی نہ کریں اس لیے کہ اس سے مسلمانوں کی کمزوری ظاہر ہوگی مگر بوقت ضرورت قتال کرسکتی ہیں۔

اور جماع اور خدمت کے لیے بھی اپنی بیویوں کو لے جانا بہتر نہیں ہے اور اگر لیجانا ضروری ہو تو باندیوں کو لیجائیں، آزاد عورتوں کو نہ لیجائیں۔

اللغات:

﴿عسکر﴾ بڑا لشکر۔ ﴿سریّہ﴾ چھوٹی فوجی ٹکڑی۔ ﴿تعریض﴾ پیش کرنا۔ ﴿فضیحة﴾ رسوائی۔ ﴿یوفون﴾ پاسداری کرتے ہوں۔ ﴿عجائز﴾ واحد عجوزة؛ بوڑھی عورتیں۔ ﴿یلیق﴾ مناسب حال ہو۔ ﴿طبخ﴾ پکانا۔ ﴿سقی﴾ پانی پلانا۔ ﴿مباضعة﴾ ہم بستری۔ ﴿إماء﴾ باندیاں۔

تخریج:

❶ اخرجه البخاری فی کتاب الجهاد باب ۱۲۹، حدیث ۲۹۹۰.

عورتوں اور قرآن مجید کو لشکر کے ساتھ لے چلنے کا مسئلہ:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کا لشکر بڑا ہو اور اس کے شکست کھانے کا خطرہ نہ ہو تو مجاہدین اپنے ساتھ عورتوں اور قرآن شریف کو لیجا سکتے ہیں، کیونکہ لشکر کے بڑا ہونے سے ان کی فتح کا پہلو غالب ہے اور غالب متحقق اور یقین کی طرح ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں عورتوں اور مصاحف کی بے حرمتی نہیں ہوگی، لیکن اگر کوئی چھوٹا سریہ ہو اور اس کی شکست کا خطرہ ہو تو اس صورت میں عورتوں اور مصاحف کو میدان جہاد میں لیجانا مکروہ ہے، کیونکہ ایسی صورت میں کفار کی طرف سے عورتوں اور مصحفوں کی بے حرمتی کا خطرہ ہے اور کفار مسلمانوں کو مشتعل کرنے کی وجہ سے ضرور ان کی عورتوں سے چھیڑ خانی کریں گے اور مصاحف کی بے حرمتی کریں گے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ سریہ وغیرہ میں انھیں ساتھ نہ لیجایا جائے۔ اور حدیث میں جو **لا تسافروا بالقران في أرض العدوّ** آیا ہے اس کی صحیح تاویل یہی ہے کہ جہاں قرآن کریم کی توہین اور بے حرمتی کا خدشہ ہو وہاں اسے نہ لیجایا جائے۔

ولو دخل مسلم الخ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کفار سے امن طلب کر کے دار الحرب جائے اور وہ لوگ عہد وفا کے پابند ہوں تو اس شخص کو قرآن ساتھ لیجانا درست ہے کیونکہ امن دینے کی وجہ سے ظاہر اور غالب یہی ہے کہ کفار اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے اور قرآن پاک کی بے حرمتی نہیں ہوگی۔

والعجائز الخ مسئلہ یہ ہے کہ کھانا پکانے، پانی پلانے اور دوا وغیرہ دینے کی غرض سے بوڑھی عورتیں جہاد میں جا سکتی ہیں، لیکن جوان عورتیں ضرورتِ شدیدہ کے بغیر نہ تو میدان کارزار میں جائیں اور نہ ہی قتال کریں، بلکہ گھروں میں رہیں، کیونکہ ان کا گھر میں رہنا زیادہ بہتر ہے اور زیادہ مسقطِ فتنہ ہے اسی لیے فقہائے کرام نے جماع اور خدمت کے لیے بھی ان عورتوں کو ساتھ لیجانے کی اجازت نہیں دی ہے، ہاں اگر عورتوں کی زیادہ ضرورت محسوس ہو تو باندیوں کو ساتھ لیجا کر ضرورت پوری کر لی جائے، لیکن آزاد عورتوں کو ہرگز نہ لیجایا جائے۔

وَلَا تُقَاتِلُ الْمَرْأَةُ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا وَلَا الْعَبْدُ إِلَّا بِإِذْنِ سَيِّدِهٖ لِمَا بَيَّنَّاهُ، إِلَّا أَنْ يَهْجُمَ الْعَدُوُّ عَلٰى بَلَدٍ لِلضَّرُوْرَةِ،

وَيَنْبَغِي لِلْمُسْلِمِينَ أَنْ لَايَغْدِرُوْا وَلَايَغُلُّوْا وَلَايُمَثِّلُوْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ① ((لَاتَغُلُّوْا وَلَاتَغْدِرُوْا وَلَاتُمَثِّلُوْا))، وَالْغُلُوْلُ السَّرِقَةُ مِنَ الْمَغْنِمِ، وَالْغَدْرُ الْخِيَانَةُ وَنَقْضُ الْعَهْدِ، وَالْمُثْلَةُ الْمَرْوِيَّةُ فِي قِصَّةِ الْعُرَنِيِّيْنَ مَنْسُوْخَةٌ بِالنَّهْيِ الْمُتَأَخِّرِ هُوَ الْمَنْقُوْلُ.

ترجمه: بیوی اپنے شوہر کی اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر قتال نہ کرے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں الا یہ کہ دشمن کسی ملک پر حملہ کردیں تو بربنائے ضرورت یہ دونوں (عورت اور غلام) قتال کر سکتے ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ خیانت، چوری اور مثلہ نہ کریں اس لیے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے نہ چوری کرو، نہ بدعہدی کرو اور نہ مثلہ کرو، غلول، مال غنیمت سے چوری کرنا ہے۔ غدر کے معنی ہیں خیانت اور بدعہدی اور وہ مُثلہ جو عرنیین کے واقعہ میں مروی ہے۔ اس نہی کی وجہ سے منسوخ ہے جو اس واقعہ کے بعد منقول ہے۔

اللغات:

﴿سیّد﴾ آقا، مالک۔ ﴿یهجم﴾ حملہ آور ہو جائے، چڑھ دوڑے۔ ﴿ینبغی﴾ ضروری ہے۔ ﴿لا یغدروا﴾ معاہدے کی خلاف ورزی نہ کریں۔ ﴿لایغلّوا﴾ مال غنیمت میں سے قبل از تقسیم کچھ نہ لیں۔ ﴿لا یمثّلوا﴾ شکلیں نہ بگاڑیں۔ ﴿سرقة﴾ چوری۔

تخریج:

① اخرجه بخاری فی کتاب الحدود، باب ۱۵.

بیوی اور غلام کے لیے اجازت کا مسئلہ:

بیوی اور غلام چوں کہ شوہر اور مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتے ہیں اور ان کا حق حق اللہ سے مقدم ہوتا ہے، اس لیے بیوی اور غلام اپنے شوہر اور مولیٰ کی اجازت کے بغیر جہاد میں نہیں جاسکتے ہاں اگر نفیر عام ہو اور دشمن کسی ملک پر حملہ کردیں تو پھر ضرورت کے تحت "بلاضرورت" بھی یہ لوگ جہاد میں جاسکتے ہیں۔

وینبغي الخ مسئلہ واضح ہے اور غلول وغیرہ کی وضاحت کتاب میں موجود ہے، رہا مُثلہ کرنا یعنی مقتول کی ناک اور اس کے کان وغیرہ کاٹ کر اس کی اصلی شکل بگاڑنا تو یہ صرف اہلِ عرینہ کے ساتھ خاص تھا، کیونکہ انھوں نے بھی چرواہوں کے ساتھ یہ کام انجام دیا تھا، بعد میں آپ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔ چنانچہ مصنف ابن شیبہ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ ہر خطبے میں ہمیں صدقہ کرنے کی تلقین فرماتے تھے اور مُثلہ سے منع فرماتے تھے۔ (بنایہ:۶/۵۰۹)

وَلَايَقْتُلُوْا اِمْرَأَةً وَلَاصَبِيًّا وَلَاشَيْخًا فَانِيًا وَلَامُقْعَدًا وَلَا أَعْمٰى، لِأَنَّ الْمُبِيْحَ لِلْقَتْلِ عِنْدَنَا هُوَ الْحِرَابُ وَلَايَتَحَقَّقُ مِنْهُمْ وَلِهٰذَا لَايُقْتَلُ يَابِسُ الشِّقِّ وَالْمَقْطُوْعُ الْيُمْنٰى يَدُهُ وَرِجْلُهُ مِنْ خِلَافٍ، وَالشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ يُخَالِفُنَا فِي الشَّيْخِ وَالْمُقْعَدِ وَالْأَعْمٰى، لِأَنَّ الْمُبِيْحَ عِنْدَهُ الْكُفْرُ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَابَيَّنَّا وَقَدْ ① صَحَّ ((أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ

نَهٰى عَنْ قَتْلِ الصِّبْيَانِ وَالذَّرَارِيِّ)) وَحِيْنَ رَأَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِمْرَأَةً مَقْتُوْلَةً قَالَ هَاهُ مَا كَانَتْ هٰذِهٖ تُقَاتِلُ فَلِمَ قُتِلَتْ، قَالَ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ أَحَدُ هٰؤُلَاءِ مِمَّنْ لَهُ رَأْيٌ فِي الْحَرْبِ أَوْ تَكُوْنَ الْمَرْأَةُ مَلِكَةً لِتَعَدِّيْ ضَرَرِهَا إِلَى الْعِبَادِ، وَكَذَا يُقْتَلُ مَنْ قَاتَلَ مِنْ هٰؤُلَاءِ دَفْعًا لِشَرِّهٖ، وَلِأَنَّ الْقِتَالَ مُبِيْحٌ حَقِيْقَةً، وَلَا الصَّبِيُّ وَالْمَجْنُوْنُ يُقْتَلَانِ مَادَامَ مَايُقَاتِلَانِ وَغَيْرُهُمَا لَابَأْسَ بِقَتْلِهٖ بَعْدَ الْأَسْرِ، لِأَنَّهٗ مِنْ أَهْلِ الْعِقَابِ لِتَوَجُّهِ الْخِطَابِ نَحْوَهٗ، وَإِنْ كَانَ يُجَنُّ وَيَفِيْقُ فَهُوَ فِيْ حَالِ إِفَاقَتِهٖ كَالصَّحِيْحِ.

ترجمه: مجاہدین عورت، بچہ، شیخ فانی، اپاہج اور اندھے کو قتل نہ کریں، اس لیے کہ ہمارے یہاں قتل کو مباح کرنے والی چیز لڑائی ہے اوران سے لڑائی صادر نہیں ہوسکتی اسی لیے ایک پہلو خشک ہوئے شخص کواور دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کٹے ہوئے شخص کو بھی قتل نہیں کیا جائے گا۔ شیخ فانی، اپاہج اور اندھے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے مخالف ہیں، کیونکہ ان کے یہاں مبیح للقتل کفر ہے اوران کے خلاف وہ دلیل حجت ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے بچوں اور عورتوں کے قتل سے منع فرمایا ہے اور جب آپ ﷺ نے ایک مقتول عورت کو دیکھا تو فرمایا ہائے افسوس یہ عورت تو لڑنے کے قابل نہیں تھی پھر کیوں قتل کی گئی'' فرماتے ہیں کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی لڑائی کے متعلق کوئی رائے رکھتا ہو یا عورت سردار ہو تو اسے قتل کیا جائے گا، اس لیے کہ اس کا ضرر بندوں کو لاحق ہوگا۔ نیز ان میں سے جو قتال کرے گا اسے بھی قتل کردیا جائے گا تا کہ اس کا شر دور ہوجائے اوراس کے لیے قتال حقیقتاً قتل کو مباح کرنے والا ہے۔

اور مجاہدین مجنون کو بھی قتل نہ کریں، کیونکہ وہ (احکامِ شرع کا) مخاطب نہیں ہے لیکن اگر وہ قتال کرے گا تو اس کا شر دور کرنے کے لیے اسے قتل کیا جائے گا تاہم بچہ اور مجنون جب تک قتال کرتے رہیں گے اس وقت تک انہیں قتل کیا جائے گا اوران کے علاوہ کو گرفتار کرنے کے بعد قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ دوسروں کی طرف خطاب متوجہ ہونے کی وجہ سے وہ اہلِ عقاب میں سے ہیں۔ اور اگر کوئی مجنون ایسا ہو کہ کبھی اسے جنون رہتا ہو اور کبھی افاقہ ہوجاتا ہو تو افاقہ کی حالت میں وہ صحیح آدمی کی طرح ہوگا۔

اللغات:

﴿صبی﴾ بچہ۔ ﴿شیخ فانی﴾ بہت بوڑھا۔ ﴿مقعد﴾ اپاہج، معذور۔ ﴿أعمٰی﴾ نابینا۔ ﴿خراب﴾ جنگجوئی۔ ﴿یابس الشق﴾ جس کا ایک پہلو سوکھ گیا ہو۔ ﴿رجل﴾ پاؤں۔ ﴿زراری﴾ بچے۔ ﴿رای﴾ مشورہ دینے کی صلاحیت۔ ﴿تعدّی﴾ متجاوز ہونا، حد سے بڑھا ہوا ہونا۔ ﴿عقاب﴾ سزا۔ ﴿یجنّ﴾ پاگل ہوجاتا ہو۔

تخریج:

① اخرجهٗ بخاری فی کتاب الجهاد باب قتل النساء في الحرب، حديث : ٣٠١٥.

ان لوگوں کا بیان جن کو جنگ میں بھی قتل کرنا ممنوع ہے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مجاہدین کو چاہئے کہ وہ عورت، بچہ، شیخ فانی، اپاہج اور اندھے شخص کو قتل نہ کریں، کیوں کہ ہمارے یہاں قتل لڑائی کرنے کی وجہ سے مباح ہوتا ہے اور مذکورین میں سے کسی کی طرف سے لڑائی متحقق نہیں ہوسکتی، اسی لیے ان کو قتل کرنا بھی

مباح نہیں ہے اور لڑائی متحقق نہ ہونے کی علت سے ایسے شخص کو قتل کرنا بھی صحیح نہیں ہے جس کا ایک پہلو خشک ہو گیا ہو یا جس کے ہاتھ پیر من خلاف کٹے ہوں، امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے اور عورتوں اور بچوں کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی یہی حکم ہے۔ (بنایہ) البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ شیخ فانی، اپاہج اور اعمٰی کے قتل کو مباح قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے یہاں علتِ مُبیحہ کفر ہے اور ان سب میں کفر موجود ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہماری بیان کردہ دلیل حجت ہے کہ مبیح للقتل حرب اور جنگ یا رائے فی الحرب ہے اور وہ ان میں معدوم ہے اس لیے ان کا قتل مباح نہیں ہے۔ بچوں اور عورتوں کے مباح القتل نہ ہونے کی نقلی دلیل یہ دونوں حدیثیں ہیں (۱) أن النبي عليه السلام نهى عن قتل الصبيان والذراري۔ اور ذراری سے نساء مراد ہیں، کیونکہ عورتیں ذریت کا سبب ہیں۔ اسی سے ملتی جلتی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے: **أن امرأة وُجدت في بعض فغازي رسول الله ﷺ فنهى رسول الله ﷺ عن قتل النساء والصبيان، وفي لفظ الشيخين فأنكر رسول الله ﷺ قتل النساء والصبيان.** (بنايه: ٦/ ٥١٠)

(۲) دوسری روایت یہ ہے حین رأى النبي ﷺ امرأة مقتولة قال هاه، ماكانت لتقاتل فلم قتلت۔ ان دونوں روایتوں سے یہ واضح ہو گیا کہ عورتوں اور بچوں کا قتل مباح نہیں ہے، لیکن اگر ان میں سے کوئی صاحبِ رائے ہو اور لڑائی میں اس سے مشورہ لیا جاتا ہو یا عورت اپنے علاقے کی سردار اور ایم پی ہو اور اس کے حکم پر کچھ لوگوں کے کفار کا ساتھ دینے اور تعاون کرنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں صاحبِ رائے اور عورت دونوں مباح القتل ہوں گے اگرچہ بوڑھے ہو گئے ہوں، کیونکہ صاحبِ رائے ہونے ہی کی وجہ سے درید بن صمۃ کو قتل کیا گیا تھا حالانکہ وہ ۱۲۰/ سال کا کھوسٹ بڈھا تھا (بنایہ:۶) اسی طرح اگر مذکورین میں سے کوئی ''کلاکاری'' دکھائے اور مسلمانوں کے خلاف قتال کرنے لگے تو اس کی بھی گردن ناپ دی جائے گی تا کہ اس کے شر سے حفاظت ہو جائے۔

ولایقتلوا مجنونا الخ فرماتے ہیں کہ مجاہدین دیوانے اور پاگل کو بھی نہ قتل کریں اس لیے کہ وہ احکام شرع کا مکلف ہی نہیں ہوتا لیکن اگر بچہ یا مجنون قتال کر رہے ہوں تو جب تک یہ قتال کریں گے اس وقت تک ان کا قتل مباح ہوگا اور جب یہ قید کر لیے جائیں تو یہ اباحت ختم ہو جائے گی۔ اس کے برخلاف صبی اور مجنون کے علاوہ کو گرفتار کرنے کے بعد بھی قتل کیا جائے گا، اس لیے کہ دیگر لوگ خطاباتِ شرع کے مخاطب اور مکلف ہیں اور مستحقِ عذاب وقتل ہو چکے ہیں، لہٰذا ہر حال میں ان کی گردن اڑائی جائے گی، اور اگر کوئی ایسا مجنون ہو کبھی اسے جنون رہتا ہو اور کبھی افاقہ رہتا ہو تو بحالت افاقہ وہ صحیح کافر کے حکم میں ہوگا اور اس حالت میں اس کا قتل مباح ہوگا، خواہ وہ قتال کرے یا نہ کرے۔

وَيُكْرَهُ أَنْ يَبْتَدِيَ الرَّجُلُ أَبَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَيَقْتُلَهُ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ (سورة لقمان:١٥)، **وَلِأَنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهِ إِحْيَاؤُهُ بِالْإِنْفَاقِ فَيُنَاقِضُهُ الْإِطْلَاقُ فِيْ إِفْنَائِهِ، فَإِنْ أَدْرَكَهُ امْتَنَعَ عَلَيْهِ حَتّٰى يَقْتُلَهُ غَيْرُهُ، لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ يَحْصُلُ بِغَيْرِهِ مِنْ غَيْرِ اقْتِحَامِهِ الْمَأْثَمَ، وَإِنْ قَصَدَ الْأَبُ قَتْلَهُ بِحَيْثُ لَايُمْكِنُهُ دَفْعُهُ إِلَّا بِقَتْلِهِ لَابَأْسَ بِهِ، لِأَنَّ مَقْصُوْدَهُ الدَّفْعُ أَلَا تَرٰى أَنَّهُ لَوْ شَهَرَ الْأَبُ الْمُسْلِمُ سَيْفَهُ عَلَى ابْنِهِ وَلَايُمْكِنُهُ دَفْعُهُ إِلَّا بِقَتْلِهِ يَقْتُلُهُ لِمَا**

بَیَّنَّا فَهٰذَا أَوْلٰی.

ترجمه: یہ فعل مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مشرک باپ سے ابتداء کر کے اسے قتل کرے، اس لیے کہ اللہ پاک کا ارشاد گرامی ہے ''دنیا میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو'' اور اس لیے کہ بیٹے پر باپ کا نفقہ دے کر اسے زندہ رکھنا واجب ہے لہٰذا اسے ختم کرنے کا اطلاق اس احیاء کے منافی ہوگا پھر اگر بیٹا اپنے باپ کو پالے تو رک جائے یہاں تک کہ کوئی دوسرا اسے قتل کر دے، کیونکہ اس کے گناہ کا ارتکاب کیے بغیر اس کے علاوہ سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اگر باپ نے بیٹے کے قتل کا ارادہ کر لیا بایں طور کہ باب کے قتل کیے بغیر بیٹے کے لیے اسے دفع کرنا ممکن نہ ہو تو باپ کے قتل میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ اس کا مقصود دفع ضرر ہے۔ کیا دیکھتا نہیں کہ اگر مسلمان باپ اپنے بیٹے پر تلوار سونت لے اور باپ کو قتل کیے بغیر بیٹے کے لیے مدافعت کرنا ممکن نہ ہو تو بیٹا باپ کو قتل کر سکتا ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں لہٰذا اس صورت میں تو بدرجۂ اولیٰ قتل کرنا جائز ہوگا۔

اللغاتُ:

﴿صاحبهما﴾ اُن دونوں کے ساتھ رویہ رکھ۔ ﴿إحیاء﴾ زندہ رکھنا۔ ﴿إنفاق﴾ خرچ کرنا، نفقہ دینا۔ ﴿إفناء﴾ ہلاک کرنا۔ ﴿أدرکه﴾ اس کو ڈھونڈ لیا، اُس کو پا لیا۔ ﴿اقتحام﴾ ارتکاب۔ ﴿شهر﴾ تان لے، سونت لے۔ ﴿سیف﴾ تلوار۔

میدانِ جنگ میں اپنے کافر رشتہ دار کو تلاش کر کے قتل کرنے کی کوشش کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مجاہد میدن کارزار میں جہاد کے لیے گیا ہو تو اسے یہ نہیں کرنا چاہئے کہ سب سے پہلے اپنے کافر یا مشرک باپ کو تلاش کر کے اسے قتل کرے، کیونکہ قرآن کریم نے مشرک والدین کے ساتھ بھی بھلائی کا حکم دیا ہے ارشاد ہے: **وصاحبهما فی الدنیا معروفا** اور ظاہر ہے کہ قتل کرنا تو آخری درجے کی برائی ہے، اس لیے بیٹے کا یہ فعل مکروہ ہوگا، اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ بیٹے پر باپ کا نفقہ اور خرچہ دینا اور اسے زندگی دینا لازم ہے جب کہ قتل کرنا انفاق واحیاء کے خلاف ہے، لہٰذا اس حوالے سے بھی اسے قتل کرنا مکروہ ہوگا۔ اور اگر بیٹا اپنے باپ کو پالے یعنی اس کے باپ کو قتل کرنے کا راستہ صاف ہو جائے تو بھی اسے قتل نہ کرے اور ادھر ادھر کی لڑائی میں مشغول رکھے تا آں کہ کوئی دوسرا مجاہد اسے قتل کر دے، کیونکہ جب بیٹے کے علاوہ دوسرے مجاہد کے ذریعے یہ مقصود حاصل ہو سکتا ہے تو بیٹے کو چاہئے کہ وہ جلد بازی کر کے گناہ کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر یہ صورت حال ہو کہ باپ اپنے مسلم اور مجاہد بیٹے کو قتل کرنے کے قریب ہو اور باپ کو قتل کیے بغیر اس لڑکے کے لیے اپنی جان بچانے کا کوئی دوسرا راستہ نہ ہو تو اس صورت میں مذکورہ باپ کو قتل کرنا بیٹے کے لیے مباح ہوگا، کیونکہ ہر شخص کو اپنی جان بچانے کی فکر ہوتی ہے اور مدافعت سب کا مقصود ہوتی ہے اور اس مقصود کو حاصل کرنے کا واحد ذریعہ اب قتل ہے، لہٰذا قتل کے ذریعہ مدافعت کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان باپ اپنے کافر بیٹے پر تلوار کھینچ لے اور باپ کو قتل کئے بغیر بیٹے کے لیے اپنی جان بچانا ممکن نہ ہو تو کافر بیٹا اپنے مسلمان باپ کو قتل کر سکتا ہے دیکھئے جب کافر بیٹا مسلمان باپ کو قتل کر سکتا ہے تو مسلمان بیٹا کافر باپ کو بدرجۂ اولیٰ اس پوزیشن میں قتل کرنے کا مستحق اور مجاز ہوگا۔ واللہ أعلم وعلمه أتم

بَابُ الْمُوَادَعَةِ وَمَنْ يَجُوْزُ اَمَانُهُ

یہ باب مصالحت کرنے کے بیان میں ہے اور اس شخص کے بیان میں ہے جس کی امان جائز ہے

موادع ودع سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ترک کرنا، چھوڑنا اور چوں کہ صلح میں مسلمان اور کفار دونوں فریق قتال ترک کر دیتے ہیں، اسی لیے مصالحت کو موادعت کا نام دیا گیا ہے اور چوں کہ ترک وجود سے موخر ہوتا ہے، اس لیے صاحب کتاب قتال کو بیان کرنے کے بعد ترکِ قتال کو بیان کر رہے ہیں۔

وَإِذَا رَأَى الْإِمَامُ أَنْ يُصَالِحَ أَهْلَ الْحَرْبِ أَوْ فَرِيقًا مِنْهُمْ وَكَانَ فِي ذٰلِكَ مَصْلِحَةٌ لِلْمُسْلِمِيْنَ فَلَا بَأْسَ بِهٖ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَإِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ (سورة الانفال:٦١)، وَوَادَعَ ① رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَهْلَ مَكَّةَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى أَنْ يَضَعَ الْحَرْبَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهُمْ عَشْرَ سِنِيْنَ، وَلِأَنَّ الْمُوَادَعَةَ جِهَادٌ مَعْنًى إِذَا كَانَ خَيْرًا لِلْمُسْلِمِيْنَ لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ وَهُوَ دَفْعُ الشَّرِّ حَاصِلٌ بِهٖ، وَلَا يَقْتَصِرُ الْحُكْمُ عَلَى الْمُدَّةِ الْمَرْوِيَةِ لِتَعَدِّي الْمَعْنٰى إِلٰى مَازَادَ عَلَيْهَا، بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ تَكُنْ خَيْرًا، لِأَنَّهٗ تَرْكُ الْجِهَادِ صُوْرَةً وَمَعْنًى، وَإِنْ صَالَحَهُمْ مُدَّةً ثُمَّ رَأٰى نَقْضَ الصُّلْحِ أَنْفَعَ نَبَذَ إِلَيْهِمُ الْإِمَامُ وَقَاتَلَهُمْ، وَلِأَنَّهٗ ② عَلَيْهِ السَّلَامُ نَبَذَ الْمُوَادَعَةَ الَّتِيْ كَانَتْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ أَهْلِ مَكَّةَ، وَلِأَنَّ الْمَصْلِحَةَ لَمَّا تَبَدَّلَتْ كَانَ النَّبْذُ جِهَادًا وَإِيْفَاءُ الْعَهْدِ تَرْكُ الْجِهَادِ صُوْرَةً وَمَعْنًى فَلَا بُدَّ مِنَ النَّبْذِ تَحَرُّزًا عَنِ الْغَدْرِ، وَقَدْ قَالَ ③ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْعُهُوْدِ "وَفَاءٌ لَا غَدْرَ" وَلَا بُدَّ مِنْ اِعْتِبَارِ مُدَّةٍ يَبْلُغُ فِيْهَا خَبَرُ النَّبْذِ إِلٰى جَمِيْعِهِمْ وَيَكْتَفِيْ فِيْ ذٰلِكَ بِمَضِيِّ مُدَّةٍ يَتَمَكَّنُ مَلِكُهُمْ بَعْدَ عِلْمِهٖ بِالنَّبْذِ مِنْ إِنْفَاذِ الْخَبَرِ إِلٰى أَطْرَافِ مَمْلِكَتِهٖ، لِأَنَّ بِذٰلِكَ يَنْتَفِي الْغَدْرُ.

ترجمہ: اگر امام حربیوں سے یا ان کی کسی جماعت سے صلح کرنا مناسب سمجھے اور اس صلح میں مسلمانوں کے لیے مصلحت ہو تو صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ پاک کا فرمان ہے "اگر کفار صلح کے لیے جھکیں تو اے نبی آپ بھی صلح کی طرف مائل

ہو جائیے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے'' اور آپ ﷺ نے حدیبیہ کے سال اہل مکہ سے اس بات پر مصالحت کی تھی کہ آپ کے اور ان کے مابین دس سال تک لڑائی بند رہے گی۔ اور اس لیے کہ مصالحت کرنا معنًی جہاد ہے بشرطیکہ وہ مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو، کیونکہ مصالحت سے بھی مقصود یعنی دفعِ شر حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جو مدت مروی ہے اسی پر حکم موقوف نہیں ہے، کیونکہ اس سے زائد مدت کی طرف بھی معنی متعدی ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب مصالحت میں خیر نہ ہو، کیونکہ اب یہ صورت اور معنی دونوں اعتبار سے ترکِ جہاد ہے۔

اور اگر ایک مدت کے لیے امام نے کفار سے مصالحت کر لی پھر وہ صلح ختم کرنے کو زیادہ نفع بخش پائے تو امام کفار کو نقضِ مصالحت کی خبر دیدے پھر ان سے قتال کرے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے اس مصالحت کو توڑ دیا تھا جو آپ کے اور کفار مکہ کے مابین منعقد ہوئی تھی۔ اور اس وجہ سے کہ جب مصلحت بدل گئی تو نقض ہی جہاد کہلائے گا اور ایفائے عہد صورت اور معنی دونوں اعتبار سے ترکِ جہاد ہوگا لہٰذا غداری سے بچتے ہوئے نقضِ مصالحت کی خبر دینا ضروری ہے، اور عہود کے متعلق حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انہیں پورا کیا جائے اور بدعہدی نہ کی جائے۔ اور اتنی مدت کا لحاظ کرنا ضروری ہے جس مدت میں نقضِ عہد کی خبر تمام کافروں کو پہنچ جائے اور اس سلسلے میں اتنی مدت گذرنے پر اکتفاء کیا جائے گا کہ کفار کا سردار نقضِ عہد کی خبر جاننے کے بعد اپنی مملکت کے اطراف میں وہ خبر نافذ کرنے پر قادر ہو جائے، کیوں کہ اس سے غدر ختم ہو جائے گا۔

اللغات:

﴿جنحوا﴾ وہ جھک جائیں۔ ﴿سلم﴾ مصالحت۔ ﴿وادع﴾ مصالحت کی تھی۔ ﴿یضع﴾ رکھ دیں گے۔ مراد: کنارہ کشی کریں گے۔ ﴿لا یقتصر﴾ نہیں منحصر رہے گی۔ ﴿تعدّی﴾ متجاوز ہونا، بڑھ جانا۔ ﴿نقض﴾ توڑنا۔ ﴿نبذ﴾ ڈال دے، پھینک دے۔ ﴿إیفاء﴾ پاسداری، پورا کرنا۔ ﴿تحرّز﴾ بچاؤ۔ ﴿یتمکّن﴾ مستحکم ہو جائے۔

تخریج:

① اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الجہاد باب فی صلح العدو، حدیث ۲۷٦٦.

② اخرجہ البیہقی فی کتاب دلائل النبوۃ باب غزوۃ مؤتۃ.

③ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الجہاد باب فی الامام یکون بینہ و بین العدو.

مصالحت کا جواز اور شرائط جواز:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام المسلمین کفار سے یا ان کی کسی جماعت سے مصالحت کرنے میں عافیت اور بھلائی محسوس کرے تو اسے مصالحت کر لینی چاہئے، کیونکہ قرآن کریم نے حضرت نبی کریم ﷺ کو بھی مصالحت کے لیے مائل ہونے کا فرمان جاری کیا ہے اور خود حدیبیہ کے سال آپ ﷺ کا کفار مکہ سے مصالحت کرنا ثابت ہے، لہٰذا مصالحت اگر نفع بخش ہو تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ انفع ہونے کی صورت میں مصالحت معنی اور باطن کے اعتبار سے جہاد ہے اس لیے کہ جہاد کی طرح اس سے بھی دفع شر والا مقصد حاصل رہتا ہے، اور حضور پاک ﷺ سے جو دس سال کی مدت تک مصالحت کرنا مروی ہے وہ کوئی حتمی اور آخری حد نہیں ہے بلکہ یہ

مدت امام کے حسب حال اور اس کی رائے کے موافق کم یا زیادہ بھی ہوسکتی ہے اور موقع محل اور حالات کے اعتبار سے اس میں تغیر وتبدل ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر مصالحت میں مسلمانوں کے لیے خیر اور بھلائی نہ ہو تو امام کے لیے مصالحت کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ صورتاً بھی ترکِ جہاد ہے اور معناً بھی ترک ہے، کیونکہ جب اس میں خیر نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ دفعِ شر کا مقصد بھی حاصل نہیں ہے۔

وإن صالحهم الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام نے کفار سے ایک مدت تک کے لیے مصالحت کرلی پھر کچھ دنوں کے بعد اس کی سمجھ میں یہ آیا کہ مسلمانوں کا فائدہ نقضِ مصالحت میں ہے تو اسے چاہئے کہ پہلے کفار کو نقضِ عہد کی اطلاع دیدے اس کے بعد ان سے قتال کرے، جیسا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے کفارِ مکہ سے کیا ہوا معاہدہ ان کی پہل کے بعد توڑ دیا تھا یعنی صلح حدیبیہ کے دو سال بعد کفار نے اپنے حلیف بنوبکر کی مدد کرکے مسلمانون کے حلیف بنوخزاعہ پر حملہ کردیا تھا اس کے بعد آپ ﷺ نے وہ معاہدہ توڑ دیا تھا اور ان پر حملہ کرکے مکہ مکرمہ کو فتح کرلیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ مصلحتاً نقضِ عہد جائز ہے۔

ولأن المصلحة الخ فرماتے ہیں کہ جب مصلحت بدل جائے تو اس صورت میں نقضِ عہد ہی جہاد ہوگا اور معاہدہ پورا کرنے میں صورت اور معنی دونوں اعتبار سے جہاد کا ترک ہوگا اس لیے تبدلِ مصلحت کی صورت میں نقضِ مصالحت میں خیر اور عافیت ہے اور اس نقض کی پیشگی اطلاع دینا ضروری ہے تا کہ غداری اور بدعہدی کا الزام عائد نہ ہو اور ہمیں تو خود ہمارے حضرت نے بدعہدی سے منع فرمایا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ **وفاء لا غدر** یعنی حتی الامکان عہد پورا کرو اور بدعہدی نہ کرو۔

ولا بد من اعتبار مدة الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ عہد ختم کرنے اور کفار پر حملہ کرنے کے مابین اتنی مدت کا ہونا ضروری ہے جس مدت میں تمام کافروں تک نقضِ عہد کی خبر پہنچ جائے اور ہر ایک نقضِ مصالحت سے واقف اور باخبر ہوجائے اور اگر اتنی مدت ہو کہ سردارانِ کفار تک خبر پہنچ جائے اور ان کے لیے اس خبر پر مطلع ہونے کے بعد اپنی حکومت کے اطراف میں اسے پھیلا ناممکن ہو تو یہ بھی صحیح ہے، کیونکہ اس صورت میں بھی مسلماں پر بدعہدی کا الزام عائد نہیں ہوگا، اور یہ صورت بھی غدر سے خالی ہوگی۔

قَالَ وَإِنْ بَدَؤُوا بِخِيَانَةٍ قَاتَلَهُمْ وَلَمْ يَنْبِذْ إِلَيْهِمْ إِذَا كَانَ ذٰلِكَ بِاتِّفَاقِهِمْ لِأَنَّهُمْ صَارُوْا نَاقِضِيْنَ لِلْعَهْدِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى نَقْضِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا دَخَلَ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ فَقَطَعُوا الطَّرِيْقَ وَلَا مَنَعَةَ لَهُمْ حَيْثُ لَايَكُوْنُ هٰذَا نَقْضًا لِلْعَهْدِ، وَلَوْ كَانَتْ لَهُمْ مَنَعَةٌ وَقَاتَلُوا الْمُسْلِمِيْنَ عَلَانِيَةً يَكُوْنُ نَقْضًا لِلْعَهْدِ فِيْ حَقِّهِمْ دُوْنَ غَيْرِهِمْ، لِأَنَّهُ بِغَيْرِ إِذْنِ مَلِكِهِمْ فَفِعْلُهُمْ لَايَلْزَمُ غَيْرَهُمْ حَتّٰى لَوْ كَانَ بِإِذْنِ مَلِكِهِمْ صَارُوْا نَاقِضِيْنَ بِعَهْدٍ، لِأَنَّهُ بِاتِّفَاقِهِمْ مَعْنًى.

ترجمہ: اور اگر کفار نے بدعہدی کی ابتداء کی تو امام ان سے قتال کرے اور انھیں معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع نہ دے بشرطیکہ یہ کام کافروں کے اتفاق سے ہوا ہو، کیونکہ وہ لوگ عہد توڑنے والے ہوگئے لہٰذا اب اسے توڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ برخلاف اس صورلت کے جب کافروں کی کوئی جماعت دار الاسلام میں گھسی اور اس نے ڈکیتی کی حالانکہ انھیں کوئی مضبوط قوت حاصل نہ ہو تو یہ نقضِ عہد نہیں ہوگا۔ اور اگر ان کے پاس لاؤلشکر موجود ہو اور انھوں نے علی الاعلان مسلمانوں سے قتال کیا ہو تو یہ مقاتلین کے حق میں عہد شکنی ہوگی اور ان کے علاوہ کے حق میں نقضِ عہد نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ کام ان کے سردار کی اجازت کے بغیر ہوا ہے لہٰذا ان کا فعل

دوسروں پر لازم نہیں ہوگا، ہاں اگر یہ فعل ان کے بادشاہ کی اجازت سے ہوتو وہ عہد شکنی کرنے والے ہو جائیں گے، کیونکہ معنی کے اعتبار سے وہ اس پر متفق ہیں۔

اللغات:

﴿بدء وا﴾ وہ پہل کریں۔ ﴿لم ینبذ﴾ نہ پھینکے، نہ ڈالے۔ ﴿ناقضین﴾ توڑنے والے۔ ﴿قطعو الطریق﴾ ڈاکے ڈالے۔ ﴿منعة﴾ قوت مدافعت، دفاعی طاقت۔ ﴿نقض﴾ توڑنا۔ ﴿صاروا﴾ وہ ہوں گے۔

کفار کا معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار از خود غداری اور بدعہدی کریں اور یہ کام ان کی باہمی رائے سے انجام پائے تو امام المسلمین کو چاہئے کہ انھیں نقضِ عہد کی خبر دیئے بغیر ان سے قتال کرلے، کیونکہ جب خود انھوں نے پہل کر کے عہد توڑ دیا تو معاہدہ ختم ہوگیا اور اب اس کے نقض کی کوئی حاجت نہیں رہی لہٰذا کفار کو اس سلسلے میں مطلع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اگر کافروں کی کوئی جماعت دار الاسلام میں گھس کر ڈکیتی کرتی ہے لیکن اس جماعت کو کوئی اہم قوت اور شوکت حاصل نہیں ہے تو ان کا یہ فعل نقضِ عہد نہیں کہلائے گا، کیونکہ مسلمانوں کا معاہدہ اس جماعت سے نہیں ہے، بلکہ جماعت کے حکمرانوں اور سرداروں سے ہے اور ان کے ڈکیتی سے وہ لوگ واقف بھی نہیں ہیں لہٰذا یہ نقضِ عہد نہیں ہوگا۔

ہاں اگر اس جماعت کے پاس قوت وشوکت موجود ہو اور یہ لوگ کھلم کھلا مسلمانوں سے قتال کریں تو مقاتلین کے حق میں یہ نقض عہد ہوگا اور غیر مقاتلین کے حق میں نقضِ عہد نہیں ہوگا، اس لیے کہ ان لوگوں کا یہ کام بھی ان کے رؤساء کی اجازت کے بغیر ہے مگر چوں کہ علانیہ طور پر ہے اس لیے صرف مقاتلین ہی کے حق میں یہ فعل لازم ہوگا اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے حق میں لازم نہیں ہوگا۔ البتہ اگر اس فعل میں سرداران قوم کی اجازت بھی شامل ہوتو معناً سب کی رائے شامل ہونے کی وجہ سے یہ فعل عہد شکنی کا سبب ہوگا اور اس حرکت کی وجہ سے یہ کفار عہد توڑنے والے کہلائیں گے جن کے خلاف بدون کسی اطلاع کے حملہ کرنا جائز اور مباح ہوگا۔

وَإِذَا رَأَى الْإِمَامُ مُوَادَعَةَ أَهْلَ الْحَرْبِ وَأَنْ يَأْخُذَ عَلَى ذٰلِكَ مَالًا فَلَابَأْسَ بِهِ، لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَتِ الْمُوَادَعَةُ بِغَيْرِ الْمَالِ فَكَذَا بِالْمَالِ، لٰكِنْ هٰذَا إِذَا كَانَ بِالْمُسْلِمِيْنَ حَاجَةً، أَمَّا إِذَا لَمْ يَكُنْ لَايَجُوْزُ لِمَا بَيَّنَا مِنْ قَبْلُ، وَالْمَأْخُوْذُ مِنَ الْمَالِ يُصْرَفُ مَصَارَفَ الْجِزْيَةِ، هٰذَا إِذَا لَمْ يَنْزِلُوْا بِسَاحَتِهِمْ، بَلْ أَرْسِلُوْا رَسُوْلًا، لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْجِزْيَةِ أَمَّا إِذَا أَحَاطَ الْجَيْشُ بِهِمْ ثُمَّ أَخَذُوا الْمَالَ فَهُوَ غَنِيْمَةٌ يُخَمِّسُهَا وَتُقْسَمُ الْبَاقِيْ بَيْنَهُمْ، لِأَنَّهُ مَأْخُوْذٌ بِالْقَهْرِ مَعْنًى.

ترجمه: اور اگر امام مال لے کر اہل حرب سے مصالحت کرنا مناسب سمجھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ جب بدون مال مصالحت جائز ہے تو مال کے عوض بھی جائز ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب مسلمانوں کو مال کے عوض صلح کرنے کی ضرورت ہو لیکن اگر یہ ضرورت نہ ہوتو مصالحت علی المال جائز نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور کفار سے لیا

گیا مال جزیہ کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مسلمان میدان میں نہ اترے ہوں بلکہ قاصد بھیجا ہو کیونکہ یہ جزیہ کے معنی میں ہے لیکن اگر جیش اسلامی نے کفار کا احاطہ اور گھیراؤ کر کے ان سے مال لیا ہو تو وہ مال پانچویں حصے کے ساتھ مالِ غنیمت ہوگا اور باقی چار حصے ان میں تقسیم کردیے جائیں گے، کیونکہ معنی کے اعتبار سے یہ جبراً لیا گیا مال ہے۔

اللغاتُ:

﴿موادعة﴾ جنگ بندی، مصالحت۔ ﴿حاجة﴾ ضرورۃ۔ ﴿یصرف﴾ خرچ کیا جائے گا۔ ﴿لم ینزلوا﴾ پڑاؤ نہ ڈالا ہو۔ ﴿ساحة﴾ میدان۔ ﴿أحاط﴾ گھیرا ڈال لیا۔ ﴿قهر﴾ غلبہ، زبردستی۔

مال کے عوض مصالحت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح بدون مال کفار سے صلح کرنا جائز ہے اسی طرح مال لے کر بھی ان سے صلح جائز ہے، بشرطیکہ مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو لیکن اگر مسلمانوں کو مال کی ضرورت نہ ہو تو پھر مال لے کر صلح کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ جہاد کا مقصد اللہ کے نام کو سربلند کرنا ہے، نہ کہ مال لینا اس لیے بلاضرورت مال لے کر صلح کرنا جائز نہیں ہے، اور جواز کی صورت میں کفار سے جو مال لیا جائے گا اسے جزیہ کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا۔

هذا إذا الخ فرماتے ہیں کہ مذکورہ مال کو مصارف جزیہ میں اس وقت صرف کیا جائے گا جب مسلمان میدان جنگ میں نہ اترے ہوں اور قاصد اور ایلچی کے ذریعے لین دین طے پایا ہو تبھی یہ جزیہ کے حکم میں ہوگا، لیکن اگر مجاہدین میدان کارزار میں اتر آئے ہوں اور انھوں نے کفار کا محاصرہ کرلیا ہو پھر مجبور ہو کر کفار نے مال کے عوض صلح کیا ہو تو اس صورت میں وہ مال مالِ غنیمت ہوگا وراس کا ایک حصہ نکال کر باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کردیے جائیں گے، اس لیے کہ یہ مال قہراً اور جبراً لیا گیا ہے لہٰذا یہ کفار کو قتل کر کے حاصل کردہ مال غنیمت کے مشابہ ہوگیا اور مال غنیمت کا حکم یہی ہے کہ اس کا ایک حصہ اللہ اور رسول کے لیے ہے اور باقی مجاہدین کو دیا جاتا ہے اسی طرح اس مال کی بھی تقسیم ہوگی۔

وَأَمَّا الْمُرْتَدُّوْنَ فَيُوَادِعُهُمُ الْإِمَامُ حَتّٰى يَنْظُرُوْا فِيْ أَمْرِهِمْ، لِأَنَّ الْإِسْلَامَ مَرْجُوٌّ مِنْهُمْ فَجَازَ تَأْخِيْرُ قِتَالِهِمْ طَمْعًا فِيْ إِسْلَامِهِمْ، وَلَايَأْخُذُوْا عَلَيْهِ مَالًا، لِأَنَّهُ لَايَجُوْزُ أَخْذُ الْجِزْيَةِ مِنْهُمْ لِمَا نُبَيِّنُ، وَلَوْ أَخَذَهُ لَمْ يَرُدَّهُ، لِأَنَّهُ مَالٌ غَيْرُ مَعْصُوْمٍ، وَلَوْ حَاصَرَ الْعَدُوُّ الْمُسْلِمِيْنَ وَطَلَبُوا الْمُوَادَعَةَ عَلٰى مَالٍ يَدْفَعُهُ الْمُسْلِمُوْنَ إِلَيْهِمْ لَايَفْعَلُ الْإِمَامُ لِمَا فِيْهِ مِنْ إِعْطَاءِ الدَّنِيَّةِ وَإِلْحَاقِ الْمَذَلَّةِ بِأَهْلِ الْإِسْلَامِ إِلَّا إِذَا خَافَ الْهَلَاكَ، لِأَنَّ دَفْعَ الْهَلَاكِ وَاجِبٌ بِأَيِّ طَرِيْقٍ يُمْكِنُ، وَلَايَنْبَغِيْ أَنْ يُبَاعَ السِّلَاحُ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَحَمْلُهُ إِلَيْهِمْ، وَلِأَنَّ فِيْهِ تَقْوِيَتُهُمْ عَلٰى قِتَالِ الْمُسْلِمِيْنَ فَيُمْنَعُ مِنْ ذٰلِكَ، وَكَذَا الْكُرَاعُ لِمَا بَيَّنَّا وَكَذَا الْحَدِيْدُ، لِأَنَّهُ أَصْلُ السِّلَاحِ وَكَذَا بَعْدَ الْمُوَادَعَةِ

لِأَنَّهَا عَلٰى شَرْفِ النَّقْضِ أَوِ الْاِنْقِضَاءِ فَكَانُوْا عَلَيْنَا، وَهٰذَا هُوَ الْقِيَاسُ فِي الطَّعَامِ وَالثَّوْبِ إِلَّا أَنَّا عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ فَإِنَّهُ① عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَرَ ثُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنْ يَمِيْرَ أَهْلَ مَكَّةَ وَهُمْ حَرْبٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ: رہے مرتد لوگ تو امام ان سے صلح کر سکتا ہے، یہاں تک کہ مسلمان ان کے متعلق غور کر لیں، اس لیے کہ ان سے اسلام کی توقع ہے لہٰذا ان کے مسلمان ہونے کی لالچ میں ان سے قتال کو موخر کرنا جائز ہے اور مجاہدین ان سے صلح کرنے کے عوض مال نہ لیں، کیونکہ ان سے جزیہ لینا جائز نہیں ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کریں گے اور اگر امام نے مال لے لیا تو اسے واپس نہ کرے اس لیے کہ یہ غیر محفوظ مال ہے، اور اگر دشمن نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا اور مسلمانوں سے مال لے کر مصالحت کا مطالبہ کیا تو امام یہ صلح نہ کرے، کیونکہ اس میں دیت دینا اور مسلمانوں کو ذلت میں مبتلا کرنا لازم آتا ہے اِلّا یہ کہ ہلاکت کا اندیشہ ہو، کیونکہ جس طرح بھی ہو سکے مسلمانوں کو ہلاکت سے بچانا واجب ہے۔

اور حربیوں سے ہتھیار فروخت کرنا ٹھیک نہیں ہے اس لیے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حربیوں سے ہتھیار بیچنے اور ان کی طرف ہتھیار لے جانے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس لیے کہ ایسا کرنے سے مسلمانوں سے لڑنے پر ان کو تقویت بہم پہنچانا لازم آتا ہے اس لیے یہ ممنوع ہوگا، نیز گھوڑوں کی فروختگی بھی ممنوع ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں، اور لوہے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ ہتھیار کی اصل ہے اور مصالحت کے بعد بھی یہی حکم ہوگا اس لیے کہ مصالحت ٹوٹنے یا مدت پوری ہونے کے بعد ختم ہونے کے قریب رہتی ہے، لہٰذا ان سب سے ہمارا ہی نقصان ہوگا، غلہ اور کپڑے کے متعلق بھی قیاس یہی ہے، لیکن ہم نے اسے نص سے جانا ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے حضرت ثمامہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اہل مکہ کو غلہ بھیج دیں حالانکہ اہل مکہ آپ ﷺ کے کھلے ہوئے دشمن تھے۔

اللغات:

﴿یوادعهم﴾ اُن سے مصالحت کر لے۔ ﴿مرجو﴾ جس کی اُمید کی جاتی ہو۔ ﴿طمع﴾ اُمید، حرص، لالچ۔ ﴿حاصر﴾ محاصرہ کر لیا۔ ﴿مذلّة﴾ رسوائی، ذلت۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار، اسلحہ۔ ﴿تقویت﴾ طاقت دینا۔ ﴿کراع﴾ مراد: جنگی سواریاں، گھوڑے وغیرہ۔ ﴿شرف﴾ کنارا۔ ﴿حدید﴾ لوہا۔ ﴿انقضاء﴾ پورا ہونا۔ ﴿ثوب﴾ کپڑا۔ ﴿یمیر﴾ غلہ دے دیں۔

تخریج:

① اخرجه البیهقی فی دلائل النبوة.

اہل ارتداد سے صلح کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ اسلام سے مرتد ہو جائیں (العیاذ باللہ) اور پھر کسی علاقے پر غالب ہو کر اسے دار الحرب کی شکل دیدیں، بعد میں مسلمانوں سے صلح کی درخواست کریں تو امام المسلمین ان کے حال میں غور وفکر کرنے کے لیے ان سے صلح کر سکتا ہے، اس لیے کہ ان کے اسلام لانے کی امید قائم ہے، لہٰذا اس حرص میں ان سے قتال کو موخر کیا جا سکتا ہے، لیکن اس صلح کے عوض

مسلمان ان سے مال نہیں لے سکتا، کیوں کہ اس مال کا مصرف مصرفِ جزیہ ہے حالانکہ مرتدین سے جزیہ نہیں لیا جاسکتا، اس کی مزید تفصیل باب الجزیہ میں آئے گی (ان شاء اللہ) تاہم اگر امام نے مرتدین سے مال لے لیا تو اسے واپس بھی نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ارتداد کی وجہ سے ان کا مال غیر محفوظ اور غیر محترم ہوگیا ہے لہٰذا اسے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ولو حاصر العدوا الخ فرماتے ہیں کہ اگر دشمن نے مسلمانون کا محاصرہ کرلیا اور پھر مسلمانوں سے مال لے کر صلح کرنے کا مطالبہ کیا تو امام کو چاہئے کہ مال دے کر ان سے مصالحت نہ کرے، کیونکہ مال دے کر مصالحت کرنے میں ایک خرابی تو یہ لازم آئے گی کہ دیت دینا پڑے گا اور دوسری خرابی یہ لازم آئے گی کہ اس سے مسلمانوں کو پشیمانی اور ذلت محسوس ہوگی اور ان کی کمزوری ظاہر ہوگی، لہٰذا مال دے کر صلح نہیں کی جائے گی، ہاں اگر محاصرہ زبردست ہو یا مال دیئے بغیر مسلمانوں کی ہلاکت کا خطرہ اور خدشہ ہو تو اس صورت میں مال دے کر مجبوراً صلح کرنے کی اجازت ہوگی، اس لیے کہ ہر حال میں مسلمانوں سے ہلاکت دور کرنا واجب ہے خواہ بذریعۂ قتال دور کی جائے یا بواسطۂ مال دور کی جائے۔

ولا ینبغي الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ نہ تو کافروں کے ہاتھ ہتھیار اور لڑائی کے اوزار کو فروخت کرنا درست ہے اور نہ ہی ان کے علاقوں میں اسے لے کر جانا اور پھیری کر کے فروخت کرنا صحیح ہے، کیونکہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور پھر ایسا کرنے میں حربیوں کو مسلمانوں کے خلاف ساز و سامان کے اعتبار سے تقویت دینا لازم آتا ہے جو **ولاتعاونوا علی الإثم والعدوان**" کی وجہ سے ممنوع ہے۔ یہی حکم گھوڑے اور لوہے فروخت کرنے کا بھی ہے، کیونکہ گھوڑا بھی سامان حرب ہے اور لوہا تو سلاح کی جڑ اور اس کا اصل مادہ ہے اور ان چیزوں کی فروختگی بھی کفار کے حق میں باعثِ تقویت ہوگی، اس لیے انہیں بھی کفار کے ہاتھ بیچنا صحیح نہیں ہے، اور عدم صحت کا جو حکم مصالحت سے پہلے ہے وہی حکم مصالحت کے بعد بھی ہے، کیونکہ مصالحت کا کوئی بھروسہ نہیں ہے اور وہ ٹوٹ بھی سکتی ہے، بلکہ اغلب یہ ہے کہ ہتھیار وغیرہ ملنے کے بعد حربیوں کو "ہری ہری" سوجھے گی اور وہ نقض معاہدہ کر بیٹھیں گے اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

وھذا ھو القیاس الخ فرماتے ہیں کہ غلے اور کپڑے کے متعلق بھی قیاس کا تقاضہ یہی ہے کہ حربیوں سے ان کی فروختگی بند کردی جائے کیونکہ اس سے بھی انھیں تقویت ملے گی، لیکن حضرت ثمامہ کے اس واقعہ سے ہم نے یہاں قیاس کو ترک کردیا ہے جس میں ان کے اسلام لانے کے بعد کافروں کو غلہ نہ دینے کے عہد پر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ بھائی غلہ نہ روکو اور اسے جانے دو۔ حالانکہ تمام کفار مکہ آپ ﷺ کے کھلے ہوئے دشمن تھے، لیکن پھر بھی آپ علیہ السلام نے انھیں غلہ دینے کا حکم دیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ حربیوں سے غلہ وغیرہ فروخت کرنے کی اجازت ہے۔

فَصْلٌ أَیْ هٰذَا فَصْلٌ فِیْ بَیَانِ اَحْکَامِ الْأَمَانِ

یہ فصل احکام امان کے بیان میں ہے

چوں کہ شروع میں باب الموادعة ومن یجوز أمانه کہہ کر امان کا عنوان بھی قائم کردیا گیا ہے، اس لیے اس فصل میں امان کے احکام بیان کیے جارہے ہیں۔

إِذَا أَمَّنَ رَجُلٌ حُرٌّ أَوْ اِمْرَأَةٌ حُرَّةٌ كَافِرًا أَوْ جَمَاعَةً أَوْ أَهْلَ حِصْنٍ أَوْ مَدِيْنَةٍ صَحَّ أَمَانُهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ قِتَالُهُمْ، وَالْأَصْلُ فِيْهِ قَوْلُهُ① عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ وَيَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ أَيْ أَقَلُّهُمْ وَهُوَ الْوَاحِدُ، وَلِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ فَيَخَافُوْنَهُ إِذْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْمَنْعَةِ فَيَتَحَقَّقُ الْأَمَانُ مِنْهُ لِمُلَاقَاتِهٖ مَحَلَّهُ ثُمَّ يَتَعَدّٰى إِلٰى غَيْرِهٖ، وَلِأَنَّ سَبَبَهُ لَايَتَجَزّٰى وَهُوَ الْإِيْمَانُ وَكَذَا الْأَمَانُ لَايَتَجَزّٰى فَيَتَكَامَلُ كَوِلَايَةِ الْإِنْكَاحِ قَالَ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ مَفْسَدَةٌ فَيَنْبِذُ إِلَيْهِمْ كَمَا إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ بِنَفْسِهٖ ثُمَّ رَأَى الْمَصْلِحَةَ فِي النَّبْذِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ، وَلَوْ حَاصَرَ الْإِمَامُ حِصْنًا وَأَمَّنَ وَاحِدٌ مِنَ الْجَيْشِ وَفِيْهِ مَفْسَدَةٌ يَنْبِذُ الْإِمَامُ الْأَمَانَ لِمَا بَيَّنَّا وَيُؤَدِّبُهُ الْإِمَامُ لِافْتِيَاتِهٖ عَلٰى رَأْيِهٖ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِيْهِ نَظَرٌ، لِأَنَّهُ رُبَّمَا تَفُوْتُ الْمَصْلِحَةُ بِالتَّأْخِيْرِ فَكَانَ مَعْذُوْرًا.

ترجمه: اگر کسی آزاد مرد یا آزاد عورت نے کسی کافر کو یا کسی جماعت کو یا کسی قلعہ یا شہر والوں کو امان دیدیا تو یہ امان صحیح ہوگا اور مسلمانوں میں سے کسی کے لیے بھی ان سے قتال کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اصل ہے کہ مسلمانوں کے خون برابر ہیں اور ان کا ادنی یعنی ایک شخص بھی ان کی ذمے داری پوری کرنے کی سعی کرے گا۔ اور اس لیے کہ مسلمانوں کا ہر فرد اہل قتال میں سے ہے، لہٰذا کفار اس سے ڈریں گے، کیونکہ وہ لاؤ لشکر والا ہے، لہٰذا اس کی طرف سے امان متحقق ہوگا اس لیے کہ امان اپنے محل سے متصل ہے پھر ان کے غیر کی طرف متعدی ہوگا اور اس لیے کہ امان کا سبب یعنی ایمان متجزی نہیں ہوتا نیز امان میں بھی تجزی نہیں ہوتی لہٰذا ولایتِ انکاح کی طرح یہ بھی کامل ہوگا۔

فرماتے ہیں الا یہ کہ اس میں کوئی خرابی ہو تو امام کفار کو اسے توڑنے کی خبر دیدے جیسے اگر بذات خود امام نے امان دیا ہو پھر توڑنے میں اسے مصلحت نظر آئی اور ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر امام نے کسی قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور سپاہیوں میں سے کسی نے (انھیں) امان دیدیا حالانکہ اس امان میں مسلمانوں کا نقصان ہو تو امام امان ختم کردے گا اس دلیل سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور امام

امان دینے والے سپاہی کے خلاف تادیبی کاروائی کرے گا، کیونکہ اس نے امام کی رائے پر اپنی رائے کو ترجیح دی ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب اس امان میں مصلحت ہو، اس لیے کہ کبھی کبھی تاخیر کی وجہ سے مصلحت فوت ہو جاتی ہے، لہٰذا امان دینے والا معذور ہوگا۔

اللغات:

﴿آمَن﴾ امان دے دی۔ ﴿حرّ﴾ آزاد۔ ﴿حصن﴾ قلعہ۔ ﴿مدینة﴾ شہر۔ ﴿تتکافأ﴾ برابر ہوتے ہیں۔ ﴿دماء﴾ خون۔ مراد: جانیں۔ ﴿یسعٰی﴾ کوشش کرتا ہے۔ ﴿یتعدّٰی﴾ متجاوز ہوا، آگے بڑھا۔ ﴿لایتجزّیٰ﴾ ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتا۔ ﴿إنکاح﴾ نکاح کرانا۔ ﴿یؤدّبه﴾ اس کو سرزنش کرے گا۔ ﴿افتیات﴾ ترجیح دینا۔ ﴿نظر﴾ مصلحت۔

تخریج:

① اخرجه ابوداؤدفی کتاب الدیات باب ایقاد المسلم من الکافر، حدیث: ٤٥٣٠.

امان اور اس کی شرائط:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کسی آزاد مرد یا آزاد عورت نے کسی کافر کو یا کفار کی کسی جماعت کو امان دیدیا، یا کسی قلعے یا شہر والوں کو امان دیدیا تو یہ امان درست اور جائز ہے اور اگر اس میں مسلمانوں کا نفع ہو تو کسی کے لیے بھی نہ اسے توڑنے کی اجازت ہے اور نہ ہی امان دیئے ہوئے لوگوں سے قتال کرنا صحیح ہے، کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ تمام مسلمانوں کا خون قصاص اور دیت میں برابر ہے اور کسی کو کسی پر فوقیت یا فضیلت نہیں حاصل ہے اور مسلمانوں کا ادنی اور معمولی شخص بھی ان کی ذمے داریاں پوری کرنے کا اہل ہے، یعنی اگر وہ ادنیٰ شخص کسی کو امان دیدے اور اس میں مسلمانوں کا ضرر نہ ہو تو سب کے لیے اس امان کو پورا کرنا ضروری ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے ہر ہر فرد کو قتال اور حرب کی اہلیت حاصل ہے اور چوں کہ اس کا بیک گراؤنڈ مضبوط ہے اور اس کے مسلمان ساتھی اس کی حمایت اور مدافعت کرنے کے لیے کمربستہ ہیں اس لیے اس ایک مسلمان کو بھی قوت حاصل ہوگی۔ اور کافروں کے دلوں میں اس کا خوف ہوگا، لہٰذا اس کی طرف سے امان متحقق ہوگا اور صحیح ہوگا اور پھر اس کے واسطے سے دوسروں کی طرف متعدی ہوگا اور ان کے حق میں بھی لازم ہوگا۔

اس سلسلے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ امان کا سبب ایمان ہے اور ایمان میں تجزی نہیں ہوتی لہٰذا امان میں بھی تجزی نہیں ہوگی اور جیسے نکاح کرنے کی ولایت میں چند اولیاء منفرد اور کامل ہوتے ہیں اسی طرح امان دینے میں بھی ہر ہر فرد مسلم کامل اور مکمل ہوگا اور اس میں تقسیم اور تجزی نہیں ہوگی۔ لیکن اگر اس امان میں مسلمانوں کا ضرر ہو تو امام اسے ختم کر کے کفار کو اس کی اطلاع دیدے گا، کیونکہ امام مسلمانوں کے حق میں شفقت اور مصلحت قائم کرنے کے لیے متعین کیا جاتا ہے، مضرت اور شر پھیلانے یا پہنچانے کے لیے اس کی تقرری نہیں ہوتی اس لیے اگر امان میں اسے خرابی اور کمی نظر آئے تو وہ اسے ختم کردے جیسا کہ اگر خود امام نے امان دیا ہو تو شر اور ضرر ظاہر ہونے کی صورت میں وہ اپنا دیا ہوا امان بھی ختم کرسکتا ہے۔

ولو حاصر الإمام الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر امام نے کفار کے کسی قلعے کا محاصرہ کرلیا، لیکن سپاہیوں میں سے کسی نے محاصرہ کردہ کفار کو امان دیدیا اور اس امان میں مسلمانوں کا ضرر ہو تو امام اسے بھی ختم کردے گا اور امان دینے والے کے خلاف تادیبی کاروائی کرے گا، اس لیے کہ اس نے اپنی رائے کو امام کی رائے پر ترجیح دی ہے، لیکن اگر اس امان میں مسلمانوں کا فائدہ ہو تو اس صورت

میں اسے سزا نہیں دی جائے گی، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ امام کی رائے کا انتظار اور اس انتظار کی وجہ سے امان میں تاخیر ہو جائے اور مصلحت فوت ہو جائے، اس لیے اس صورت میں اس کا امان معتبر ہوگا اور اسے امام کی رائے پر اپنی رائے کو ترجیح دینے میں معذور سمجھا جائے گا۔

وَلَایَجُوْزُ أَمَانُ ذِمِّيٍ، لِأَنَّهُ مُتَّهَمٌ بِهِمْ وَكَذَا لَاوِلَایَةَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ، قَالَ وَلَا أَسِیْرَ وَلَاتَاجِرَ یَدْخُلُ عَلَیْهِمْ، لِأَنَّهُمَا مَقْهُوْرَانِ تَحْتَ أَیْدِیْهِمْ فَلَایَخَافُوْنَهُمَا، وَالْأَمَانُ یَخْتَصُّ بِمَحَلِّ الْخَوْفِ، وَلِأَنَّهُمَا یُجْبَرَانِ عَلَیْهِ فَیَعْرَی الْأَمَانُ عَنِ الْمَصْلِحَةِ، وَلِأَنَّهُمْ كُلَّمَا اشْتَدَّ الْأَمْرُ عَلَیْهِمْ یَجِدُوْنَ أَسِیْرًا أَوْ تَاجِرًا فَیَتَخَلَّصُوْنَ بِأَمَانِهِ فَلَایَنْفَتِحُ لَنَا بَابُ الْفَتْحِ، وَمَنْ أَسْلَمَ فِيْ دَارِالْحَرْبِ وَلَمْ یُهَاجِرْ إِلَیْنَا لَایَصِحُّ أَمَانُهُ لِمَا بَیَّنَّا.

ترجمہ: ذمی کا امان صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ذمی کفار کے ساتھ متہم ہے نیز مسلمانوں پر اسے ولایت بھی حاصل نہیں ہے، فرماتے ہیں کہ اس قیدی اور تاجر کا امان دینا بھی صحیح نہیں ہے جو کفار کے پاس آتا جاتا ہو، کیونکہ یہ دونوں کافروں کی ماتحتی میں مغلوب ہیں لہٰذا کفار ان سے نہیں ڈریں گے جب کہ امان محل خوف کے ساتھ خاص ہے اور اس لیے کہ ان دونوں کو امان دینے پر مجبور بھی کیا جا سکتا ہے اس لیے یہ امان مصلحت سے خالی ہوگا۔ اور اس وجہ سے کہ جب بھی کفار پر معاملہ سخت ہوگا وہ کسی قیدی یا تاجر کو پائیں گے اس سے امان لے کر چھٹکارا پا جائیں گے اور ہمارے لیے فتح کا دروازہ نہیں کھلے گا۔

جو شخص دار الحرب میں اسلام لے آیا اور ہماری طرف ہجرت نہیں کیا اس کا امان صحیح نہیں ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿أسیر﴾ قیدی۔ ﴿مقهور﴾ مغلوب، مجبور۔ ﴿یعری﴾ خالی ہوگی۔ ﴿اشتدّ﴾ سخت ہوگا۔ ﴿یجدون﴾ وہ ڈھونڈ لیں گے۔ ﴿یتخلصون﴾ وہ چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔

ذمی کی عطا کردہ امان کا معتبر نہ ہونا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر ذمی کسی کافر کو امان دیدے تو اس کا امان صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ ذمی کافروں کے ساتھ ہمدردی اور جانب داری کرنے میں متہم ہے اور اسے مسلمانوں پر ولایت بھی نہیں ہے اس لیے اس کا دیا ہوا امان لازم اور نافذ نہیں ہوگا۔ ایسے ہی اگر کوئی قیدی کفار کے قبضہ میں ہو یا کوئی تاجر ان کے پاس آتا جاتا ہو تو ان کا دیا ہوا امان بھی معتبر نہیں ہوگا، کیونکہ یہ دونوں کافروں کے قبضہ اور غلبے میں ہیں، لہٰذا کفار ان سے مرعوب نہیں ہوں گے حالانکہ امان محلِ خوف کے ساتھ ہی خاص ہے لہٰذا جب خوف معدوم ہے تو امان بھی صحیح نہیں ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ قیدی اور تاجر کو کفار جبراً امان پر مجبور کر دیں گے اور جبر کی وجہ سے امان مصلحت سے خالی ہو جائے گا اور جب بھی کفار پر کوئی سختی ہوگی کفار انھی قیدیوں اور تاجروں پر دباؤ ڈال کر چھوٹ جائیں گے اور مسلمانوں کو کفار کے خلاف فتح کرنے کا کوئی موقع نہیں ہوگا اور جہاد کا راستہ ہی بند ہو جائے گا۔

ومن أسلم الخ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دار الحرب میں مسلمان ہوا لیکن وہ ہجرت کرکے دار الاسلام نہیں آیا تو اس کا بھی کفار کو امان دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ کفار کے دل میں اس کا خوف نہیں ہے جب کہ امان محل خوف کے ساتھ ہی مختص ہے۔

وَلَايَجُوْزُ أَمَانُ الْعَبْدِ الْمَحْجُوْرِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ إِلاَّ أَنْ يَأْذَنَ لَهُ مَوْلَاهُ فِي الْقِتَالِ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ يَصِحُّ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ، وَأَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ مَعَهُ فِيْ رِوَايَةٍ وَمَعَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ فِيْ رِوَايَةٍ، لِمُحَمَّدٍ قَوْلُهُ[1] عَلَیْہِ السَّلَامُ ((أَمَانُ الْعَبْدِ أَمَانٌ))، رَوَاهُ أَبُوْمُوْسَى الْأَشْعَرِيُّ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، وَلِأَنَّهُ مُؤْمِنٌ مُمْتَنِعٌ فَيَصِحُّ أَمَانُهُ اِعْتِبَارًا بِالْمَأْذُوْنِ لَهُ فِي الْقِتَالِ وَبِالْمُؤَبَّدِ مِنَ الْأَمَانِ فَالْإِيْمَانُ لِكَوْنِهِ شَرْطًا لِلْعِبَادَةِ، وَالْجِهَادُ عِبَادَةٌ وَالْاِمْتِنَاعُ لِتَحَقُّقِ إِزَالَةِ الْخَوْفِ بِهِ وَالتَّأْثِيْرُ إِعْزَازُ الدِّيْنِ وَإِقَامَةُ الْمَصْلِحَةِ فِيْ حَقِّ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ، إِذِالْكَلَامُ فِيْ مِثْلِ هٰذِهِ الْحَالَةِ، وَإِنَّمَا لَايَمْلِكُ الْمُسَابَقَةَ لِمَا فِيْهِ مِنْ تَعْطِيْلِ مَنَافِعِ الْمَوْلٰى، وَلَاتَعْطِيْلَ فِيْ مُجَرَّدِ الْقَوْلِ، وَلِأَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ أَنَّهُ مَحْجُوْرٌ عَنِ الْقِتَالِ فَلَايَصِحُّ أَمَانُهُ لِأَنَّهُمْ لَايَخَافُوْنَهُ فَلَمْ يُلَاقِ الْأَمَانُ مَحَلَّهُ، بِخِلَافِ الْمَأْذُوْنِ لَهُ فِي الْقِتَالِ، لِأَنَّ الْخَوْفَ مِنْهُ مُتَحَقِّقٌ، وَلِأَنَّهُ إِنَّمَا لَايَمْلِكُ الْمُسَابَقَةَ لِمَا أَنَّهُ تَصَرَّفَ فِيْ حَقِّ الْمَوْلٰى عَلٰى وَجْهٍ لَايَعْرٰى عَنْ اِحْتِمَالِ الضَّرَرِ فِيْ حَقِّهِ، وَالْأَمَانُ نَوْعُ قِتَالٍ، وَفِيْهِ مَا ذَكَرْنَاهُ، لِأَنَّهُ قَدْ يُخْطِيُ بَلْ هُوَ الظَّاهِرُ وَفِيْهِ سَدُّ بَابِ الْاِسْتِغْنَامِ، بِخِلَافِ الْمَأْذُوْنِ، لِأَنَّهُ رَضِيَ بِهِ، وَالْخَطَأُ نَادِرٌ لِمُبَاشَرَتِهِ الْقِتَالَ، وَبِخِلَافِ الْمُؤَبَّدِ، لِأَنَّهُ خَلَفٌ عَنِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الدَّعْوَةِ إِلَيْهِ، وَلِأَنَّهُ مُقَابَلٌ بِالْجِزْيَةِ وَلِأَنَّهُ مَفْرُوْضٌ عِنْدَ مَسْأَلَتِهِمْ ذٰلِكَ وَإِسْقَاطُ الْفَرْضِ نَفْعٌ فَافْتَرَقَا، وَلَوْ أَمَّنَ الصَّبِيُّ وَهُوَ لَايَعْقِلُ لَايَصِحُّ كَالْمَجْنُوْنِ، وَإِنْ كَانَ يَعْقِلُ وَهُوَ مَحْجُوْرٌ عَنِ الْقِتَالِ فَعَلَى الْخِلَافِ، وَإِنْ كَانَ مَأْذُوْنًا لَهُ فِي الْقِتَالِ فَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَصِحُّ بِالْإِتِّفَاقِ.

ترجمه: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عبد محجور کا امان جائز نہیں ہے اِلّا یہ کہ اس کا مولیٰ اسے قتال کی اجازت دیدے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح ہے یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور دوسری روایت میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے غلام کا امان بھی امان ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اسے روایت کیا ہے اور اس لیے کہ وہ مومن ہے اور صاحبِ قوت ہے، لہٰذا اس کا امان صحیح ہوگا اس غلام کے امان پر قیاس کرتے ہوئے جسے قتال کی اجازت دی گئی ہو اور دائمی امان پر قیاس کرتے ہوئے، اور ایمان کی شرط اس وجہ سے ہے کہ ایمان عبادت کے لیے شرط ہے اور جہاد بھی ایک عبادت ہے اور امتناع کی شرط اس وجہ سے ہے، کیونکہ اس کے ذریعے خوف کا دور ہونا متحقق ہوتا ہے اور قیاس کی علتِ جامعہ دین کا اعزاز اور جماعت المسلمین کے حق میں مصلحت کا قیام ہے، اس لیے کہ یہ گفتگو اسی جیسی حالت سے متعلق ہے۔

اور عبد محجور اپنے اختیار سے اس لیے جہاد میں نہیں جا سکتا، کیونکہ اس میں آقا کے منافع کو معطل کرنا ہے اور صرف بات کہنے سے منافع معطل نہیں ہوں گے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ غلام کو قتال سے روکا گیا ہے لہٰذا اس کا امان صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ کفار غلام سے نہیں ڈریں گے، لہٰذا امان اپنے محل سے متصل نہیں ہوا۔ برخلاف اس غلام کے جسے قتال کی اجازت دی گئی ہو، اس لیے کہ اس کی طرف سے خوف متحقق ہے اور وہ اس وجہ سے پہل کرنے کا مالک نہیں ہے کہ یہ مولیٰ کے حق میں تصرف ہے بایں طور کہ یہ تصرف مولیٰ کے حق میں ضرر کے احتمال سے خالی نہیں ہے۔ اور اس کا امان دینا بھی ایک طرح کا قتال ہے۔ اور اس میں وہی خرابی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں، اس لیے کہ غلام کبھی غلطی کر دیتا ہے، بلکہ اس کا غلطی کرنا واضح ہے اور اس میں مال غنیمت کے حصول کا دروازہ بند کرنا لازم آتا ہے۔ برخلاف عبد ماذون کے اس لیے کہ مولیٰ اس کے امان سے راضی ہے اور اس کا غلطی کرنا نادر ہے، اس لیے کہ وہ قتال کرتا ہے اور برخلاف موبد کے، اس لیے کہ وہ اسلام کے قائم مقام ہے، لہٰذا وہ اسے اسلام کی دعوت دینے کے درجے میں ہوگا اور اس لیے کہ یہ امان جزیہ کے بمقابل ہے اور اس لیے کہ کفار کے مطالبہ کے وقت یہ امان دینا فرض ہے اور فرض کا اسقاط نفع ہے، لہٰذا عبد محجور کے امان اور اس کے ذمی بنانے میں فرق ہوگیا۔

اور اگر غیر عاقل بچے نے امان دیدیا تو صحیح نہیں ہے جیسے مجنون کا امان صحیح نہیں ہے اور اگر بچہ سمجھ دار ہو، لیکن محجور عن القتال ہو تو اس کا امان بھی اسی اختلاف پر ہے۔ اور اگر اسے قتال کرنے کی اجازت حاصل ہو تو اصح یہ ہے کہ اس کا امان بالاتفاق صحیح ہے۔

اللغات:

﴿محجور﴾ جس پر پابندی لگائی گئی ہو۔ ﴿یأذن﴾ اجازت دے دے۔ ﴿ممتنع﴾ قوت مدافعت رکھنے والا۔ ﴿تعطیل﴾ ضائع کر دینا، کالعدم کر دینا۔ ﴿لایعریٰ﴾ نہیں خالی ہوتا۔ ﴿استغنام﴾ غنیمت حاصل کرنا۔

تخریج:

① اخرجه البيهقي في السنن الكبرى: ۱۶۰/۹.

غلام کا امان دینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عبدِ محجور کا امان صحیح نہیں ہے ہاں اگر اس کا مولیٰ اسے قتال کی اجازت دیدے تو اس کا امان صحیح ہوگا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غلام کا امان مطلقاً صحیح ہے خواہ وہ ماذون ہو یا محجور ہو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور امام کرخیؒ کی روایت کے مطابق امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور امام طحاویؒ کی روایت کے مطابق امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ حدیث ہے أمان العبد أمان یعنی غلام کا امان بھی معتبر اور درست ہے۔ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ غلام بھی مومن اور صاحب قوت ہے لہٰذا عبد ماذون فی القتال کی طرح اس کا امان بھی صحیح ہوگا۔ اور جیسے اگر کوئی غلام کسی کافر کو ذمی بن کر دار الاسلام میں رہنے کی اجازت اور امان دیدے تو اس کا امان بھی صحیح اور معتبر ہوگا اسی طرح عبد محجور کا امان بھی صحیح ہوگا۔

فالإيمان الخ فرماتے ہیں کہ ہم نے عقلی دلیل میں جو غلام کے مومن ہونے کی شرط لگائی ہے وہ اس لیے ہے کہ جہاد ایک عبادت ہے اور عبادت کے لیے ایمان شرط ہے اور اس کے صاحب قوت ہونے کی شرط اس لیے لگائی ہے کہ اس سے خوف کا ازالہ متحقق ہو جاتا ہے یعنی اگر امان دینے والا صاحب قوت ہوتا ہے تو دشمن اس سے ڈرتا ہے ورنہ بے خوف رہتا ہے۔ اور عبد محجور کو عبد ماذون پر

قیاس کرنے کی علت یہ ہے کہ دونوں کے امان میں دین کا اعزاز واستحکام ہوتا ہے اور دونوں کے فعل سے مسلمانوں کے حق میں مصلحت ہوتی ہے، لہٰذا دونوں کا امان درست ہوگا۔

وإنما لایملك الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ غلام کا امان تو درست ہے، لیکن غلام از خود میدان جہاد میں پیش قدمی نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کے جہاد میں مشغول ہونے سے آقا کے منافع معطل ہو جائیں گے حالانکہ غلام آقا ہی کی خدمت کے لیے وقف رہتا ہے اور رہا مسئلہ امان دینے کا تو امان محض زبان سے دیا جاتا ہے اور زبانی صرفہ میں آقا کے منافع معطل نہیں ہوتے لہٰذا اس پہلو کو لے کر اعتراض کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ امان کا محل خوف ہے اور عبد مجور سے خوف متحقق نہیں ہے، یعنی کفار اس سے نہیں ڈرتے، اس لیے اس کا امان بے سود ہوگا۔ اس کے برخلاف عبد ماذون سے خوف متحقق ہے لہٰذا اس کا امان معتبر ہوگا۔ عبد مجور کے امان نہ دینے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ غلام حق مولیٰ کی وجہ سے میدان جہاد کے لیے سبقت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ ہمہ وقت آقا کی خدمت میں مشغول رہتا ہے اور اس کے جہاد میں مشغول ہونے سے سراسر مولیٰ کا نقصان ہوگا یا نقصان کا احتمال رہے گا، کیونکہ وہ غلطی کر بیٹھے گا اور مجور ہونے کی وجہ سے اس کے حق میں غلطی کا امکان زیادہ ہے اس لیے کہ مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہنے کی وجہ سے اس کو تعلیم وتعلم کا موقع ہم دست نہیں ہوا ہوگا اور اگر اس کا امان صحیح ہو جائے تو پھر قتال ممنوع ہوگا اور مولیٰ کے لیے اپنے غلام سے جہاد کرا کر مال غنیمت کے حصول کا راستہ بند ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ اس میں بھی اس کا نقصان ہی ہے، لہٰذا اس حوالے سے بھی اس کا امان دینا صحیح نہیں ہے اور جب مولیٰ کے ذاتی نقصان کی وجہ سے عبد مجور کا امان درست نہیں تو پھر مسلمانوں کے جماعتی نقصان کی وجہ سے بدرجۂ اولیٰ اس کا امان صحیح نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف عبد ماذون کا مسئلہ ہے تو اس کا امان صحیح ہے، کیونکہ مولیٰ اسے قتال کی اجازت دے کر اس کے امان پر راضی ہو چکا ہے اور چوں کہ یہ غلام قتال کر چکا ہے یا ماذون ہونے کی وجہ سے امان کے ''داؤ پیچ'' سے واقف ہو چکا ہے اس لیے اس سے غلطی کا صدور بھی شاذ ونادر ہے لہٰذا اس کے امان کی درستگی پر عبد مجور کے امان کو قیاس کر کے اسے بھی صحیح قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح اگر عبد مجور کسی کافر کو ذمی بن کر دار الاسلام میں رہنے کا عہد نامہ دیدے تو یہ صحیح ہے، لیکن اس صحت پر اس کے امان کی صحت کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ عہد نامہ اسلام کے قائم مقام ہے اور یہ اجازت درحقیقت اسلام کی دعوت دینے کے مترادف ہے اور چوں کہ اس ذمی سے جزیہ بھی لیا جائے گا لہٰذا اس میں نفع ہی نفع ہے، نقصان نہیں ہے اور پھر جب کوئی کافر ذمی بننے کی درخواست کرے تو اس کی درخواست قبول کرنا فرض اور ضروری ہے اور فرض اداء کر کے اسے ساقط کر دینا اور اس کی ادائیگی سے سبکدوش ہو جانا بھی کارِ نفع ہے اس لیے عبد مجور کے امان دینے اور اس کے ذمی کا عہد نامہ دینے کے مابین فرق ہو گیا یعنی اس کا امان صحیح نہیں ہے اور اس کا عہد ذمہ دینا صحیح ہے اور ایک دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

ولو أمن الصبي الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی عبد غیر ذی شعور بچہ ہو اور وہ امان دیدے تو مجنون کی طرح اس کا امان صحیح نہیں ہے اور اگر وہ بچہ باشعور ہو لیکن مجور عن القتال ہو تو اس کا امان مختلف فیہ ہے یعنی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صحیح ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صحیح نہیں ہے، لیکن اگر وہ بچہ ماذون فی القتال ہو تو اصح یہ ہے کہ سب کے یہاں اس کا امان درست اور جائز ہے۔

فقط واللّٰہ أعلم وعلمہ أتم

بَابُ الْغَنَائِمِ وَقِسْمَتِهَا

یہ باب اموال غنیمت اور اُن کی تقسیم کے احکام کے بیان میں ہے

غنائم غنیمة کی جمع ہے اس کا معنی ہے وہ مال جو کفار سے جنگ کر کے قہراً اور غلبۃً لیا جائے۔ اور فئ وہ مال کہلاتا ہے جو کفار سے لڑائی کئے بغیر لیا جاتا ہے، غنیمت اور فئ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ مال غنیمت کا ایک حصہ اللہ اور رسول کا ہوتا ہے جب کہ فئ پورا کا پورا مسلمانوں کے لیے ہوتا ہے۔

وَإِذَا فَتَحَ الْإِمَامُ بَلْدَةً عَنْوَةً أَوْ قَهْرًا فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَسَّمَهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ كَمَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِخَيْبَرَ، وَإِنْ شَاءَ أَقَرَّ أَهْلَهُ عَلَيْهِ وَوَضَعَ عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ وَعَلٰى أَرَاضِيْهِمُ الْخَرَاجَ، كَذٰلِكَ فَعَلَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ بِسَوَادِ الْعِرَاقِ بِمُوَافَقَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَلَمْ يُحْمَدْ مَنْ خَالَفَهُ، وَفِيْ كُلٍّ مِنْ ذٰلِكَ قُدْوَةٌ فَيَتَخَيَّرُ، وَقِيْلَ الْأَوْلٰى هُوَ الْأَوَّلُ عِنْدَ الْغَانِمِيْنَ، وَالثَّانِيْ عِنْدَ عَدَمِ الْحَاجَةِ لِيَكُوْنَ عِدَّةً فِي الزَّمَانِ الثَّانِيْ، وَهٰذَا فِي الْعَقَارِ، أَمَّا فِي الْمَنْقُوْلِ الْمُجَرَّدِ لَايَجُوْزُ الْمَنُّ بِالرَّدِّ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّهُ لَمْ يَرِدْ بِهِ الشَّرْعُ فِيْهِ، وَفِي الْعَقَارِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رحمہ اللہ، لِأَنَّ فِي الْمَنِّ إِبْطَالُ حَقِّ الْغَانِمِيْنَ أَوْ مِلْكِهِمْ فَلَايَجُوْزُ مِنْ غَيْرِ بَدَلٍ يُعَادِلُهُ، وَالْخَرَاجُ غَيْرُ مُعَادِلٍ لِقِلَّتِهِ، بِخِلَافِ الرِّقَابِ، لِأَنَّ لِلْإِمَامِ أَنْ يُبْطِلَ حَقَّهُمْ رَأْسًا بِالْقَتْلِ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَارَوَيْنَاهُ، وَلِأَنَّ فِيْهِ نَظَرًا لِأَنَّهُمْ كَالْأَكَرَةِ الْعَامِلَةِ لِلْمُسْلِمِيْنَ الْعَالِمَةِ بِوُجُوْهِ الزِّرَاعَةِ، وَالْمُؤَنُ مُرْتَفِعَةٌ مَعَ أَنْ يَحْظٰى بِهِ الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَ مِنْ بَعْدُ، وَالْخَرَاجُ وَإِنْ قَلَّ حَالًا فَقَدْ جَلَّ مَآلًا لِدَوَامِهِ، وَإِنْ مَنَّ عَلَيْهِمْ بِالرِّقَابِ وَالْأَرَاضِيْ يَدْفَعُ إِلَيْهِمْ مِنَ الْمَنْقُوْلَاتِ بِقَدْرِ مَايَتَهَيَّأُ لَهُمُ الْعَمَلُ لِيَخْرُجَ عَنْ حَدِّ الْكَرَاهَةِ.

ترجمہ: اگر امام کسی شہر کو طاقت وقوت کے بل پر فتح کرلے تو اسے اختیار ہے۔ اگر چاہے تو وہ شہر مسلمانوں میں تقسیم کردے جیسا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے خیبر کو (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین) تقسیم فرمادیا تھا۔ اور اگر چاہے تو وہ اس شہر کے باشندوں کو وہیں رہنے دے اور ان پر جزیہ مقرر کردے اور ان کی زمینوں پر خراج متعین کردے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے

اہل عراق کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا اور جس نے اس کی مخالفت کی اسے اچھا نہیں کہا گیا اور ان میں سے ہر ایک میں نمونہ ہے لہٰذا امام کو اختیار ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ مجاہدین کی ضرورت کے وقت پہلی صورت بہتر ہے اور مالی ضرورت نہ ہونے کی صورت میں دوسری صورت بہتر ہے تاکہ آئندہ زمانے میں یہ ان کے کام آسکے۔ یہ حکم عقار اور غیر منقول سے متعلق ہے، رہا منقول کا حکم تو اسے ان لوگوں کو واپس کرکے ان پر احسان کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کے متعلق شریعت نے کوئی حکم بیان نہیں کیا ہے۔ اور عقار کے سلسلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، اس لیے کہ احسان کرنے میں غازیوں کے حق یا ان کی ملکیت کا بطلان ہے، لہٰذا کسی مساوی بدلے کے بغیر یہ احسان جائز نہیں ہے اور خراج اس کے قتل کے مساوی نہیں ہے۔ برخلاف رقاب کے، کیونکہ امام کو یہ حق ہے کہ انھیں قتل کرکے غازیوں کا حق باطل کردے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ عمل حجت ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اس لیے کہ ایسا کرنے میں مصلحت ہے کیونکہ (جن کفار کو فتح کردہ زمین میں چھوڑا جائے گا) وہ کھیتی کے امور سے واقف ہیں لہٰذا وہ مسلمانوں کے کاشت کار کہلائیں گے اور مسلمانوں سے کھیتی کرنے کی مشقت دور ہوجائے گی اور اس پر ہونے والا خرچ بھی ختم ہوجائے گا نیز بعد میں آنے والے مسلمانوں کو اس سے حصہ بھی ملے گا۔

اور (ان سے لیا جانے والا) خراج اگرچہ فی الوقت بہت کم ہے لیکن ہمیشہ ملنے کی وجہ سے مآل کے اعتبار سے وہ زیادہ ہے۔ اور اگر امام رقاب اور زمینوں کے حوالے سے ان پر احسان کردے تو منقولہ سامان میں سے انھیں اتنا ہی دے جس سے ان کے لیے کاشت کاری کرنا آسان ہوجائے، اور یہ فعل کراہت سے خالی ہوجائے۔

اللغاتُ:

﴿بلدة﴾ کوئی شہر۔ ﴿عنوة﴾ زبردستی، بزور بازو۔ ﴿قسّمها﴾ اس کو تقسیم کردے۔ ﴿أقرّ﴾ برقرار رکھے۔ ﴿قُدوة﴾ مقتدا، امام، جس کی پیروی کی جائے۔ ﴿غانم﴾ غازی۔ ﴿عقار﴾ غیر منقولہ جائیداد، زمین وغیرہ۔ ﴿منّ﴾ احسان۔ ﴿یعادله﴾ اس کے برابر ہو۔

مفتوحہ اراضی کے احکام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام المسلمین اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ قہراً اور غلبۃً کافروں کا کوئی شہر فتح کرلے تو اسے دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے (ا) اگر چاہے تو وہ شہر غازیوں اور مسلمانوں میں تقسیم کردے اور اگر چاہے تو وہاں کے باشندوں کو اسی جگہ رہنے دے البتہ ان کی جانوں کے عوض ان پر جزیہ واجب کردے اور جو کھیتی ہے اس میں خراج اور ٹیکس متعین کردے، پہلے اختیار کی دلیل خیبر فتح کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طرز عمل ہے کہ آپ نے اسے مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا تھا اور دوسرے اختیار کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق فتح کرکے وہاں کے باشندوں کو وہیں چھوڑ دیا تھا اور ان سے جزیہ اور خراج وصول کیا کرتے تھے اور چند صحابہ کو چھوڑ کر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو تسلیم کیا تھا اور سراہا تھا اور جن لوگوں نے اسے نہیں مانا تھا ان کے نہ ماننے کو اچھا نہیں سمجھا گیا تھا، بہر حال یہ دو اختیار ہیں اور ہر اختیار دلیل سے مدلّل ہے، لہٰذا امام جسے بھی اپنائے گا وہ صحیح ہوگا۔

وقیل الأولٰی الخ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے دونوں اختیاروں میں موافقت پیدا کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر غازیوں کو مال کی ضرورت ہو تو پہلی صورت یعنی مجاہدین میں غنائم کی تقسیم ہی بہتر ہے، کیونکہ ضرورت تو ممنوعات میں بھی اباحت ثابت کر دیتی ہے اور اگر غازیوں کو مالی ضرورت نہ ہو تو پھر دوسری صورت یعنی مفتوحہ علاقہ والوں کو وہاں رہنے دینا اور ان سے خراج اور جزیہ لیتے رہنا بہتر ہے تاکہ بعد میں مسلمانوں کی آبادی بڑھنے پر یہ علاقے ان کے کام آسکے۔ لیکن یہ دوسرا اختیار صرف غیر منقول جائداد مثلاً زمین اور مکان میں ہوگا اور منقولہ جائداد مثلاً سامان اور گھوڑے وغیرہ کا حکم یہ ہے کہ انھیں مجاہدین میں تقسیم کرنا ہوگا اور یہ چیزیں مفتوحہ علاقے والوں کو نہیں دی جائیں گی، کیونکہ ان کے متعلق شریعت میں کوئی حکم وارد نہیں ہوا ہے اس لیے یہ چیزیں محنت اور جہاد کرنے والوں کی ہوں گی۔

اور زمین یعنی غیر منقولہ جائداد کو کفار کے قبضہ میں چھوڑنے پر بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ متفق نہیں ہیں اور ان کے یہاں یہ صحیح نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ علاقہ فتح کرلیا گیا تو اس کی ہر ہر چیز غانمین کا حق بن گئی اور اسے ان کے مابین تقسیم کرنا ضروری ہے اور تقسیم نہ کر کے اس پر کافروں کو برقرار رکھنا غانمین کے حق کا اور ان کی ملکیت کا ابطال ہے اور چوں کہ یہ ابطال کسی بدلے اور صلے کے بغیر ہے اس لیے درست نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ ان کفار سے جو خراج لیا جاتا ہے وہ غانمین کے حق کا بدل بن سکتا ہے، لہٰذا یہ ابطال بالبدل ہے اس لیے اسے جائز ہونا چاہئے؟ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ خراج غانمین کے پورے حق اور پوری محنت کا بدلہ نہیں ہے اور یہاں تو ان کے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر رہا ہے اس لیے یہ منّ واحسان جائز نہیں ہے۔

اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ مجاہدین کا حق تو کفار کی ذات سے بھی وابستہ ہے حالانکہ ان کفار کو غلام بنا کر مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا جاتا اسی طرح ان کی زمینوں اور ان کے مکانوں کو بھی تقسیم نہیں کیا جارہا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ مجاہدین کے حق کا ابطال ہورہا ہے جو غلط ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ مجاہدین کا حق اموال سے تو متعلق ہے، لیکن کفار کی ذات اور رقاب سے متعلق نہیں ہے، اسی لیے تو امام کو یہ حق ہے کہ وہ ان کی گردنوں کو اڑادے لہٰذا جب امام کو ان کے قتل کا حق ہے تو قتل نہ کر کے ان سے جزیہ لینے کا بھی حق ہوگا، اس لیے رقاب والے پہلو کو لے کر ہم شوافع پر اعتراض نہ کیا جائے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ بھائی ہم کچھ نہیں جانتے، صاف سیدھی بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح کا احسان کیا ہے، اس لیے ہم بھی اس کو کریں گے اور کرائیں گے اور اس سلسلے میں عقلی گھوڑے نہیں دوڑائیں گے اور یہی چیز شوافع کے خلاف حجت اور ہماری مضبوط طاقت ہے۔

اور اس احسان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت مخفی ہے وہ اس طرح سے کہ جب ہم ان زمینوں کو کفار کے پاس چھوڑ دیں گے تو انہیں اپنا 'ہرواہا'' اور کاشت کار بنالیں گے وہ کم بخت اس میں مریں مٹیں گے اور مسلمان زراعت اور کاشت کاری کی محنت اور جھنجھٹ سے نجات پالیں گے اور وہ زمین مسلمانوں کی ملکیت پر باقی رہے گی اور بعد میں آنے والوں کو کام دے گی۔ رہا مسئلہ خراج کا تو خراج اگر چہ فی الحال کم نظر آتا ہے لیکن ''قطرہ در قطرہ دریا شود'' کے پیش نظر مآل اور انجام کار کے اعتبار سے وہ

بہت ہوگا اس لیے کہ ہمیشہ لیا جاتا رہے گا لہٰذا زمین بھی اپنی رہے گی اور خراج کی صورت میں مال بھی ملتا رہے گا۔

وإن منّ علیهم الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر امام المسلمین آراضی اور نفوس دونوں اعتبار سے کفار پر احسان کرے یعنی انہیں گرفتار کر کے مسلمانوں میں تقسیم نہ کرے اور نہ ہی انھیں قتل کرے اور خراج مقرر کر کے زمین انھیں کاشت کاری کے لیے دیدے تو امام کو چاہیے کہ منقولہ اموال مثلاً غلے وغیرہ میں سے انھیں کچھ دیدے نیز آلات زراعت بھی دیدے تا کہ ان کے لیے کھیتی اور کاشت کاری کرنا آسان ہو جائے اور اس سلسلے میں انھیں کوئی پریشانی اور ناگواری نہ ہو۔ (بنایہ: ۶/ ۵۳۷)

قَالَ وَهُوَ فِي الْأَسَارىٰ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ لِأَنَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ قَتَلَ، وَلِأَنَّ فِيْهِ حَسْمَ مَادَّةِ الْفَسَادِ، وَإِنْ شَاءَ اِسْتَرَقَّهُمْ، لِأَنَّ فِيْهِ دَفْعَ شَرِّهِمْ مَعَ وُفُوْرِ الْمَنْفَعَةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُمْ أَحْرَارًا ذِمَّةً لِلْمُسْلِمِيْنَ لِمَا بَيَّنَّا إِلَّا فِي مُشْرِكِي الْعَرَبِ وَالْمُرْتَدِّيْنَ عَلٰى مَانُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَلَايَجُوْزُ أَنْ يَرُدَّهُمْ إِلٰى دَارِالْحَرْبِ، لِأَنَّ فِيْهِ تَقْوِيَتَهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ، فَإِنْ أَسْلَمُوْا لَايَقْتُلُهُمْ لِانْدِفَاعِ الشَّرِّ بِدُوْنِهِ، وَلَهُ أَنْ يَسْتَرِقَّهُمْ تَوْفِيْرًا لِلْمَنْفَعَةِ بَعْدَ انْعِقَادِ سَبَبِ الْمِلْكِ، بِخِلَافِ إِسْلَامِهِمْ قَبْلَ الْأَخْذِ، لِأَنَّهُ لَمْ يَنْعَقِدِ السَّبَبُ بَعْدُ، وَلَايُفَادٰى بِالْأَسَارىٰ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَقَالَا يُفَادٰى بِهِمْ أُسَارىٰ الْمُسْلِمِيْنَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ، لِأَنَّ فِيْهِ تَخْلِيْصَ الْمُسْلِمِ وَهُوَ أَوْلٰى مِنْ قَتْلِ الْكَافِرِ وَالْإِنْتِفَاعِ بِهِ، وَلَهُ أَنَّ فِيْهِ مَعُوْنَةً لِلْكَفَرَةِ لِأَنَّهُ يَعُوْدُ حَرْبًا عَلَيْنَا، وَدَفْعُ شَرِّ حَرَابِهِ خَيْرٌ مِنَ اسْتِنْقَاذِ الْأَسِيْرِ الْمُسْلِمِ، لِأَنَّهُ إِذَا بَقِيَ فِي أَيْدِيْهِمْ كَانَ ابْتِلَاءً فِي حَقِّهِ غَيْرَ مُضَافٍ إِلَيْنَا، وَالْإِعَانَةُ بِدَفْعِ أَسِيْرِهِمْ إِلَيْهِمْ مُضَافٌ إِلَيْنَا، أَمَّا الْمُفَادَاتُ بِمَالٍ يَأْخُذُ مِنْهُمْ لَايَجُوْزُ فِي الْمَشْهُوْرِ مِنَ الْمَذْهَبِ لِمَا بَيَّنَّا، وَفِي السِّيَرِ الْكَبِيْرِ أَنَّهُ لَابَأْسَ بِهِ إِذَا كَانَ بِالْمُسْلِمِيْنَ حَاجَةٌ اِسْتِدْلَالًا بِأَسَارىٰ بَدْرٍ، وَلَوْكَانَ أَسْلَمَ الْأَسَارىٰ فِي أَيْدِيْنَا لَايُفَادٰى بِمُسْلِمٍ أَسِيْرٍ فِي أَيْدِيْهِمْ لِأَنَّهُ لَايُفِيْدُ، إِلَّا إِذَا طَابَتْ نَفْسُهُ بِهِ وَهُوَ مَامُوْنٌ عَلٰى إِسْلَامِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ (کافر) قیدیوں کے متعلق امام کو اختیار ہے اگر چاہے تو انہیں قتل کردے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے (فتح مکہ کے دن) قتل کیا تھا۔ اور اس لیے کہ قتل کرنے میں فساد کی جڑ کو ختم کرنا ہے۔ اور اگر چاہے تو انھیں غلام بنالے، کیونکہ ایسا کرنے میں ان کا شر بھی ختم ہوگا اور مسلمانوں کو نفع بھی زیادہ ہوگا۔ اور اگر چاہے تو انھیں مسلمانوں کا ذمی بنا کر آزاد چھوڑ دے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں، لیکن مشرکین عرب اور مرتدین میں یہ تینوں اختیارات نہیں ہوں گے جیسا کہ ان شاء اللہ ہم اسے بیان کریں گے۔

اور انھیں دار الحرب واپس بھیجنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنے میں مسلمانوں کے خلاف کفار کو مضبوط کرنا لازم آئے گا۔ پھر اگر وہ قیدی اسلام لے آئیں تو امام انھیں قتل نہ کرے، کیونکہ بدون قتل ان کا شر ختم ہو چکا ہے اور امام کو یہ حق ہے کہ ان مسلمان قیدیوں کو غلام بنا لے تاکہ سبب ملک منعقد ہونے کے بعد خوب فائدہ حاصل کر لے۔ برخلاف گرفتار ہونے سے پہلے ان کے مسلمان ہو جانے کے، کیونکہ ابھی سبب ملک منعقد نہیں ہوا ہے۔

اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں فدیہ لے کر قیدیوں کو نہیں چھوڑا جائے گا، حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ مسلمان قیدیوں کے عوض انھیں چھوڑا جا سکتا ہے یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔ اس لیے کہ اس میں مسلم قیدی کو چھٹکارا دلانا ہے اور یہ کافر کو قتل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے سے زیادہ بہتر ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ایسا کرنے میں کافروں کی اعانت ہوگی، اس لیے کہ وہ قیدی دوبارہ ہم سے لڑائی کرے گا اور اس کی لڑائی کے شر کو دور کرنا مسلم قیدی کو چھڑانے سے بہتر ہے، کیونکہ اگر مسلمان قیدی کفار کے ہاتھ میں رہے گا تو یہ صرف اس کی ذات کا نقصان ہوگا اور تمام مسلمانوں کی طرف یہ نقصان مضاف نہیں ہوگا جب کہ کفار کو ان کا قیدی دے کر ان کا تعاون کرنے والا نقصان سارے مسلمانوں کا نقصان ہوگا۔

رہا کفار سے مال کا فدیہ لے کر ان کے قیدی کو چھوڑنا تو مشہور مذہب کے مطابق یہ جائز نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور سیر کبیر میں ہے کہ اگر مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو تو اسیران بدر کو دلیل بناتے ہوئے مال لے کر کافر قیدی کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر یہ کافر قیدی مسلمان ہو جائیں تو ان میں سے کسی کو اس مسلمان قیدی کے عوض فدیہ نہیں دیا جائے گا جو کفار کے قبضہ میں ہو کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، لیکن اگر مسلمان ہونے والا قیدی بطیب خاطر اسے قبول کر لے اور وہ اپنے اسلام پر مطمئن ہو تو (پھر تبادلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

اللغاتُ:

﴿أساریٰ﴾ قیدی۔ ﴿حسم﴾ کاٹ دینا۔ ﴿استرقّهم﴾ ان کو غلام بنالے۔ ﴿وفور﴾ زیادہ ہونا، پورا ہونا۔ ﴿لا یفادیٰ﴾ فدیہ نہیں دیا جائے گا۔ ﴿تخلیص﴾ چھڑانا، آزاد کروانا۔ ﴿معونة﴾ امداد۔ ﴿إعانة﴾ مدد کرنا۔

دشمن کے مرد قیدیوں کے احکام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کفار کے جو مرد قیدی ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں ان کے متعلق امام کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے (۱) یا تو امام ان سب کو ختم کر کے شر وفساد کی بنیاد اور جڑ کو ختم کر دے جیسا کہ فتح مکہ کے دن حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مشرکوں کو قتل کیا تھا یا اسیران بدر میں سے کچھ لوگوں کو قتل کیا تھا (۲) دوسرا اختیار یہ ہے کہ امام ان قیدیوں کو غلام بنالے اس لیے کہ غلام بنانے سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ ان کے شر سے حفاظت ہو جائے گی اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے کام آئیں گے (۳) اور اگر امام چاہے تو انھیں آزاد کر دے اور انھیں ذمی بنا کر ان پر جزیہ مسلط کر دے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کے ساتھ کیا تھا لما بینا سے اسی طرف اشارہ ہے۔

لیکن عرب کے مشرک اور مرتد کا معاملہ ان اختیارات سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ ان کے متعلق صرف دو باتیں ہی قابل قبول ہیں (۱) یا تو وہ اسلام لے آئیں (۲) یا پھر انھیں قتل کردیا جائے، اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

ولا یجوز الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام کے لیے کافر قیدیوں کو دارالحرب واپس بھیجنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے مسلمانوں کے مقابلے میں کافر مضبوط ہوں گے اور یہ تعاون علی الإثم والعدوان ہوگا جو صحیح نہیں ہے۔ اور اگر گرفتار ہونے اور قیدی بنائے جانے کے بعد وہ لوگ اسلام لے آئیں تو اب قتل والا اختیار ساقط ہوجائے گا، کیونکہ قتل کا اختیار فساد اور شر کی بنیاد ختم کرنے کے لیے ہے اور یہ مقصد قبل القتل حاصل ہوچکا ہے اس لیے اب قتل کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ ہاں غلام بنانے والا اختیار باقی رہے گا، کیونکہ وہ لوگ پہلے گرفتار کرکے قیدی بنائے گئے ہیں اور ان پر غازیوں کی ملکیت ثابت ہوچکی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر گرفتار ہونے سے پہلے ہی وہ مسلمان ہوجائیں تو اب انھیں غلام بنانا بھی صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ ان میں سبب ملک معدوم ہے۔

ولا یفادیٰ الخ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مسلم قیدی سے تبادلہ کرکے کافر قیدیوں کو رہا کرنا صحیح نہیں ہے جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں یہ صحیح ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد و مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ کافر کو قتل کرنے یا اسے غلام بنا کر اس سے خدمت لینے کے مقابلے میں ایک مسلمان قیدی کو رہا کرانا اور اسے آزادی کی نعمت سے ہمکنار کرانا زیادہ بہتر ہے اس لیے یہ تبادلہ درست اور جائز ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اس تبادلے میں یا مال لے کر کافر قیدی کو رہا کرنے میں کفار کو تقویت پہنچانا لازم آتا ہے، کیونکہ یہ بدبخت رہا ہونے کے بعد پھر سے شرارت کرے گا اور ہمارے خلاف دوبارہ لڑنے کے لیے تیار ہوجائے گا، لہٰذا اس کے شر اور اس کی لڑائی کے ضرر کو دور کرنا مسلم قیدی کی رہائی سے بہتر ہے اور پھر اگر ہم مسلم قیدی کو رہا نہ کرائیں تو اس کا نقصان اس کی ذات تک محدود رہے گا جب کہ کافر قیدی کو رہا کرنے سے کفار کو جو تقویت حاصل ہوگی اس کا نقصان پوری قوم مسلم پر ہوگا اور یہ بات طے ہے کہ جماعتی نقصان کو ختم کرنے کے لیے ذاتی نقصان کو برداشت کرلیا جاتا ہے اس لیے یہاں بھی مسلم قیدی کا ذاتی نقصان نہیں دیکھا جائے گا، بلکہ جماعتی نقصان کو پیش نظر رکھ کر اس کے بدلے میں کسی کافر قیدی کو رہا نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ مال کے عوض کسی کافر قیدی کی رہائی جائز نہیں ہے یہی مشہور مذہب ہے۔

وفی السیر الکبیر الخ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر کبیر میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو تو مال لے کر کافر قیدی کو رہا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ بدر کے کچھ قیدیوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا تھا، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ بدر کے معاملہ پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگئے تھے اور فوراً یہ آیت عتاب نازل ہوئی تھی "لولا کتاب اللّٰہ سبق لمسّکم فیما أخذتم عذاب عظیم" اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ ارشاد فرمایا تھا کہ اگر عذاب خداوندی نازل ہوتا تو اس سے صرف حضرت عمر بچ سکتے تھے کیونکہ وہ ان قیدیوں کو قتل کرنے کے حق میں تھے (بنایہ: ۶/۵۴۰) لہٰذا اس واقعے سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

ولو کان الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے قبضہ میں موجود کفار قیدی اسلام لے آئیں تو انھیں ان مسلم قیدیوں

کے عوض کفار کو دینا صحیح نہیں ہے جو ان کے قبضہ میں ہوں، کیونکہ مسلمان کے بدلے مسلمان کو چھڑانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، لیکن اگر نو مسلم قیدی از خود اس تبادلے کے لیے تیار ہو اور اسے یہ اطمینان ہو کہ دوبارہ کفر کی طرف نہیں جائے گا تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور تبادلہ کیا جا سکتا ہے۔

قَالَ وَلَايَجُوْزُ الْمَنُّ عَلَيْهِمْ أَيْ عَلَى الْأَسَارٰى، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فَإِنَّهُ يَقُوْلُ ❶ مَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى بَعْضِ الْأَسَارٰى يَوْمَ بَدْرٍ، وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿أُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ (سورة التوبة: ٥)، وَلِأَنَّهُ بِالْأَسْرِ وَالْقَسْرِ يَثْبُتُ حَقُّ الْاِسْتِرْقَاقِ فِيْهِ فَلَايَجُوْزُ إِسْقَاطُهُ بِغَيْرِ مَنْفَعَةٍ وَعِوَضٍ، وَمَارَوَاهُ مَنْسُوْخٌ بِمَا تَلَوْنَا، وَإِذَا أَرَادَ الْإِمَامُ الْعَوْدَ وَمَعَهُ الْمَوَاشِيْ فَلَمْ يَقْدِرْ عَلٰى نَقْلِهَا إِلٰى دَارِالْإِسْلَامِ ذَبَحَهَا وَحَرَّقَهَا وَلَايَعْقِرُهَا وَلَايَتْرُكُهَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَتْرُكُهَا، لِأَنَّهُ ❷ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهٰى عَنْ ذَبْحِ الشَّاةِ إِلَّا لِمَأْكَلَةٍ، وَلَنَا أَنَّ ذَبْحَ الْحَيْوَانِ يَجُوْزُ لِغَرْضٍ صَحِيْحٍ، وَلَاغَرْضَ أَصَحُّ مِنْ كَسْرِ شَوْكَةِ الْأَعْدَاءِ، ثُمَّ يُحْرَقُ بِالنَّارِ لِيَنْقَطِعَ مَنْفَعَتُهُ عَنِ الْكُفَّارِ فَصَارَ كَتَخْرِيْبِ الْبُنْيَانِ، بِخِلَافِ التَّحْرِيْقِ قَبْلَ الذَّبْحِ، لِأَنَّهُ مَنْهِيٌّ عَنْهُ، وَبِخِلَافِ الْعَقْرِ، لِأَنَّهُ مُثْلَةٌ، وَتُحْرَقُ الْأَسْلِحَةُ أَيْضًا، وَمَالَايَحْتَرِقُ مِنْهَا يُدْفَنُ فِيْ مَوْضِعٍ لَايَطَّلِعُ الْكُفَّارُ إِبْطَالًا لِلْمَنْفَعَةِ عَلَيْهِمْ.

ترجمه: اور قیدیوں پر احسان کرنا جائز نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن کچھ قیدیوں پر احسان فرمایا تھا۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ''مشرکین کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو'' اور اس لیے کہ قید اور جبر کے ذریعے اس میں غلام بنانے کا حق ثابت ہو سکتا ہے، لہٰذا منفعت اور عوض کے بغیر اسے ساقط کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث ہماری تلاوت کردہ آیت سے منسوخ ہے۔

اور جب امام دار الاسلام واپس آنا چاہے اور اس کے ساتھ مویشی بھی ہوں، لیکن امام انھیں دار الاسلام لیجانے پر قادر نہ ہو تو امام ان مویشیوں کو ذبح کر کے انھیں جلا دے اور نہ تو انھیں زخمی کرے اور نہ ہی زندہ چھوڑے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انھیں زندہ چھوڑ دے اس لیے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے علاوہ دوسرے مقصد سے بکری ذبح کرنے کو منع فرمایا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح مقصد سے حیوان کو ذبح کرنا جائز ہے اور دشمن کی شان و شوکت ختم کرنے سے زیادہ صحیح کوئی مقصد نہیں ہو سکتا پھر اسے آگ سے جلا دیا جائے تاکہ کفار سے اس کی منفعت ختم ہو جائے جیسے عمارتوں کو ویران کیا جاتا ہے۔ برخلاف ذبح سے پہلے تحریق کے، کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ اور برخلاف زخمی کرنے کے، اس لیے کہ وہ مثلہ کرنا ہے۔ اور دشمن کے اسلحے بھی جلا دیئے جائیں اور جو اسلحے جلنے کے لائق نہ ہوں انہیں ایسی جگہ دفن کر دیا جائے کہ کفار اس پر مطلع نہ ہو سکیں، تاکہ ان چیزوں کی منفعت وہ حاصل نہ کر سکیں۔

اللغات:

﴿منّ﴾ احسان۔ ﴿أساریٰ﴾ قیدی۔ ﴿أسر﴾ قید کرنا۔ ﴿قسر﴾ جبر، سختی کرنا۔ ﴿استرقاق﴾ غلام بنانا۔ ﴿عود﴾

واپسی، لوٹنا۔ ﴿حرّقها﴾ اس کو جلا دے۔ ﴿لایعقرها﴾ ان کی کونچیں نہ کاٹے۔ ﴿شاة﴾ بکری۔ ﴿ماکلة﴾ کھانا۔ ﴿کسر﴾ توڑنا۔ ﴿تخریب﴾ تباہ کرنا۔ ﴿بنیان﴾ عمارت۔

تخریج:

❶ اخرجه بخاری فی کتاب فرض الخُمس، باب ۱۹، حدیث: ۳۱٤٤.

❷ اخرجه ابن ابی شیبة فی مصنفه.

دشمن کے قیدیوں کو احسان کے طور پر آزاد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ماقبل میں اُساری اور قیدیوں کے حوالے سے امام کو جو تین اختیارات دیئے گئے ہیں ان میں سے کسی ایک پر عمل ضروری ہے اور ہمارے یہاں انھیں ان تینوں سے آزاد کرنا اور یوں ہی انھیں چھوڑ کر ان پر احسان کرنا جائز نہیں ہے جب کہ شوافع کے یہاں انھیں مفت میں چھوڑنا جائز ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے جنگ بدر کے موقع پر بعض قیدیوں کو مفت میں رہا کیا تھا جن میں ابوعزہ جمحی نامی شاعر کا نام سرفہرست ہے، لہٰذا آپ ﷺ کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ اساریٰ کو مفت میں چھوڑا جاسکتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم نے **أقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم** کے فرمان سے علی الاطلاق کفار ومشرکین کے قتل کا فرمان جاری کیا ہے، نیز قید اور قہر سے ان قیدیوں میں استرقاق اور غلام بنانے کا حق ثابت ہوجاتا ہے، لہٰذا بدون عوض مفت میں اسے ساقط کرنا درست نہیں ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث **أقتلوا المشرکین** کی وجہ سے منسوخ ہے، کیونکہ یہ سورۂ براءت کی آیت ہے اور سورۂ براءت آخیر میں نازل ہوئی ہے لہٰذا وہ مذکورہ حدیث کے لیے ناسخ ہے۔

وإذا أراد الإمام الخ مسئلہ یہ ہے کہ جب امام کسی شہر یا قلعے وغیرہ کو فتح کرنے کے بعد دارالاسلام واپس جانا چاہے اور اس کے ساتھ جانور اور مویشی بھی ہوں لیکن ان کا ساتھ لیجانا دشوار ہو تو ہمارے یہاں امام کو چاہئے کہ ان مویشیوں کو ذبح کر کے انھیں جلا دے اور انھیں قطع وبرید نہ کرے اور نہ ہی انھیں زندہ چھوڑے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں امام ان مویشیوں کو زندہ چھوڑ سکتا ہے، کیونکہ حدیث میں کھانے کے علاوہ دوسرے مقصد سے بکری کو ذبح کرنے سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا جلانے کی نیت سے جانوروں کو ذبح کرنا درست نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح مقصد سے جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ دشمن کی شان وشوکت کو ختم کرنے اور انھیں غیض وغضب میں مبتلا کرنے سے بڑھ کر کوئی مقصد نہیں ہوسکتا اور جلانے سے چوں کہ ان مویشیوں سے کفار کی منفعت ختم ہوجائے گی اور وہ ان کے کسی کام نہیں آئے گا، اس لیے یہ عمل مفید ہوگا۔ جیسے عمارتوں کو ویران کرنے کی صورت میں ہر ہر چیز کو تباہ وبرباد کردیا جاتا ہے اور کوئی چیز کسی کام کے لائق نہیں چھوڑی جاتی۔ لیکن ذبح سے پہلے جلانا جائز نہیں ہے اور نہ ہی قطع وبرید کرنا جائز ہے، کیونکہ تعذیب بالنار اور مثلہ دونوں سے منع کیا گیا ہے۔

وتحرق الخ فرماتے ہیں کہ اسلحہ کو بھی جلا دینا جائز ہے اور جنھیں جلانا ممکن نہ ہو انھیں کسی مخفی اور پوشیدہ مقام پر چھپا کر دفن کردیا جائے تاکہ کوئی ان پر مطلع نہ ہوسکے اور ہر طرح سے کفار سے ان کی منفعت ختم ہوجائے۔

وَلَایُقَسِّمُ غَنِیمَةً فِي دَارِ الْحَرْبِ حَتَّى يُخْرِجَهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰہُ عَلَیْہِ لَابَأْسَ بِذٰلِكَ، وَأَصْلُهُ أَنَّ الْمِلْكَ لِلْغَانِمِينَ لَايَثْبُتُ قَبْلَ الْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ عِنْدَنَا، وَعِنْدَهُ يَثْبُتُ، وَيَنْبَنِي عَلٰى هٰذَا الْأَصْلِ عِدَّةٌ مِنَ الْمَسَائِلِ ذَكَرْنَاهَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهٰى، لَهُ أَنَّ سَبَبَ الْمِلْكِ الْإِسْتِيْلَاءُ إِذَا وَرَدَ عَلٰى مَالٍ مُبَاحٍ كَمَا فِي الصُّيُوْدِ، وَلَامَعْنٰى لِلْإِسْتِيْلَاءِ سِوٰى إِثْبَاتِ الْيَدِ وَقَدْ تَحَقَّقَ، وَلَنَا أَنَّهُ ① عَلَیْہِ السَّلَامُ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْغَنِيمَةِ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ، وَالْخِلَافُ ثَابِتٌ فِيْهِ، وَالْقِسْمَةُ بَيْعٌ مَعْنًى فَتَدْخُلُ تَحْتَهُ، وَلِأَنَّ الْإِسْتِيْلَاءَ إِثْبَاتُ الْيَدِ الْحَافِظَةِ وَالنَّاقِلَةِ، وَالثَّانِي مُنْعَدِمٌ لِقُدْرَتِهِمْ عَلَى الْإِسْتِنْقَاذِ وَوُجُوْدُهُ ظَاهِرٌ، ثُمَّ قِيْلَ مَوْضِعُ الْخِلَافِ تَرَتُّبُ الْأَحْكَامِ عَلَى الْقِسْمَةِ إِذَا قَسَّمَ الْإِمَامُ لَا عَنْ اِجْتِهَادٍ، لِأَنَّ حُكْمَ الْمِلْكِ لَايَثْبُتُ بِدُوْنِهِ، وَقِيْلَ الْكَرَاهَةُ وَهِيَ كَرَاهَةُ تَنْزِيْهٍ عِنْدَ مُحَمَّدٍ فَإِنَّهُ قَالَ عَلٰى قَوْلِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰہُ عَلَیْہِ لَايَجُوْزُ الْقِسْمَةُ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْأَفْضَلُ أَنْ يُقَسِّمَ فِيْ دَارِ الْإِسْلَامِ، وَوَجْهُ الْكَرَاهَةِ أَنَّ دَلِيْلَ الْبُطْلَانِ رَاجِحٌ إِلَّا أَنَّهُ تَقَاعَدَ عَنْ سَلْبِ الْجَوَازِ فَلَايَتَقَاعَدُ عَنْ إِيْرَاثِ الْكَرَاهَةِ.

ترجمہ: اور امام دار الحرب میں مال غنیمت کو تقسیم نہ کرے یہاں تک کہ اسے دار الاسلام لے آئے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں دار الاسلام میں احراز سے پہلے غانمین کے لیے ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ثابت ہو جاتی ہے اور اس اصل پر بہت سے مسائل متفرع ہیں جنھیں ہم نے کفایۃ المنتہی میں بیان کر دیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب مال مباح پر قبضہ واقع ہوتا ہے تو وہ ملکیت کا سبب ہوتا ہے جیسے شکار میں ہوتا ہے اور اثباتِ قبضہ کے سوا استیلاء کا کوئی معنی نہیں ہے اور یہ استیلاء متحقق ہو چکا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دار الحرب میں مال غنیمت کی بیع سے منع فرمایا ہے اور اس میں اختلاف ثابت ہے اور تقسیم کرنا بھی معناً بیع ہے، لہٰذا تقسیم بیع کے تحت داخل ہو جائے گی، اور اس لیے کہ استیلاء حفاظت کرنے اور منتقل کرنے والے قبضے کو ثابت کرنا ہے۔ اور دوسری چیز (یعنی ید ناقلہ کا اثبات) معدوم ہے کیونکہ کفار کو مسلمانوں سے وہ اموال واپس لینے کی قدرت حاصل ہے اور اس کا ثبوت ظاہر ہے۔

پھر کہا گیا کہ اختلاف تقسیم پر احکام کے مرتب ہونے کی صورت میں ہے جب امام نے بدون اجتہاد مال کو تقسیم کر دیا ہو، کیونکہ ملکیت کے بغیر ملکیت کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کراہت کراہتِ تنزیہی ہے چنانچہ سیر کبیر میں انھوں نے لکھا ہے کہ حضرات شیخینؒ کے قول پر دار الحرب میں تقسیم جائز نہیں ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دار الاسلام میں تقسیم کرنا افضل ہے اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ بطلان کی دلیل راجح ہے، لیکن یہ دلیل سلبِ جواز میں موثر نہیں ہے تاہم کراہت پیدا کرنے میں موثر ہوگی۔

اللغات:

﴿غانمین﴾ غازی۔ ﴿إحراز﴾ محفوظ کرنا، ذخیرہ کرنا۔ ﴿یبتنی﴾ مبنی ہوتا ہے، مدار ہے۔ ﴿استیلاء﴾ غلبہ، فتح۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿استنقاذ﴾ چھڑالینا، واپس لے لینا۔ ﴿تقاعد﴾ غیر مؤثر ہوئی، نہیں چلتی۔ ﴿إیراث﴾ پیچھے چھوڑنا۔

تخریج:

① قال الزیلعی بھٰذا اللفظ غریب جدًا.

مالِ غنیمت میں غازیوں کی ملکیت کے وقت کا مسئلہ:

یہ مسئلہ ایک ضابطے پر متفرع ہے ضابطہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں میں مالِ غنیمت کو دارالاسلام میں لے جاکر محفوظ کرنے سے پہلے اس میں غازیوں کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی جب کہ امام شافعی رطیٹیلہ کے یہاں قبل الاحراز بھی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، اسی لیے ہمارے یہاں قبل الاحراز والإخراج إلی دار الإسلام مالِ غنیمت کی تقسیم صحیح نہیں ہے اور امام شافعی رطیٹیلہ کے یہاں صحیح ہے، اس اصل پر بہت سے مسائل متفرع ہیں جو کفایۃ المنتہی میں مذکور ہیں اور ہدایہ اولین ص:۵۶۸ کے حاشیہ سلمہ پر اس کی مثالیں موجود ہیں۔

له الخ صورت مسئلہ میں امام شافعی رطیٹیلہ کی دلیل یہ ہے کہ جب کسی مالِ مباح پر مسلمان کا قبضہ ہوتا ہے تو قابض اس مال کا مالک ہوجاتا ہے اور یہ قبضہ اس کے حق میں سبب ملک ہوتا ہے اور استیلاء کا مطلب یہی ہے کہ اس پر قبضہ ثابت ہوجائے اور چوں کہ مالِ غنیمت پر بھی غازیوں کا قبضہ ہوجاتا ہے، لہٰذا غازی بھی اس کے مالک ہوجائیں گے اور دار الحرب ہی میں ان کے مابین مالِ غنیمت کی تقسیم درست ہوگی۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ آپ مَلَّاتِیْمِ نے دار الحرب میں مالِ غنیمت کی بیع سے منع فرمایا ہے اور بیع میں بھی امام شافعی رطیٹیلہ کا اختلاف ہے اور چوں کہ تقسیم بھی معناً بیع ہے کہ اس میں بیع کی طرح مبادلہ ہوتا ہے، لہٰذا تقسیم بیع کے تحت داخل ہوگی اور چوں کہ بیع ممنوع ہے لہٰذا تقسیم بھی ممنوع ہوگی۔

اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ استیلاء کا مطلب ہے حفاظت کے قبضے کا اور ایک شخص سے دوسرے کی طرف منتقل کرنے کے قبضے کا اثبات، لیکن یہاں انتقال والا قبضہ معدوم ہے، اس لیے کہ کفار کو یہ قدرت ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں سے مقابلہ کرکے وہ مال واپس لے لیں، کیونکہ ابھی مسلمان دار الحرب میں ہیں لہٰذا ظاہراً وہاں کفار ہی کو قوت حاصل ہوگی اس لیے یہ صورت معدوم ہوگی اور استیلاء سے صرف ید حافظہ ثابت ہوگا اور یدِ حافظہ ملکیت کا سبب نہیں ہے اور ملکیت ثابت ہونے سے پہلے مالِ غنیمت کی تقسیم درست نہیں ہے۔

ثم قیل الخ فرماتے ہیں بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ہمارا اور شوافع کا اختلاف تقسیم کے بعد انتفاع کے حوالے سے اس پر جواز اور عدمِ جواز کا حکم مرتب ہونے پر ہے یعنی اگر امام نے بدون اجتہاد مجاہدین میں مال تقسیم کردیا تو ہمارے یہاں اس سے انتفاع جائز نہیں ہے اور شوافع کے یہاں جائز ہے اس لیے کہ امام شافعی کے یہاں اس مال میں مجاہدین کی ملکیت ثابت ہے، لیکن ہمارے یہاں ان کی ملکیت ثابت نہیں ہے اسی لیے یہ تقسیم اور انتفاع بھی جائز نہیں ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ تقسیم مکروہ ہے اور اس کی کراہت کراہتِ تنزیہی ہے یہی امام محمد رطیٹیلہ کی رائے ہے اس

لیے کہ انھوں نے حضرات شیخین کے قول کو لایجوز سے بیان کیا ہے اور اپنے یہاں دارالاسلام میں تقسیم کرنے کو افضل قرار دیا ہے اور خلاف افضل کرنے کا نام مکروہ ہے اور کراہت کی دلیل یہ ہے کہ استیلاء اور قبضہ تام نہ ہونے کی وجہ سے تقسیم کے بطلان کی دلیل راجح ہے، لیکن چوں کہ یہ دلیل جواز کو کھینچنے اور ختم کرنے میں موثر نہیں ہے، کیونکہ شوافع کے یہاں تقسیم جائز ہے اور ہمارے یہاں عام حالات میں اگر چہ جائز نہیں تاہم اگر غازیوں کو سواری یا کپڑے اور غلے کی ضرورت ہو تو قبل الاحراز ہمارے یہاں بھی تقسیم جائز ہے، لہٰذا عدم جواز تقسیم کی دلیل بہت پختہ اور مضبوط نہیں ہے لیکن پھر بھی کراہت پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔

قَالَ وَالرِّدْءُ وَالْمُقَاتِلُ فِي الْعَسْكَرِ سَوَاءٌ لِاسْتِوَائِهِمْ فِي السَّبَبِ وَهُوَ الْمُجَاوَزَةُ أَوْ شُهُوْدِ الْوَقْعَةِ عَلٰى مَاعُرِفَ وَكَذٰلِكَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ لِمَرَضٍ أَوْ لِغَيْرِهِ لِمَا ذَكَرْنَا، وَإِذَا لَحِقَهُمُ الْمَدَدُ فِيْ دَارِالْحَرْبِ قَبْلَ أَنْ يُخْرِجُوا الْغَنِيْمَةَ إِلٰى دَارِالْإِسْلَامِ شَارَكُوْهُمْ فِيْهَا، خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْقِتَالِ وَهُوَ بِنَاءٌ عَلٰى مَا مَهَّدْنَا مِنَ الْأَصْلِ وَإِنَّمَا يَنْقَطِعُ الْمُشَارَكَةُ عِنْدَنَا بِالْإِحْرَازِ أَوْ بِقِسْمَةِ الْإِمَامِ فِيْ دَارِالْحَرْبِ أَوْبَيْعِهِ الْمَغَانِمَ فِيْهَا، لِأَنَّ بِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا يَتِمُّ الْمِلْكُ فَيَنْقَطِعُ حَقُّ شَرِكَةِ الْمَدَدِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ لشکر میں قتال کرنے والا اور مدد کرنے والا دونوں برابر ہیں اس لیے کہ سبب میں سب مساوی ہیں اور وہ قتال کی نیت سے جانا یا لڑائی میں شرکت کرنا ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ایسے ہی اگر بیماری یا کسی دوسرے عارض کی وجہ سے کوئی لشکری قتال نہ کر سکے (تو اس کا بھی یہی حکم ہے) اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر مجاہدین کے مال غنیمت کو لے کر دارالاسلام تک پہنچنے سے پہلے دارالحرب میں انہیں کچھ معاون مل گئے تو مال غنیمت میں یہ معاون مجاہدین کے ساتھ شریک ہوں گے، لیکن لڑائی ختم ہونے کے بعد (ملنے کی صورت میں) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف اس اصل پر مبنی ہے جسے ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور ہمارے یہاں یا تو دارالاسلام میں احراز سے مشارکت کا حق ختم ہوگا یا امام کے دارالحرب میں مال غنیمت کو تقسیم کرنے یا وہاں اسے فروخت کرنے سے ختم ہوگا۔ اس لیے کہ اس میں سے ہر ایک سے ملکیت تام ہو جاتی ہے اس لیے اب معاونین کی شرکت کا حق ختم ہو جائے گا۔

اللغات:

﴿ردء﴾ معاون، مددگار۔ ﴿سواء﴾ برابر ہیں۔ ﴿مجاوزۃ﴾ جانا، سفر کرنا۔ ﴿شھود﴾ موجود ہونا۔ ﴿إحراز﴾ محفوظ کرنا، ذخیرہ کرنا۔ ﴿مھّدنا﴾ ہم نے تمہیں میں بیان کیا ہے۔

مال غنیمت میں مقاتلین اور معاونین کی مساوات:

عبارت میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں (۱) امام المسلمین کے ساتھ جتنے لوگ بھی دارالاسلام سے دارالحرب کی طرف جہاد کے لیے نکلتے ہیں وہ سب مجاہد کہلاتے ہیں اور فتح کی صورت میں مال غنیمت سے جتنا حصہ مقاتلین کو ملتا ہے اتنا ہی ان کے معاونین کو بھی

ملے گا، کیونکہ یہ سب سببِ فتح اور غنیمت کے حصول میں برابر ہیں اور وہ سبب ہمارے یہاں امام کے ساتھ جانا ہے اور شوافع کے یہاں لڑنا ہے لہٰذا سب کے یہاں مقاتل اور مساوی کا کام برابر ہے لہٰذا ان کا انعام بھی برابر برابر ہوگا، اسی طرح اگر نکلنے والوں میں کوئی شخص بیمار ہوجائے یا امام اسے کسی دوسرے کام میں لگا دے اور وہ شریکِ جنگ نہ ہو سکے تو اس کا حصہ بھی مقاتلین کے برابر ہوگا، کیونکہ بیمار معذور ہے اور دوسرے کام میں لگا ہوا شخص اپنے کام کے اعتبار سے مقاتل اور مجاہد ہے اور محنت اور کام میں مقاتل کے مساوی ہے لہٰذا منفعت کے حصول میں بھی اسے برابر حق دیا جائے گا۔

(۲) مسئلہ یہ ہے کہ مجاہدین نے کفار سے جنگ جیت لی اور مالِ غنیمت لے کر چلے لیکن دارالاسلام پہنچنے سے پہلے ہی دارالحرب میں ان سے کچھ معاون اور مددگار مل گئے تو یہ لوگ بھی مالِ غنیمت میں غازیوں کے ساتھ شریک ہوں گے، یہ حکم ہمارے یہاں ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حکم یہ ہے کہ اگر معاونین جنگ ختم ہونے اور غازیوں کے مالِ غنیمت جمع کرنے کے بعد ملتے ہیں تو مالِ غنیمت میں ان کی شرکت نہیں ہوگی، یہ اختلاف دراصل اس ضابطے پر متفرع ہے کہ ہمارے یہاں تین چیزوں سے مشارکت ختم ہوتی ہے (۱) دارالاسلام میں لاکر جمع کر لینے سے (۲) امام کے دارالحرب میں مالِ غنیمت تقسیم کر دینے سے (۳) دارالحرب میں غنائم فروخت کر دینے سے، اس لیے کہ ان تینوں میں سے ہر ہر فعل سے مالِ غنیمت میں غازیوں کی ملکیت تام ہوجاتی ہے اور معاونین ولاحقین کی شرکت کا امکان، ان کا حق اور چانس ختم ہوجاتا ہے، اور امام شافعی کے یہاں فتح کر لینے اور کفار کی شکست ہونے کے بعد ہی اموالِ غنیمت میں غازیوں کا حق ثابت ہوجاتا ہے اور شرکت کا امکان ختم ہوجاتا ہے اسی ضابطے کے اختلاف پر مسائل کا اختلاف مبنی ہے۔

قَالَ وَلَاحَقَّ لِأَهْلِ سُوْقِ الْعَسْكَرِ فِي الْغَنِيْمَةِ إِلَّا أَنْ يُقَاتِلُوْا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِيْ أَحَدِ قَوْلَيْهِ يُسْهَمُ لَهُمْ لِقَوْلِهِ① عَلَيْهِ السَّلَامُ ((اَلْغَنِيْمَةُ لِمَنْ شَهِدَ الْوَقْعَةَ))، وَلِأَنَّهُ وَجَدَ الْجِهَادَ مَعْنًى بِتَكْثِيْرِ السَّوَادِ، وَلَنَا أَنَّهُ لَمْ يُوْجَدِ الْمُجَاوَزَةُ عَلٰى قَصْدِ الْقِتَالِ فَانْعَدَمَ السَّبَبُ الظَّاهِرُ فَيُعْتَبَرُ السَّبَبُ الْحَقِيْقِيُّ وَهُوَ الْقِتَالُ فَيُفِيْدُ الْإِسْتِحْقَاقُ عَلٰى حَسْبِ حَالِهِ فَارِسًا أَوْ رَاجِلًا عِنْدَ الْقِتَالِ، وَمَارَوَاهُ مَوْقُوْفٌ عَلٰى عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَوْ تَأْوِيْلُهُ أَنْ يَشْهَدَهَا عَلٰى قَصْدِ الْقِتَالِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ لشکر کے بازاریوں کا غنیمت میں کوئی حق نہیں ہے الا یہ کہ وہ قتال کریں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دو قولوں میں ایک میں فرمایا ہے کہ ان کا بھی حصہ لگایا جائے گا، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ غنیمت اُن لوگوں کا حق ہے جو لڑائی میں موجود رہیں، اور اس لیے کہ لشکر کی تعداد میں اضافہ کرنے کے حوالے سے معنیً اہل سوق نے بھی جہاد کیا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ان کی طرف سے بنیتِ قتال نکلنا نہیں پایا گیا تو سبب ظاہری معدوم ہوگیا لہٰذا سبب حقیقی کا اعتبار کیا جائے گا اور وہ قتال ہے اس لیے بازاری اپنی حالت کے مطابق فارس یا پیادہ پا ہونے کے اعتبار سے مستحق غنیمت ہوگا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے یا اس کی تاویل یہ ہے کہ جو شخص قتال کے ارادے سے شریکِ جنگ ہو

(اسے غنیمت ملے گا)۔

اللغات:

﴿سوق﴾ بازار۔ ﴿یُسْهِم﴾ حصہ دیں۔ ﴿شَهِد﴾ مشاہدہ کیا، سامنے رہا۔ ﴿تکثیر﴾ اضافہ کرنا۔ ﴿فارس﴾ شہسوار۔ ﴿راجل﴾ پیدل، پیادہ۔

تخریج:

❶ اخرجه البیهقی فی السنن الکبری، حدیث: ۱۷۹۵۳۔

مالِ غنیمت اور لشکر کے بازار والے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ لشکر کے ساتھ جو بازار جاتا ہے اس کے بازاریوں کو قتال میں شرکت کیے بغیر مالِ غنیمت میں سے حصہ نہیں ملے گا، ہاں اگر وہ عملی طور سے قتال میں شرکت کرتے ہیں تو مستحقِ غنیمت ہوں گے، یہ حکم ہمارے یہاں ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے (بنایہ) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ بازاریوں کو بھی مالِ غنیمت سے حصہ دیا جائے گا، اس قول کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ''جو شخص بھی بوقتِ قتال حاضر ہوا سے مالِ غنیمت سے حصہ دیا جائے'' اور بازاری بھی اس وقت حاضر رہتا ہے، لہٰذا اسے بھی حصہ دیا جائے گا۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر چہ بازاری نے عملی طور قتال نہیں کیا لیکن وہ وہاں حاضر تھا اور اس کی حاضری سے مسلمانوں کی جمعیت میں اضافہ ہوا اور افراد کی کثرت ہوئی اور افراد کی کثرت سے کافروں پر رعب پڑتا ہے لہٰذا معناً وہ بھی جہاد کرنے والا ہوا اس لیے وہ مستحقِ غنیمت ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ بازاری کمانے اور خرید وفروخت کرنے کی نیت سے لشکر کے ساتھ جاتا ہے اور اس کی طرف سے بنیتِ قتال نکلنا نہیں پایا جاتا حالانکہ بنیتِ قتال نکلنا استحقاقِ غنیمت کا ظاہری سبب ہے اور جب ظاہری سبب اُس کے حق میں معدوم ہے تو اس کے مستحقِ قتال ہونے کے لیے حقیقی سبب یعنی عملی طور پر اس کی طرف سے قتال کرنا ضروری ہے اور چوں کہ یہ سبب بھی معدوم ہے اس لیے وہ مستحقِ غنیمت نہیں ہوگا ہاں جب یہ سبب پایا جائے گا تو وہاں وہ اپنے کام اور اپنی محنت کے حساب سے غنیمت کا مستحق ہوگا چنانچہ اگر وہ سوار ہو کر قتال کرے گا تو دو حصے پائے گا اور اگر پیادہ پا قتال کرے گا تو ایک حصے کا مستحق ہوگا۔

رہی وہ حدیث جس سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے تو وہ مرفوع نہیں ہے، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور انھی پر موقوف ہے۔ یا اس کی تاویل یہ ہے کہ **الغنیمة لمن شهد الوقعة** کا مطلب یہ ہے **لمن شهد الوقعة علی قصد القتال۔ واللّٰه أعلم بحقیقة الحال۔**

وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لِلْإِمَامِ حَمُوْلَةٌ تُحْمَلُ عَلَيْهَا الْغَنَائِمُ قَسَّمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ قِسْمَةَ إِيْدَاعٍ لِيَحْمِلُوْهَا إِلٰى دَارِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ يَرْتَجِعُهَا مِنْهُمْ فَيَقْسِمُهَا، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ هٰكَذَا ذُكِرَ فِي الْمُخْتَصَرِ وَلَمْ يُشْتَرَطْ رِضَاهُمْ وَهُوَ رِوَايَةُ السِّيَرِ الْكَبِيْرِ، وَالْجُمْلَةُ فِي هٰذَا أَنَّ الْإِمَامَ إِذَا وَجَدَ فِي الْمَغْنَمِ حَمُوْلَةً يَحْمِلُ الْغَنَائِمَ عَلَيْهَا، لِأَنَّ

الْحَمُوْلَةَ وَالْمَحْمُوْلَ مَالُهُمْ وَكَذَا إِذَا كَانَ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ فَضْلُ حَمُوْلَةٍ، لِأَنَّهُ مَالُ الْمُسْلِمِيْنَ، وَلَوْ كَانَ لِلْغَانِمِيْنَ أَوْلِبَعْضِهِمْ لَايُجْبِرُهُمْ فِيْ رِوَايَةِ السِّيَرِ الصَّغِيْرِ، لِأَنَّهُ اِبْتِدَاءُ إِجَارَةٍ فَصَارَ كَمَا إِذَا نَفَقَتْ دَابَّةٌ فِيْ مَفَازَةٍ وَمَعَ رَفِيْقِهِ فَضْلُ حَمُوْلَةٍ، وَيُجْبِرُهُمْ فِيْ رِوَايَةِ السِّيَرِ الْكَبِيْرِ، لِأَنَّهُ دَفْعُ الضَّرَرِ الْعَامِ بِتَحْمِيْلِ ضَرَرٍ خَاصٍ.

ترجمه: اور اگر امام کے پاس اتنی سواریاں نہ ہو جن پر غنائم کو لادا جاسکے تو امام ان غنائم کو تقسیم امانت کے طور پر مجاہدین میں تقسیم کردے تا کہ وہ انھیں دارالاسلام اٹھالیجائیں پھران سے واپس لے کر وہ غنائم ان کے مابین تقسیم کردے۔ بندۂ ضعیف کہتا ہے کہ مختصر القدوری میں اسی طرح مذکور ہے اور غازیوں کی رضامندی کو مشروط نہیں کیا ہے اور یہ سیر کبیر کی روایت ہے۔ اس مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ اگر امام غنیمت میں سواری پائے تو غنائم کو اس پر لاد دے، کیونکہ سواری اور اس پر لدا ہوا مال سب غازیوں کا ہے ایسے ہی اگر بیت المال میں زائد سواریاں ہوتو بھی انھیں منگوا کر ان پر لاد دے، اس لیے کہ بیت المال مسلمانوں کا مال ہے۔

اور اگر مجاہدین کے پاس مشترکہ سواری ہو یا ان میں سے کسی ایک کے پاس سواری ہوتو سیر صغیر کی روایت کے مطابق امام ان پر جبر نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ ابتداءً اجارہ ہے تو یہ ایسا ہوگیا جیسے جنگل میں کسی کی سواری ہلاک ہوگئی اور اس کے ساتھی کے پاس زائد سواری ہو (تو گم کردہ شخص اپنے ساتھی پر اپنا سامان لادنے کے لیے جبر نہیں کرسکتا) اور سیر کبیر کی روایت کے مطابق امام جبر کرسکتا ہے اس لیے کہ یہ ضرر خاص کو برداشت کرکے ضرر عام کو دفع کرنا ہے۔

اللغات:

﴿حمولة﴾ بار بردار۔ ﴿إيداع﴾ امانت دینا۔ ﴿يرتجعها﴾ اس کو واپس لے لے۔ ﴿نفقت﴾ ہلاک ہوگئی۔ ﴿مفازة﴾ جنگل، بیابان، غیر آباد علاقہ۔

غنیمت کے مال کو دارالسلام تک پہنچانے کے لیے غازیوں کے سپرد کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام کے پاس اموال غنائم میں سواریاں نہ ہوں اور انھیں دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف لیجانا دشوار ہو تو امام کو چاہئے کہ وہ امانت اور ودیعت کے طور پر غنائم کو غازیوں میں تقسیم کردے تا کہ وہ اسے دارالاسلام تک پہنچادیں اور پھر وہاں پہنچ کر ان سے واپس لے کر ان کی محنت اور کارکردگی کے مطابق ان اموال کو ان میں تقسیم کردے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مجاہدین کو ودیعت پر مال دینے کے لیے قدوری میں ان کی رضامندی کی شرط نہیں لگائی گئی ہے سیر کبیر میں بھی یہی ہے۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مال غنیمت میں سواریاں موجود ہوں تو امام غنائم کو انھی پر لاد دے۔ یا اگر دارالاسلام میں زائد سواریاں ہوں تو وہاں سے منگوا کر ان پر لاد دے اس لیے کہ بیت المال بھی مسلمانوں کا ہی مال ہے لہٰذا مسلمانوں کے کام سے ان کو استعمال کرنا درست اور جائز نہیں ہے۔ اور اگر مجاہدین کے پاس سواری ہو یا کسی غازی کے پاس سواری ہو تو امام غنائم لادنے کے لیے صاحب سواری کو مجبور نہیں کرسکتا۔ یہ سیر صغیر کی روایت ہے اور عدم جوازِ جبر کی وجہ یہ ہے کہ یہ صورت

ابتداءً اجارے کی ہے اور اجارے میں اجازت شرط اور ضروری ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے جنگل میں اگر کسی کی سواری ہلاک ہو جائے اور اس کے ساتھی کے پاس سواری ہو تو وہ شخص اپنے ساتھ کی سواری لینے کے لیے اسے مجبور نہیں کر سکتا ہاں اگر وہ ساتھی راضی ہو جائے تو لے سکتا ہے۔ لیکن سیر کبیر کی روایت میں ہے کہ امام صاحب سواری کو غنائم لادنے کے لیے مجبور کر سکتا ہے، کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں ضرر خاص (یعنی صاحب دابہ کی سواری لے کر) کو برداشت کر کے ضرر عام (مسلمانوں اور غازیوں کے ضرر) کو دور کرنا لازم آتا ہے اور ضررِ عام دور کرنے کے لیے ضررِ خاص کو برداشت کرلیا جاتا ہے۔

وَلَايَجُوْزُ بَيْعُ الْغَنَائِمِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فِيْ دَارِالْحَرْبِ، لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ قَبْلَهَا، وَفِيْهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ، وَقَدْ بَيَّنَّا الْأَصْلَ، وَمَنْ مَاتَ مِنَ الْغَانِمِيْنَ فِيْ دَارِالْحَرْبِ فَلَاحَقَّ لَهُ فِي الْغَنِيْمَةِ، وَمَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ إِخْرَاجِهَا إِلٰى دَارِالْإِسْلَامِ فَنَصِيْبُهُ لِوَرَثَتِهِ، لِأَنَّ الْإِرْثَ يَجْرِيْ فِي الْمِلْكِ، وَلَا مِلْكَ قَبْلَ الْإِحْرَازِ، وَإِنَّمَا الْمِلْكُ بَعْدَهُ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَيْهِ مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ اِسْتِقْرَارِ الْهَزِيْمَةِ يُوْرَثُ نَصِيْبُهُ لِقِيَامِ الْمِلْكِ فِيْهِ عِنْدَهُ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ.

ترجمه: تقسیم سے پہلے دار الحرب میں غنائم کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ تقسیم سے پہلے ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اور اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اور ہم ضابطہ بیان کر چکے ہیں۔ غازیوں میں سے جو شخص دار الحرب میں مرجائے تو غنیمت میں اس کا حق نہیں ہوگا اور غازیوں میں سے جو شخص دار الاسلام تک غنائم پہنچانے کے بعد مرا تو اس کا حصہ اس کے ورثاء کو ملے گا، اس لیے کہ ملکیت میں وراثت جاری ہے اور احراز سے پہلے ملکیت نہیں ہوتی، ملکیت تو احراز کے بعد ثابت ہوتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو غازی شکست ثابت ہونے کے بعد مرے اس کا حصہ میراث بن جائے گا، کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس میں غازی کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿إخراج﴾ نکالنا۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿إحراز﴾ محفوظ کرنا، ذخیرہ کرنا، محفوظ جگہ پہنچانا۔ ﴿استقرار﴾ طے ہو جانا، ثابت ہو جانا۔ ﴿هزيمة﴾ شکست۔

تقسیم سے پہلے غنائم کی بیع:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب تک امام المسلمین دار الحرب میں غنائم کو تقسیم نہ کر دے اس وقت تک اسے فروخت کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ہمارے یہاں تقسیم سے پہلے اس میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور بدون ملکیت بیع درست نہیں ہے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قبل القسمۃ غنائم کی فروختگی جائز ہے، کیونکہ ان کے یہاں استیلاء سے ملکیت تام ہو جاتی ہے۔

اگر دار الحرب میں قبل از تقسیم کوئی غازی مرجائے تو غنیمت سے اس کا حق ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر غنائم کے دار الاسلام لیجانے کے بعد کوئی غازی مرتا ہے تو وہ غنیمت کا حق دار ہوگا اور اس کا حصہ اس کے ورثاء کو دیا جائے گا اس لیے کہ احراز کی وجہ سے اس میں غازی مرحوم کا حق اور حصہ ثابت ہو چکا ہے اور اس کی ملکیت پختہ ہوگئی ہے اور ملکیت سبب استحقاق ہے جب کہ پہلی صورت میں یعنی قبل

الاحراز موت کی صورت میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اس لیے ہم نے اس صورت میں غازی کو مستحقِ غنیمت نہیں شمار کیا ہے۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کافروں کی شکست یقینی ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص مرتا ہے تو اسے غنیمت سے حصہ ملے گا، کیونکہ ان کے یہاں ہزیمت پختہ ہونے کے بعد ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور ماقبل میں ان کی اصل بیان کی جا چکی ہے۔

قَالَ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَعْلَفَ الْعَسْكَرَ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ وَيَأْكُلُوْا مِمَّا وَجَدُوْهُ مِنَ الطَّعَامِ، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ أَرْسَلَ وَلَمْ يُقَيِّدْ بِالْحَاجَةِ وَقَدْ شَرَطَهَا فِيْ رِوَايَةٍ وَلَمْ يَشْتَرِطْهَا فِي الْأُخْرٰى، وَجْهُ الْأُوْلٰى أَنَّهُ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ فَلَايُبَاحُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ إِلَّا لِلْحَاجَةِ كَمَا فِي الثِّيَابِ وَالدَّوَابِ، وَجْهُ الْأُخْرٰى قَوْلُهُ[1] عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ طَعَامِ خَيْبَرَ ((كُلُوْهَا وَاعْلُفُوْهَا وَلَاتَحْمِلُوْهَا))، وَلِأَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلٰى دَلِيْلِ الْحَاجَةِ وَهُوَ كَوْنُهُ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ، لِأَنَّ الْغَازِيْ لَايَسْتَصْحِبُ قُوْتَ نَفْسِهِ وَعَلَفَ ظَهْرِهِ مُدَّةَ مَقَامِهِ فِيْهَا، وَالْمِيْرَةُ مُنْقَطِعَةٌ فَبَقِيَ عَلٰى أَصْلِ الْإِبَاحَةِ لِلْحَاجَةِ، بِخِلَافِ السِّلَاحِ، لِأَنَّهُ يَسْتَصْحِبُهُ فَانْعَدَمَ دَلِيْلُ الْحَاجَةِ وَقَدْ تَمَسُّ إِلَيْهِ الْحَاجَةُ فَيُعْتَبَرُ حَقِيْقَتُهَا فَيَسْتَعْمِلُهُ ثُمَّ يَرُدُّهُ فِي الْمَغْنَمِ إِذَا اسْتَغْنٰى عَنْهُ، وَالدَّابَّةُ مِثْلُ السِّلَاحِ، وَالطَّعَامُ كَالْخُبْزِ، وَاللَّحْمُ وَمَايُسْتَعْمَلُ فِيْهِ كَالسَّمْنِ وَالزَّيْتِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ دارالحرب میں اہل لشکر کے لیے جانوروں کو چارہ کھلانے اور وہاں کے پائے ہوئے مطعومات سے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بندۂ ضعیف کہتا ہے کہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مطلق بیان کیا ہے اور ضرورت سے مقید نہیں کیا ہے جب کہ سیر صغیر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حاجت کو مشروط قرار دیا ہے، لیکن سیر کبیر میں ضرورت کی شرط نہیں لگائی ہے۔ پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ وہ مال تمام غازیوں میں مشترک ہے، لہٰذا بدون ضرورت اس سے انتفاع مباح نہیں ہوگا جیسے کپڑوں اور سواریوں کا یہی حکم ہے۔ دوسری روایت کی دلیل مطعومات خیبر کے متعلق حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے ''اسے کھاؤ اور جانوروں کو بھی کھلاؤ لیکن لاد کر نہ لیجاؤ'' اور اس لیے کہ حکم کا مدار دلیلِ حاجت پر ہے اور وہ اس کا دار الحرب میں ہونا ہے، کیونکہ دار الحرب میں اپنی مدت اقامت کے دوران غازی نہ تو اپنی خوارک ساتھ لیجا سکتا ہے اور نہ ہی اپنی سواری کا چارہ لیجا سکتا ہے اور وہاں تک غلے کا پہنچنا بھی ناممکن ہے، لہٰذا بربنائے ضرورت یہ حکم اصل اباحت پر باقی رہا۔

برخلاف ہتھیار کے، اس لیے کہ غازی ہتھیار اپنے ساتھ رکھتا ہے لہٰذا حاجت کی دلیل معدوم ہوگئی اور کبھی ہتھیار کی بھی ضرورت پڑتی ہے اس لیے حقیقی ضرورت کا اعتبار ہوگا لہٰذا جب غازی اس سے مستغنی ہو جائے گا تو وہ اسے استعمال کر کے مغنم میں واپس کر دے گا۔ اور سواری ہتھیار کی طرح ہے اور طعام سے روٹی اور گوشت اور اس کا مصالحہ یعنی گھی اور تیل مراد ہے۔

اللغات:

﴿یعلف﴾ چارہ لے لے۔ ﴿غانمین﴾ غازی۔ ﴿لایباح﴾ ناجائز ہوگا۔ ﴿دوابّ﴾ واحد دابّۃ؛ سواریاں۔ ﴿یدار﴾ مدار ہوتا ہے۔ ﴿لایستصحب﴾ نہیں ساتھ رکھتا۔ ﴿قوت﴾ غذا۔ ﴿علف﴾ چارہ۔ ﴿میرۃ﴾ غلّہ، خوراک۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار، اسلحہ۔ ﴿خبز﴾ روٹی۔ ﴿لحم﴾ گوشت۔ ﴿سمن﴾ گھی۔ ﴿زیت﴾ تیل۔

تخریج:

❶ اخرجہ البیهقی فی معرفۃ السنن، حدیث: ۵۳۵۸.

دارالحرب میں چارہ اور کھانا پینا استعمال کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مجاہدین دارالحرب کے کسی شہر کو فتح کر لیں تو وہاں رہ کر وہ اپنے جانوروں کو چارہ اور گھاس بھی کھلا سکتے ہیں اور خود بھی وہاں کے مطعومات کو استعمال کر سکتے ہیں اور یہ حکم قدوری میں مطلق ہے یعنی حاجت اور ضرورت سے مقید نہیں ہے جب کہ امام محمد رالٹیلیہ نے سیر صغیر میں بر بنائے ضرورت اس کی اجازت دی ہے اور سیر کبیر میں بدون ضرورت اس کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ ضرورت کی شرط لگائی ہے، سیر صغیر والی روایت کی دلیل یہ ہے کہ فتح کے بعد مفتوحہ علاقے کا مال غازیوں میں مشترک ہوتا ہے، لہٰذا بدون ضرورت اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا جیسے کپڑوں اور سواریوں کا یہی حکم ہے کہ بدون ضرورت ان کا استعمال مباح نہیں ہے اسی طرح چارہ، گھاس اور مطعومات کا بھی یہی حکم ہے ہوگا۔

سیر کبیر والی روایت کی دلیل مطعومات خیبر کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے ''اسے کھاؤ اور اپنے جانوروں کو کھلاؤ لیکن ڈھو کر مت لے جاؤ'' اس حدیث میں دو دو چار کی طرح یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ کھانے اور کھلانے کی اجازت ہے البتہ لاد کر لیجانا منع ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ حکم یعنی اباحت اور جواز کا مدار حاجت کی دلیل پر ہے اور غازیوں کا دارالحرب میں ہونا حاجت کی بیّن دلیل ہے، کیونکہ غازی کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ جب تک وہ دارالحرب میں رہے اس وقت تک کے لیے اپنی اور اپنے مویشیوں کی خوراک ساتھ لیجائے، لہٰذا دارالحرب میں اس کے قیام پذیر ہونا اس کے کھانے اور جانوروں کو کھلانے کی حاجت ہے اور پھر وہاں تک غلہ پہنچنے کے راستے بھی مسدود ہوتے ہیں، اس لیے ان چیزوں کا استعمال مباح ہوگا۔

اس کے برخلاف ہتھیار کا معاملہ ہے تو غازیوں کے لیے اس کا استعمال مباح نہیں ہے، کیونکہ غازی ہتھیار اپنے ساتھ لیجاتا ہے اور اسے ساتھ لیجانا ممکن بھی ہے، لہٰذا اس میں حاجت کی دلیل معدوم ہے اور جب دلیل حاجت معدوم ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا استعمال بھی ممنوع ہوگا۔ اور اگر کبھی کسی غازی کی تلوار ٹوٹ جانے یا ہاتھ سے گر جانے کی وجہ سے اس کے لیے مغنم سے تلوار لینے کی ضرورت پیش آجائے تو اس وقت دلیل حاجت کی حاجت نہیں ہوگی، بلکہ حقیقی ضرورت سامنے ہوگی اور اسی حقیقی ضرورت کے تحت غازی اسے استعمال کر کے دوبارہ مال غنیمت میں رکھ دے گا۔

والدابۃ مثل السلاح الخ فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں جو حکم ہتھیار کا ہے وہی حکم سواری کا بھی ہے یعنی اس میں بھی

حقیقی ضرورت کا اعتبار ہے۔ اور ماقبل میں جو طعام کا لفظ آیا ہے اس سے روٹی اور گوشت اور جن اشیاء سے گوشت تیار ہوتا ہے یعنی گھی اور تیل وغیرہ مراد ہے۔

قَالَ وَيَسْتَعْمِلُوْا الْحَطَبَ وَفِيْ بَعْضِ النَّسَخِ الطِّيْبَ وَيُدْهِنُوْا بِالدُّهْنِ وَيُوْقِحُوْا بِهِ الدَّابَةَ لِمَسَاسِ الْحَاجَةِ إِلٰى جَمِيْعِ ذٰلِكَ، وَيُقَاتِلُوْا بِمَا يَجِدُوْنَهُ مِنَ السَّلَاحِ، كُلُّ ذٰلِكَ بِلَاقِسْمَةٍ، وَتَاوِيْلُهُ إِذَا احْتَاجَ إِلَيْهِ بِأَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ سَلَاحٌ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ، وَلَايَجُوْزُ أَنْ يَبِيْعُوْا مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا وَلَايَتَمَوَّ لُوْنَهُ، لِأَنَّ الْبَيْعَ يَتَرَتَّبُ عَلَى الْمِلْكِ، وَلَا مِلْكَ عَلٰى مَاقَدَّمْنَا، وَإِنَّمَا هُوَ إِبَاحَةٌ وَصَارَ كَالْمُبَاحِ لَهُ الطَّعَامُ، وَقَوْلُهُ وَلَايَتَمَوَّلُوْنَهُ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّهُمْ لَايَبِيْعُوْنَهُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْعُرُوْضِ، لِأَنَّهُ لَاضَرُوْرَةَ إِلٰى ذٰلِكَ، فَإِنْ بَاعَهُ أَحَدُهُمْ رُدَّ الثَّمَنُ إِلَى الْغَنِيْمَةِ، لِأَنَّهُ بَدَلُ عَيْنٍ كَانَتْ لِلْجَمَاعَةِ، وَأَمَّا الثِّيَابُ وَالْمَتَاعُ فَيُكْرَهُ الْإِنْتِفَاعُ بِهَا قَبْلَ الْقِسْمَةِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ لِلْاِشْتِرَاكِ إِلَّا أَنَّهُ يُقَسِّمُ الْإِمَامُ بَيْنَهُمْ فِيْ دَارِالْحَرْبِ إِذَا احْتَاجُوْا إِلَى الثِّيَابِ وَالدَّوَابِ وَالْمَتَاعِ، لِأَنَّ الْمُحَرَّمَ يُسْتَبَاحُ لِلضَّرُوْرَةِ فَالْمَكْرُوْهُ أَوْلٰى، وَهٰذَا لِأَنَّ حَقَّ الْمَدَدِ مُحْتَمِلٌ وَحَاجَةُ هٰؤُلَاءِ مُتَيَقِّنٌ بِهَا فَكَانَ أَوْلٰى بِالرِّعَايَةِ، وَلَمْ يَذْكُرِ الْقِسْمَةَ فِي السَّلَاحِ، وَلَافَرْقَ فِي الْحَقِيْقَةِ فَإِنَّهُ إِذَا احْتَاجَ وَاحِدٌ يُبَاحُ لَهُ الْإِنْتِفَاعُ فِي الْفَصْلَيْنِ، فَإِنْ اِحْتَاجَ الْكُلُّ يُقَسِّمُ فِي الْفَصْلَيْنِ بِخِلَافِ مَا إِذَا احْتَاجُوْا إِلَى السَّبِيِّ حَيْثُ لَايُقَسِّمُ، لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَيْهِ فِيْ فُضُوْلِ الْحَوَائِجِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ مجاہدین لکڑیاں استعمال کر سکتے ہیں اور بعض نسخوں میں ہے خوشبو استعمال کر سکتے ہیں اور تیل استعمال کر سکتے ہیں اور سواریوں کے پیروں میں لگا سکتے ہیں، اس لیے کہ ان تمام چیزوں کی ضرورت درکار ہے اور جو بھی ہتھیار پائیں انھیں لے کر (کفار سے) قتال بھی کر سکتے ہیں، یہ تمام چیزیں بلاتقسیم کے مباح ہیں اروا س کی تاویل یہ ہے کہ جب ان اشیاء کی ضرورت ہو بایں طور کہ غازی کے پاس ہتھیار نہ ہو اور ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

اور ان کے لیے ان چیزوں میں کوئی چیز فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی انہیں جمع کرنا جائز ہے، کیونکہ بیع ملکیت پر مرتب ہوتی ہے اور یہاں ملکیت معدوم ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور یہ تو اباحت ہے یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی کے لیے طعام مباح کیا گیا ہو۔

اور امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کا ولا یتموّ لونہ کہنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ نہ تو سونے چاندی کے عوض اسے فروخت کر سکتے ہیں اور نہ ہی سامان کے عوض، کیونکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر کوئی غازی بیچ دے تو اس کا ثمن مالِ غنیمت میں واپس کر دے اس لیے کہ یہ ایسے عین کا بدل ہے جو تمام غازیوں کا ہے۔

اور کپڑے اور دوسرے سامانوں سے بلاضرورت انتفاع مکروہ ہے، کیونکہ ان میں اشتراک ہے لیکن اگر غازیوں کو کپڑے ،سواریاں اور سامان کی ضرورت ہوتو امام دار الحرب میں یہ چیزیں ان کے مابین تقسیم کرسکتا ہے اس لیے کہ ضرورت کے وقت جب حرام چیز مباح ہوجاتی ہے تو مکروہ چیز تو بدرجۂ اولیٰ مباح ہوگی۔ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ ان چیزوں کی مدد کا حق محتمل ہے جب کہ ان کی ضرورت یقینی ہے لہٰذا ضرورت کی رعایت کرنا بہتر ہوگا۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہتھیار میں تقسیم کا ذکر نہیں کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ثیاب اور سلاح میں ضرورت کے حوالے سے کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ اگر کسی کو دونوں چیزوں کی ضرورت ہوتو اس کے لیے دونوں سے فائدہ حاصل کرنا مباح ہے۔ اور اگر سب کو ان کی ضرورت ہوتو امام دونوں چیزیں ان کے مابین تقسیم کردے۔ لیکن اگر غازیوں کو گرفتار کردہ عورتوں کی ضرورت ہوتو امام انھیں غازیوں میں تقسیم نہیں کرے گا کیونکہ ان کی ضرورت، ضرورت سے زائد ہے۔

اللغاتُ:

﴿حطب﴾ لکڑیاں، ایندھن۔ ﴿طیب﴾ خوشبو۔ ﴿یدھنوا﴾ مالش کریں۔ ﴿دُھْن﴾ تیل۔ ﴿یوقحوا بہ﴾ جانوروں کے پیروں میں لگائیں۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار، اسلحہ۔ ﴿لایتموّلونہٗ﴾ اس کو جمع نہ کریں۔ ﴿ذھب﴾ سونا۔ ﴿فضّة﴾ چاندی۔ ﴿متاع﴾ ساز وسامان۔ ﴿یستباح﴾ حلال کرلیا جاتا ہے۔ ﴿سبی﴾ قیدی۔

دارالحرب کی مباح اشیاء کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر غازیوں کو ضرورت ہوتو دار الحرب میں قبل از تقسیمِ غنائم وہ وہاں کی لکڑی اور تیل وغیرہ استعمال کرسکتے ہیں اور اپنے مویشیوں کو بھی لگا سکتے ہیں۔ اسی طرح وہاں کے ہتھیار سے قتال بھی کرسکتے ہیں، بشرطیکہ ان کے پاس سلاح نہ ہو اور انھیں یا کسی غازی کو اس کی ضرورت ہو۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ کل ذلك بلا قسمة کا تعلق طعام، علف اور ثیاب وغیرہ سب سے ہے لیکن وتأویله کا تعلق صرف ویقاتلوا بما یجدونه من السلاح سے ہے جیسا کہ اوپر والی عبارت میں اس پر سیر حاصل گفتگو ہوچکی ہے۔ (بنایہ: ۶/۵۷۶)

ولایجوز الخ مسئلہ یہ ہے کہ اموالِ غنیمت کو نہ تو سونا چاندی کے عوض فروخت کرنا جائز ہے اور نہ ہی دوسرے سامان کے عوض اور نہ ہی ان کا ذخیرہ کرنا جائز ہے، کیونکہ بیع اور تموّل کے لیے ملکیت ضروری ہے اور حالت یہ ہے کہ دار الحرب میں قبل الاحراز والقسمت غانمین کی ملکیت معدوم ہے اور جب ملکیت معدوم ہے تو ظاہر ہے کہ بیع بھی صحیح نہیں ہوگی۔ باقی بات واضح ہے۔

وأما الثیاب والمتاع الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ غازیوں کے لیے بلاضرورت اموالِ غنیمت میں سے کپڑے اور دیگر سامان کا استعمال مکروہ ہے، کیونکہ یہ سب مشترک ہے اور ان میں سب کا حق ہے، ہاں اگر یہ چیزیں ان میں تقسیم کرسکتا ہے اس لیے کہ ضرورت جب حرام کو مباح کردیتی ہے تو مکروہ کو بدرجۂ اولیٰ مباح کردے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ غازیوں کو ان چیزوں کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت متیقن ہے جب کہ دار الاسلام سے ان چیزوں کو منگوا کر غازیوں کی ضرورت پوری کرنے اور نہ کرنے کا احتمال ہے اور متیقن کے سامنے محتمل کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، لہٰذا متیقن یعنی حقیقی ضرورت پر عمل ہوگا اور یہ چیزیں دار الحرب ہی میں غازیوں کو

دے دی جائیں گی۔

ولم یذکر القسمة الخ فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہتھیاروں کے متعلق یہ نہیں لکھا ہے کہ بوقتِ ضرورت ان کی تقسیم ہوسکتی ہے یا نہیں؟ لیکن صحیح یہ ہے کہ ضرورت کے وقت جس طرح ثیاب، متاع اور دواب وغیرہ کے استعمال کی اجازت ہے، اسی طرح سلاح کے استعمال کی بھی اجازت ہے۔ اب اگر ایک دو غازیوں کو اس کی ضرورت ہو تو اس کے لیے استعمال کرنا مباح ہے اور اگر سب کو ضرورت ہو تو امام ہتھیار کو بھی ان کے مابین تقسیم کرسکتا ہے۔

بخلاف ما إذا احتاجوا الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر غازیوں کو ان عورتوں کی ضرورت پڑے جو گرفتار ہوئی ہیں تو امام احراز سے پہلے انھیں تقسیم نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ قبل الاحراز ان میں ملکیت معدوم ہے۔

قَالَ وَمَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ، مَعْنَاهُ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ أَحْرَزَ بِإِسْلَامِهِ نَفْسَهُ، لِأَنَّ الْإِسْلَامَ يُنَافِيْ اِبْتِدَاءَ الْإِسْتِرْقَاقِ، وَأَوْلَادَهُ الصِّغَارَ، لِأَنَّهُمْ مُسْلِمُوْنَ بِإِسْلَامِهِ تَبَعًا، وَكُلَّ مَالٍ هُوَ فِيْ يَدَيْهِ لِقَوْلِهِ [1] عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ أَسْلَمَ عَلٰى مَالٍ فَهُوَ لَهُ، وَلِأَنَّهُ سَبَقَتْ يَدُهُ الْحَقِيْقَةُ إِلَيْهِ يَدَ الظَّاهِرِيْنَ عَلَيْهِ، أَوْ وَدِيْعَةً فِيْ يَدِ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ، لِأَنَّهُ فِيْ يَدٍ صَحِيْحَةٍ مُحْتَرَمَةٍ، وَيَدُهُ كَيَدِهِ، فَإِنْ ظَهَرْنَا عَلٰى دَارِ الْحَرْبِ فَعِقَارُهُ فَيْءٌ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ هُوَ لَهُ، لِأَنَّهُ فِيْ يَدِهِ فَصَارَ كَالْمَنْقُوْلِ، وَلَنَا أَنَّ الْعِقَارَ فِيْ يَدِ أَهْلِ الدَّارِ وَسُلْطَانِهَا إِذْ هُوَ مِنْ جُمْلَةِ دَارِ الْحَرْبِ فَلَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهِ حَقِيْقَةً، وَقِيْلَ هٰذَا قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْآخَرُ، وَفِيْ قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ يُوْسُفَ الْأَوَّلُ هُوَ كَغَيْرِهِ مِنَ الْأَمْوَالِ بِنَاءً عَلٰى أَنَّ الْيَدَ حَقِيْقَةً لَا يَثْبُتُ عَلَى الْعِقَارِ عِنْدَهُمَا، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَثْبُتُ، وَزَوْجَتُهُ فَيْءٌ، لِأَنَّهَا كَافِرَةٌ حَرْبِيَّةٌ لَا تَتْبَعُهُ فِي الْإِسْلَامِ، وَكَذَا حَمْلُهَا فَيْءٌ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ هُوَ يَقُوْلُ إِنَّهُ مُسْلِمٌ تَبَعًا كَالْمُنْفَصِلِ، وَلَنَا أَنَّهُ جُزْؤُهَا فَيَرِقُّ بِرِقِّهَا وَالْمُسْلِمُ مَحَلٌّ لِلْمِلْكِ تَبَعًا لِغَيْرِهِ، بِخِلَافِ الْمُنْفَصِلِ، لِأَنَّهُ حُرٌّ لِانْعِدَامِ الْجُزْئِيَّةِ عِنْدَ ذٰلِكَ، وَأَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَيْءٌ، لِأَنَّهُمْ كُفَّارٌ حَرْبِيُّوْنَ وَلَا تَبْعِيَةَ، وَمَنْ قَاتَلَ مِنْ عَبِيْدِهِ فَيْءٌ لِأَنَّهُ لَمَّا تَمَرَّدَ عَلٰى مَوْلَاهُ خَرَجَ مِنْ يَدِهِ فَصَارَ تَبَعًا لِأَهْلِ دَارِهِمْ، وَمَا كَانَ مِنْ مَالِهِ فِيْ يَدِ حَرْبِيٍّ فَهُوَ فَيْءٌ، غَصْبًا كَانَ أَوْ وَدِيْعَةً، لِأَنَّ يَدَهُ لَيْسَتْ بِمُحْتَرَمَةٍ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ کفار میں سے جو شخص دار الحرب میں مسلمان ہوگیا اس نے اپنے اسلام سے اپنے آپ کو محفوظ کرلیا، کیونکہ اسلام ابتداءً مملوک ہونے کے منافی ہے۔ اور اس نے اپنے چھوٹے بچوں کو محفوظ کرلیا کیونکہ وہ بچے اپنے باپ کے اسلام کے تابع ہوکر مسلمان ہیں۔ اور اس نے ہر اس مال کو محفوظ کرلیا جو اس کے قبضے میں ہو، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص اس حال میں مسلمان ہوا کہ اس کے پاس کوئی مال ہو تو وہ مال اسی کا ہے۔ اور اس لیے کہ اس مال پر غازیوں کا قبضہ ہونے سے پہلے اس شخص کا

ذاتی قبضہ برقرار ہے۔ اور اس مال کو بھی محفوظ کرلیا جو کسی مسلمان یا ذمی کے قبضے میں بطور امانت کے ہو، اس لیے کہ وہ مال بھی صحیح اور محترم قبضے میں ہے۔ اور مودَع کا قبضہ صاحب مال کے قبضے کی طرح ہے۔ اور اگر ہم مسلمان دار الحرب پر غالب ہوگئے تو اس کا عقار فئے ہوگا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ مال بھی اسی کا ہوگا، کیونکہ وہ اسی کے قبضے میں ہے تو یہ مال منقول کی طرح ہوگیا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر منقول مال دار الحرب والوں کے اور ان کے بادشاہ کے قبضے میں ہے، اس لیے کہ عقار بھی من جملہ دار الحرب کے ہے لہٰذا وہ حقیقتاً اس کے قبضے میں نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا آخری قول ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول اول میں اس کا عقار بھی اس کے منقولہ اموال کی طرح ہے، اور یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ حضرات شیخین عِیَاشَیْنا کے یہاں عقار میں حقیقی قبضہ ثابت نہیں ہوتا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قبضہ ثابت ہوجاتا ہے۔

اور اس شخص کی بیوی بھی فئے ہوگی اس لیے کہ وہ کافرہ حربیہ ہے اور اسلام کے سلسلے میں اپنے شوہر کی اطاعت نہیں کررہی ہے نیز اس عورت کا حمل بھی فئے ہوگا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ حمل تابع ہوکر مسلم ہے جیسے وہ بچہ جو پیدا ہوچکا ہو۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل اپنی ماں کا جزء ہے لہٰذا ماں کے رقیق ہونے کی وجہ سے وہ بھی رقیق ہوگا اور مسلمان دوسرے کے تابع ہوکر ملکیت کا محل ہوجاتا ہے۔ برخلاف منفصل کے، کیونکہ وہ آزاد ہوتا ہے، اس لیے کہ بوقتِ انفصال جزئیت معدوم ہوجاتی ہے۔ اور اس کی بالغ اولاد بھی فئ ہوگی، کیونکہ وہ سب حربی کافر ہیں اور تبعیت معدوم ہے۔ اور اس نومسلم کے غلاموں میں سے جو قتال کرے گا وہ بھی فئے ہوگا، اس لیے کہ جب اس نے اپنے مولیٰ پر سرکشی کرلی تو وہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا، لہٰذا وہ دار الحرب کے تابع ہوگیا۔ اور اس شخص کا جو مال کسی حربی کے قبضے میں ہو وہ بھی فئے ہوگا خواہ غصب کیا ہوا ہو یا ودیعت کے طور پر ہو، اس لیے کہ اس کا قبضہ محترم نہیں ہے۔

اللغات:

﴿احرز﴾ محفوظ کرلیا۔ ﴿استرقاق﴾ غلام بنانا۔ ﴿ظاهرين﴾ غلبہ پانے والے، فاتحین۔ ﴿يد﴾ قبضہ۔ ﴿عقار﴾ غیر منقولہ جائیداد، زمین وغیرہ۔ ﴿فيء﴾ غنیمت۔ ﴿منفصل﴾ جدا ہونے والا۔ ﴿تمرّد﴾ سرکشی کی۔ ﴿وديعة﴾ امانت۔

تخریج:

① اخرجہ البیہقی فی السنن الکبری، حدیث: ۱۸۲۵.

دار الحرب کے مسلمان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ غازیوں کے دار الحرب کو فتح کرنے کے بعد اگر کفار میں سے کوئی شخص مسلمان ہوگیا تو اسلام کی وجہ سے اس کی جان بھی مقتول ہونے سے بچ جائے گی، اس کی نابالغ اولاد بھی بچ جائے گی اور اس کا مال بھی محفوظ ہوجائے گا خواہ وہ اس کے قبضے میں ہو یا کسی مسلمان اور ذمی کے پاس بطور امانت رکھا ہوا ہو۔ اس کے لیے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ اسلام ابتداءً کسی کو کسی کا مملوک نہیں بناتا، کیونکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے بندہ خدا کا کامل مملوک ہوتا ہے لہٰذا اس میں بندے کی ملکیت نہیں داخل ہوگی، ہاں اسلام بقاءً مملوک ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اور چوں کہ الولد يتبع خير الأبوين دنیا کی وجہ سے نابالغ اولاد اپنے باپ کی تابع ہوتی ہے اس لیے اس شخص کے تابع ہوکر وہ بھی مسلمان ہوگی اور قتل سے بچ جائے گی۔ باقی بات واضح ہے۔

فإن ظهرنا الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر غازی اور مجاہد لوگ دار الحرب پر غالب آجائیں تو اس نومسلم کی غیر منقولہ جائداد فئے ہوگی۔ یعنی مال غنیمت میں داخل ہوگی، لیکن امام شافعی کے یہاں عقار کا مالک وہی نومسلم ہوگا وبہ قال مالك وأحمد (بنایه) ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص اس عقار پر قابض ہے، لہٰذا جس طرح وہ اپنی منقولہ جائداد کا مالک ہے اسی طرح غیر منقولہ جائداد کا بھی مالک ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ عقار پر اس کا قبضہ نہیں ہے، کیونکہ عقار پر تو اہل حرب اور شاہِ حرب کا قبضہ ہوتا ہے اور وہ دار الحرب میں شمار ہوتی ہے اور چوں کہ دار الحرب فئے ہوتا ہے لہٰذا غیر منقولہ جائداد بھی فئ ہوگی۔

وقیل هذا الخ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کی رائے میں مذکورہ نومسلم کی عقار کو فئے قرار دینا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منقول ہے اور یہی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا آخری قول ہے اور اسے نومسلم کی مملوک قرار دینا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی پہلے اسی کے قائل تھے اور یہ اختلاف درحقیقت اس اصل پر مبنی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عقار پر حقیقی قبضہ ثابت نہیں ہوتا جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس پر بھی حقیقی قبضہ متحقق ہوجاتا ہے۔

وزوجته الخ فرماتے ہیں کہ اس نومسلم کی بیوی بھی فئے ہوگی اور اگر وہ حمل سے ہو تو ہمارے یہاں اس کا حمل بھی فئے ہوگا لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حمل فئے نہیں ہوگا بلکہ جس طرح پیدا شدہ نابالغ بچہ باپ کے تابع ہوکر مسلمان ہوتا ہے ایسے ہی حمل بھی باپ کے تابع ہوکر مسلمان ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل ماں کے تابع ہے اور اس کا جزء ہے اور چوں کہ ماں رقیق ہے لہٰذا حمل بھی رقیق ہوگا۔ اور اگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہم اسے باپ کے تابع قرار دے کر مسلمان مان بھی لیں تب بھی وہ رقیق ہوگا کیونکہ دوسرے کے تابع ہوکر مسلمان مملوک اور رقیق بن سکتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی مسلمان نے دوسرے کی باندی سے نکاح کرلیا تو اس نکاح سے پیدا ہونے والا بچہ اگرچہ باپ کے تابع ہوکر مسلمان ہوگا لیکن ماں کی وجہ سے وہ رقیق ہوگا اسی طرح یہ حمل بھی ماں کی وجہ سے رقیق اور فئے ہوگا۔ ہاں اگر حمل بچہ کی شکل اختیار کرکے ماں سے جدا ہوچکا ہے تو اب وہ آزاد ہوگا اور فئ نہیں ہوگا، کیونکہ انفصال کے بعد جزئیت ختم ہوچکی ہے۔

اس نومسلم کے بالغ اور بڑے بچے فئے ہوں گے، کیونکہ یہ سب کافر حربی ہیں اور بڑا ہونے کی وجہ سے ان کے حق میں تبعیت معدوم ہے یعنی یہ ظالم اپنے مسلم باپ کی اتباع نہیں کریں گے۔ اسی طرح اگر اس شخص کے غلاموں میں سے کوئی غلام مسلمانوں سے قتال کرے گا تو وہ بھی فئے ہوگا، کیونکہ یہ غلام اپنے آقا کی نافرمانی کرکے اس کے قبضے سے نکل گیا اور دار الحرب والوں کے تابع ہوگیا اور چوں کہ دار الحرب کے کفار فئے ہیں، لہٰذا یہ غلام بھی فئے ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نومسلم کا مال کسی حربی کے قبضے میں ہو تو وہ بھی فئے ہے خواہ وہ مال غصب کیا ہوا ہو یا ودیعت کے طور پر ہو اس لیے کہ حربی کا قبضہ قابلِ احترام نہیں ہے اور اس کا قبضہ مسلمانوں کے قبضے کی طرح نہیں ہے کہ اس قبضہ کی وجہ سے اس کے پاس موجود مال محفوظ اور محترم ہو۔

وَإِنْ كَانَ غَصْبًا فِيْ يَدِ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ فَهُوَ فَيْءٌ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَايَكُوْنُ فَيْئًا، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ كَذَا ذَكَرَ مُحَمَّدٌ الْإِخْتِلَافَ فِي السِّيَرِ الْكَبِيْرِ، وَذَكَرُوْا فِيْ شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ قَوْلَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ مَعَ قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، لَهُمَا أَنَّ الْمَالَ تَابِعٌ لِلنَّفْسِ وَقَدْ صَارَتْ مَعْصُوْمَةً بِالْإِسْلَامِ

فَيَتْبَعُهَا مَالُهُ فِيهَا، وَلَهُ أَنَّهُ مَالٌ مُبَاحٌ فَيُمْلَكُ بِالْإِسْتِيلَاءِ، وَالنَّفْسُ لَمْ تَصِرْ مَعْصُومَةً بِالْإِسْلَامِ أَلَا تَرٰى أَنَّهَا لَيْسَتْ بِمُتَقَوِّمَةٍ إِلَّا أَنَّهُ مُحَرَّمُ التَّعَرُّضِ فِي الْأَصْلِ لِكَوْنِهِ مُكَلَّفًا، وَإِبَاحَةُ التَّعَرُّضِ بِعَارِضِ شَرِّهِ وَقَدِ انْدَفَعَ بِالْإِسْلَامِ، بِخِلَافِ الْمَالِ، لِأَنَّهُ خُلِقَ عُرْضَةً لِلْإِمْتِهَانِ فَكَانَ مَحَلًّا لِلتَّمَلُّكِ وَلَيْسَتْ فِي يَدِهِ حُكْمًا فَلَمْ تَثْبُتِ الْعِصْمَةُ.

ترجمہ: اور اس نومسلم کا مال جو کسی مسلمان یا ذمی کے قبضہ میں غاصبانہ طور پر ہو تو وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں فئے ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فئے نہیں ہوگا، بندۂ ضعیف کہتا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر کبیر میں اسی طرح اختلاف بیان کیا ہے اور جامع صغیر کے شراح نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مال نفس کے تابع ہوتا ہے اور اسلام کی وجہ سے نفس معصوم ہوگیا ہے، لہٰذا معصوم ہونے میں مال اس کے نفس کے تابع ہوگا۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مال مباح ہے اور قبضہ کرنے سے وہ مملوک ہو جاتا ہے اور اسلام کی وجہ سے نفس معصوم نہیں ہوا ہے کیا دیکھتے نہیں کہ نفس متقوم نہیں ہے لیکن اصلاً اس سے تعرض حرام ہے کیونکہ وہ (آدمی) مکلف ہے اور اس سے چھیڑ چھاڑ کرنا اس کے عارضی شر کی وجہ سے مباح تھا اور اسلام کی وجہ سے یہ ممتنع ہوگیا ہے۔ برخلاف مال کے کیونکہ وہ تو خرچ کرنے کے لیے پیدا ہی کیا گیا ہے، لہٰذا وہ محل تملک ہوگا اور حکماً بھی یہ مال اس نومسلم کے قبضہ میں نہیں ہے لہٰذا عصمت ثابت نہیں ہوگی۔

اللغات:

﴿فيء﴾ غنیمت کا مال۔ ﴿معصومة﴾ محفوظ۔ ﴿يتبعها﴾ اس (نفس) کے تابع ہوگا۔ ﴿مباح﴾ حلال۔ ﴿استيلاء﴾ قبضہ، غلبہ، فتح۔ ﴿لم تصر﴾ نہیں ہوا۔ ﴿تعرّض﴾ دراندازی۔ ﴿إباحة﴾ حلال ہونا۔ ﴿عرضة﴾ ہدف، نشانہ۔

کسی نومسلم کے مغصوب مال کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نومسلم کا مال کسی مسلمان نے غصب کیا ہو یا کسی ذمی نے غصب کیا ہو اور وہ مال غاصب ہی کے قبضے میں ہو تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ بھی فئے ہوگا، لیکن حضرات صاحبینؒ کے یہاں فئے نہیں ہوگا، بلکہ صاحبِ مال کا ہوگا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ انسان کا مال اس کے نفس کے تابع ہوتا ہے اور نومسلم کے اسلام کی وجہ سے اس کا نفس معصوم اور محفوظ ہوگیا ہے لہٰذا اس کا مال بھی محفوظ ہو جائے گا اور فئے نہیں ہوگا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مال اصل میں مباح ہوتا ہے اور جو اس پر قابض اور غالب ہوتا ہے مال اس کی ملکیت میں شمار ہوتا ہے اس لیے اب اس مال پر غاصب کا قبضہ ہے اور یہ مال نومسلم کے قبضہ سے خارج ہے لہٰذا یہ اس کا مال نہیں ہوگا بلکہ فئے ہوگا اور رہا حضرات صاحبین کا نفس کو معصوم قرار دے کر مال کو اس کے تابع بنا کر معصوم قرار دینا تو وہ ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ ہمارے یہاں نفس اس درجے کا معصوم نہیں ہے کہ دوسرے میں عصمت ثابت کردے، اس لیے کہ اس درجے کی عصمت دارالاسلام سے ثابت ہوتی ہے اور یہ واقعہ دارالحرب کا ہے اسی لیے تو اس نومسلم کا نفس متقوم نہیں ہے اور اگر کوئی مسلمان اس شخص کو عمداً یا خطأً قتل کردے تو اس قاتل پر قصاص یا دیت نہیں ہے۔ البتہ چوں کہ نفس الامر میں انسان سے چھیڑ چھاڑ کرنا حرام ہے، کیونکہ وہ احکام کا مکلف ہے اور احکام پر بدون عصمت عمل کرنا دشوار ہے، لہٰذا اس درجے میں ہم نے اسے معصوم مانا ہے اور اس کے شر یعنی کفر اور حرب کی وجہ سے اس کو قتل

کرنے اور مارنے کی اباحت دی گئی ہے لیکن جب وہ اسلام لے آیا تو یہ اباحت بھی ساقط ہوگئی اور تعرض سے اس شخص کا نفس پاک ہوگیا۔

اس کے برخلاف مال کا مسئلہ ہے تو مال خرچ اور صرف کرنے کے لیے پیدا ہی کیا گیا ہے، لہٰذا مال ملکیت میں آنے کے قابل ہوگا اور چوں کہ یہ مال صاحبِ مال یعنی نومسلم کے قبضہ میں نہیں ہے، بلکہ غاصب کے قبضہ میں ہے اور اس کے حق میں غاصب کا قبضہ معتبر نہیں ہے لہٰذا اس مال میں تو معمولی سی بھی عصمت ثابت نہیں ہوگی اور وہ فئے ہوگا۔

وَإِذَا خَرَجَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ دَارِالْحَرْبِ لَمْ يَجُزْ أَنْ يَعْلِفُوْا مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَيَأْكُلُوْا مِنْهَا، لِأَنَّ الضَّرُوْرَةَ قَدِ ارْتَفَعَتْ وَالْإِبَاحَةُ بِاعْتِبَارِهَا، وَلِأَنَّ الْحَقَّ قَدْ تَأَكَّدَ حَتّٰى يُوْرَثَ نَصِيْبُهُ، وَلَا كَذٰلِكَ قَبْلَ الْإِخْرَاجِ إِلٰى دَارِالْإِسْلَامِ، وَمَنْ فَضَلَ مَعَهُ عَلَفٌ أَوْ طَعَامٌ رَدَّهُ إِلَى الْغَنِيْمَةِ، مَعْنَاهُ إِذَا لَمْ تُقَسَّمْ، وَعَنِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ مِثْلُ قَوْلِنَا وَعَنْهُ أَنَّهُ لَايَرُدُّ اِعْتِبَارًا بِالْمُتَلَصِّصِ، وَلَنَا أَنَّ الْإِخْتِصَاصَ ضَرُوْرَةُ الْحَاجَةِ وَقَدْ زَالَتْ، بِخِلَافِ الْمُتَلَصِّصِ لِأَنَّهُ كَانَ أَحَقَّ بِهِ قَبْلَ الْإِحْرَازِ فَكَذَا بَعْدَهُ، وَبَعْدَ الْقِسْمَةِ تَصَدَّقُوْا بِهِ إِنْ كَانُوْا أَغْنِيَاءَ وَانْتَفَعُوْا بِهِ إِنْ كَانُوْا مَحَاوِيْجَ، لِأَنَّهُ صَارَ فِيْ حُكْمِ اللُّقْطَةِ لِتَعَذُّرِ الرَّدِّ عَلَى الْغَانِمِيْنَ، وَإِنْ كَانُوْا اِنْتَفَعُوْا بِهِ بَعْدَ الْإِحْرَازِ تُرَدُّ قِيْمَتُهُ إِلَى الْمَغْنَمِ إِنْ كَانَ لَمْ يُقَسَّمْ، وَإِنْ قُسِّمَتِ الْغَنِيْمَةُ فَالْغَنِيُّ يَتَصَدَّقُ بِقِيْمَتِهِ وَالْفَقِيْرُ لَاشَيْءَ عَلَيْهِ لِقِيَامِ الْقِيْمَةِ مَقَامَ الْأَصْلِ فَأَخَذَ حُكْمَهُ.

ترجمه: اور جب مسلمان دار الحرب سے نکل گئے تو ان کے لیے مال غنیمت سے چارہ کھلانا اور اس سے کھانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ ضرورت ختم ہو چکی ہے اور ضرورت ہی کی وجہ سے اباحت ثابت تھی۔ اور اس لیے کہ غازیوں کا حق پختہ ہوگیا ہے حتی کہ (اگر کوئی غازی مرتا ہے تو) اس کا حصہ وراثت بنتا ہے، اور دار الاسلام کے لیے نکلنے سے پہلے یہ حالت نہیں تھی۔ اور جس شخص کے پاس زیادہ چارہ ہو یا کھانے کی چیز ہو تو اسے غنیمت میں واپس کردے اس کے معنی ہیں جب غنیمت تقسیم نہ ہوئی ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارے قول کی طرح مروی ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ چور پر قیاس کرتے ہوئے واپس نہیں کیا جائے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اختصاص حاجت کی ضرورت سے ہے اور ضرورت ختم ہو چکی ہے برخلاف متلصص کے، کیونکہ وہ احراز سے پہلے ہی اس کا مستحق تھا لہٰذا احراز کے بعد بھی وہی مستحق ہوگا۔ اور تقسیم کے بعد اگر غازی مالدار ہوں تو اس مال کا صدقہ کردیں اور اگر محتاج ہوں تو اس سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ لقطہ کے حکم میں ہوگیا، اس لیے کہ غانمین پر واپس کرنا محال ہے۔ اور اگر دار الاسلام لانے کے بعد انھوں نے اس سے فائدہ اٹھایا تو اس کی قیمت مال غنیمت میں واپس کردی جائے اگر مال تقسیم نہ ہوا ہو۔ اور اگر غنیمت تقسیم ہوگئی ہو تو غنی غازی اس کی قیمت صدقہ کردے اور فقیر پر کچھ نہیں ہے، اس لیے کہ قیمت اصل کے قائم مقام ہے لہٰذا اس نے اصل کا حکم لے لیا ہے۔

اللغات:

﴿یعلفوا﴾ چارہ لیں، جانور چرائیں۔ ﴿تأکّد﴾ پختہ ہوگیا۔ ﴿فضل﴾ بچ گیا ہو۔ ﴿متلصّص﴾ چور، لٹیرا۔

﴿إحراز﴾ بچانا، محفوظ جگہ تک پہنچانا۔ ﴿محاویج﴾ ضرورت مند۔

دار الحرب سے نکل کر مالِ غنیمت کو استعمال کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دار الحرب میں رہتے ہوئے تو مجاہدین کے لیے اموال غنائم میں سے مطعومات وغیرہ کو استعمال کرنے کی اجازت ہے، لیکن دار الحرب سے نکلنے کے بعد ان کے لیے نہ تو مویشیوں کو چارہ اور گھاس کھلانے کی اجازت ہے اور نہ ہی خود بھی کھانے کی اجازت ہے، کیونکہ یہ اجازت اور اباحت بر بنائے ضرورت ثابت تھی اور ضرورت ختم ہو چکی ہے لہٰذا اب استعمال کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور پھر احراز کی وجہ سے اس غنیمت میں مسلمانوں کا حق پختہ ہو چکا ہے اور اس میں اشتراک مضبوط ہو گیا ہے اور اگر کوئی غازی مر جاتا ہے تو اس کا حصہ میراث ہو جائے گا لہٰذا اب تو اور بھی اس کا استعمال صحیح نہیں ہوگا۔ ہاں دار الاسلام میں احراز سے پہلے چوں کہ حق اور اشتراک اتنا پختہ نہیں ہوتا اور وہاں ضرورت بھی رہتی ہے لہٰذا اس حالت میں مالِ غنیمت سے استعمال مباح ہوگا۔

ومن فضل معه الخ فرماتے ہیں کہ اگر دار الحرب میں اموال کی تقسیم نہ ہوئی ہو اور غازیوں نے اپنے اور اپنے مویشیوں کے لیے کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے رکھی ہوں اور وہ بچی ہوں تو انھیں چاہئے کہ دار الحرب سے نکلتے نکلتے ان چیزوں کو مالِ غنیمت میں واپس کر دیں، یہ حکم ہمارے یہاں ہے اور امام شافعی والٹیلیہ کے یہاں اس سلسلے میں دو قول ہیں (۱) ہمارے قول کے مثل ہے (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ واپس نہ کریں یہ قول چور کی چوری پر قیاس ہے، یعنی اگر امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب سے کوئی شخص کوئی سامان چوری کر لے تو اس پر اس سامان کو غنیمت میں جمع کرنا لازم نہیں ہے اسی طرح بچے ہوئے چارے اور کھانے کو واپس کرنا بھی غازیوں پر لازم نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ کچھ غازیوں کی حاجت کے پیشِ نظر بر بنائے ضرورت ان کے لیے خاص طور پر اس مشترک مال کو مباح الاستعمال قرار دیا گیا تھا اور یہ ضرورت اب ختم ہو چکی ہے، لہٰذا اباحت بھی ختم ہو جائے گی۔ اور امام شافعی والٹیلیہ کا اسے چور کے مال پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ وہ احراز سے پہلے بھی اس مال کا مستحق تھا لہٰذا احراز کے بعد بھی اس مال کا وہی حق دار ہوگا جب کہ صورت مسئلہ میں احراز کے بعد تمام غازی مالِ غنیمت میں مکمل شریک ہو جاتے ہیں اور ان کی شرکت پختہ ہو جاتی ہے، لہٰذا مالِ منفرد پر مالِ مشترک کو قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

وبعد القسمة الخ مذکورہ بالا حکم اور تفصیل تو اس صورت سے متعلق تھی جب امام نے مالِ غنیمت کی تقسیم نہ کی ہو لیکن اگر امام نے وہ مال غازیوں میں تقسیم کر دیا گیا ہو اور پھر ان کے پاس کچھ زائد ہو تو اگر غازی مالدار ہوں تو اسے صدقہ کر دیں اور اگر ضرورت مند ہوں تو اپنے استعمال میں لے آئیں، اس لیے کہ یہ مال لقطہ (پڑے ہوئے مال) کی طرح ہو گیا اور چوں کہ سب لوگ متفرق ہو چکے ہیں لہٰذا ہر کسی کو اس میں سے دینا متعذر ہے، لہٰذا اب آسان راستہ یہی ہے کہ یا تو اسے صدقہ کر لیں یا پھر حاجت کی صورت میں اسے استعمال کر لیں۔ یہ حکم دار الحرب کا ہے۔

اور اگر دار الاسلام لانے کے بعد انھوں نے وہ بچا ہوا غلہ استعمال کر لیا اور غنیمت تقسیم نہیں ہوئی تھی تو صارفین اس غلے اور سامان کی قیمت مالِ غنیمت میں جمع کریں گے، کیونکہ وہ سامان مشترک تھا اور تمام غازیوں کا اس سے حق وابستہ تھا، اور اگر غنیمت تقسیم ہو چکی ہو تو مالدار غازی اس کی قیمت صدقہ کرے گا اور اگر وہ محتاج اور ضرورت مند ہو تو اس پر کچھ نہیں لازم ہے، کیونکہ قیمت اصل کے قائم مقام ہے اور غریب غازی کے لیے چوں کہ اصل مباح الاستعمال ہے، لہٰذا اس کی قیمت بھی مباح الاستعمال ہوگی۔

فقط واللّٰہ أعلم وعلمہ أتم

فَصلٌ فِي كَيفِيَّةِ القِسمَةِ

یہ فصل مالِ غنیمت کو تقسیم کرنے کی کیفیت کے بیان میں ہے

قَالَ وَيُقَسِّمُ الْإِمَامُ الْغَنِيْمَةَ فَيُخْرِجُ خُمُسَهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ﴾ (سورة الانفال: ٤١) اسْتَثْنَى الْخُمُسَ، وَيُقَسِّمُ أَرْبَعَةَ الْأَخْمَاسِ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ لِأَنَّهُ① عَلَيْهِ السَّلَامُ ((قَسَّمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ))، ثُمَّ لِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَقَالَا لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةُ أَسْهُمٍ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لِمَا رَوَى ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْهَمَ لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمًا، وَلِأَنَّ الْاِسْتِحْقَاقَ بِالْغِنَاءِ، وَغِنَاؤُهُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَمْثَالِ الرَّاجِلِ لِأَنَّهُ لِكَرٍّ وَالْفَرِّ وَالثَّبَاتِ، وَالرَّاجِلِ لِلثَّبَاتِ لَا غَيْرَ، وَلِأَبِي حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ مَارَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ② النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((أَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَالرَّاجِلَ سَهْمًا))، فَتَعَارَضَ فِعْلَاهُ فَيُرْجَعُ إِلَى قَوْلِهِ وَقَدْ قَالَ③ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ كَيْفَ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ④ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَسَّمَ لِلْفَارِسِ سَهْمَيْنِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمًا، وَإِذَا تَعَارَضَتْ رِوَايَتَاهُ تُرَجَّحُ رِوَايَةُ غَيْرِهِ، وَلِأَنَّ الْكَرَّ وَالْفَرَّ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ فَيَكُوْنُ غِنَاؤُهُ مِثْلَيْ غِنَاءِ الرَّاجِلِ فَيُفَضَّلُ عَلَيْهِ بِسَهْمٍ، وَلِأَنَّهُ تَعَذَّرَ اِعْتِبَارُ مِقْدَارِ الزِّيَادَةِ لِتَعَذُّرِ مَعْرِفَتِهِ فَيُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى سَبَبٍ ظَاهِرٍ، وَلِلْفَارِسِ سَبَبَانِ النَّفْسُ وَالْفَرَسُ، وَلِلرَّاجِلِ سَبَبٌ وَاحِدٌ فَكَانَ اِسْتِحْقَاقُهُ عَلَى ضِعْفِهِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ امام غنیمت کو تقسیم کرتے ہوئے اس کا پانچواں حصہ نکال لے، کیونکہ ارشاد باری ہے فإن للّٰہ خمسہ الآیۃ۔ ''اللہ پاک نے خمس کو مستثنیٰ قرار دیا ہے'' اور بقیہ چار خمس غازیوں میں تقسیم کردے، کیونکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غازیوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں گھوڑ سوار کو دو حصے ملیں گے اور پیادہ پا کو ایک حصہ ملے گا۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ فارس کو تین حصے ملیں گے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس حدیث کی وجہ سے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس کو تین حصے دیئے اور پیادہ کو ایک حصہ دیا ہے۔ اور اس لیے کہ غنیمت کا استحقاق بقدر

کفایت ہوتا ہے اور فارس تین پیدلوں کے بقدر کفایت کرتا ہے، اس لیے کہ وہ حملہ کرتا ہے، جان بچا کر بھاگ لیتا ہے اور جم کر جنگ بھی کرتا ہے اور پیادہ پا صرف جم کر لڑ سکتا ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس کو دو حصے دیئے اور پیدل کو ایک حصہ دیا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں فعل متعارض ہو گئے، اس لیے آپ کے قول کی طرف رجوع کیا جائے گا اور یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ فارس کے لیے دو حصے ہیں اور پیادہ پا کے لیے ایک حصہ ہے۔ اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے کیوں کر استدلال کر سکتے ہیں جب کہ انھی سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس کو دو حصے اور راجل کو ایک حصہ تقسیم فرمایا ہے اور جب ان کی دونوں روایتیں متعارض ہیں تو ان کے علاوہ کی روایت راجح ہوگی۔

اور اس لیے کہ کرّ اور فرّ ایک ہی جنس ہیں، لہٰذا فارس کی کفایت راجل کی کفایت کی دوگنی ہوگی اور فارس راجل سے ایک حصہ زائد کا مستحق ہوگا۔ اور اس لیے کہ زیادتی کی مقدار کا اعتبار کرنا متعذر ہے، کیونکہ اسے شمار کرنا متعذر ہے لہٰذا حکم کا مدار ظاہری سبب پر ہوگا اور فارس کے حق میں ظاہری سبب دو ہیں (۱) اس کا نفس (۲) اور اس کا گھوڑا۔ اور راجل کا ایک سبب ہے لہٰذا فارس راجل سے دو گنے مال کا مستحق ہوگا۔

اللغات:

﴿خمس﴾ پانچواں حصہ۔ ﴿فارس﴾ شہسوار۔ ﴿راجل﴾ پیادہ، پیدل۔ ﴿اسْهَمَ﴾ حصہ دیا۔ ﴿کرّ﴾ لوٹنا، پلٹ کر حملہ کرنا۔ ﴿فرّ﴾ بھاگنا۔ ﴿یفضُل﴾ بڑھ کر ہوگا۔ ﴿یدار﴾ مدار ہوگا۔ ﴿ضعف﴾ دوگنا، دوہرا۔

تخریج:

❶ اخرجہ طبرانی فی معجمہ.

❷ اخرجہ بخاری فی کتاب الجهاد باب سهام الفرس، حدیث: ۲۸٦۳.

❸ قال الزیلعی رحمۃ اللہ علیہ هذا الحدیث بلفظہ غریب جدا.

❹ اخرجہ دارقطنی فی سننہ، رقم: ۱۹، ۱۰٦/٤.

خمس نکالنا اور شہ سوار کے حصے کی بحث:

اس سے پہلے باب الغنائم کے تحت ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ اموال غنیمت کے کل پانچ حصے کیے جائیں گے جن میں سے ایک حصہ اللہ اور رسول کا ہوگا اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے، اس لیے کہ قرآن کریم نے واعلموا أنما غنمتم من شيء فإن لله خمسه وللرسول الخ کے اعلان سے ایک خمس کا استثناء کر دیا ہے۔

ثم للفارس الخ یہ بڑا معرکۃ الآراء مسئلہ ہے اور اس میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کا مشہور اختلاف ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں فارس یعنی گھوڑا لے کر جہاد کرنے والے مجاہد کو دو حصے ملیں گے اور راجل یعنی پیدل جہاد کرنے والے کو ایک حصہ ملے گا جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ، امام شافعی اور امام مالک واحمد رحمہما اللہ کے یہاں فارس کو تین حصے ملیں گے اور راجل

کو ایک حصہ ملے گا۔ ان حضرات کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فارس کو تین حصے دیئے اور راجل کو ایک حصہ دیا ہے۔ اور آپ کا یہ طرزِ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ فارس تین حصے کا حق دار ہے۔ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ مالِ غنیمت کا استحقاق کفایت اور کام کے اعتبار سے ہوتا ہے اور چوں کہ فارس میدانِ جہاد میں تین کام کرتا ہے (۱) حملہ کرتا ہے (۲) بھاگ کر پیچھے پلٹتا ہے (۳) ضرورت پڑنے پر جم کر جنگ بھی کرتا ہے اور راجل صرف ایک ہی کام کرتا ہے یعنی ثبات قدمی کے ساتھ لڑتا ہے تو گویا راجل کے مقابلے میں فارس تین آدمیوں کے کام کے بقدر کام کرتا ہے، اس لیے اسے تین آدمیوں کے بقدر حصہ بھی ملے گا۔

ولأبي حنيفة رحمۃ اللہ علیہ الخ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فارس کو دو حصے دیئے ہیں اور راجل کو ایک حصہ دیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں فارس کو تین حصے دینے کا تذکرہ ہے تو آپ ﷺ کے فعل میں تعارض ہوگیا اور ضابطہ یہ ہے کہ جب فعل میں تعارض ہو تو قول کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور قول نبی سے یہ ثابت ہے کہ للفارس سهمان وللراجل سهم اور پھر ابن ابی شیبہ کی روایت میں خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فارس کو دو حصے دیئے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ ایک راوی کی روایتیں جب متعارض ہو جائیں تو دوسرے کی روایت پر عمل کیا جاتا ہے، لہٰذا حضرات صاحبین رحمہما اللہ کا حدیثِ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے استدلال کرنا اور فارس کو تین حصوں کا مستحق قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

ولأن الكرّ الخ حضرات صاحبین رحمہما اللہ وغیرہ کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ کرّ یعنی حملہ کرنا اور بھاگنا یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں، کیونکہ عموماً حملہ کرنے کے لیے آدمی کو آگے پیچھے ہونا پڑتا ہے، ورنہ تو میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کرنا درست نہیں ہے، لہٰذا کرّ اور فرّ ایک ہوئے اور دوسرا کام اس کا ثبات ہوا اس لیے اس کے دو کام ہوئے، لہٰذا اس حوالے سے بھی اسے دو ہی حصہ ملے گا، تین نہیں ملے گا اور راجل کے مقابلے اسے صرف ایک ہی حصہ زائد ملے گا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ فارس راجل کے مقابلے میں جو زیادہ کام کرے گا اس زیادتی کا اعتبار کرنا ناممکن اور دشوار ہے کیونکہ اسے گننا اور شمار کرنا مشکل ہے، لہٰذا حکمِ غنیمت کا دار و مدار ظاہری سبب پر ہوگا اور ظاہری سبب فارس کے حق میں دو ہیں (۱) اس کا نفس (۲) اس کا گھوڑا لہٰذا وہ دو حصے کا حق دار ہوگا اور راجل کے حق میں ظاہری سبب صرف ایک ہے یعنی نفس اس لیے وہ ایک ہی حصے کا مستحق بھی ہوگا۔

وَلَايُسْهَمُ إِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ يُسْهَمُ لِفَرَسَيْنِ لِمَا رُوِيَ ① أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَسْهَمَ لِفَرَسَيْنِ، وَلِأَنَّ الْوَاحِدَ قَدْ يَعْيٰ فَيَحْتَاجُ إِلَى الْآخَرِ، وَلَهُمَا أَنَّ الْبَرَاءَ بْنَ أَوْسٍ قَادَ فَرَسَيْنِ وَلَمْ ② يُسْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ، وَلِأَنَّ الْقِتَالَ لَايَتَحَقَّقُ بِفَرَسَيْنِ دُفْعَةً وَاحِدَةً فَلَايَكُوْنُ السَّبَبُ الظَّاهِرُ مُفْضِيًا إِلَى الْقِتَالِ عَلَيْهِمَا فَيُسْهِمُ لِوَاحِدٍ وَلِهٰذَا لَايُسْهَمُ لِثَلَاثَةِ أَفْرَاسٍ، وَمَارَوَاهُ مَحْمُوْلٌ عَلَى التَّنْفِيْلِ كَمَا أَعْطٰى سَلْمَةَ

بْنَ الْأَكْوَعِ سَهْمَيْنِ وَهُوَ رَاجِلٌ، وَالْبَرَاذِيْنُ وَالْعِتَاقُ سَوَاءٌ، لِأَنَّ الْإِرْهَابَ مَضَافٌ إِلَى جِنْسِ الْخَيْلِ فِي الْكِتَابِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى ﴿وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (سورة الانفال: ٦٠) وَاسْمُ الْخَيْلِ يُطْلَقُ عَلَى الْبَرَاذِيْنِ وَالْعِتَاقِ وَالْهَجِيْنِ وَالْمَقْرِفِ إِطْلَاقًا وَاحِدًا، وَلِأَنَّ الْعَرَبِيَّ إِنْ كَانَ فِي الطَّلَبِ وَالْهَرَبِ أَقْوٰى فَالْبِرْذَوْنُ أَصْبَرُ وَأَلْيَنُ عَطْفًا فَفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَنْفَعَةٌ مُعْتَبَرَةٌ فَاسْتَوَيَا.

ترجمہ: اور صرف ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو گھوڑوں کو حصہ دیا جائے گا اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مروی ہے کہ آپ نے دو گھوڑوں کو حصہ دیا ہے۔ اور اس لیے کہ ایک گھوڑا کبھی تھک جاتا ہے لہٰذا دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔ حضرات طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت براء بن اوس دو گھوڑے لے گئے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا تھا۔ اور اس لیے کہ آن واحد میں دو گھوڑوں سے قتال متحقق نہیں ہوتا، لہٰذا ان دونوں پر قتال کرنا استحقاقِ غنیمت کا ظاہری سبب نہیں ہوگا، اس لیے ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا، اسی لیے تین گھوڑوں کو حصہ نہیں دیا جاتا۔ اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث وہ زائد (بطور نفل) انعام دینے پر محمول ہے جیسا کہ حضرت سلمہ بن الأکوع کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حصے دیئے تھے حالانکہ وہ راجل تھے۔

اور عجمی اور خالص عربی دونوں گھوڑے برابر ہیں، کیونکہ کتاب اللہ میں خوف زدہ کرنا جنسِ خیل کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے اور گھوڑوں کو تیار رکھو جس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کیا کرو اور لفظ خیل یکساں طور پر عجمی، عربی، ہجین اور مقرف پر بولا جاتا ہے اور اس لیے کہ عربی گھوڑا اگر دشمن کا پیچھا کرنے یا خود بچھڑنے میں اقویٰ ہوتا ہے تو عجمی گھوڑا بہت زیادہ صابر ہوتا ہے اور اسے گھمانا آسان ہوتا ہے، لہٰذا ان میں سے ہر ایک میں معتبر منفعت ہے اس لیے دونوں گھوڑے حکم میں برابر ہوں گے۔

اللغات:

﴿لایسهم﴾ نہیں حصہ دیا جائے گا۔ ﴿فرس﴾ گھوڑا۔ ﴿یعی﴾ تھک جاتا ہے۔ ﴿قاد﴾ لے کر گئے۔ ﴿دفعة﴾ ایک بار، اکٹھے۔ ﴿راجل﴾ پیادہ۔ ﴿براذین﴾ واحد برذون؛ عمدہ ترکی گھوڑا۔ ﴿عتاق﴾ عربی النسل گھوڑے۔ ﴿إرهاب﴾ ڈرانا۔ ﴿خیل﴾ گھوڑے۔ ﴿رباط﴾ باندھنا۔ ﴿هجین﴾ مقرفوہ گھوڑے جن کے ماں باپ میں سے ایک عربی اور ایک عجمی ہو۔ ﴿هرب﴾ دوڑ۔ ﴿ألین﴾ زیادہ نرم۔ ﴿عطف﴾ گھمانا۔

تخریج:

① اخرجہ دارقطنی فی سننہ رقم ١٦، ١٠٤/٤.

② هٰذا الحديث غريب جدًا.

شہسوار کا حصہ گھوڑوں کے بقدر ہونے کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ فارس کو اس کے گھوڑے کا صرف ایک ہی حصہ دیا جائے گا اگر چہ اس کے ساتھ دو گھوڑے ہوں یہ حکم حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں ہے یہی امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اگر فارس دو گھوڑوں کے ساتھ جہاد کرے تو اسے اس کے دونوں گھوڑوں کا حصہ دیا جائے گا، ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن محصن کے دو گھوڑوں کو چہار سہام دیا تھا'' ظاہر ہے کہ اگر دو گھوڑوں کو حصے دینا درست نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں چار حصے نہ دیتے۔ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کبھی ایک گھوڑا تھک جاتا ہے اور دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے لہٰذا اسے بھی غنیمت سے حق ملے گا۔ اس کے برخلاف حضرات طرفین وغیرہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت براء بن اوس رضی اللہ عنہ میدان جہاد میں دو گھوڑے لے کر گئے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صرف ایک گھوڑے کا حصہ دیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ صرف ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا دو کا نہیں۔

ان حضرات کی عقلی دلیل یہ ہے کہ ایک ساتھ ایک ہی گھوڑے سے قتال ہوتا ہے دو سے نہیں، اور استحقاق قتال سے ہوتا ہے، اس لیے دو گھوڑے لیجانے والا بھی دو حصوں کا مستحق ہوگا کیونکہ انعام بقدر کام ملتا ہے نہ کہ تعداد کے اعتبار سے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص تین یا چار گھوڑے لے کر جائے تو اسے تعداد کے اعتبار سے حصہ نہیں ملے گا بلکہ صرف ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا۔ رہی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ عمرو بن محصن کی حدیث تو اس کا جواب یہ ہے کہ انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور انعام دیا تھا یہی وجہ ہے کہ ان کو دو گھوڑوں کے عوض چار حصے دیئے گئے تھے جب کہ ان کا استحقاق صرف دو حصوں کا تھا اور اس طرح انعام کے طور پر دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے چنانچہ حضرت سلمہ بن الأکوع کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حصے دیئے تھے حالانکہ وہ راجل تھے اور صرف ایک حصے کے مستحق تھے۔ لہٰذا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

والبراذین الخ فرماتے ہیں کہ عجمی اور عربی دونوں نسل کے گھوڑے استحقاق غنیمت میں برابر اور مساوی ہیں کیونکہ قرآن کریم نے ومن رباط الخیل ترھبون بہ الخ سے جو ارہاب کا فرمان جاری کیا ہے اس میں ارہاب کو مطلق خیل کی طرف منسوب کیا ہے اور مطلق خیل میں براذین اور عتاق وغیرہ سب داخل ہیں، لہٰذا استحقاق مال میں بھی سب داخل ہوں گے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر دشمن کا پیچھا کرنے اور پلٹ کر مڑنے میں عربی گھوڑا ماہر ہوتا ہے تو عجمی گھوڑا بہت زیادہ صابر ہوتا ہے اور دشمنوں کا وار سہنے میں قوی ہوتا ہے نیز اسے ادھر اُدھر گھمانا آسان ہوتا ہے، لہٰذا دونوں گھوڑے منفعت میں برابر ہیں اس لیے حصولِ منفعت یعنی غنیمت میں بھی برابر ہوں گے۔

فائدہ: بَراذِین برذون کی جمع ہے جس کا معنی ہے عجمی گھوڑا، ترکی گھوڑا۔ عتاق: عتیق کی جمع ہے جس کا معنی ہے اچھا گھوڑا، عربی گھوڑا۔

الھجین یہ واحد ہے اس کی جمع ہوا جن ہے بمعنی وہ گھوڑا جس کی ماں عجمی ہو اور باپ عربی ہو۔ المُقرِف وہ گھوڑا جس کی ماں عربی ہو اور باپ عجمی ہو۔ (یہ تعریفات مصباح اللغات سے ماخوذ ہیں اور حاشیہ نمبر ۷ ہدایہ ص: ۵۷۴ اولین پر مقرف اور ہجین کی تعریف مصباح اللغات میں بیان کردہ تعریفات سے الگ ہے۔

وَمَنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ فَارِسًا فَنَفَقَ فَرَسُهُ اسْتَحَقَّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ، وَمَنْ دَخَلَ رَاجِلًا فَاشْتَرٰى فَرَسًا اسْتَحَقَّ سَهْمَ رَاجِلٍ، وَجَوَابُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلٰى عَكْسِهِ فِي الْفَصْلَيْنِ، وَهٰكَذَا رَوَى ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي الْفَصْلِ الثَّانِي أَنَّهُ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ، وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ عِنْدَنَا حَالَةُ الْمُجَاوَزَةِ، وَعِنْدَهُ حَالَةُ انْقِضَاءِ الْحَرْبِ، لَهُ أَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْقَهْرُ وَالْقِتَالُ فَيُعْتَبَرُ حَالُ الشَّخْصِ عِنْدَهُ وَالْمُجَاوَزَةُ وَسِيْلَةٌ إِلَى السَّبَبِ كَالْخُرُوْجِ مِنَ الْبَيْتِ، وَتَعْلِيْقِ الْأَحْكَامِ بِالْقِتَالِ يَدُلُّ عَلٰى إِمْكَانِ الْوُقُوْفِ عَلَيْهِ، وَلَوْ تَعَذَّرَ أَوْ تَعَسَّرَ يَعَلَّقُ بِشُهُوْدِ الْوَقْعَةِ، لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الْقِتَالِ، وَلَنَا أَنَّ الْمُجَاوَزَةَ نَفْسَهَا قِتَالٌ، لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُمُ الْخَوْفُ بِهَا، وَالْحَالُ بَعْدَهَا حَالَةُ الدَّوَامِ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِهَا، وَلِأَنَّ الْوُقُوْفَ عَلٰى حَقِيْقَةِ الْقِتَالِ مُتَعَسِّرٌ وَكَذَا عَلٰى شُهُوْدِ الْوَقْعَةِ، لِأَنَّهُ حَالَ الْتِقَاءِ الصَّفَّيْنِ فَتُقَامُ الْمُجَاوَزَةُ مَقَامَهُ، إِذْ هُوَ السَّبَبُ الْمُفْضِيُّ إِلَيْهِ ظَاهِرًا إِذَا كَانَ عَلٰى قَصْدِ الْقِتَالِ فَيُعْتَبَرُ حَالُ شَخْصٍ حَالَةَ الْمُجَاوَزَةِ فَارِسًا كَانَ أَوْ رَاجِلًا، وَلَوْ دَخَلَ فَارِسًا وَقَاتَلَ رَاجِلًا لِضِيْقِ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ بِالْإِتِّفَاقِ، وَلَوْ دَخَلَ فَارِسًا ثُمَّ بَاعَ فَرَسَهُ أَوْ وَهَبَ أَوْ اٰجَرَ أَوْ رَهَنَ فَفِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ اِعْتِبَارًا لِلْمُجَاوَزَةِ، وَفِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الرَّجَالَةِ، لِأَنَّ الْإِقْدَامَ عَلٰى هٰذِهِ التَّصَرُّفَاتِ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ بِالْمُجَاوَزَةِ الْقِتَالُ فَارِسًا، وَلَوْ بَاعَهُ بَعْدَ الْفَرَاغِ لَمْ يَسْقُطْ سَهْمُ الْفُرْسَانِ وَكَذَا إِذَا بَاعَ فِي حَالَةِ الْقِتَالِ عِنْدَ الْبَعْضِ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَسْقُطُ لِأَنَّ الْبَيْعَ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ غَرَضَهُ التِّجَارَةُ فِيْهِ إِلَّا أَنَّهُ يَنْتَظِرُ عِزَّتَهُ.

ترجمہ: جو شخص سوار ہو کر دار الحرب میں داخل ہوا پھر اس کا گھوڑا ہلاک ہو گیا تو وہ گھوڑ سواروں کے حصے کا مستحق ہوگا اور جو شخص پیدل داخل ہوا پھر اس نے کوئی گھوڑ خریدا تو وہ راجل کے حصے کا مستحق ہوگا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دونوں صورتوں میں حکم اس کے برعکس ہے اور دوسری صورت میں ابن المبارک نے بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے برعکس روایت کیا ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ ہمارے یہاں سرحد پار کرنے کی حالت کا اعتبار ہے اور امام شافعیؒ کے یہاں جنگ ختم ہونے کی حالت معتبر ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ استحقاقِ غنیمت کا سبب قہر اور قتال ہے، لہٰذا ہر شخص کے حق میں وقت قتال کی حالت معتبر ہوگی۔ اور سرحد پار کرنا سببِ استحقاق کا ذریعہ ہے جیسے گھر سے نکلنا۔ اور قتال پر احکام کو معلق کرنا قتال پر واقف ہونے کی دلیل ہے۔ اور اگر قتال پر واقفیت متعذر ہو تو (اس صورت میں) جنگ میں شریک ہونے پر احکام متعلق ہوں گے، کیونکہ جنگ میں شریک ہونا قتال کے قریب ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ سرحد پار کرنا ہی قتال ہے، کیونکہ مجاوزت سے دشمن خائف ہو جاتا ہے اور مجاوزت کے بعد والی حالت حالتِ دوام ہے اور اس حالت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور اس لیے کہ قتال کی حقیقت پر واقف ہونا دشوار ہے نیز میدانِ جنگ میں شرکت کرنے

والوں پر مطلع ہونا بھی متعذر ہے اس لیے کہ وہ مڈبھیڑ کرنے کی حالت ہے لہٰذا مجاوزت کو قتال کے قائم مقام قرار دیا جائے گا، کیونکہ مجاوزت ہی قتال کا ظاہری سبب ہے بشرطیکہ سرحد پار کرنے والا قتال کے ارادے سے گیا ہو اس لیے ہر مجاہد کے حق میں حالت مجاوزت ہی کا اعتبار ہوگا خواہ وہ فارس ہو کر داخل ہو یا راجل ہو کر۔

اور اگر کوئی مجاہد فارس ہو کر داخل ہوا اور تنگیٔ مقام کی وجہ سے اس نے پیادہ پا قتال کیا تو وہ (بالاتفاق) گھوڑ سواروں کے حصے کا مستحق ہوگا۔ اور اگر کوئی سوار ہو کر داخل ہوا پھر اس نے اپنا گھوڑا فروخت کر دیا یا ہبہ کر دیا یا اجرت پر دیدیا یا رہن رکھ دیا تو امام اعظم ولیٹیلیہ سے حضرت حسنؒ کی روایت میں وہ شخص فرسان کے حصے کا مستحق ہوگا یہ حکم مجاوزت کا اعتبار کرنے پر مبنی ہے، اور ظاہر الروایہ میں وہ راجل کے حصے کا حق دار ہوگا، کیونکہ ان تصرفات پر اس کا اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سرحد پار کرنے سے سوار ہو کر قتال کرنا اس کا مقصد نہیں تھا۔ اور اگر قتال کے بعد اس نے گھوڑا فروخت کیا تو (اس کے حق میں) فرسان کا حصہ ساقط نہیں ہوگا۔ ایسے ہی جب اس نے قتال کی حالت میں گھوڑا فروخت کیا تو بھی بعض حضرات کے یہاں یہی حکم ہے، لیکن اصح یہ ہے کہ اس کے لیے سہم الفرسان نہیں ہوگا، کیونکہ فروخت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا مقصد گھوڑے کی تجارت کرنا تھا لیکن وہ اس کی قیمت بڑھنے کا منتظر تھا۔

اللغات:

﴿فارس﴾ گھڑ سوار۔ ﴿راجل﴾ پیادہ۔ ﴿مجاوزۃ﴾ سفر کرنا، گزرنا، سرحد عبور کرنا۔ ﴿انقضاء﴾ ختم ہو جانا۔ ﴿تعسر﴾ مشکل ہو گیا۔ ﴿شھود﴾ موجودگی، چشم دیدگی۔ ﴿التقاء﴾ ملنا۔ ﴿اجر﴾ کرائے پر دے دیا۔ ﴿ضیق﴾ تنگی، گھمسان۔

شہ سوار کی تعریف:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ غازی جس حالت میں دار الاسلام کی سرحد پار کر کے قتال کی نیت سے دار الحرب میں داخل ہوگا ہمارے یہاں اسی حاسب سے وہ مستحق غنیمت ہوگا چناں چہ اگر کوئی شخص گھوڑا لے کر جہاد کرنے کی غرض سے دار الحرب میں داخل ہوا، لیکن پھر اس کا گھوڑا ہلاک ہو گیا تو اسے فارس کا حصہ ملے گا اور وہ مالِ غنیمت سے دو حصے پائے گا۔ اور اگر کوئی شخص پیدل یعنی سواری کے بغیر دار الاسلام سے دار الحرب میں داخل ہوا تو وہ راجل کا حصہ یعنی صرف ایک حصہ پائے گا اگر چہ بعد میں اس نے دار الحرب میں گھوڑا خرید لیا ہو۔ لیکن ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے یہاں حکم اس کے برعکس ہے یعنی ان حضرات کے یہاں قتال کرنے کی حالت معتبر ہے، چنانچہ پہلی صورت میں ان کے یہاں فارس راجل کا حصہ پائے گا، کیونکہ قبل از قتال اس کا گھوڑا مر چکا ہے اور اس نے تنہا قتال کیا ہے اور دوسری صورت میں راجل فارس کا حصہ پائے گا، اس لیے کہ بوقت قتال اور دوران قتال وہ فارس ہو گیا ہے۔

امام شافعی ولیٹیلیہ کی دلیل یہ ہے کہ مال غنیمت کے مستحق ہونے کا سبب قہر اور قتال ہے، لہٰذا بوقت قتال مجاہد کی جو حالت ہوگی اسی کا اعتبار ہوگا۔ اور رہا مسئلہ مجاوزت اور سرحد پار کرنے کا تو مجاوزت اس سبب کا وسیلہ ہے جیسے گھر سے نکلنا وسیلہ ہے اور گھر سے نکلنے کی حالت کا اعتبار نہیں ہے، لہٰذا مجاوزت کا اعتبار بھی نہیں ہوگا بلکہ قتال کی حالت کا اعتبار ہوگا اور قتال اگر چہ امر مخفی ہے لیکن اس پر واقف ہونا ممکن ہے، کیونکہ شریعت نے قتال پر اور بھی احکام کو معلق کیا ہے مثلاً اگر کوئی بچہ قتال کرے گا تو اسے رَضخ یعنی تھوڑا مال ملے گا لہٰذا غازی کا سبب استحقاق بھی قتال ہی پر موقوف ہوگا۔ اور اگر قتال کا علم نہ ہو سکے تو جو لوگ جنگ میں شریک ہوں ان سے معلوم

کرلیا جائے کہ فلاں قتال میں شریک تھا یا نہیں؟ اور اگر شریک تھا تو فارس ہو کر شریک تھا یا راجل ہو کر، بہر صورت اس کی حالت کا صحیح علم حاصل کرنا ممکن ہے، اس لیے اس کا استحقاق حالت قتال پر مبنی ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ قتال کے ارادے سے سرحد پار کرنا اور دارالحرب میں گھسنا ہی قتال ہے، کیونکہ مسلمانوں کی آمد سن کر کفار پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور وہ سہم جاتے ہیں اور اس کے بعد کی جو حالت ہوتی ہے وہ قتال کے دوام کی ہوتی ہے اور دوام کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ وجود کا اعتبار ہے اور چوں کہ مجاوزت سے قتال متحقق ہو جاتا ہے اس لیے مجاوزت ہی پر استحقاق کا مدار ہوگا اور اسی وقت کی حالت کا اعتبار ہوگا۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اسے قتال پر موقوف قرار دینا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ قتال کی حقیقت پر واقف ہونا متعذر ہے، کیونکہ امام کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ہر ہر غازی کی حالت کا معائنہ کرے کہ کون قتال کر رہا ہے اور کون نہیں کر رہا ہے، اسی طرح دوسرے شرکاء سے معلوم کرنا بھی ممکن نہیں ہے، کیونکہ وہ دشمنوں سے مڈبھیڑ کا وقت ہوتا ہے اور نفسی نفسی کا عالم رہتا ہے اور کسی کو کسی کی خبر نہیں ہوتی، اس لیے ہم نے مجاوزت کو قتال کے قائم مقام کر دیا ہے اور اسی حالت کا اعتبار کیا ہے۔

ولو دخل فارسا الخ واضح ہے۔ **ولو دخل فارسا ثم باع الخ** اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص فارس ہو کر دارالحرب میں داخل ہوا لیکن پھر اس نے اپنا گھوڑا فروخت کر دیا یا ہبہ وغیرہ کر دیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے حسن بن زیاد کی روایت میں ہے کہ وہ فارس ہی شمار ہوگا اور فارس کا حصہ پائے گا، لیکن ظاہر الروایہ میں وہ فارس کا حصہ نہیں پائے گا، اس لیے کہ اس کا بیع وغیرہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لڑنے کی نیت سے نہیں گیا تھا یہی حال اس وقت بھی ہوگا جب دوران قتال وہ اپنا گھوڑا فروخت کر دے، کیونکہ یہ چیز اس کی نیت کو نیتِ تجارت میں تبدیل کر دے گی اور یہ واضح کر دے گی کہ وہ گراں قیمت ہونے کے انتظار میں قتال تک رکا تھا اور اس کا اصل مقصد تجارت کرنا تھا نہ کہ قتال کرنا۔ یہی اصح اور معتمد ہے اگر چہ بعض مشائخ کے یہاں دروان قتال فروخت کرنے سے بھی اسے فرسان کا حصہ ملے گا۔ ہاں اگر قتال ختم ہونے کے بعد اس نے فروخت کیا تو وہ فرسان ہی کا حصہ پائے گا۔

وَلَايُسْهِمُ لِمَمْلُوْكٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَاصَبِيٍّ وَلَامَجْنُوْنٍ وَلَا ذِمِّيٍّ وَلٰكِنْ يُرْضَخُ عَلٰى حَسْبِ مَايَرَى الْإِمَامُ لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ ① عَلَيْهِ السَّلَامُ ((كَانَ لَايُسْهِمُ لِلنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَالْعَبِيْدِ وَلٰكِنْ كَانَ يُرْضَخُ لَهُمْ))، وَلَمَّا اسْتَعَانَ ② عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْيَهُوْدِ عَلَى الْيَهُوْدِ لَمْ يُعْطِهِمْ شَيْئًا مِنَ الْغَنِيْمَةِ يَعْنِيْ أَنَّهُ لَمْ يُسْهِمْ لَهُمْ، وَلِأَنَّ الْجِهَادَ عِبَادَةٌ وَالذِّمِّيُّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْعِبَادَةِ، وَالصَّبِيُّ وَالْمَرْأَةُ عَاجِزَانِ عَنْهُ وَلِهٰذَا لَمْ يَلْحَقْهُمَا فَرْضُهُ وَالْعَبْدُ لَايُمَكِّنُهُ الْمَوْلٰى وَلَهُ مَنْعُهُ إِلَّا أَنَّهُ يُرْضَخُ لَهُمْ تَحْرِيْضًا عَلَى الْقِتَالِ مَعَ إِظْهَارِ انْحِطَاطِ رُتْبَتِهِمْ، وَالْمُكَاتَبُ بِمَنْزِلَةِ الْعَبْدِ لِقِيَامِ الرِّقِّ وَتَوَهُّمِ عَجْزِهِ فَيَمْنَعُهُ الْمَوْلٰى عَنِ الْخُرُوْجِ إِلَى الْقِتَالِ، ثُمَّ الْعَبْدُ إِنَّمَا يُرْضَخُ لَهُ إِذَا قَاتَلَ، لِأَنَّهُ دَخَلَ لِخِدْمَةِ الْمَوْلٰى فَصَارَ كَالتَّاجِرِ، وَالْمَرْأَةُ تُرْضَخُ لَهَا إِذَا كَانَتْ تُدَاوِي الْجَرْحٰى وَتَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى، لِأَنَّهَا

عَاجِزَةٌ عَنْ حَقِيْقَةِ الْقِتَالِ فَتُقَامُ هٰذَا النَّوْعِ مِنَ الْإِعَانَةِ مَقَامَ الْقِتَالِ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ لِأَنَّهُ قَادِرٌ عَلٰى حَقِيْقَةِ الْقِتَالِ، وَالذِّمِّيُّ إِنَّمَا يُرْضَخُ لَهُ إِذَا قَاتَلَ أَوْ دَلَّ عَلَى الطَّرِيْقِ وَلَمْ يُقَاتِلْ، لِأَنَّ فِيْهِ مَنْفَعَةٌ لِلْمُسْلِمِيْنَ إِلَّا أَنَّهُ يُزَادُ عَلَى السَّهْمِ فِي الدَّلَالَةِ إِذَا كَانَتْ فِيْهِ مَنْفَعَةٌ عَظِيْمَةٌ، وَلَايَبْلُغُ بِهِ السَّهْمُ إِذَا قَاتَلَ، لِأَنَّهُ جِهَادٌ، وَالْأَوَّلُ لَيْسَ مِنْ عَمَلِهِ وَلَايُسَوّٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُسْلِمِ فِيْ حُكْمِ الْجِهَادِ.

ترجمہ: اور مال غنیمت سے غلام، عورت، بچہ اور ذمی کو حصہ نہیں دیا جائے گا لیکن امام اپنی صواب دید کے مطابق انھیں کچھ دیدے گا اس دلیل سے جو مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ عورتوں، بچوں اور غلاموں کے لیے حصہ نہیں لگاتے تھے تاہم انھیں تھوڑا مال عنایت فرمادیا کرتے تھے۔ اور جب آپ ﷺ نے یہود خیبر کے خلاف مدینہ منورہ کے کچھ یہودیوں سے مدد لی تھی تو آپ نے ان لوگوں کو مال غنیمت سے کچھ نہیں دیا تھا یعنی ان کا حصہ نہیں لگایا تھا، اور اس لیے کہ جہاد عبادت ہے اور ذمی عبادت کا اہل نہیں ہے اور بچہ اور عورت جہاد سے عاجز ہوتے ہیں، اسی لیے ان پر جہاد فرض نہیں ہے اور غلام کو اس کا مولیٰ جہاد کی اجازت وقدرت نہیں دے گا اور (اجازت کے بعد) اسے منع کرنے کا بھی حق ہے لیکن انھیں قتال پر آمادہ کرنے کے لیے اور ان کا مقام گھٹاتے ہوئے انھیں کچھ دیدیا جائے گا۔ اور مکاتب غلام کے درجے میں ہے کیونکہ اس میں بھی رقیت موجود ہے اور اس کے عاجز ہونے کا وہم ہے کیونکہ ہوسکتا ہے اس کا مولیٰ اسے قتال کے لیے جانے سے منع کردے۔

پھر غلام کو اسی وقت کچھ دیا جائے گا جب وہ قتال کرے گا، کیونکہ وہ مولیٰ کی خدمت کے لیے دار الحرب گیا ہے تو وہ تاجر کی طرح ہوگیا۔ اور عورت کو اسی وقت کچھ دیا جائے گا جب وہ زخمیوں کو دوا دیتی ہو اور بیماروں کی دیکھ بھال کرتی ہو اس لیے کہ وہ حقیقی قتال سے بے بس ہوتی ہے، لہٰذا اس نوع کی امداد ہی اس کے حق میں قتال کے قائم مقام ہوگی۔ برخلاف غلام کے، کیونکہ غلام حقیقتِ قتال پر قادر ہوتا ہے۔ اور ذمی کو بھی اسی صورت میں رضخ دیا جائے گا جب اس نے قتال کیا ہو یا اس نے قتال کا راستہ بتلایا ہو، اس لیے کہ اس میں مسلمانوں کی منفعت ہے اور اگر اس رہنمائی میں کوئی بڑا فائدہ ہو تو اس ذمی کو غازی کے حصے سے بھی زیادہ مال دیا جائے گا۔ اور اگر اس نے صرف قتال کیا ہو تو اسے دیا جانے والا مال غازی کے حصے سے کم ہونا چاہئے، اس لیے کہ یہ جہاد ہے اور اول (یعنی رہنمائی کرنا) جہاد نہیں ہے اور جہاد کے حکم میں مسلمان اور ذمی کے مابین برابری نہیں کی جائے گی۔

اللغات:

﴿لایسهم﴾ حصہ نہیں دیا جائے گا۔ ﴿یرضخ﴾ تھوڑا بہت دے دیا جائے گا۔ ﴿استعان﴾ مدد طلب کی۔ ﴿تحریض﴾ ابھارنا، آمادہ کرنا۔ ﴿انحطاط﴾ نیچا ہونا۔ ﴿جرحٰی﴾ واحد جریح؛ زخمی۔ ﴿دلّ﴾ رہنمائی کی۔

تخریج:

1. اخرجہ مسلم فی کتاب الجهاد باب ٥٠ حدیث ١٣٧.
2. اخرجہ البیهقی فی کتاب السنن الکبری ٦٤/٩.

مالِ غنیمت میں غلام عورت اور بچے کا حصہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام، عورت اور بچہ وذمی قتال کرتے ہیں تو انھیں عام غازیوں کی طرح مال غنیمت سے حصہ نہیں دیا جائے گا، بلکہ کھانے پینے کے لیے تھوڑا سال مال دیدیا جائے گا، کیونکہ یہی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا اور ایک مرتبہ غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہودیوں سے مدد طلب کی تھی تو ان کے لیے بھی آپ نے مالِ غنیمت سے حصہ نہیں لگایا تھا، بلکہ انھیں رضخ دیا تھا یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ ذمی کو مال غنیمت سے حصہ نہیں دیا جائے گا۔ اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جہاد کرنا عبادت ہے اور ذمی عبادت کا اہل نہیں ہے جب کہ عورت اور بچہ میں جہاد کی اہلیت اور صلاحیت نہیں ہوتی، اسی لیے شریعت نے ان پر جہاد فرض نہیں کیا ہے اور جہاں تک غلام کا مسئلہ ہے تو اول اس کا مولیٰ اسے جہاد کی اجازت نہیں دے گا اور اگر دے بھی دے گا تو بعد میں اسے منع کردے گا، اس لیے ان لوگوں کی طرف سے جہاد متحقق نہیں ہوگا اور جب یہ جہاد نہیں کریں گے تو ظاہر ہے کہ مالِ غنیمت کے مستحق بھی نہیں ہوں گے، لیکن اگر یہ میدانِ جنگ میں شرکت کرتے ہیں تو ان کی دل بستگی کے لیے اور انھیں جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے تھوڑا بہت مال دیدیا جائے گا۔

والمکاتب الخ فرماتے ہیں کہ عدم استحقاقِ غنیمت کے حوالے سے جو حکم غلام کا ہے وہی مکاتب کا بھی ہے، کیونکہ اس میں بھی رقیت موجود ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ بدلِ کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہوجائے اور پھر رقیق بن جائے اور اس کا مولیٰ اسے جہاد کرنے سے روک دے، لہٰذا مولیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہونے کے حوالے سے مکاتب بھی غلام کی طرح ہے اور چوں کہ غلام کو غنیمت سے حصہ نہیں ملتا، اس لیے مکاتب کو بھی نہیں ملے گا۔

ثم العبد الخ یہاں سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ غلام اور عورت وغیرہ کو رضخ بھی اسی وقت ملے گا جب یہ لوگ قتال کریں گے چنانچہ غلام کے حق میں ظاہراً قتال کرنا شرط ہے اور عورت حقیقی قتال پر قادر نہیں ہے، اس لیے اس کے حق میں زخمی کو دوا وغیرہ دینے اور مریضوں کی دیکھ بھال کرنے کو قتال قرار دیا گیا ہے۔ یہی حال ذمی کا بھی ہے کہ اگر وہ قتال کرے گا یا حرب اور قتال کے متعلق کوئی رہنمائی کرے گا اور اس میں مسلمانوں کا فائدہ ہوگا تب تو اسے رضخ ملے گا ورنہ ساتھ رہنے سے کچھ نہیں پائے گا۔ اور اگر ذمی نے کوئی ایسا مشورہ دیا یا کوئی ایسی ترکیب بتلائی جس میں مسلمانوں کا زیادہ نفع ہو تو اس صورت میں اسے ایک غازی کے حصے سے زائد انعام دیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ جہاد نہیں ہے اور اس صورت میں اسے سہم واحد سے زیادہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ اسی کی ترکیب سے مسلمانوں کو اتنا نفع ہوا ہے، ہاں اگر ذمی نے صرف قتال کیا ہو اور کوئی مخبری نہ کی ہو تو اس وقت اسے رضخ دیا جائے گا جس کی مقدار سہم واحد سے کم ہوگی، کیونکہ وہ مسلمان کے تابع ہے لہٰذا اس کا اور مسلمان کا حصہ برابر نہیں کیا جائے گا۔

وَأَمَّا الْخُمُسُ فَيُقَسَّمُ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَسْهُمٍ، سَهْمٌ لِلْيَتَامٰى وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِيْنِ وَسَهْمٌ لِابْنِ السَّبِيْلِ يَدْخُلُ فُقَرَاءُ ذَوِي الْقُرْبٰى فِيْهِمْ وَيُقَدَّمُوْنَ، وَلَا يُدْفَعُ إِلٰى أَغْنِيَائِهِمْ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَهُمْ خُمُسُ الْخُمُسِ يَسْتَوِيْ فِيْهِ غَنِيُّهُمْ وَفَقِيْرُهُمْ وَيُقَسَّمُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، وَيَكُوْنُ لِبَنِيْ هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ دُوْنَ غَيْرِهِمْ

لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی ﴿وَلِذِي الْقُرْبٰى﴾ (سورة الحشر: ۷) مَنْ غَيْرِ فَصْلٍ بَيْنَ الْغَنِيِّ وَالْفَقِيْرِ، وَلَنَا أَنَّ الْخُلَفَاءَ الْأَرْبَعَةَ الرَّاشِدِيْنَ قَسَّمُوْهُ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَسْهُمٍ عَلٰى نَحْوِ مَاقُلْنَاهُ، وَكَفٰى بِهِمْ قُدْوَةٌ، وَقَالَ ① النَّبِيُّ ﷺ ((يَامَعْشَرَ بَنِي هَاشِمٍ إِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ غَسَالَةَ النَّاسِ وَأَوْسَاخَهُمْ وَعَوَّضَكُمْ مِنْهَا بِخُمُسِ الْخُمُسِ))، وَالْعِوَضُ إِنَّمَا يَثْبُتُ فِيْ حَقِّ مَنْ يَثْبُتُ فِيْ حَقِّهِ الْمُعَوَّضِ وَهُمُ الْفُقَرَاءُ، وَالنَّبِيُّ ② ﷺ أَعْطَاهُمْ لِلنُّصْرَةِ، أَلَا تَرٰى أَنَّهُ ﷺ عَلَّلَ فَقَالَ ((إِنَّهُمْ لَنْ يَزَالُوْا مَعِيَ هٰكَذَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهٖ)) دَلَّ عَلٰى أَنَّ الْمُرَادَ مِنَ النَّصِّ قُرْبُ النُّصْرَةِ لَاقُرْبُ الْقَرَابَةِ.

ترجمہ: اور جہاں تک خمس کا تعلق ہے تو اسے تین حصوں پر تقسیم کیا جائے ایک حصہ یتیموں کے لیے، ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے خاص کیا جائے اور اس میں حضرت رسول اکرم ﷺ کے محتاج قرابت دار داخل ہوں گے اور انھی کو سب سے مقدم کیا جائے گا لیکن ان کے مالداروں کو نہیں دیا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل قرابت کو خمس کا پانچواں حصہ دیا جائے گا اور اس میں امیر وغریب سب برابر ہوں گے اور وہ خمس ان کے مابین للذكر مثل حظ الأنثيين کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ اور یہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہی کے لیے ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ پاک نے ولذي القربیٰ کو بغیر تفصیل کے بیان کیا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ چاروں خلفائے راشدین نے اس خمس کو اسی طرح تین حصوں پر تقسیم کیا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور ہمارے لیے ان کا پیشوا ہونا کافی ہے نیز حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لوگوں کے میل کچیل کو ناپسند کردیا ہے اور اس کے بدلے تمہیں غنیمت کا پانچواں حصہ دیدیا ہے'' اور عوض اسی کے حق میں ثابت ہوتا ہے جو معوّض کا مستحق ہوتا ہے اور مستحقین فقراء ہیں لور آپ ﷺ نے بنو مطلب کو نصرت کی وجہ سے دیا تھا، کیا دِکھتا نہیں کہ آپ ﷺ نے انھیں دینے کی علت بھی بیان فرمائی اور یوں ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ہمیشہ اسی طرح میرے ساتھ رہے جاہلیت میں بھی اور اسلام میں بھی اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملالیا۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان گرامی اس بات کی دلیل ہے کہ قرب سے مراد قرب نصرت ہے نہ کہ قربِ قرابت۔

اللغات:

﴿ابن السبيل﴾ مسافر۔ ﴿حظّ﴾ حصہ۔ ﴿قدوة﴾ مقتداء، جس کی پیروی کی جائے۔ ﴿غسالة﴾ دھوون۔ ﴿اوساخ﴾ میل کچیل۔ ﴿عوّضكم﴾ تم کو بدلے میں دیا ہے۔ ﴿شبّك﴾ ملا، پس جوڑ لیں۔

تخریج:

① اخرجہ طبرانی فی معجمہ.

② اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الخراج باب فی بیان مواضع قسم الخمس، حدیث رقم: ۲۹۸۰.

خمس کے مصارف:

اس عبارت میں اس خمس کا بیان ہے جو مال غنیمت سے ذوی القربی اور یتامی کے لیے مخصوص کیا جاتا ہے چنانچہ ہمارے یہاں

اس خمس کے تین حصے کیے جائیں گے جن میں سے ایک حصہ یتیموں کا ہوگا ایک حصہ مساکین کا ہوگا اور ایک حصہ مسافرین کا ہوگا اور حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج قرابت دار بھی ان تینوں اصناف کے ساتھ مستحق خمس ہوں گے بلکہ سب سے مقدم ہوں گے، کیونکہ ان کے ساتھ حضرت کی نسبت بابرکت وابستہ ہے، اور ہمارے یہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مالدار قرابت دار اس میں شریک نہیں ہوں گے اور انہیں اس خمس سے حصہ نہیں دیا جائے گا، جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں محتاج اور غنی دونوں صنف اس میں شریک ہوں گے اور دونوں کو حصہ ملے گا اور یہ تقسیم للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق ہوگی یعنی مردوں کو دو دو حصے ملیں گے اور عورتوں کو ایک ایک حصہ دیا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جس آیتِ کریمہ سے (واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله وللرسول ولذي القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل) ذوی القربی کے لیے خمس کا استحقاق ثابت ہے وہ آیت غنی اور فقیر کی تفصیل سے خالی ہے اور اس میں غنی اور فقیر کے مابین کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، اس لیے ہمیں غنی کو کنارے کرنے کا حق نہیں ہے اور وہ بھی مستحق خمس ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جس طرح ہم نے تقسیم کی ہے اسی طرح کی تقسیم حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور حضرات خلفائے راشدین کا طرزِ عمل ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ کے حوالے سے کافی ووافی ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوہاشم کو صدقہ اور زکوۃ کے استعمال سے منع فرمایا ہے اور ان کی جگہ خمس کے استعمال کو جائز قرار دیا ہے یعنی گویا خمس اسی کے لیے درست ہے جس کے لیے معوض یعنی زکوۃ لینا صحیح تھا اور ظاہر ہے کہ زکوۃ کے مستحق اور مصرف فقراء ہیں لہٰذا خمس کے حق دار بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج اور فقیر قرابت دار ہی ہوں گے اور چوں کہ شرافت نسبی اور قرابت نبوی کی وجہ سے ہی بنوہاشم کے فقراء کو زکوۃ لینے سے منع کیا گیا ہے لہٰذا جو چیز زکوۃ کا عوض ہے یعنی خمس اس کے مستحق بھی صرف فقراء ہی ہوں گے۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا اغنیاء کو اس میں شریک کرنا درست نہیں ہے۔

رہا یہ سوال کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوعبدالمطلب کے ساتھ بنوہاشم کو تو دیا لیکن بنوعبدشمس اور بنونوفل کے قرابت داروں کو نہیں دیا، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ذوی القربیٰ سے قرابت نصرت واعانت مراد ہے اور قرب قرابت یعنی نسبی قرابت مراد نہیں ہے اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوہاشم کو دینے کے بعد فرمایا تھا کہ یہ لوگ ہمیشہ میرے معاون اور مددگار رہے اور میں بنوعبد المطلب اور بنوہاشم میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔

قَالَ فَأَمَّا ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي الْخُمُسِ فَإِنَّهُ لِإِفْتِتَاحِ الْكَلَامِ تَبَرُّكًا بِإِسْمِهِ، وَسَهْمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَقَطَ بِمَوْتِهِ كَمَا سَقَطَ الصَّفِيُّ، لِأَنَّهُ [1] عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَسْتَحِقُّهُ بِرِسَالَتِهِ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدَهُ، وَالصَّفِيُّ شَيْءٌ كَانَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَصْطَفِيْهِ لِنَفْسِهِ مِنَ الْغَنِيْمَةِ مِثْلُ دِرْعٍ أَوْ سَيْفٍ أَوْ جَارِيَةٍ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يُصْرَفُ سَهْمُ الرَّسُوْلِ إِلَى الْخَلِيْفَةِ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا قَدَّمْنَاهُ، وَسَهْمُ ذَوِي الْقُرْبٰى كَانُوْا يَسْتَحِقُّوْنَهُ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالنُّصْرَةِ لِمَا رَوَيْنَا، قَالَ وَبَعْدَهُ بِالْفَقْرِ، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ عَصَمَهُ اللّٰهُ هٰذَا الَّذِيْ ذَكَرَهُ قَوْلُ الْكَرْخِيِّ وَقَالَ الطَّحَاوِيُّ سَهْمُ الْفَقِيْرِ مِنْهُمْ سَاقِطٌ أَيْضًا لِمَا رَوَيْنَا مِنَ الْإِجْمَاعِ، وَلِأَنَّ فِيْهِ مَعْنَى الصَّدَقَةِ نَظَرًا إِلَى الْمَصْرَفِ فَيَحْرُمُ كَمَا

يَحْرُمُ الْعُمَالَةُ، وَجْهُ الْأَوَّلِ وَقِيلَ هُوَ الْأَصَحُّ مَارُوِيَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَعْطَى الْفُقَرَاءَ مِنْهُمْ، وَالْإِجْمَاعُ اِنْعَقَدَ عَلٰى سُقُوْطِ حَقِّ الْأَغْنِيَاءِ أَمَّا فُقَرَاؤُهُمْ يَدْخُلُوْنَ فِي الْأَصْنَافِ الثَّلَاثَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ خمس میں اللہ کے نام کا ذکر اس نام سے برکت حاصل کرنے کے مقصد سے افتتاح کے لیے ہے اور حضرت نبی اکرم ﷺ کی رحلت سے آپ کا حصہ ساقط ہوگیا جیسا کہ صفي ساقط ہوگیا ہے، کیونکہ آپ ﷺ اپنی رسالت کی وجہ سے اس سہم کے مستحق تھے اور آپ کے بعد کوئی رسول نہیں ہے۔ اور صفی وہ شئ ہے جسے آپ ﷺ غنیمت میں سے اپنے لیے منتخب فرماتے تھے جیسے زرہ، تلوار اور باندی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا حصہ آپ کے خلیفہ کو دیا جائے گا لیکن ہماری بیان کردہ دلیل ان کے خلاف حجت ہے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کے قرابت دار آپ کے زمانے میں نصرت کی وجہ سے حصہ پاتے تھے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور آپ کے بعد فقر کی وجہ سے حصہ پائیں گے، بندۂ ضعیف کہتا ہے کہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ بیان کیا ہے وہ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے محتاج قرابت داروں کا حصہ بھی ساقط ہے اس اجماع کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے ہیں۔ اور اس لیے کہ مصرف کی طرف نظر کرتے ہوئے اس میں صدقہ کے معنی موجود ہیں لہٰذا عمالہ کی طرح یہ بھی حرام ہوگا۔

قول اول کی دلیل (یہی اصح ہے) یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے محتاج قرابت داروں کو خمس سے حصہ دیا ہے اور اجماع مالداروں کا حق ساقط ہونے پر منعقد ہوا ہے۔ رہے فقراء تو وہ ان تینوں اصناف میں داخل ہوں گے۔

اللغات:

﴿صفیّ﴾ مالِ غنیمت میں سے سردار کا ذاتی حصہ۔ ﴿یصطفیه﴾ جس کو چن لیتے تھے۔ ﴿درع﴾ زرہ۔ ﴿سیف﴾ تلوار۔ ﴿جاریة﴾ باندی، لونڈی۔ ﴿یصرف﴾ پھیرا جائے گا۔ ﴿عمالة﴾ واحد عامل؛ کارندے، کارکنان، مراد عاملین زکوٰۃ۔

تخریج:

❶ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الخراج باب ما جاء فی سهم الحض، حدیث رقم: ۲۹۹۱.

خمس کی تقسیم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں واعلموا أنما غنمتم من شئ فأن لله خمسه وللرسول ولذي القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل الخ میں جو اللہ کے لیے خمس کا ذکر ہے وہ نام خداوندی سے افتتاح کرنے میں برکت حاصل کرنے کے لیے ہے اور ظاہر میں اللہ کا کوئی حصہ نہیں لگایا جائے گا، لأنه غني اسی طرح حضرت نبی اکرم ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ کا سہم بھی ساقط ہوگیا، کیونکہ آپ ﷺ اپنی رسالت کی وجہ سے مستحق سہم تھے اور آپ کے بعد چوں کہ کوئی رسول نہیں ہے، اسی لیے ہمارے یہاں اب یہ حصہ ساقط ہے اور آپ ﷺ کے خلفاء کو نہیں دیا جائے گا جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ سہم آپ

ﷺ کے خلفاء کو دیا جائے گا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو خلفائے راشدین خمس کو تین حصوں کے بجائے چار حصوں پر تقسیم کرتے حالانکہ ان حضرات نے بھی خمس کو تین ہی حصوں پر تقسیم کیا ہے۔

اسی طرح وہ صفی یعنی مال غنیمت سے آپ ﷺ اپنے لیے جو مال مثلاً زرہ، تلوار اور باندی وغیرہ منتخب فرمالیا کرتے تھے وہ بھی آپ ﷺ کی وفات کے بعد ساقط ہوگیا ہے۔

وسهم ذوی القربیٰ الخ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ کے قرابت دار نصرت واعانت کی بنا پر مستحق خمس تھے اور آپ کی وفات کے بعد یہ لوگ فقر اور محتاجی کی وجہ سے خمس سے حصہ دار ہوں گے، یہ امام کرخیؒ کا قول ہے۔ اور امام طحاوی کی رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے محتاج فقراء کا حصہ بھی ساقط ہوگیا ہے کیونکہ خلفائے راشدین نے خمس کو صرف تین ہی حصوں پر تقسیم فرمایا تھا۔ اور اس میں ذوی القربیٰ کا حصہ نہیں رکھا تھا۔ اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ خمس کا یہ حصہ مصرف کی طرف نظر کرتے ہوئے صدقہ کے معنی میں ہے اسی لیے تو آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہاشمی کو اس میں سے دینا جائز نہیں ہے اگر چہ وہ محتاج ہی کیوں نہ ہو جیسے اگر کوئی ہاشمی عامل ہو تو اس کے لیے بھی خمس سے عمل کی مزدوری لینا جائز نہیں ہے، لیکن اصح یہ ہے کہ آپ ﷺ کے محتاج قرابت داروں کو خمس سے حصہ دینا جائز ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیا ہے اور ان کے حق میں سقوط حق کا جو اجماع منعقد ہوا ہے وہ مالداروں کے ساتھ خاص ہے اور فقراء بہر حال اس کے مستحق اور حق دار ہیں اور وہ اصناف ثلاثہ یعنی یتامیٰ، مساکین اور ابن السبیل کے ساتھ شامل اور داخل ہیں۔

وَإِذَا دَخَلَ الْوَاحِدُ أَوِ الْإِثْنَانِ دَارَالْحَرْبِ مُغِيْرَيْنِ بِغَيْرِ إِذْنِ الْإِمَامِ فَأَخَذُوْا شَيْئًا لَمْ يُخَمَّسْ، لِأَنَّ الْغَنِيْمَةَ هُوَ الْمَأْخُوْذُ قَهْرًا وَغَلَبَةً، لَا اِخْتِلَاسًا وَسَرِقَةً وَالْخُمُسُ وَظِيْفَتُهَا، وَلَوْ دَخَلَ الْوَاحِدُ أَوِ الْإِثْنَانِ بِإِذْنِ الْإِمَامِ فَفِيْهِ رِوَايَتَانِ، وَالْمَشْهُوْرُ أَنَّهُ يُخَمَّسُ لِأَنَّهُ لَمَّا أَذِنَ لَهُمُ الْإِمَامُ فَقَدِ الْتَزَمَ نُصْرَتَهُمْ بِالْإِمْدَادِ فَصَارَ كَالْمَنْعَةِ، فَإِنْ دَخَلَتْ جَمَاعَةٌ لَهَا مَنْعَةٌ فَأَخَذُوْا شَيْئًا خُمِّسَ وَإِنْ لَمْ يَأْذَنْ لَهُمُ الْإِمَامُ، لِأَنَّهُ مَأْخُوْذٌ قَهْرًا وَغَلَبَةً فَكَانَ غَنِيْمَةً، وَلِأَنَّهُ يَجِبُ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يَنْصُرَهُمْ إِذْ لَوْ خَذَلَهُمْ كَانَ فِيْهِ وَهْنُ الْمُسْلِمِيْنَ، بِخِلَافِ الْوَاحِدِ وَالْإِثْنَيْنِ، لِأَنَّهُ لَايَجِبُ عَلَيْهِ نُصْرَتُهُمْ.

ترجمہ: اگر ایک یا دو آدمی امام کی اجازت کے بغیر لوٹ مار کرنے کے لیے دار الحرب میں گھسے اور انھوں نے کچھ لے لیا تو اس میں سے خمس نہیں نکالا جائے گا، کیونکہ غنیمت وہ مال ہے جو قہر اور غلبہ سے لیا جائے۔ اچک کر اور چوری سے نہ لیا جائے اور خمس مال غنیمت سے ہی لیا جاتا ہے۔ اور اگر ایک یا دو آدمی امام کی اجازت سے داخل ہوئے تو اس میں دو روایتیں ہیں، مشہور یہ ہے کہ اس میں سے خمس لیا جائے گا، کیونکہ جب امام نے انھیں اجازت دیدی تو اس نے امداد کے ذریعے ان کی نصرت کو لازم کرلیا تو یہ لاؤ لشکر کی طرح ہوگیا۔ پھر اگر کوئی ایسی جماعت جسے قوت حاصل ہو دار الحرب میں گھسی اور ان لوگوں نے کچھ مال لوٹ لیا تو اس میں سے خمس نکالا جائے گا اگر چہ امام نے انھیں اجازت نہ دی ہو، کیونکہ یہ مال زور اور غلبہ سے لیا گیا ہے لہٰذا غنیمت ہوگا۔ اور اس لیے کہ امام پر ان

کی نصرت کرنا واجب ہے، کیونکہ اگر امام نے ان کو رسوا کردیا تو اس میں مسلمانوں کی کم زوری ظاہر ہوگی۔ برخلاف ایک اور دو کے، کیونکہ امام پر ان کی نصرت واجب نہیں ہے۔

اللغات:

﴿مغیرین﴾ حملہ آور ہوکر، لوٹ مار کرنے کے لیے۔ ﴿اختلاس﴾ اچک لینا۔ ﴿سرقة﴾ چوری۔ ﴿التزم﴾ اپنے ذمے میں لیا ہے۔ ﴿منعة﴾ دفاعی طاقت، قوت مدافعت۔ ﴿خذلهم﴾ ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دے۔ ﴿وهن﴾ کمزوری۔

امام کی اجازت کے بغیر دارالحرب میں غارت گری کرنے والوں کی غنیمت کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک یا دو آدمی امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب میں لوٹ مارنے کرنے کی نیت سے گھسے اور انھوں نے وہاں سے کچھ مال حاصل کرلیا تو اس میں سے خمس نہیں نکالا جائے گا، کیونکہ خمس مال غنیمت سے نکالا جاتا ہے اور یہ مال غنیمت نہیں ہے اس لیے کہ غنیمت وہ مال کہلاتا ہے جو قہر، زور اور غلبہ سے حاصل کیا جائے نہ کہ چوری اور چماری سے اور چوں کہ یہ لوٹ مار کا مال ہے اس لیے اس میں سے خمس نہیں نکالا جائے گا۔ اور اگر یہ لوگ امام کی اجازت سے داخل ہوئے ہوں تو اس وقت خمس لینے کے سلسلے میں دو روایتیں ہیں (۱) ایک روایت میں ہے کہ اس میں سے خمس نہیں نکالا جائے گا (۲) دوسری روایت میں ہے کہ نکالا جائے گا، کیونکہ امام نے انھیں اجازت دے کر ان کی حمایت ونصرت کا اعلان کردیا ہے اور معنا انھیں قوت حاصل ہوگئی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی قوت وشوکت والی جماعت دار الحرب میں گھسی اور اس نے وہاں مال حاصل کرلیا تو اس میں سے خمس نکالا جائے گا اگرچہ اس جماعت نے امام کی اجازت نہ لی ہو، اس لیے کہ انھوں نے قہر اور غلبہ سے وہ مال حاصل کیا ہے اس لیے وہ غنیمت کا مال ہوگا، اور اس لیے بھی کہ اس جماعت کو قوت بھی حاصل ہے اور امام کی نصرت بھی حاصل ہے، کیونکہ اگر امام ان کی مدد نہیں کرے گا تو اس سے مسلمانوں میں انتشار پھیلے گا اور آپسی کمزوری ظاہر ہوگی جس کا فائدہ دشمن کو ملے گا، اس لیے اس خرابی سے بچتے ہوئے امام ان کی نصرت ضرور کرے گا، لیکن اگر ایک دو لوگ ہوں تو امام پر ان کی نصرت واجب نہیں ہے اس لیے کہ اس طرح کی حرکت کرکے لوگ امام کو مذاق بنالیں گے اور ہر کوئی نصرت وحمایت کی لالچ میں گڑبڑی کرنے لگے گا۔

فَصْلٌ فِي التَّنْفِيْلِ

یہ فصل نفل یعنی زائد انعام دینے کے بیان میں ہے

قَالَ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُنَفِّلَ الْإِمَامُ فِي حَالِ الْقِتَالِ وَيُحَرِّضُ عَلَى الْقَتْلِ فَيَقُوْلُ مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا فَلَهُ سَلْبُهُ وَيَقُوْلُ لِلسَّرِيَّةِ قَدْ جَعَلْتُ لَكُمُ الرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ، مَعْنَاهُ بَعْدَ مَا رَفَعَ الْخُمُسَ، لِأَنَّ التَّحْرِيْضَ مَنْدُوْبٌ إِلَيْهِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ (سورة الانفال: ٦٥)، وَهٰذَا نَوْعُ تَحْرِيْضٍ، ثُمَّ قَدْ يَكُوْنُ التَّنْفِيْلُ بِمَا ذَكَرَ، وَقَدْ يَكُوْنُ بِغَيْرِهِ إِلَّا أَنَّهُ لَايَنْبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ يُنَفِّلَ بِكُلِّ الْمَأْخُوْذِ، لِأَنَّ فِيْهِ إِبْطَالُ حَقِّ الْكُلِّ، فَإِنْ فَعَلَهُ مَعَ السَّرِيَّةِ جَازَ، لِأَنَّ التَّصَرُّفَ إِلَيْهِ، وَقَدْ تَكُوْنُ الْمَصْلِحَةُ فِيْهِ، وَلَايُنَفِّلُ بَعْدَ إِحْرَازِ الْغَنِيْمَةِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ، لِأَنَّ حَقَّ الْغَيْرِ قَدْ تَأَكَّدَ فِيْهِ بِالْإِحْرَازِ، قَالَ إِلَّا مِنَ الْخُمُسِ، لِأَنَّهُ لَاحَقَّ لِلْغَانِمِيْنَ فِي الْخُمُسِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ قتال کی حالت میں امام تنفیل کرے اور (غازیوں کو) قتال پر آمادہ کرتے ہوئے یوں کہے جو کسی کافر کو قتل کرے گا اس کا سامان اسی کو ملے گا اور سریہ والوں سے یوں کہے میں نے خمس کے بعد غنیمت کا چوتھائی مال تمہارے لیے خاص کر دیا یعنی خمس نکالنے کے بعد۔ کیونکہ تحریض علی القتال مستحب ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''اے نبی مسلمانوں کو قتال پر آمادہ کیجئے'' اور یہ بھی ایک قسم کی تحریض ہے پھر کبھی تنفیل اس طرح ہوتی ہے جو بیان کی گئی ہے اور کبھی دوسری طرح ہوتی ہے، لیکن امام کو پورے مال کی تنفیل نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ اس میں سب کے حق کا ابطال ہے لیکن اگر سریہ کے ساتھ ایسا کیا تو جائز ہے، کیونکہ امام ہی کو تصرف کا حق ہے اور کبھی کبھی ایسا کرنے میں مصلحت بھی ہوتی ہے۔ اور مال غنیمت کو دارالاسلام میں لے آنے کے بعد امام تنفیل نہیں کر سکتا، کیونکہ احراز کی وجہ سے اس مال میں دوسرے کا حق پختہ ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں مگر خمس سے تنفیل کر سکتا ہے، کیونکہ خمس میں غازیوں کا حق نہیں ہوتا۔

اللغات:

﴿ینفّل﴾ اضافی انعام دینے کا وعدہ کرلے۔ ﴿یحرّض﴾ آمادہ کرلے۔ ﴿سلبهٗ﴾ اس کا سامان۔ ﴿سرية﴾ لشکری۔

﴿إحراز﴾ بچانا، محفوظ مقام تک پہنچانا۔ ﴿غانمین﴾ غازی۔

امام کی طرف سے "نفل" سے نوازنے کا وعدہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قتال کے دوران امام غازیوں کو قتال پر آمادہ کرنے اور جی جان سے لڑنے کے لیے انھیں بطور نفل کچھ انعام دینے کا اعلان کرے تو یہ درست اور جائز ہے، مثلاً امام یوں کہے جو غازی کسی کافر کو مارے گا تو اس مقتول کا ساز وسامان بھی اسی کو ملے گا۔ یا امام کسی سریہ سے یوں کہے کہ جو کچھ تم مال حاصل کرو گے اس میں سے خمس نکالنے کے بعد پورا تمہارا ہے تو یہ تحریض بشکلِ تنفیل درست اور جائز ہے اور قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے ثابت ہے "**یٰأیها النبي حرض المؤمنین علی القتال**" اور تنفیل کے حوالے سے جو صورت ہم نے بیان کی ہے وہ بھی تحریض کی ایک صورت بلکہ اہم صورت ہے اور تحریض صرف ہماری بیان کردہ اسی صورت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اس کے علاوہ اور بھی طریقوں سے تحریض ہوسکتی ہے مثلاً امام یہ کہدے کہ اگر مال غنیمت میں سونا چاندی ہاتھ آیا تو ہم اسے بطور نفل دیں گے یا سواری وغیرہ کو دیدیں گے تو یہ سب طریقہ درست ہے۔

البتہ امام کو چاہئے کہ وہ پورے مال غنیمت کے تنفیل کا اعلان نہ کرے، اس لیے کہ ایسا کرنے سے دیگر غازیوں کا حق مارا جائے گا اور کسی کا حق مارنا اور دبانا درست نہیں ہے، ہاں اگر سریہ کے ساتھ امام ایسا کرے اور اہل سریہ سے یہ کہدے کہ جو کچھ تم حاصل کرو گے وہ تمہارا ہے تو امام کو ایسا کرنے کا حق ہے، اس لیے کہ امام ہی کو ولایت تصرف حاصل ہے اور کبھی ایسا کرنے میں مصلحت بھی ہوتی ہے اس لیے امام کو اس کا حق ہوگا۔

و لاینفل الخ فرماتے ہیں کہ دارالاسلام میں مال غنیمت جمع کرنے کے بعد امام تنفیل نہیں کرسکتا، کیون کہ احراز کے بعد اس مال سے ہر ہر غازی کا حق وابستہ بھی ہوجاتا ہے اور مستحکم بھی ہوجاتا ہے نیز احراز کے بعد قتال ختم ہوجاتا ہے اور تنفیل تحریض علی القتال کے لیے ہوتی ہے لہٰذا احراز کے بعد تنفیل کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، ہاں مال غنیمت کے خمس سے بعد الاحراز بھی تنفیل ہوسکتی ہے، کیونکہ خمس میں غازیوں کا حق نہیں ہوتا اس لیے ان کے حق کا ابطال نہیں ہوگا۔

وَإِذَا لَمْ يَجْعَلِ السَّلَبَ لِلْقَاتِلِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْغَنِيْمَةِ وَالْقَاتِلُ وَغَيْرُهُ فِيْ ذٰلِكَ سَوَاءٌ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ السَّلَبُ لِلْقَاتِلِ إِذَا كَانَ مِنْ أَهْلِ أَنْ يُسْهَمَ لَهُ وَقَدْ قَتَلَهُ مُقْبِلًا، لِقَوْلِهِ[1] **عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا فَلَهُ سَلَبُهُ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ نَصَبُ شَرْعٍ لِأَنَّهُ بَعَثَ لَهُ وَلِأَنَّ الْقَاتِلَ مُقْبِلًا أَكْثَرُ غِنَاءً فَيَخْتَصُّ بِسَلْبِهِ إِظْهَارًا لِلتَّفَاوُتِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ، وَلَنَا أَنَّهُ مَأْخُوْذٌ بِقُوَّةِ الْجَيْشِ فَيَكُوْنُ غَنِيْمَةً فَيُقَسَّمُ قِسْمَةَ الْغَنَائِمِ كَمَا نَطَقَ بِهِ النَّصُّ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِحَبِيْبِ بْنِ أَبِيْ سَلْمَةَ لَيْسَ لَكَ مِنْ سَلْبِ قَتِيْلِكَ إِلَّا مَاطَابَتْ بِهِ نَفْسُ إِمَامِكَ، وَمَارَوَاهُ يَحْتَمِلُ نَصْبَ الشَّرْعِ وَيَحْتَمِلُ التَّنْفِيْلَ فَنَحْمِلُهُ عَلَى الثَّانِيْ لِمَا رَوَيْنَاهُ، وَزِيَادَةُ الْغِنَاءِ لَايُعْتَبَرُ فِيْ جِنْسٍ وَاحِدٍ كَمَا ذَكَرْنَاهُ.**

ترجمہ: اور اگر امام نے قاتل کے لیے مقتول کا سامان مقرر نہ کیا ہو تو وہ سامان من جملہ غنیمت کے ہوگا اور قاتل اور غیر قاتل اس میں برابر ہوں گے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر قاتل اس قابل ہو کہ اسے غنیمت سے حصہ دیا جاسکے اور اس نے سامنے سے وار کرنے والے مقتول کو قتل کیا ہو تو وہی مقتول کے سامان کا مستحق ہوگا، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس نے کسی کو قتل کیا تو

قاتل کو مقتول کا سامان ملے گا اور ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس فرمان گرامی سے ایک ضابطہ مقرر فرما دیا کیونکہ آپ اسی لیے مبعوث کئے گئے تھے اور اس لیے کہ قاتل نے سامنے سے وار کرنے والے کو قتل کر کے زیادہ نفع پہنچایا ہے لہٰذا اس قاتل کے اور اس کے علاوہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے وہ قاتل اپنے مقتول کے سامان کے ساتھ خاص ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ سامان لشکر کی طاقت کے بَل پر حاصل کیا گیا ہے لہٰذا وہ مالِ غنیمت ہوگا اور غنائم کی طرح اس کی تقسیم ہوگی جیسا کہ نص قرآنی نے اسے بیان کیا ہے اور آپ ﷺ نے حضرت حبیب بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا کہ تم اپنے مقتول کا وہی سامان لے سکتے ہو جو تمہارا امام تمہیں دیدے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث میں قانون بنانے کا بھی احتمال ہے اور بطور نفل دینے کا بھی احتمال ہے لہٰذا ہم حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس روایت کو دوسرے معنی پر محمول کریں گے۔ اور نفع کی زیادتی جنس واحد میں معتبر نہیں ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغاتُ:

﴿جملة﴾ مجموعہ۔ ﴿یسهم﴾ حصہ مقرر کیا جائے۔ ﴿مقبل﴾ سامنے سے وار کرنے والا۔ ﴿طابت﴾ آمادہ ہو، بخوشی دے دے۔ ﴿قتیل﴾ مقتول۔

تخریج:

❶ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الجهاد باب فی السلب یعطی القاتل، حدیث ۲۷۱۷.

مقتول کے سامان میں قاتل کا استحقاق:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں قاتل کو اسی صورت میں مقتول کا سامان ملے گا جب امام نے یہ اعلان کیا ہو کہ من قتل قتیلا فله سلبه، لیکن اگر امام کی طرف سے یہ اعلان نہ ہو تو ہمارے یہاں قاتل مقتول کے سامان کا حق دار نہیں ہوگا، بلکہ وہ سامان مال غنیمت میں شامل ہوگا اور تمام مجاہدین کی اس میں شرکت ہوگی۔ اس کے برخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حکم یہ ہے کہ اگر قاتل مستحق سہم ہو اور اس نے سامنے سے آکر حملہ کرنے والے کسی کافر کو قتل کیا ہو تو وہ اس مقتول کے سامان کا مستحق ہوگا، کیونکہ حدیث پاک میں صاف طور پر یہ اعلان کر دیا گیا ہے "من قتل قتیلا فله سلبه" اس حدیث سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا وجہ استدلال اس طور پر ہے کہ آپ ﷺ نے اس فرمان گرامی میں ایک قاعدہ اور قانون بتلایا ہے اور عام فہم میں قاتل کو مقتول کے سامان کا مستحق قرار دیا ہے اور چوں کہ آپ ﷺ قانونِ شریعت بنانے اور لوگوں کو بتانے ہی کے لیے اس دنیا میں تشریف لائے تھے، لہٰذا اس حوالے سے اس پہلو کو مزید تقویت حاصل ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب قاتل کسی ایسے کافر کو قتل کرے گا جو سامنے سے آکر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے شر سے بہت سے مسلمانوں کی جان بچائے گا اور مسلمانوں کی جانا بچانا بہت بڑا نفع ہے اور بہت اہم کام ہے اس لیے بھی یہ مسلم قاتل اس کافر مقتول کے ساز وسامان کا مستحق ہوگا تا کہ اس کے اور اس کے علاوہ دوسرے قاتلوں اور مجاہدوں میں فرق ہو جائے۔ گویا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس قاتل کو اس کی بہادری پر گولڈ میڈل دینا چاہ رہے ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت حبیب بن سلمہ سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ **لیس لك من سلب قتيلك إلا ماطابت به نفس إمامك** کہ مقتول کے سامان میں صرف تمہارا ہی حق نہیں ہے یعنی وہ پورا سامان تمہارا نہیں ہے بلکہ جتنا تمہیں تمہارا امام دیدے بس اتنا لے لو، صاحب بنایہ نے لکھا ہے کہ یہ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ سے براہ راست حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی نہیں ہے، بلکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حبیب نے کسی تاجر کو قتل کیا تھا اور اس کے پاس بہت زیادہ مال تھا چنانچہ جب وہ مال لایا گیا تو حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے پورا مال لینا چاہا لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بھائی پورا مت لو، اس پر حضرت حبیب نے فرمایا: **قال رسول الله ﷺ من قتل قتيلا فله سلبه** یہ سن کر حضرت ابوعبیدہ نے کہا **لم يكن ذلك للأبد** کہ آں حضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہمیشہ کے لیے نہ تھا اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: **الا تتقي الله وتأخذ ماطابت به نفس إمامك** کہ اے حبیب اللہ سے ڈرو اور جتنا امام دیدے چپ چاپ لے لو اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اسے حضرت نبی اکرم ﷺ تک مرفوع کر دیا اور اس پر ان حضرات کا اتفاق ہو گیا (بنایہ: ۶/۵۹۶) اس سے معلوم ہوا کہ بدون اعلان سابق کے قاتل کو مقتول کا پورا سامان نہیں ملے گا۔

رہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث تو اس میں دو احتمال ہیں: (۱) یہ قانون ہو (۲) یہ بطور انعام اور تنفیل ہو اور چوں کہ حضرت معاذ والی روایت سے اس کا تنفیل کے طور پر ہونا مؤید ہے اس لیے ہم اسے تنفیل پر ہی محمول کریں گے۔ اور پھر اگر یہ قانون ہوتا تو اس میں سامنے سے حملہ کرنے والے کے قتل کی شرط نہ ہوتی کیوں کہ شریعت کے قوانین عموماً عام ہوتے ہیں اور پھر صرف قتال کرنے میں زیادہ نفع پہنچانے کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ ہمارے یہاں کرّ اور فرّ دونوں ایک ہی ہیں اور جب کرّ وفرّ ایک ہیں تو مقبل اور مدبر کو قتل کرنا بھی ایک ہوگا اور انعام کے حوالے سے ان میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

وَالسَّلْبُ مَا عَلَى الْمَقْتُوْلِ مِنْ ثِيَابِهٖ وَسَلَاحِهٖ وَمَرْكَبِهٖ وَكَذَا مَا كَانَ عَلٰى مَرْكَبِهٖ مِنَ السَّرْجِ وَالْأٰلَةِ، وَكَذَا مَا مَعَهٗ عَلَى الدَّابَّةِ مِنْ مَالِهٖ فِيْ حَقِيْقَتِهٖ أَوْ عَلٰى وَسْطِهٖ، وَمَا عَدَا ذٰلِكَ فَلَيْسَ بِسَلْبٍ وَمَاكَانَ مَعَ غُلَامِهٖ عَلٰى دَابَّةٍ أُخْرٰى فَلَيْسَ بِسَلْبِهٖ، ثُمَّ حُكْمُ التَّنْفِيْلِ قَطْعُ حُكْمِ الْبَاقِيْنِ فَأَمَّا الْمِلْكُ فَإِنَّمَا يَثْبُتُ بَعْدَ الْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ لِمَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ حَتّٰى لَوْ قَالَ الْإِمَامُ مَنْ أَصَابَ جَارِيَةً فَهِيَ لَهٗ فَأَصَابَهَا مُسْلِمٌ وَاسْتَبْرَأَهَا لَمْ يَحِلَّ لَهٗ وَطْيُهَا وَكَذَا لَايَبِيْعُهَا، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَهٗ أَنْ يُّطَأَهَا وَيَبِيْعَهَا، لِأَنَّ التَّنْفِيْلَ يَثْبُتُ بِهِ الْمِلْكُ عِنْدَهٗ كَمَا يَثْبُتُ بِالْقِسْمَةِ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ وَبِالشِّرَاءِ مِنَ الْحَرْبِ، وَوُجُوْبُ الضَّمَانِ بِالْإِتْلَافِ قَدْ قِيْلَ عَلٰى هٰذَا الْإِخْتِلَافِ. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: اور سلب وہ سامان ہے جو مقتول کے جسم پر ہوتا ہے یعنی اس کے کپڑے، اس کے ہتھیار اور اس کی سواری نیز وہ سامان جو اس کی سواری پر ہو جیسے زین اور لگام اور وہ مال جو اس کے ساتھ کسی تھیلے میں رکھ کر اس کی سواری پر لدا ہو وہ بھی سلب ہے۔ اس کے

علاوہ سلب نہیں ہے۔ اور جو سامان اس کے غلام کے ساتھ دوسری سواری پر ہو وہ بھی اس کا سلب نہیں ہے۔

پھر تنفیل کا حکم یہ ہے کہ اس مال سے دیگر غازیوں کا حق منقطع ہو جاتا ہے لیکن منفل لہ کے لیے دارالاسلام میں احراز کے بعد ہی ملکیت ثابت ہوتی ہے اس دلیل کی وجہ سے جو اس سے پہلے گذر چکی ہے۔ حتی کہ اگر امام نے یہ کہا کہ جو غازی کوئی لونڈی پائے وہ اسی کی ہے پھر کسی غازی نے ایک لونڈی پائی اور اس نے استبراء کرالیا تو اس غازی کے لیے نہ تو اس باندی سے وطی کرنا درست ہے اور نہ ہی اسے بیچنا جائز ہے یہ حکم حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے وطی کرنا بھی حلال ہے اور اسے فروخت کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تنفیل سے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے جیسے دارالحرب میں تقسیم کرنے اور حربی سے خریدنے کی صورت میں ثابت ہو جاتی ہے اور اتلاف کی وجہ سے ضمان کا وجوب بھی اسی اختلاف پر ہے۔

اللغات:

﴿ثیاب﴾ کپڑے۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار، اسلحہ۔ ﴿مرکب﴾ سواری۔ ﴿سرج﴾ زین، پالان۔ ﴿ماعدا﴾ جو بھی علاوہ ہو۔ ﴿إحراز﴾ بچانا۔ ﴿دابّة﴾ جانور۔ ﴿جارية﴾ باندی، لونڈی، کنیز۔ ﴿حرب﴾ جنگ۔ ﴿إتلاف﴾ ہلاک کرنا۔

''سلب'' کی تشریح اور تعیین:

اوپر جو یہ بات آئی ہے کہ اگر امام تنفیل کا اعلان کردے تو قاتل مقتول کے سلب اور سامان کا تنہا حق دار ہوتا ہے یہاں سے اسی سلب کی تعیین کی گئی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مقتول کے بدن پر جو کپڑے ہوں اور اس کے جو ہتھیار اور دیگر اموال جو تھیلے میں محفوظ ہوں نیز اس گھوڑے اور گھوڑے کی زین اور لگام سب چیزیں سلب میں داخل اور شامل ہیں اور منفل لہ ہی ان سب کا مستحق ہے۔ ان کے علاوہ اگر مقتول کی دوسری سواری ہو اور اس پر بھی سامان ہو جو اس کا غلام دیکھ رہا ہو تو وہ سلب نہیں ہے۔ پھر حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں تنفیل سے دارالحرب میں صرف یہ حکم ثابت ہوگا کہ اس مقتول کے سامان سے دوسرے غازیوں کا حق منقطع ہو جائے گا اور منفل لہ کی ملکیت دارالاسلام میں احراز کے بعد ثابت ہوگی جب کہ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں محض تنفیل سے ہی سلبِ مقتول میں قاتل کی ملکیت ثابت ہو جائے گی یہی وجہ ہے کہ اگر امام نے اس طرح تنفیل کی کہ جو غازی کوئی باندی پائے وہ اسی کی ہے تو حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں دارالحرب میں کوئی غازی پائی ہوئی لونڈی سے نہ تو وطی کرسکتا ہے اور نہ اسے فروخت کرسکتا ہے جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں یہ دونوں چیزیں حلال اور درست ہیں، کیونکہ ان کے یہاں تنفیل سے ملکیت ثابت ہو چکی ہے۔

ووجوب الضمان الخ فرماتے ہیں کہ اگر دارالحرب میں اس غازی کے پاس سے مقتول کا سلب کوئی شخص ہلاک کردے تو حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں متلف ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ قاتل غازی اس کا مالک نہیں ہے جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مہلک اس کا ضامن ہوگا اس لیے کہ ان کے یہاں غازی اس کا مالک ہو چکا ہے۔ فقط واللہ أعلم وعلمہ أتم

بَابُ اِسْتِيْلَاءِ الْكُفَّارِ

یہ باب کافروں کے غالب ہونے کے احکام کے بیان میں ہے

اس سے پہلے مسلمانوں کے استیلاء کا بیان تھا اور اب یہاں سے کفار کے استیلاء کا بیان ہے اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے احکام کفار سے مقدم اور افضل ہیں اسی لیے انھیں پہلے بیان کیا ہے۔

وَإِذَا غَلَبَ التُّرْكُ عَلَى الرُّوْمِ فَسَبُوْهُمْ وَأَخَذُوْا أَمْوَالَهُمْ مَلَكُوْهَا، لِأَنَّ الْإِسْتِيْلَاءَ قَدْ تَحَقَّقَ فِيْ مَالٍ مُبَاحٍ وَهُوَ السَّبَبُ عَلٰى مَانُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى، فَإِنْ غَلَبْنَا عَلَى التُّرْكِ حَلَّ لَنَا مَانَجِدُهُ مِنْ ذٰلِكَ اِعْتِبَارًا بِسَائِرِ أَمْلَاكِهِمْ، وَإِذَا غَلَبُوْا عَلٰى أَمْوَالِنَا وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ وَأَحْرَزُوْهَا بِدَارِهِمْ مَلَكُوْهَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحمۃ اللہ علیہ لَايَمْلِكُوْنَهَا لِأَنَّ الْإِسْتِيْلَاءَ مَحْظُوْرٌ اِبْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَالْمَحْظُوْرُ لَايَنْتَهِضُ سَبَبًا لِلْمِلْكِ عَلٰى مَا عُرِفَ مِنْ قَاعِدَةِ الْخَصْمِ، وَلَنَا أَنَّ الْإِسْتِيْلَاءَ وَرَدَ عَلٰى مَالٍ مُبَاحٍ فَيَنْعَقِدُ سَبَبًا لِلْمِلْكِ دَفْعًا لِحَاجَةِ الْمُكَلَّفِ كَاسْتِيْلَائِنَا عَلٰى أَمْوَالِهِمْ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْعِصْمَةَ تَثْبُتُ عَلٰى مُنَافَاةِ الدَّلِيْلِ ضَرُوْرَةَ تَمَكُّنِ الْمَالِكِ مِنَ الْإِنْتِفَاعِ فَإِذَا زَالَتِ الْمُكْنَةُ عَادَ مُبَاحًا كَمَا كَانَ، غَيْرَ أَنَّ الْإِسْتِيْلَاءَ لَايَتَحَقَّقُ إِلَّا بِالْإِحْرَازِ بِالدَّارِ لِأَنَّهُ عِبَارَةٌ عَنِ الْإِقْتِدَارِ عَلَى الْمَحَلِّ حَالًا وَمَآلًا، وَالْمَحْظُوْرُ لِغَيْرِهِ إِذَا صَلُحَ سَبَبًا لِكَرَامَةٍ تَفَوُّقِ الْمِلْكِ وَهُوَ الثَّوَابُ الْآجِلُ فَمَا ظَنُّكَ بِالْمِلْكِ الْعَاجِلِ.

ترجمہ: اگر تاتاریوں نے روم پر غلبہ حاصل کر کے انھیں قید کرلیا اور ان کے اموال لوٹ لیے تو وہ ان اموال کے مالک ہوجائیں گے، کیونکہ مال مباح میں غلبہ متحقق ہوگیا ہے اور غلبہ ہی سبب ملک ہے جیسا کہ ان شاء اللہ ہم اسے بیان کریں گے اور اگر ہم ترکیوں پر غالب آجائیں تو ہمارے لیے وہ سب حلال ہوگا جو ہم ان سے حاصل کریں گے جیسا کہ ان کے جملہ املاک کا یہی حکم ہے۔ اور اگر نعوذ باللہ وہ ہمارے اموال پر غالب ہوگئے اور انھیں اپنے ملک لے کر چلے گئے تو وہ اس کے مالک ہوجائیں گے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مالک نہیں ہوں گے، کیونکہ (ہمارے اموال پر) کفار کا استیلاء ممنوع ہے ابتداء بھی اور انتہاء بھی اور ممنوع ملک کا سبب نہیں

بن سکتا جیسا کہ علم الاصول میں معلوم ہو چکا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مال مباح پر قبضہ ہوا ہے لہٰذا مکلف کی دفعِ حاجت کے پیشِ نظر وہ استیلاء سبب ملک بن جائے گا جیسے ان کے اموال پر ہمارا قبضہ ہوتا ہے تو ہم ان اموال کے مالک ہو جاتے ہیں۔ اور یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ اموال کی عصمت اس لیے ثابت ہوتی ہے تا کہ مالک نفع حاصل کرنے پر قادر ہو جائے لیکن جب انتفاع کی قدرت ختم ہو گئی تو وہ مال حسبِ سابق مباح ہو جائے گا، تاہم احراز بالدار کے بغیر مکمل استیلاء ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ استیلاء حال اور مال دونوں میں مقبوضہ چیز میں تصرف پر قدرت کا نام ہے۔ اور ممنوع لغیرہ جب کسی ایسی کرامت کا سبب ہو جو ملکیت سے بھی بڑھ کر ہو یعنی اخروی ثواب تو ملک عاجل (دنیاوی منفعت) کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔

اللغاتُ:

﴿سبوهم﴾ ان کو قیدی بنالیں۔ ﴿استیلاء﴾ فتح، غلبہ، قہر۔ ﴿نجد﴾ ہمیں مل جائے۔ ﴿احرزوها﴾ اس کو محفوظ کرلیں۔ ﴿محظور﴾ ممنوع۔ ﴿لاینتهض﴾ نہیں بنتا۔ ﴿خصم﴾ فریقِ مخالف۔ ﴿مكنة﴾ قدرت، طاقت۔ ﴿اجل﴾ مؤخر۔

کفار کے قبضے میں جانے والے اموال کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ترکی لوگ رومیوں پر غالب آ کر ان کا مال لوٹ لیں تو وہ ان کے اموال کے مالک ہو جائیں گے، کیونکہ قبضہ اور غلبہ مال مباح کی ملکیت کا سبب ہے اور وہ پایا گیا ہے اس لیے ترکی رومیوں کے اموال کے مالک ہو جائیں گے، اب اگر اس کے بعد ہم لوگ ترکیوں پر غالب آ جائیں تو جو اموال انھوں نے رومیوں سے لیا ہے وہ سب اموال ہمارے لیے درست اور حلال ہوں گے۔ اور اگر نعوذ باللہ وہ لوگ ہمارے اموال پر قابض ہو گئے اور دار الحرب لے کر چلے گئے تو ہمارے نزدیک وہ لوگ ان اموال کے مالک ہو جائیں گے، لیکن شوافع کے یہاں مالک نہیں ہوں گے، کیونکہ مسلمانوں کے اموال اموال نعمت ہیں اور کفار نعمت پر قابض نہیں ہو سکتے نہ تو ابتداءً یعنی دار الاسلام میں اور نہ ہی انتہاءً یعنی دار الحرب لیجانے کے بعد اور جب ان کا غالب ہونا ممنوع ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ممنوع ان کے حق میں مفید ملک نہیں ہوگا لہٰذا نہ تو ان کا استیلاء درست ہوگا اور نہ ہی آن کی ملکیت معتبر ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ کفار کا یہ قبضہ مال مباح پر واقع ہوا ہے، کیونکہ مسلمانوں کے اموال جب تک ان کے قبضے میں رہتے ہیں اس وقت تک معصوم اور قابل احترام ہوتے ہیں حالانکہ خلق لکم ما في الأرض جمیعا کی رو سے انھیں اس وقت بھی مباح ہونا چاہیے لیکن ہم نے مالک کی ضرورت اور اس کے انتفاع کی حاجت کے پیش نظر اس میں عصمت ثابت کر دیا اور دوسرے کی شرکت کو ختم کر دیا لیکن جب کفار اس مال پر غالب ہو گئے تو اس غلبہ کی وجہ سے اس مال کی عصمت ختم ہو گئی اور وہ مال خلق لکم الخ کی وجہ سے مباح ہو گیا اور گویا کفار نے مال مباح پر قبضہ کیا اور مال مباح کا قبضہ مفید ملک ہے اس لیے کفار ہمارے مالوں کے مالک ہو جائیں گے۔ البتہ ان کا یہ قبضہ اسی وقت کامل اور مکمل ہوگا جب وہ یہ اموال دار الحرب لے کر چلے جائیں گے، کیونکہ استیلاء کہتے ہیں مقبوضہ مال سے فی الحال اور فی المآل دونوں طرح نفع اٹھانا ممکن ہو اور کفار کے حق میں دار الاسلام فی الحال نفع اٹھانے کا محل ہے اور دار الحرب فی المآل یعنی انجام کار کے اعتبار سے مقام انتفاع ہے اور دار الاسلام میں استیلاء سے فی الحال والا پہلو ثابت ہو چکا ہے لہٰذا

جب وہ مذکورہ اموال دارالحرب لے جائیں گے تو فی المآل والا پہلو بھی ثابت ہوجائے گا اور استیلاء تام ہوجائے گا۔

والمحظور لغیرہ الخ یہاں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا کفار کا استیلاء کو ممنوع قرار دے کر انھیں مسلمان کے اموال کا مالک نہ قرار دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ شئ محظور ملک سے بھی بڑی چیز کے ثبوت اور حصول کا سبب بن سکتی ہے مثلاً اگر کسی شخص نے کسی کی زمین غصب کرلی تو اس زمین میں نماز پڑھنے سے اسے ثواب حاصل ہوگا حالانکہ ثواب کا تعلق آخرت سے ہے تو جب مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنا موجب ثواب ہے حالانکہ غصب ممنوع ہے تو محظور استیلاء سے دنیاوی ملکیت اور منفعت تو بدرجۂ اولیٰ حاصل ہوگی اسی دنیاوی ملکیت کو صاحب ہدایہؒ نے **بالملك العاجل** سے تعبیر کیا ہے۔

فَإِنْ ظَهَرَ عَلَيْهَا الْمُسْلِمُوْنَ فَوَجَدَهَا الْمَالِكُوْنَ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهِيَ لَهُمْ بِغَيْرِ شَيْءٍ، وَإِنْ وَجَدُوْهَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ أَخَذُوْهَا بِالْقِيْمَةِ وَإِنْ أَحَبُّوْهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ[1] فِيْهِ ((إِنْ وَجَدْتَهُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ، وَإِنْ وَجَدْتَهُ بَعْدَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لَكَ بِالْقِيْمَةِ))، وَلِأَنَّ الْمَالِكَ الْقَدِيْمَ زَالَ مِلْكُهُ بِغَيْرِ رِضَاهُ فَكَانَ لَهُ حَقُّ الْأَخْذِ نَظْرًا لَهُ إِلَّا أَنَّ فِي الْأَخْذِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ ضَرَرًا بِالْمَأْخُوْذِ مِنْهُ بِإِزَالَةِ مِلْكِهِ الْخَاصِّ فَيَأْخُذُهُ بِالْقِيْمَةِ لِيَعْتَدِلَ النَّظْرُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، وَالشَّرِكَةُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ عَامَّةٌ فَيَقِلُّ الضَّرَرُ فَيَأْخُذُهُ بِغَيْرِ قِيْمَةٍ.

ترجمہ: پھر اگر مسلمان ان اموال پر غالب آجائیں اور تقسیم سے پہلے ان کے مالک ان اموال کو پالیں تو وہ اموال بدون عوض ان کے ہوں گے، اور اگر تقسیم کے بعد مالکان وہ اموال پائیں تو انھیں قیمت کے عوض لیں گے اگر چاہیں، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اگر تقسیم سے پہلے تم نے اسے پالیا تو وہ بدون قیمت تمہارا ہے اور اگر تقسیم کے بعد تم نے اسے پایا تو وہ قیمت کے عوض تمہارا ہے۔ اور اس لیے کہ مالکِ قدیم کی ملکیت اس کی مرضی کے بغیر ختم ہوگئی ہے لہٰذا اس پر شفقت کے پیش نظر اسی کو لینے کا حق ہوگا تاہم تقسیم کے بعد لینے میں ماخوذ منہ کا ضرر ہے، کیونکہ اس میں اس کی ملکیت خاص کو زائل کرنا ہے لہٰذا مالکِ قدیم اسے قیمت کے عوض لے گا تاکہ دونوں طرف شفقت متحقق ہوجائے۔ اور تقسیم سے پہلے اس مال میں تمام غازیوں کی شرکت ہے، لہٰذا اس صورت میں ضرر کم ہوگا اس لیے مالک بغیر قیمت کے اسے لے لے گا۔

اللغات:

﴿ظهر﴾ غالب ہوگئے۔ ﴿ضرر﴾ نقصان۔ ﴿أخذ﴾ لینا۔

تخریج:

[1] اخرجہ دارقطنی فی سننہ ۱۱۴/٤، ۱۱۵.

حربیوں کے غصب کردہ اموال کی واپسی:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسلمان کفار سے دوبارہ وہ مال چھین لیں جو انھوں نے مسلمانوں سے چھینا تھا تو تقسیم غنائم سے پہلے وہ مال ان کے مالکان کو دیدیا جائے گا اور تقسیم غنائم کے مالکان کو وہ مال ملے گا اور مالکان انھیں لینا چاہیں تو قیمت دے کر لے سکتے ہیں، کیونکہ

اس طرح کے معاملے میں حضرت نبی اکرم ﷺ سے اسی طرح کا فرمان صادر ہوا ہے اور اس صورت حال میں دربار نبوت سے یہی ہدایت جاری کی گئی ہے۔ اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کفار کے ان اموال پر قابض اور غالب ہونے کی وجہ سے مالک قدیم کی رضامندی کے بغیر وہ اموال لئے گئے تھے لہٰذا جب وہ اموال پھر مسلمانوں میں واپس آگئے تو ان کے مالکان ہی ان اموال کے مستحق ہوں گے، لیکن تقسیم غنائم کے بعد اگر وہ مال دوسروں کے پاس چلے گئے ہوں تو اُن سے مفت لینے میں اُنھیں ضرر لاحق ہوگا اس لیے مالک کو قیمت دے کر لینے کا اختیار ہے تاکہ مالک کو اس کا مال مل جائے اور ماخوذ منہ کو اس کے حق کے عوض قیمت مل جائے اور دونوں طرف برابر کا معاملہ رہے۔ اور شرکت سے پہلے چوں کہ اس مال میں عام غازیوں کا حق ہوتا ہے اور کسی کے ساتھ وہ مال خاص نہیں ہوتا لہٰذا اس صورت میں ہم نے اسے صاحب مال کو مفت میں دینے کی تجویز رکھی ہے۔

وَإِنْ دَخَلَ دَارَالْحَرْبِ تَاجِرٌ فَاشْتَرٰى ذٰلِكَ وَأَخْرَجَهُ إِلٰى دَارِالْإِسْلَامِ فَمَالِكُهُ الْأَوَّلُ بِالْخِيَارِ، إِنْ شَاءَ أَخَذَهُ بِالثَّمَنِ الَّذِي اشْتَرَاهُ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ، لِأَنَّهُ يَتَضَرَّرُ بِالْأَخْذِ مَجَّانًا، أَلَا تَرٰى أَنَّهُ قَدْ دَفَعَ الْعِوَضَ بِمُقَابِلَتِهِ فَكَانَ اعْتِدَالُ النَّظَرِ فِيْمَا قُلْنَاهُ، وَلَوِاشْتَرَاهُ بِعَرَضٍ يَأْخُذُ بِقِيْمَةِ الْعَرَضِ، وَلَوْ وَهَبُوْهُ لِمُسْلِمٍ يَأْخُذُهُ بِقِيْمَتِهِ، لِأَنَّهُ ثَبَتَ لَهُ مِلْكٌ خَاصٌّ فَلَايَزَالُ إِلَّا بِالْقِيْمَةِ، وَلَوْكَانَ مَغْنُوْمًا وَهُوَ مِثْلِيٌّ يَأْخُذُهُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَلَايَأْخُذُهُ بَعْدَهَا، لِأَنَّ الْأَخْذَ بِالْمِثْلِ غَيْرُ مُفِيْدٍ وَكَذَا إِذَا كَانَ مَوْهُوْبًا لَايَأْخُذُهُ لِمَا بَيَّنَّا وَكَذَا إِذَا كَانَ مُشْتَرًى بِمِثْلِهِ قَدْرًا وَوَصْفًا.

ترجمه: اور اگر کسی مسلمان تاجر نے دارالحرب جاکر وہ مال خرید لیا اور اسے دارالاسلام لے آیا تو اس کے مالکِ اول کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس ثمن کے عوض لے لے جس کے بدلے مشتری نے اسے خریدا ہے اور اگر چاہے تو اسے چھوڑ دے، کیونکہ مفت لینے سے اس تاجر کو ضرر ہوگا کیا دیکھتا نہیں کہ اس تاجر نے اس مال کے بدلے میں عوض دیا ہے لہٰذا شفقت اسی صورت میں متحقق ہوگی جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور اگر اس تاجر نے وہ مال کسی سامان کے عوض لیا ہو تو مالک سامان کی قیمت دے کر وہ مال لے گا۔ اور اگر کفار نے کسی مسلمانوں کو وہ مال ہبہ کردیا ہو تو مالک اسکی قیمت دے کر اسے لے گا، کیونکہ موہوب لہ کو خاص ملکیت حاصل ہوئی ہے لہٰذا قیمت کے بغیر وہ زائل نہیں ہوگی۔

اور اگر وہ غنیمت میں حاصل کیا گیا ہو اور وہ مثلی ہو تو تقسیم سے پہلے مالک اول اسے لے سکتا ہے لیکن تقسیم کے بعد نہیں لے سکتا، کیونکہ مثلی چیز لینا مفید نہیں ہے ایسے ہی اگر وہ چیز ہبہ کی گئی ہو تو بھی مالک اسے نہ لے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں ایسے ہی اگر اس مالک کی چیز قدر اور وصف میں اس چیز کے برابر ہو جو تاجر نے خریدا ہو۔

اللغات:

﴿اخرجهٗ﴾ اس کو درآمد کیا۔ ﴿اشتراہ﴾ اس کو خریدا۔ ﴿مجاناً﴾ مفت، بلا قیمت۔ ﴿عرض﴾ ساز وسامان۔

حربیوں کے غصب کردہ اموال کی واپسی:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار کے مسلمانوں کا مال لوٹ کر لیجانے کے بعد کوئی مسلمان تاجر دارالحرب گیا اور اس نے وہ مال خریدا

اور اسے دار الاسلام لے آیا تو اب اس کے مالکِ اول کو اختیار ہے اگر چاہے تو مشتری تاجر کے خریدے ہوئے ثمن پر اسے لے لے اور اگر چاہے تو نہ لے یعنی ثمن دے کر لینا چاہئے تو لے ورنہ مفت میں نہ لے، کیونکہ تاجر نے وہ مال ثمن اور عوض دے کر لیا ہے اور مفت لینے میں اس کا ضرر ہے اور کسی کو ضرر پہنچانا درست نہیں ہے۔ اور اگر اس تاجر نے کسی سامان کے عوض وہ مال لیا ہو مالک اول اس سامان کی قیمت کے عوض اسے لے گا اسی طرح اگر کفار وہ مال کسی مسلمان کو ہدیہ کردیں تو مالکِ اول موہوب لہ کو اس کی قیمت دے کر لے گا، کیونکہ مشتری اور موہوب لہ کے لیے اس مال میں خاص ملکیت ثابت ہوئی ہے، لہٰذا یہ ملکیت مفت میں بدون عوض ساقط اور زائل نہیں ہوگی۔

ولو کان مغنوماً الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مالکِ اول کا مال مالِ غنیمت کے ساتھ مسلمانوں کو ملا ہو اور وہ مال مثلی ہو یعنی اس کا مثل موجود ہو تو صاحب مال تقسیم سے پہلے بلا عوض اسے لے سکتا ہے، لیکن تقسیم کے بعد نہیں لے سکتا، کیونکہ مثلی لے کر مثلی دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، یہی حال اس صورت کا بھی ہے جب وہ مال ہبہ کیا گیا ہو یا کسی نے خریدا ہو اور جس چیز کے عوض خریدا ہو وہ قدر اور وصف میں مالک کے سامان کے برابر ہو تو بھی مالک اسے نہ لے کیونکہ یہ بھی مثل کے عوض مثل کا تبادلہ ہے جو مفید نہیں ہے۔

قَالَ فَإِنْ أَسَرُوْا عَبْدًا فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ وَأَخْرَجَهُ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَفُقِئَتْ عَيْنُهُ وَأَخَذَ أَرْشَهَا فَإِنَّ الْمَوْلٰى يَأْخُذُهُ بِالثَّمَنِ الَّذِي أَخَذَ بِهِ مِنَ الْعَدُوِّ، أَمَّا الْأَخْذُ بِالثَّمَنِ فَلِمَا قُلْنَا، وَلَا يَأْخُذُ الْأَرْشَ، لِأَنَّ الْمِلْكَ فِيْهِ صَحِيْحٌ فَلَوْ أَخَذَهُ أَخَذَهُ بِمِثْلِهِ وَهُوَ لَايُفِيْدُ، وَلَايُحَطُّ شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ، لِأَنَّ الْأَوْصَافَ لَايُقَابِلُهَا شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ بِخِلَافِ الشُّفْعَةِ، لِأَنَّ الصَّفْقَةَ لَمَّا تَحَوَّلَتْ إِلَى الشَّفِيْعِ صَارَ الْمُشْتَرٰى فِيْ يَدِ الْمُشْتَرِيْ بِمَنْزِلَةِ الْمُشْتَرٰى شِرَاءً فَاسِدًا، وَالْأَوْصَافُ تَضْمَنُ فِيْهِ كَمَا فِي الْغَصْبِ، أَمَّا هٰهُنَا الْمِلْكُ صَحِيْحٌ فَافْتَرَقَا، وَإِنْ أَسَرُوْا عَبْدًا فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ فَأَسَرُوْهُ ثَانِيَةً وَأَدْخَلُوْهُ دَارَ الْحَرْبِ فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ اٰخَرُ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ فَلَيْسَ لِلْمَوْلَى الْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنَ الثَّانِيْ بِالثَّمَنِ، لِأَنَّ الْأَسْرَ مَاوَرَدَ عَلٰى مِلْكِهِ، وَلِلْمُشْتَرِي الْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَ مِنَ الثَّانِي بِالثَّمَنِ، لِأَنَّ الْأَسْرَ وَرَدَ عَلٰى مِلْكِهِ ثُمَّ يَأْخُذُ الْمَالِكُ الْقَدِيْمُ بِأَلْفَيْنِ إِنْ شَاءَ، لِأَنَّهُ قَامَ عَلَيْهِ بِالثَّمَنَيْنِ فَيَأْخُذُهُ بِهِمَا، وَكَذَا إِذَا كَانَ الْمَأْسُوْرُ مِنْهُ الثَّانِي غَائِبًا لَيْسَ لِلْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ اِعْتِبَارًا بِحَالِ حَضْرَتِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کفار نے کسی مسلمان کا غلام قید کرلیا پھر اسے کوئی شخص خرید کر دار الاسلام لے آیا اور اس کی آنکھ پھوڑ دی گئی اور مشتری نے اس کا تاوان لے لیا تو مولیٰ اس غلام کو اسی ثمن پر لے گا جس ثمن پر مشتری نے دشمن سے وہ غلام خریدا تھا، رہا ثمن کے عوض لینا تو اسی دلیل کی وجہ سے ہے جسے ہم بیان کرچکے ہیں اور مولیٰ ارش نہیں لے گا کیونکہ (بوقت فقا) اس غلام میں مشتری کی ملکیت صحیح تھی، اب اگر مولیٰ مشتری سے وہ تاوان لے گا تو اس کا مثل دے کر لیگا۔ اور مثل دے کر لینا بے کار ہے۔ اور ثمن میں سے

کچھ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ اوصاف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا۔ برخلاف شفعہ کے، کیونکہ جب صفقہ بدل کر شفیع کی طرف چلا گیا تو خریدی ہوئی چیز مشتری کے قبضے میں شرائے فاسد کے درجے میں ہوگئی اور شرائے فاسد میں اوصاف کا بھی ضمان واجب ہوتا ہے جیسے غصب میں ہوتا ہے، رہا یہاں کا مسئلہ تو یہاں ملک صحیح ہے اس لیے دونوں مسئلوں میں فرق ہوگیا۔

اور اگر کفار نے کسی غلام کو قیدی بنالیا پھر اس کو کسی مسلمان نے ایک ہزار درہم میں خریدا اس کے بعد کفار نے اسے دوبارہ قید کرلیا اور اسے دارالحرب لے کر چلے گئے پھر دوسرے شخص نے ایک ہزار درہم کے عوض اسے خریدلیا تو مولیٰ اول کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے شخص سے ثمن کے عوض لے لے، کیونکہ اس کی ملکیت پر گرفتاری واقع ہوئی ہے، پھر مالک اول اگر چاہے تو اسے دو ہزار کے عوض لے لے، کیونکہ مشتری اول کو دو ہزار میں وہ غلام پڑا ہے لہٰذا مالک دو ہزار کے عوض اسے لے گا۔ ایسے ہی اگر مشتری اول غائب ہو تو مالک قدیم کو یہ حق نہیں ہوگا کہ مشتری ثانی سے اسے لے لے اس کی موجودگی پر قیاس کرتے ہوئے۔

اللغات:

﴿أسروا﴾ قیدی بنالیا۔ ﴿فقئت﴾ پھوڑ دی گئی۔ ﴿أرش﴾ تاوان، جرمانہ۔ ﴿لا یحطّ﴾ نہیں کمی کرے گا۔ ﴿صفقة﴾ عقد، معاملہ (لفظاً: تالی)۔ ﴿تحوّلت﴾ پھرگئی، بدل گئی۔ ﴿حضرة﴾ موجودگی۔

حربیوں کے غصب کردہ اموال کی واپسی:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار نے کسی مسلمان کا غلام گرفتار کر کے اسے قیدی بنالیا پھر کوئی مسلمان دارالحرب گیا اور اس نے کفار سے اس غلام کو خریدلیا اور دارالاسلام لے آیا پھر اس مسلمان مشتری کے قبضے میں کسی نے اس کی آنکھ پھوڑ دی اور اس مشتری نے جانی سے تاوان لے لیا تو اب اگر اس غلام کو اس کا مولیٰ مشتری سے لینا چاہے تو مشتری نے جتنی رقم میں اسے خریدا ہے اتنی رقم دے کر مولیٰ اسے خرید لے لیکن اس کا تاوان نہ لے، کیونکہ یہ تاوان تو مشتری نے اپنی صحیح ملکیت میں حاصل کیا ہے اس لیے اگر مولیٰ تاوان لے گا تو اسے اس کے بقدر مشتری کو رقم دینا پڑے گا جس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اور یہ بھی نہیں ہوگا کہ اس کی جو آنکھ پھوڑی گئی ہے اس کے عوض ثمن سے کچھ رقم کم کردی جائے، کیونکہ آنکھ وصف ہے اور وصف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا۔

اس کے برخلاف شفعہ میں وصف کے عوض ثمن ہوتا ہے، اس لیے کہ مشتری سے شفیع کی طرف صفقہ بدلنے اور منتقل ہونے سے خریدی ہوئی چیز شرائے فاسد کے درجے میں ہے اور شرائے فاسد میں وصف کے عوض ثمن ہوتا ہے جیسا کہ شئ مغصوب میں سے اگر کوئی چیز یا کوئی حصہ ہلاک ہوجائے یا کوئی وصف فوت ہوجائے تو اس کا بھی ضمان واجب ہوتا ہے، کیونکہ شراء فاسد میں نہ تو مشتری کی ملکیت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی غصب میں غاصب کی ملکیت ثابت ہوتی ہے جب کہ شراء صحیح میں مشتری کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، اس لیے اس صورت میں وصف کا ضمان نہیں ہوگا۔

وإن أسروا الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کفار نے کوئی غلام قید کیا پھر ایک شخص نے اسے ایک ہزار درہم میں خریدا اس کے بعد دوبارہ کفار نے اسے قید کرلیا اور اسے لے کر دارالحرب چلے گئے اور اس مرتبہ پہلے مشتری کے علاوہ دوسرے آدمی نے اسے خریدا تو اس غلام کے مولیٰ کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ ثمن دے کر مشتریٔ ثانی سے اُسے لے لے، کیونکہ وہ غلام مشتریٔ اول کی ملکیت پر گرفتار ہوا

ہے نہ کہ مشتری ثانی کی ملکیت پر اس لیے مشتری ثانی کو اس کی فروختگی کا حق نہیں ہے البتہ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ مشتری ثانی سے مشتری اول ایک ہزار کے عوض خرید لے، پھر مشتری اول سے اس کا مولیٰ دو ہزار میں خرید لے، کیونکہ مشتری اول نے اسے پہلی مرتبہ کفار سے ایک ہزار میں خریدا اور دوسری مرتبہ مشتری ثانی سے ایک ہزار میں خریدا گویا اس نے دو ہزار میں اسے خریدا ہے اس لیے مولیٰ کو دو ہزار کے عوض اسے لینے کا اختیار ہوگا اگر چاہے تو لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔ ایسے ہی اگر جس کے پاس سے دوبارہ غلام گرفتار کیا گیا ہے یعنی مشتری اول کہیں غائب ہو تو بھی مولیٰ مشتری ثانی سے الف درہم کے عوض اس غلام کو نہیں خرید سکتا، کیونکہ اس کی موجودگی میں بھی مولیٰ مشتری ثانی سے اس رقم پر اسے نہیں خرید سکتا تو اس کی عدم موجودگی میں بھی نہیں خرید سکے گا۔

وَلَايَمْلِكُ عَلَيْنَا أَهْلُ الْحَرْبِ بِالْغَلَبَةِ مُدَبَّرِيْنَا وَأُمَّهَاتِ أَوْلَادِنَا وَمَكَاتَبِيْنَا وَأَحْرَارِنَا، وَنَمْلِكُ عَلَيْهِمْ جَمِيْعَ ذٰلِكَ، لِأَنَّ السَّبَبَ إِنَّمَا يُفِيْدُ الْمِلْكَ فِيْ مَحَلِّهِ، وَالْمَحَلُّ الْمَالُ الْمُبَاحُ، وَالْحُرُّ مَعْصُوْمٌ بِنَفْسِهِ وَكَذَا مَنْ سِوَاهُ، لِأَنَّهُ تَثْبُتُ الْحُرِّيَّةُ فِيْهِ مِنْ وَجْهٍ بِخِلَافِ رِقَابِهِمْ، لِأَنَّ الشَّرْعَ أَسْقَطَ عِصْمَتَهُمْ جَزَاءً عَلٰى جِنَايَتِهِمْ وَجَعَلَهُمْ أَرِقَّاءَ، وَلَاجِنَايَةَ مِنْ هٰؤُلَاءِ، وَإِذَا أَبَقَ عَبْدٌ مُسْلِمٌ لِمُسْلِمٍ فَدَخَلَ إِلَيْهِمْ فَأَخَذُوْهُ لَمْ يَمْلِكُوْهُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَقَالَا يَمْلِكُوْنَهُ، لِأَنَّ الْعِصْمَةَ لِحَقِّ الْمَالِكِ لِقِيَامِ يَدِهِ وَقَدْ زَالَتْ، وَلِهٰذَا لَوْ أَخَذُوْهُ مِنْ دَارِالْإِسْلَامِ مَلَكُوْهُ، وَلَهُ أَنَّهُ ظَهَرَتْ يَدُهُ عَلٰى نَفْسِهِ بِالْخُرُوْجِ مِنْ دَارِنَا، لِأَنَّ سُقُوْطَ اعْتِبَارِهَا لِتَحَقُّقِ يَدِ الْمَوْلٰى عَلَيْهِ تَمْكِيْنًا لَهُ مِنَ الْاِنْتِفَاعِ وَقَدْ زَالَتْ يَدُ الْمَوْلٰى فَظَهَرَتْ يَدُهُ عَلٰى نَفْسِهِ وَصَارَ مَعْصُوْمًا بِنَفْسِهِ فَلَمْ يَبْقَ مَحَلًّا لِلْمِلْكِ، بِخِلَافِ الْمُتَرَدِّدِ، لِأَنَّ يَدَ الْمَوْلٰى بَاقِيَةٌ لِقِيَامِ يَدِ أَهْلِ الدَّارِ فَمَنَعَ ظُهُوْرَ يَدِهِ، وَإِذَا لَمْ يَثْبُتِ الْمِلْكُ لَهُمْ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَأْخُذُهُ الْمَالِكُ الْقَدِيْمُ بِغَيْرِ شَيْءٍ مَوْهُوْبًا كَانَ أَوْ مُشْتَرًى أَوْمَغْنُوْمًا قَبْلَ الْقِسْمَةِ، وَبَعْدَ الْقِسْمَةِ يُؤَدِّي عِوَضَهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّهُ لَايُمْكِنُ إِعَادَةُ الْقِسْمَةِ لِتَفَرُّقِ الْغَانِمِيْنَ وَتَعَذُّرِ اجْتِمَاعِهِمْ، وَلَيْسَ لَهُ عَلَى الْمَالِكِ جُعْلُ الْآبِقِ، لِأَنَّهُ عَامِلٌ لِنَفْسِهِ، إِذْ فِيْ زَعْمِهِ أَنَّهُ مَلَكَهُ.

ترجمه: کفار ہم پر غالب ہو کر ہمارے مدبر، مکاتب، امہات اولاد اور ہمارے آزاد لوگوں کے مالک نہیں ہو سکتے جب کہ ہم ان پر غالب ہو کر ان سب کے مالک بن سکتے ہیں، کیونکہ سبب ملک اپنے محل میں ملکیت کا فائدہ دیتا ہے اور محل مالِ مباح ہے اور آزاد بذات خود معصوم ہوتا ہے نیز مکاتب وغیرہ بھی معصوم ہیں کیونکہ ان میں من وجہ حریت ثابت ہوتی ہے۔ برخلاف کفار کے کیونکہ شریعت نے ان کی جنایت کا بدلہ دیتے ہوئے ان کی عصمت ساقط کر دی ہے اور انھیں رقیق بنا دیا ہے اور مسلمانوں کی طرف سے کوئی جنایت نہیں ہے۔

اگر کسی مسلمان کا کوئی مسلمان غلام بھاگ کر کفار کے پاس چلا گیا اور کفار نے اسے پکڑ لیا تو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں

وہ لوگ اس کے مالک نہیں ہوں گے۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مالک ہو جائیں گے، کیونکہ غلام پر اس کے مالک کا قبضہ ہوتا ہے اور حقِ مالک کی وجہ سے وہ معصوم ہوتا ہے حالانکہ اس کے مالک کا قبضہ ختم ہو چکا ہے، اسی لیے اگر کفار دارالاسلام سے اسے پکڑ کر لے جائیں تب بھی اس کے مالک ہو جائیں گے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ دارالاسلام سے اس غلام کے نکلنے کی وجہ سے اس کی ذات پر اسے اختیار حاصل ہو گیا ہے، کیونکہ اس کے اختیارات کا سقوط اس پر مولیٰ کا قبضہ ثابت ہونے کی وجہ سے تھا، تاکہ مولیٰ اس سے نفع حاصل کر سکے اور (پکڑے جانے سے) مولیٰ کا قبضہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اس کے نفس پر اس غلام کا اپنا اختیار ظاہر ہو گا اور وہ بذات خود معصوم ہو گا اور محل ملک نہیں رہے گا۔

برخلاف متردد کے، کیونکہ اس پر مولیٰ کا قبضہ باقی ہے، اس لیے کہ اس پر دارالاسلام والوں کا قبضہ موجود ہے اور یہ قبضہ اس غلام کے اختیار کے ظاہر ہونے سے مانع ہے۔ اور جب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کفار کے لیے ملکیت ثابت نہیں ہوئی تو اس کا مالک اسے مفت نہیں لے گا خواہ وہ موہوب ہو یا خریدا ہوا ہو یا مالِ غنیمت کا ہو اور تقسیم سے پہلے ہو۔ اور تقسیم کے بعد بیت المال سے اس کا عوض دیا جائے گا، کیونکہ غانمین کے متفرق ہونے اور ان کا اجتماع دشوار ہونے کی وجہ سے تقسیم کا اعادہ ممکن نہیں ہے، اور اس غلام کو لانے والے کے لیے اس کے مالک سے محنتانہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنی ذات کے لیے کام کرنے والا ہے، اس لیے کہ اپنے گمان میں یہ شخص اس کا مالک ہے۔

اللغاتُ:

﴿حرّ﴾ آزاد۔ ﴿معصوم﴾ محفوظ۔ ﴿أسقط﴾ گرا دیا ہے، ساقط کر دیا ہے۔ ﴿جناية﴾ جرم۔ ﴿أرقاء﴾ واحد رقیق؛ مملوک، غلام۔ ﴿أبق﴾ بھاگ گیا۔ ﴿يد﴾ قبضہ۔ ﴿ظهرت﴾ قبضہ کر لیا۔ ﴿تمكين﴾ قدرت دینا۔ ﴿مغنوم﴾ غنیمت کی شے۔ ﴿إعادة﴾ دہرانا، دوبارہ کرنا۔ ﴿تفرّق﴾ بکھرا ہوا ہونا۔

کفاد تسلط کے ذریعے کن اموال کے مالک بن سکتے ہیں:

عبارت میں دو مسئلے بیان کیے گئے ہیں (۱) اگر کفار مسلمانوں پر غالب ہو جائیں تو اموال کے وہ مالک بن سکتے ہیں، لیکن مسلمانوں کی ذات کے اور مسلمانوں کے مدبر، مکاتب اور ام ولد کے مالک نہیں بن سکتے، کیونکہ اگرچہ استیلاء سبب ملک ہے لیکن یہ سبب اپنے محل میں مفیدِ ملک ہے اور محل مالِ مباح ہوتا ہے حالانکہ مسلمانوں میں سے آزاد، مکاتب اور مدبر وغیرہ محلِ ملک نہیں ہیں، کیونکہ آزاد تو بذات خود محترم اور معصوم ہوتا ہے اور مکاتب وغیرہ میں من وجہ حریت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا اس حوالے سے ان میں بھی عصمت ہوتی ہے اور اباحت نہیں ہوتی لہٰذا یہ بھی مملوک نہیں ہو سکیں گے۔

اس کے برخلاف اگر ہم مسلمان کفار پر غالب آ جائیں تو ہم ان کے اموال کے بھی مالک بن جائیں گے اور ان کے نفوس کے بھی مالک ہو جائیں گے، کیونکہ ان لوگوں نے توحید و رسالت کا انکار کر کے بہت بڑا ظلم کیا ہے اور خدائے پاک نے اس ظلم کی انھیں سزا یہ دی ہے کہ ان کو رقیق بنا دیا اور رقیق مملوک ہوتا ہے، اس لیے یہ سب مملوک ہوں گے۔ اور چوں کہ مسلمان اور ان کے مکاتب

وغیرہ نے اس طرح کی کوئی جنایت نہیں کی ہے لہٰذا یہ نہ تو رقیق ہوں گے اور نہ ہی مملوک ہوں گے۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان شخص کا کوئی مسلمان غلام بھاگ کر دارالحرب چلا گیا اور کفار نے اسے پکڑ لیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کفار اس کے مالک نہیں ہوں گے، جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں کفار اس کے مالک ہو جائیں گے، کیونکہ وہ غلام اپنے مولیٰ کا مالک ہونے سے معصوم تھا لیکن کفار کے قبضے میں چلے جانے سے اس کے مولیٰ کی ملکیت ختم ہوگئی اور اس کی عصمت بھی ساقط ہوگئی ہے اس لیے اب وہ مباح ہوگیا اور مباح مملوک ہو سکتا ہے لہٰذا یہ بھی مملوک ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کفار اسے دارالاسلام سے پکڑ کر دارالحرب لے آئیں تو بھی حق مولیٰ ساقط ہونے کی وجہ سے وہ مملوک ہو جائے گا۔

وله الخ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ غلام جب تک دارالاسلام میں تھا اس وقت تک اس پر اس کے مولیٰ کا قبضہ برقرار تھا اور حق مولیٰ اور انتفاع مولیٰ کی وجہ سے ہم نے اس کی ذات پر اس کے اپنے اختیارات وتصرفات کو ساقط کر دیا تھا، لیکن جب وہ دارالاسلام سے نکل گیا تو مولیٰ کی ملکیت سے بھی خارج ہوگیا اور اپنی ذات پر اسے اختیارات حاصل ہوگئے اور وہ غلام خود ہی معصوم ومحترم بن گیا اور ملکیت کا محل نہیں رہ گیا اور جب محلِ ملک نہیں رہا تو ظاہر ہے کہ کفار اس کے مالک نہیں ہو سکتے۔

اس کے برخلاف وہ غلام جو دارالاسلام ہی میں ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا ہو اور مولیٰ کے قبضہ سے نکل کر دارالحرب نہ گیا ہو وہ خود مختار نہیں ہوگا، کیونکہ اگرچہ ظاہراً وہ مولیٰ کے قبضے میں نہیں ہے، لیکن دارالاسلام میں ہونے کی وجہ سے معناً اس پر مولیٰ کا قبضہ موجود ہے، اس لیے وہ خود مختار نہیں ہو سکتا۔

وإذا لم الخ فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ میں جب مذکورہ غلام پر کفار کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی تو آخر اس کا کیا ہوگا؟ اچار ڈالا جائے گا؟ نہیں بھائی ایسی بات نہیں ہے بلکہ کسی ذریعے سے یہ غلام دارالحرب سے دارالاسلام لایا جائے گا اور اس کے پرانے مولیٰ کو بلاعوض دیدیا جائے گا، خواہ اسے کفار نے کسی کو ہبہ کیا ہو یا کسی نے اسے خریدا ہو یا مال غنیمت میں آیا ہو تو تقسیم سے پہلے کا معاملہ مفت اور فری ہوگا۔ لیکن تقسیم کے بعد جس کے حصے میں یہ آئے گا اسے بیت المال سے اس کا عوض دے کر اس غلام کو اس کے مالک کے حوالے کر دیا جائے گا یعنی اس غلام کو واپس لینے کے لیے پرانے آقا کو ایک روپیہ بھی نہیں خرچ کرنا پڑے گا بلکہ اس کا عوض بیت المال دے گا اور تقسیم کا بھی اعادہ نہیں ہوگا، اس لیے کہ غازیوں کے متفرق ہونے کی وجہ سے ان کو جمع کرنا دشوار گذار مرحلہ ہے۔

ولیس له الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو تاجر یا مسلمان اس غلام کو دارالحرب سے لائے گا وہ اس کے مالک سے محنتانہ اور اجرت وصول کرنے کا مستحق نہیں ہے، کیونکہ وہ تو اس خوش فہمی میں لے کر آیا ہے کہ یہ غلام اب میرا ہے اور اپنی نیت کے حوالے سے وہ شخص عامل لنفسہ ہے لا لمالکہ القدیم، اور عامل لنفسہ کو دوسرے سے محنتانہ اور مزدوری لینے کا حق نہیں ہوتا۔

وَإِنْ نَدَّ بَعِيْرٌ إِلَيْهِمْ فَأَخَذُوْهُ مَلَكُوْهُ لِتَحَقُّقِ الْإِسْتِيْلَاءِ، إِذْ لَا يَدَ لِلْعَجْمَاءِ لِتَظْهَرَ عِنْدَ الْخُرُوْجِ مِنْ دَارِنَا، بِخِلَافِ الْعَبْدِ عَلٰى مَا ذَكَرْنَا، وَإِنِ اشْتَرَاهُ رَجُلٌ وَأَدْخَلَهُ دَارَ الْإِسْلَامِ فَصَاحِبُهُ يَأْخُذُهُ بِالثَّمَنِ إِنْ شَاءَ لِمَا بَيَّنَّا، فَإِنْ أَبَقَ عَبْدٌ إِلَيْهِمْ وَذَهَبَ مَعَهُ بِفَرَسٍ وَمَتَاعٍ فَأَخَذَ الْمُشْرِكُوْنَ ذٰلِكَ كُلَّهُ وَاشْتَرٰى رَجُلٌ ذٰلِكَ كُلَّهُ وَأَخْرَجَهُ

إِلٰی دَارِ الْإِسْلَامِ فَإِنَّ الْمَوْلٰی یَأْخُذُ الْعَبْدَ بِغَیْرِ شَیْءٍ، وَالْفَرَسَ وَالْمَتَاعَ بِالثَّمَنِ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِیْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ، وَقَالَا یَأْخُذُ الْعَبْدَ وَمَامَعَهُ بِالثَّمَنِ إِنْ شَاءَ اِعْتِبَارًا لِحَالَةِ الْإِجْتِمَاعِ بِحَالَةِ الْإِنْفِرَادِ، وَقَدْ بَیَّنَّا الْحُکْمَ فِيْ کُلِّ فَرْدٍ، وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ وَاشْتَرٰی عَبْدًا مُسْلِمًا وَأَدْخَلَهُ دَارَالْحَرْبِ عَتَقَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِیْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ، وَقَالَا لَایُعْتَقُ، لِأَنَّ الْإِزَالَةَ کَانَتْ مُسْتَحَقَّةً بِطَرِیْقٍ مُعَیَّنٍ وَهُوَ الْبَیْعُ وَقَدِ انْقَطَعَتْ وِلَایَةُ الْجَبْرِ عَلَیْهِ فَبَقِيَ فِيْ یَدِهِ عَبْدًا، وَلِأَبِيْ حَنِیْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ أَنَّ تَخْلِیْصَ الْمُسْلِمِ عَنْ ذُلِّ الْکَافِرِ وَاجِبٌ فَیُقَامُ الشَّرْطُ وَهُوَ تَبَایُنُ الدَّارَیْنِ مَقَامَ الْعِلَّةِ وَهُوَ الْإِعْتَاقُ تَخْلِیْصًا لَهُ کَمَا یُقَامُ مُضِيُّ ثَلَاثِ حِیَضٍ مَقَامَ التَّفْرِیْقِ فِیْمَا إِذَا أَسْلَمَ أَحَدُ الزَّوْجَیْنِ فِيْ دَارِالْحَرْبِ.

ترجمہ: اور اگر کوئی اونٹ بدک کر کافروں کے پاس چلا گیا اور کفار نے اسے پکڑ لیا تو وہ اس کے مالک ہوجائیں گے، کیونکہ قبضہ ثابت ہو چکا ہے اور ان جانوروں کے ذاتی اختیارات بھی نہیں ہوتے کہ دار الاسلام سے نکلتے وقت ان کا ظہور ہو۔ برخلاف غلام کے جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں۔ اور اگر اسے کسی شخص نے خریدا اور دارالاسلام لے آیا تو اگر اس کا مالک چاہے تو ثمن کے عوض اسے لے لے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔

اگر ہمارا کوئی غلام بھاگ کر کفار کے پاس چلا گیا اور اپنے ساتھ گھوڑا اور سامان بھی لے گیا اور مشرکین نے ان سب کو پکڑ لیا اور ان سے کسی آدمی نے یہ ساری چیزیں خرید لیں اور انھیں دارالاسلام لے آیا تو امام اعظمؒ کے یہاں مولیٰ غلام کو بلاعوض لے گا اور گھوڑے اور سامان کو ثمن دے کر لے گا۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مولیٰ غلام اور اس کے ساتھ موجود سامان کو ثمن کے عوض لے گا حالت اجتماع کو حالت انفراد پر قیاس کرتے ہوئے اور ہم نے ہر ہر فرد کا حکم بیان کردیا ہے۔

اگر کوئی حربی دارالاسلام میں امان لے کر داخل ہوا اور اس نے کسی مسلمان غلام کو خریدا اور اسے دار الخوف لے گیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ غلام آزاد ہوجائے گا اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں آزاد نہیں ہوگا اس لیے کہ حربی کی ملکیت کو زائل کرنا ایک معین طریقہ یعنی بذریعہ بیع ممکن تھا حالانکہ اس پر جبر کی ولایت منقطع ہوچکی ہے لہٰذا وہ غلام اس کے قبضے میں بھی غلام ہی رہا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کی ذلت سے نکالنا واجب ہے لہٰذا شرط یعنی تباین دارین کو علت یعنی اعتاق کے قائم مقام قرار دیا جائے گا تاکہ اس کو چھڑایا جاسکے جیسے اگر زوجین میں سے کوئی دار الحرب میں اسلام لے آئے تو تین حیض گزرنے کو تفریق کے قائم مقام کردیا جاتا ہے۔

اللغات:

﴿ند﴾ بدک گیا۔ ﴿بعیر﴾ اونٹ۔ ﴿استیلاء﴾ غلبہ، فتح، قبضہ۔ ﴿عجماء﴾ بے زبان جانور۔ ﴿فرس﴾ گھوڑا۔ ﴿أبق﴾ بھاگ گیا۔ ﴿تباین﴾ علیحدہ ہونا، جدا ہونا۔ ﴿إعتاق﴾ آزاد کرنا۔ ﴿تخلیص﴾ چھوڑنا، چھٹکارا دینا۔ ﴿مضیّ﴾ گزر جانا۔

کفار تسلط کے ذریعے کن اموال کے مالک بن سکتے ہیں:

عبارت میں کئی مسئلے مذکور ہیں جو ان شاء اللہ حسب بیانِ مصنف آپ کے سامنے پیش کیے جائیں گے (۱) پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کسی کا اونٹ بدک کر دار الحرب چلا گیا اور کفار نے اسے اپنے قبضے میں لے لیا تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے کیوں کہ اونٹ مال ہے اور مال پر ان کا قبضہ ہو گیا ہے جو مفید ملک ہے اور پھر غلام کی طرح اونٹ کے ذاتی اختیارات بھی نہیں ہوتے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان کے ظہور پر اسے خود مختار سمجھا جائے اس لیے بلا اختلاف وہ مملوک ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص دار الحرب سے اسے خرید کر دار الاسلام لے آئے تو اس کے مالک کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو ثمن دے کر اسے لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے، لیکن مفت نہیں ملے گا۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کسی کا غلام گھوڑے اور کچھ سامان کے ساتھ بھاگ کر دار الحرب چلا گیا اور مشرکین نے اسے پکڑ لیا پھر کوئی شخص ساز و سامان کے ساتھ اسے خرید کر دار الاسلام لے آیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس غلام کے مولیٰ کو غلام مفت ملے گا البتہ گھوڑے اور سامان کا ثمن دینا پڑے گا۔ جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں اگر مولیٰ چاہے تو غلام اور گھوڑے وغیرہ سب کو ثمن دے کر لے لے اور اگر نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے اور اسے مفت میں کچھ نہیں ملے گا، جیسے اگر صرف گھوڑا بھاگ کر چلا جاتا یا صرف غلام جاتا تو مولیٰ کو ثمن کے عوض اسے لینے کا حق ہوتا اسی طرح جب کئی سامان اس کی ملکیت سے نکلے تو ان سب کو مولیٰ ثمن دیکر لینے کا حق دار ہوگا، فری اور مفت میں نہیں لے سکے گا۔ گویا حضرات صاحبینؒ نے حالتِ اجتماع کو حالت انفراد پر قیاس کیا ہے۔

(۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی حربی امان لے کر دار الاسلام میں آیا اور یہاں اس نے کوئی مسلمان غلام خریدا اور اسے لے کر دار الحرب چلا گیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں آزاد نہیں ہوگا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اس غلام سے ایک معین طریقے یعنی بیع کے ذریعے کافر کی ملکیت کو زائل کرنا واجب تھا بایں معنی کے کافر حربی کو اس بیچنے پر مجبور کیا جاتا، لیکن ایسا نہ ہوا اور وہ کافر اس غلام کو لے کر دار الحرب چلا گیا جس کی بنا پر جبر کی ولایت بھی ختم ہوگئی لہٰذا وہ غلام حسب سابق اس حربی مشتری کے پاس بھی غلام ہی رہا اور آزاد نہیں ہوا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ارشاد باری: **لن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا** کے پیش نظر مسلمان کو کافر کے قبضے سے چھڑانا ضروری ہے اور چوں کہ صورت مسئلہ میں اس کافر پر جبر کرنا ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ وہ دار الحرب چلا گیا ہے لہٰذا تباین دارین کو اعتاق کے قائم مقام قرار دیا جائے گا اور اس کافر حربی سے عبد مسلم کو چھڑا لیا جائے گا اور تخلیص کے بعد وہ آزاد شمار ہوگا اور شرط کو علت کے قائم مقام کرنا شریعت میں جاری وساری ہے جیسے اگر زوجین میں سے کوئی دار الحرب میں اسلام لے آئے تو ان میں تفریق واجب ہے لیکن چوں کہ دار الحرب کی وجہ سے جبر علی التفریق ممکن نہیں ہے، اس لیے تین حیض گذرنے کو تفریق کے قائم مقام قرار دیا جائے گا اسی طرح صورت مسئلہ میں تباین دارین کو اعتاق کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔

وَإِذَا أَسْلَمَ عَبْدٌ لِحَرْبِيٍّ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا أَوْ ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَهُوَ حُرٌّ، وَكَذٰلِكَ إِذَا خَرَجَ عَبِيْدُهُمْ إِلَى عَسْكَرِ

الْمُسْلِمِيْنَ فَهُمْ أَحْرَارٌ، لِمَا رُوِيَ أَنَّ عَبِيْدًا مِنْ عَبِيْدِ الطَّائِفِ أَسْلَمُوْا وَخَرَجُوْا[1] إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَضٰى بِعِتْقِهِمْ وَقَالَ هُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ، وَلِأَنَّهُ أَحْرَزَ نَفْسَهُ بِالْخُرُوْجِ إِلَيْنَا مُرَاغِمًا لِمَوْلَاهُ أَوْ بِالْإِلْتِحَاقِ بِمَنْعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ إِذَا ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ، وَاعْتِبَارُ يَدِهٖ أَوْلٰى مِنْ اِعْتِبَارِ يَدِ الْمُسْلِمِيْنَ، لِأَنَّهَا أَسْبَقُ ثُبُوْتًا عَلٰى نَفْسِهٖ فَالْحَاجَةُ فِيْ حَقِّهٖ إِلٰى زِيَادَةِ تَوْكِيْدٍ وَفِيْ حَقِّهِمْ إِلٰى إِثْبَاتِ الْيَدِ ابْتِدَاءً فَكَانَ أَوْلٰى.

ترجمہ: اگر کسی حربی کا غلام مسلمان ہوکر دارالاسلام آ گیا یا دارالحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا (اور وہ وہیں تھا) تو وہ آزاد ہے نیز اگر ان کے غلام مسلمانوں کے لشکر سے آملے تو وہ سب آزاد ہوں گے۔ اس روایت کی وجہ سے جو مروی ہے کہ غلامان طائف میں سے چند غلام اسلام قبول کرکے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کی آزادی کا فیصلہ فرمادیا اور یوں فرمایا یہ سب اللہ پاک کے آزادہ کردہ ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ اس غلام نے اپنے مولیٰ کو چھوڑ کر ہمارے پاس سے وہ محفوظ ہوگیا اور اس کے قبضے کو معتبر ماننا اس پر مسلمانوں کے قبضے کو معتبر ماننے سے اولیٰ ہے، کیونکہ اس کی ذات پر اس کا قبضہ مقدم ہے، اس لیے اس کے قبضے کو مضبوط کرنے کی مزید ضرورت ہے اور مسلمانوں کا قبضہ ثابت کرنے کے حق میں تو کید کی ابتداء ہے لہٰذا اسی کا قبضہ بہتر ہوگا۔

اللغات:

﴿ظهر﴾ قبضہ ہوگیا۔ ﴿عبید﴾ واحد عبد؛ غلام۔ ﴿قضٰی﴾ فیصلہ فرمایا۔ ﴿أحرز﴾ بچالیا ہے۔ ﴿مراغم﴾ چھوڑنے والا۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿أسبق﴾ زیادہ پہلے۔

تخریج:

[1] اخرجہ ابوداؤد فی المراسیل: ۳۳۱.

حربیوں کے مسلمان ہو جانے والے غلاموں کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی حربی کا غلام مسلمان ہوگیا پھر وہ دارالاسلام آ گیا یا دارالحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا بہر دو صورت وہ غلام آزاد ہوگا یہی حال ان تمام غلاموں کا ہے جو مسلمان ہوکر دارالاسلام آ جائیں یا دارالحرب پر قبضہ کی صورت میں لشکر اسلامی سے آملیں، کیونکہ طائف کے غلاموں میں سے جو مسلمان ہوکر حضرت نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے ان کے ساتھ آپ ﷺ نے یہی معاملہ فرمایا تھا جو ہمارے لیے سند اور دلیل ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب یہ غلام اپنے مولیٰ کو چھوڑ کر ہم مسلمانوں کے پاس آگئے تو انھوں نے اپنے آپ کو محفوظ کرلیا اور ان کی ذات پر ان کا قبضہ ہوگیا یعنی یہ تصرف میں خود مختار ہوگئے اور چوں کہ اپنی ذات پر ان کا ذاتی قبضہ مسلمانوں کے قبضے سے مقدم ہے اور غلاموں کے حق میں مزید تاکید کی ضرورت ہوگی یعنی قبضے کو اور بھی پختگی اور مضبوطی دی جائے گی اور مسلمانوں کے حق میں ابتداءً تاکید کی ضرورت ہوگی اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جس کے حق میں تاکید ثابت ہے اسے موکد کرنا ابتداءً تاکید ثابت کرنے سے اولیٰ اور بہتر ہے، لہٰذا غلام کے حق میں اس کا اپنا قبضہ معتبر ہوگا اور وہ آزاد ہوگا۔ واللہ أعلم.

بَابُ الْمُسْتَأْمِنِ

یہ باب طالبِ امن کے بیان میں ہے

یہاں مستامن سے وہ مسلمان مراد ہے جو امن طلب کر کے دار الحرب جائے، باب المستأمن کو باب الاستیلاء کے بعد بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ استیلاء قہراً اور غلبۃً ہوتا ہے جب کہ امن بدون قہر ہوتا ہے، اس لیے قہر کے بعد امن کو بیان کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کی کرامت اور شرافت کے پیش نظر مسلم مستامن کے بیان کو مستامن حربی سے مقدم کیا گیا ہے۔ (بنایہ: ۶/ ۶۱۸)

وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَالْحَرْبِ تَاجِرًا فَلَايَحِلُّ لَهُ أَنْ يَتَعَرَّضَ بِشَيْءٍ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَلَا مِنْ دِمَائِهِمْ لِأَنَّهُ ضَمِنَ أَنْ يَتَعَرَّضَ لَهُمْ بِالْإِسْتِيْمَانِ فَالتَّعَرُّضُ بَعْدَ ذٰلِكَ يَكُوْنُ غَدْرًا، وَالْغَدْرُ حَرَامٌ إِلَّا إِذَا غَدَرَ بِهِمْ مَلِكُهُمْ فَأَخَذَ أَمْوَالَهُمْ أَوْ حَبَسَهُمْ أَوْ فَعَلَ غَيْرُهُ بِعِلْمِ الْمَلِكِ وَلَمْ يَمْنَعْهُ لِأَنَّهُمْ هُمُ الَّذِيْنَ نَقَضُوا الْعَهْدَ، بِخِلَافِ الْأَسِيْرِ، لِأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَأْمِنٍ فَيُبَاحُ لَهُ التَّعَرُّضُ وَإِنْ أَطْلَقُوْهُ طَوْعًا، فَإِنْ غَدَرَ بِهِمْ أَعْنِي التَّاجِرَ فَأَخَذَ شَيْئًا وَخَرَجَ بِهِ مَلَكَهُ مِلْكًا مَحْظُوْرًا لِوُرُوْدِ الْإِسْتِيْلَاءِ عَلٰى مَالٍ مُبَاحٍ إِلَّا أَنَّهُ حَصَلَ بِسَبَبِ الْغَدْرِ فَأَوْجَبَ ذٰلِكَ خُبْثًا فِيْهِ فَيُؤْمَرُ بِالتَّصَدُّقِ بِهِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْحَظْرَ لِغَيْرِهٖ لَايَمْنَعُ انْعِقَادَ السَّبَبِ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ: اگر مسلمان تاجر بن کر دار الحرب میں داخل ہوا تو اس کے لیے کفار کے اموال اور دماء سے چھیڑ خانی کرنا حلال نہیں ہے، کیونکہ وہ امان طلب کر کے اس بات کا ضامن ہوا ہے کہ وہ ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا لہٰذا اس کے بعد تعرض غدر ہوگا اور غدر حرام ہے، لیکن اگر کفار کا بادشاہ مسلمان تاجروں کے ساتھ غداری کر کے ان کے اموال لوٹ لے یا انھیں قید کر لے یا بادشاہ کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی یہ کام کرے اور بادشاہ کو معلوم ہو، لیکن اس نے منع نہ کیا ہو، کیونکہ کفار ہی نے عہد توڑا ہے۔ برخلاف قیدی کے، کیونکہ وہ مستامن نہیں ہے لہٰذا اس کے لیے تعرض کرنا مباح ہوگا اگر چہ کافروں نے اسے بخوشی رہا کر دیا ہو۔

اور اگر مسلم تاجر نے کفار کے ساتھ غداری کی اور کچھ لوٹ لیا اور اسے لے کر دار الاسلام آ گیا تو وہ ملکِ ممنوع کے طور پر اس کا مالک ہو جائے گا، کیونکہ مالِ مباح پر قبضہ ہوا ہے، لیکن چوں کہ یہ غدر کی وجہ سے حاصل ہوا ہے اس لیے اس نے اس میں خبث پیدا کر دیا لہٰذا اسے وہ مال صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ ممانعت لغیرہ انعقادِ سبب سے مانع نہیں ہے جیسا کہ ہم

بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿یتعرّض﴾ درپے ہو، دراندازی کرے۔ ﴿غدر﴾ دھوکہ۔ ﴿استیمان﴾ امان مانگنا۔ ﴿اسیر﴾ قیدی۔ ﴿محظور﴾ ممنوع۔ ﴿جسهم﴾ ان کو قید کردے۔ ﴿استیلاء﴾ قبضہ کرنا، غلبہ پانا۔ ﴿تصدّق﴾ صدقہ کرنا۔

امان لے کر دارالحرب میں جانے والے کے احکام:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان تاجر امان طلب کر کے دارالحرب گیا تو اس کے لیے کفار کے اموال اور نفوس سے چھیڑ خانی کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا استیمان اس کے منافی ہے اور استیمان کی حالت میں تعرض کرنا غداری اور دھوکہ بازی ہے اور غداری حرام ہے۔ ہاں اگر خود کفار کے بادشاہ کی طرف سے مسلم تاجروں کے ساتھ غداری کی گئی اور انہیں لوٹا یا قید کیا گیا یا بادشاہ کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے یہ کام کیا لیکن بادشاہ کو اس کا علم تھا، لیکن اس نے منع نہیں کیا تو اس صورت میں ان تاجروں کو بھی جوابی کارروائی کرنے کا حق ہوگا، اس لیے کہ کفار ہی نے نقضِ عہد کی پہل کی ہے، اس لیے اب انھیں ان کے کرتوت کی سزاء ملے گی۔ اور اگر کفار کسی مسلمان کو قید کر کے دارالحرب لے جائیں تو اس کے لیے چھیڑ چھاڑ کرنا مباح ہے اگر چہ اسے کفار نے دارالحرب میں رہا کردیا ہو کیونکہ وہ مستامن نہیں ہے اور اس نے کسی چیز کا ضمان اور عہد و پیمان نہیں لیا ہے۔

اور اگر مسلم تاجر نے بدعہدی کی ابتداء کی اور کفار کا مال لوٹ لیا تو اگر چہ وہ تاجر اس مال پر قبضہ کرنے کی وجہ سے اس کا مالک ہوگا، لیکن یہ ملکیت ممنوع ہوگی، اس لیے کہ تاجر نے ایک غلط طریقے سے یعنی غدر کے ذریعہ یہ مال حاصل کیا ہے، اس لیے غدر کی وجہ سے اس میں خبث پیدا ہوگیا ہے لہٰذا اس تاجر کو اس مال کے صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا اور اس مال پر اس تاجر کا قبضہ ثابت ہو جائے گا، کیونکہ اس کی ممانعت لغیرہ ہے اور ممانعت لغیرہ انعقادِ سبب یعنی استیلاء سے مانع نہیں ہے۔

وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَالْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَأَدَانَهُ حَرْبِيٌّ أَوْ أَدَانَ هُوَ حَرْبِيًّا أَوْ غَصَبَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا وَاسْتَأْمَنَ الْحَرْبِيُّ لَمْ يُقْضَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ بِشَيْءٍ، أَمَّا الْإِدَانَةُ فَلِأَنَّ الْقَضَاءَ يَعْتَمِدُ الْوِلَايَةَ وَلَا وِلَايَةَ وَقْتَ الْإِدَانَةِ أَصْلًا وَلَا وَقْتَ الْقَضَاءِ عَلَى الْمُسْتَأْمِنِ، لِأَنَّهُ مَا الْتَزَمَ حُكْمَ الْإِسْلَامِ فِيمَا مَضَى مِنْ أَفْعَالِهِ، وَإِنَّمَا الْتَزَمَ ذٰلِكَ فِي الْمُسْتَقْبَلِ، وَأَمَّا الْغَصْبُ فَلِأَنَّهُ صَارَ مِلْكًا لِلَّذِيْ غَصَبَهُ وَاسْتَوْلٰى عَلَيْهِ لِمُصَادَفَتِهِ مَالًا غَيْرَ مَعْصُوْمٍ عَلٰى مَابَيَّنَّاهُ، وَكَذٰلِكَ لَوْ كَانَ حَرْبِيَّيْنِ فَعَلَا ذٰلِكَ ثُمَّ خَرَجَا مُسْتَأْمِنَيْنِ لِمَا قُلْنَا، وَلَوْ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ قُضِيَ بِالدَّيْنِ بَيْنَهُمَا وَلَمْ يُقْضَ بِالْغَصْبِ، أَمَّا الْمُدَايَنَةُ فَلِأَنَّهَا وَقَعَتْ صَحِيْحَةً لِوُقُوْعِهَا بِالتَّرَاضِيْ، وَالْوِلَايَةُ ثَابِتَةٌ حَالَةَ الْقَضَاءِ لِالْتِزَامِهِمَا الْأَحْكَامَ بِالْإِسْلَامِ، وَأَمَّا الْغَصْبُ فَلِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ مَلَكَهُ وَلَا خُبْثَ فِيْ مِلْكِ الْحَرْبِيِّ حَتّٰى يُؤْمَرَ بِالرَّدِّ.

ترجمہ: اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں امان لے کر داخل ہوا اور کسی حربی نے اسے قرض دیدیا یا اس نے کسی حربی کو قرضہ دیدیا یا مسلمان یا حربی نے دوسرے کا مال غصب کرلیا پھر دارالاسلام آگیا اور حربی نے بھی امان طلب کرلیا تو ان میں سے کسی کے لیے بھی کسی بھی چیز کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ رہی ادھار کی صورت تو اس وجہ سے کہ قضائے قاضی کا مدار ولایت پر ہے اور قرض کا لین دین کرتے وقت ولایت بالکل معدوم ہے اور نہ ہی بوقت قضاء مستامن پر قاضی کو ولایت حاصل ہے، کیونکہ مستامن حربی نے اپنے پرانے افعال میں احکام اسلام کا التزام نہیں کیا ہے، بلکہ اس نے یہ التزام تو آئندہ کے افعال میں کیا ہے۔ اور جہاں تک غصب کا سوال ہے تو اس وجہ سے کہ شئ مغصوب کو غصب کر کے اس پر قبضہ کرلینے سے وہ چیز غاصب کی ملکیت ہو جاتی ہے، کیونکہ قبضہ اور غلبہ غیر معصوم (مباح) مال سے متصل ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

ایسے ہی اگر دو حربیوں نے ایسا کیا پھر امان لے کر ہمارے پاس آئے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر وہ دونوں حربی مسلمان ہو کر دارالاسلام آئے تو ان کے مابین قرض کا فیصلہ کیا جائے گا اور غصب کا فیصلہ نہیں ہوگا۔ رہا قرض کا معاملہ تو اس وجہ سے اس کا فیصلہ ہوگا کہ قرض کا لین دین صحیح ہوا ہے، کیونکہ یہ باہمی رضامندی سے انجام پذیر ہوا ہے اور بوقت قضاء قاضی کو ولایت حاصل تھی کیونکہ ان دونوں نے احکام اسلام کا التزام کیا تھا۔ رہا غصب کا مسئلہ تو اس دلیل کی وجہ سے غصب کا فیصلہ نہیں ہوگا جو ہم بیان کر چکے ہیں یعنی غاصب شئ مغصوب کا مالک ہو چکا ہے اور حربی کی ملکیت میں کوئی گندگی نہیں ہوتی کہ اسے واپس کرنے کا حکم دیا جائے۔

اللغات:

﴿أدان﴾ قرض دیا۔ ﴿لم یقض﴾ فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ ﴿یعتمد﴾ بنیاد ہوتی ہے۔ ﴿التزم﴾ اپنے ذمے لیا ہے۔ ﴿قضی﴾ فیصلہ کیا جائے گا۔ ﴿خبث﴾ برائی، گندگی۔

دارالحرب سے قرض یا غصب کا مال لے آنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان امن طلب کر کے دارالحرب گیا اور اسے کسی حربی نے کچھ قرضہ دیدیا یا اس مسلمان نے کسی حربی کو قرض دیدیا یا ان میں سے کسی نے دوسرے کا مال غصب کرلیا پھر مسلمان دارالاسلام آگیا اور حربی بھی امان لے کر دارالاسلام آگیا تو قرض اور غصب دونوں صورتوں میں دارالاسلام میں نہ تو مسلمان کے لیے حربی پر تاوان کا کوئی فیصلہ ہوگا اور نہ ہی حربی کے لیے مسلمان پر کسی ضمان وغیرہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ قضائے قاضی کا مدار قاضی کی ولایت پر ہوتا ہے اور قرضہ پر قاضی کا فیصلہ لین دین کے وقت صادر ہوتا ہے حالانکہ لین دین کے وقت یہ دونوں دارالحرب میں تھے اور اس وقت نہ تو مسلمان پر قاضی کو ولایت حاصل ہے اور نہ ہی حربی مستامن پر ولایت حاصل تھی، کیونکہ حربی نے امان طلب کر کے آئندہ کرنے والے افعال میں احکام اسلام کا التزام کیا ہے اور جو کچھ اس نے گذشتہ زمانے میں طلب امان سے پہلے کیا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اس لیے دارالاسلام میں ان کے قرض پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور غصب پر بھی کوئی فیصلہ نہیں ہوگا، کیونکہ غاصب شئ مغصوب کو غصب کر کے اس پر قبضہ کرنے سے اس کا مالک ہو جاتا ہے اور یہ مال مال مباح ہے اس لیے اس پر غاصب کا قبضہ بھی ثابت ہو جائے گا اور جب دارالحرب میں یہ معاملہ

ہوا اور وہیں قبضہ بھی ہوا تو اب دار الاسلام میں ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں ہوگی۔ وہ جانیں، ان کا کام جانے۔

اور اگر دو حربیوں نے دار الحرب میں یہی کام کیا ہو پھر وہ امان لے کر دار الاسلام آئے ہوں تو اس صورت میں بھی ان کے خلاف یہاں کوئی کاروائی نہیں کی جائے گی۔ اس لیے کہ جب اور جس جگہ انھوں نے یہ کام ہے وہاں اور اس وقت قاضی کی ولایت معدوم ہے۔

ولا قضاء بدون الولایۃ۔ ہاں اگر یہ دونوں حربی مسلمان ہوکر دار الاسلام آئے اور وہاں انہوں نے اپنے کئے ہوئے کا انصاف مانگا تو قرض کی صورت میں قاضی مقروض کو یہ حکم دے گا کہ وہ قرض خواہ کا قرض اداء کردے کیونکہ قرض کا معاملہ ان کی آپسی رضامندی سے ہوا تھا اس لیے صحیح تھا اور پھر اب ان پر قاضی کو ولایت بھی ثابت ہے لہٰذا قرض کے متعلق تو قاضی کا فرمان جاری ہوگا، لیکن غصب کے بارے میں اب بھی کوئی فیصلہ نہیں ہوگا، کیونکہ غاصب شئ مغصوب کا مالک ہو چکا ہے اور اس کی ملکیت میں کوئی خرابی اور گندگی بھی نہیں ہے یعنی اس نے غداری اور بدعہدی کر کے وہ مال حاصل نہیں کیا ہے کہ اسے واپس کرنے پر مجبور کیا جائے، اس لیے غصب کی صورت میں کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔

وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَالْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَغَصَبَ حَرْبِيًّا ثُمَّ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ أُمِرَ بِرَدِّ الْغَصْبِ وَلَمْ يَقْضِ عَلَيْهِ، أَمَّا عَدَمُ الْقَضَاءِ فَلِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ مَلَكَهُ، وَأَمَّا الْأَمْرُ بِالرَّدِّ وَمُرَادُهُ الْفَتْوٰى بِهِ فَلِأَنَّهُ فَسَدَ الْمِلْكُ لِمَا يُقَارِنُهُ مِنَ الْمُحَرَّمِ وَهُوَ نَقْضُ الْعَهْدِ.

ترجمہ: اگر مسلمان امان لے کر دار الحرب گیا اور وہاں اس نے کسی حربی کا مال غصب کیا پھر وہ دونوں مسلمان ہوکر دار الاسلام آگئے تو غاصب کو مال مغصوب واپس کرنے کا حکم دیا جائے گا، لیکن قاضی اس کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ فیصلہ نہ کرنا تو اس دلیل کی وجہ سے ہے جو ہم بیان کرچکے ہیں کہ غاصب مالِ مغصوب کا مالک ہو چکا ہے لیکن اس سے واپس کرنے کے لیے اس وجہ سے کہا جائے گا کہ اس کی ملکیت فاسد ہوگئی ہے، کیونکہ وہ حرام سے متصل ہے اور وہ حرام بدعہدی کرنا ہے۔

اللغات:

﴿أُمِرَ﴾ حکم دیا جائے گا۔ ﴿ردّ﴾ لوٹانا، واپس کرنا۔ ﴿یقارن﴾ ساتھ ملا ہو۔

جس حربی کا مال لوٹا وہ مسلمان ہوکر دار الاسلام میں آ گیا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان امان لے کر دار الحرب جائے تو اس کے لیے حربیوں کے مال سے تعرض حرام ہے، لیکن اگر کسی مستامن مسلم نے کسی حربی کا مال غصب کرلیا پھر وہ حربی مسلمان ہوگیا یا امان لے لیا اور اس مسلمان غاصب کے ساتھ دار الاسلام آگیا تو دیانۃً غاصب سے کہا جائے گا کہ بھائی اس نومسلم حربی کا جو مال تم نے غصب کیا ہے وہ اسے واپس کردو، کیونکہ تم نے بدعہدی کرتے ہوئے وہ مال حاصل کیا ہے اور بدعہدی حرام ہے لہٰذا اس مال میں تمہاری ملکیت فاسد ہوگئی ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم اسے واپس کردو، تاہم واپس کرانے کے لیے قاضی اس پر زور اور جبر نہیں کرسکتا، کیونکہ حربی کا مال غیر معصوم اور مباح ہوتا ہے اور

غاصب نے اسے غصب کر کے اتنا بڑا جرم نہیں کیا ہے کہ قاضی اسے ڈنڈے لگائے۔ ہاں پیار محبت سے وہ مال لے کر مذکورہ نو مسلم حربی کو دیدیا جائے تا کہ اس کا دل خوش ہو جائے اور اسلام کے دامن میں وہ خود کو ہر طرح سے محفوظ سمجھنے لگے، اور یہی قول مفتی بہ بھی ہے یعنی اسی طریقے سے غاصب سے مال حاصل کرنا مفتی بہ ہے۔

وَإِذَا دَخَلَ مُسْلِمَانِ دَارَالْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَقَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ عَمَدًا أَوْ خَطأً فَعَلَى الْقَاتِلِ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطأِ، أَمَّا الْكَفَّارَةُ فَلِإِطْلَاقِ الْكِتَابِ، وَالدِّيَةُ لِأَنَّ الْعِصْمَةَ الثَّابِتَةَ بِالْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ لَاتَبْطُلُ بِعَارِضِ الدُّخُوْلِ بِالْأَمَانِ، وَإِنَّمَا لَايَجِبُ الْقِصَاصُ، لِأَنَّهُ لَايُمْكِنُ اسْتِيْفَاؤُهُ إِلَّا بِمَنْعَةٍ، وَلَامَنْعَةَ بِدُوْنِ الْإِمَامِ وَجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَمْ يُوْجَدْ ذٰلِكَ فِيْ دَارِالْحَرْبِ، وَإِنَّمَا تَجِبُ الدِّيَةُ فِيْ مَالِهِ فِي الْعَمَدِ، لِأَنَّ الْعَوَاقِلَ لَاتَعْقِلُ الْعَمَدَ، وَفِي الْخَطأِ لِأَنَّهُ لَا قُدْرَةَ لَهُمْ عَلَى الصِّيَانَةِ مَعَ تَبَايُنِ الدَّارَيْنِ وَالْوُجُوْبُ عَلَيْهِمْ عَلَى اعْتِبَارِ تَرْكِهَا، وَإِنْ كَانَا أَسِيْرَيْنِ فَقَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمٌ تَاجِرٌ أَسِيْرًا فَلَاشَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ إِلَّا الْكَفَّارَةَ فِي الْخَطأِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَقَالَا فِي الْأَسِيْرَيْنِ الدِّيَةُ فِي الْخَطأِ وَالْعَمَدِ، لِأَنَّ الْعِصْمَةَ لَاتَبْطُلُ بِعَارِضِ الْأَسْرِ كَمَا لَاتَبْطُلُ بِعَارِضِ الْإِسْتِيْمَانِ عَلٰى مَابَيَّنَّاهُ، وَامْتِنَاعُ الْقِصَاصِ لِعَدَمِ الْمَنْعَةِ وَيَجِبُ الدِّيَةُ فِيْ مَالِهِ لِمَا قُلْنَا، وَلِأَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّ بِالْأَسْرِ صَارَ تَبْعًا لَهُمْ بِصَيْرُوْرَتِهِ مَقْهُوْرًا فِيْ أَيْدِيْهِمْ وَلِهٰذَا يَصِيْرُ مُقِيْمًا بِإِقَامَتِهِمْ وَمُسَافِرًا بِسَفَرِهِمْ فَيَبْطُلُ بِهِ الْإِحْرَازُ أَصْلًا، وَصَارَ كَالْمُسْلِمِ الَّذِيْ لَمْ يُهَاجِرْ إِلَيْنَا، وَخَصَّ الْخَطأَ بِالْكَفَّارَةِ لِأَنَّهُ لَا كَفَّارَةَ فِي الْعَمَدِ عِنْدَنَا.

ترجمہ: اگر دو مسلمان امان لے کر دار الحرب میں داخل ہوئے اور ان میں سے ایک نے عمداً یا خطأً اپنے ساتھی کو قتل کر دیا تو قاتل پر اس کے مال میں دیت واجب ہوگی اور قتلِ خطأ میں اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا۔ رہا کفارہ کا وجوب تو وہ کتاب اللہ کے اطلاق کی وجہ سے ہے، اور دیت اس لیے واجب ہے کہ احراز بدار الاسلام سے ثابت ہونے والی عصمت امان لے کر عارضی دخول سے باطل نہیں ہوتی۔ اور قصاص اس لیے نہیں واجب ہے کہ طاقت وقوت کے بغیر قصاص کی وصولیابی ممکن نہیں ہے اور امام اور جماعت المسلمین کے بغیر طاقت وقوت حاصل نہیں ہوسکتی اور یہ چیز دار الحرب میں موجود نہیں ہے۔ اور عمد کی صورت میں قاتل پر اس کے مال میں اس لیے دیت واجب ہے کہ عاقلہ قتل عمد کی دیت نہیں دیتے۔ اور خطأ کی صورت میں قاتل پر دیت کا وجوب اس لیے ہے کہ تباین دارین کے ہوتے ہوئے انھیں حفاظت پر قدرت نہیں ہوتی اور ان (عاقلہ) پر ترکِ صیانت ہی کی وجہ سے دیت واجب ہوتی ہے۔

اور اگر دار الحرب میں داخل ہونے والے دونوں مسلمان قیدی تھے اور ان میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا یا کسی مسلمان تاجر نے کسی مسلم قیدی کو قتل کر دیا تو قاتل پر کچھ نہیں واجب ہے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قتل خطأ میں کفارہ واجب ہے،

حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں قیدیوں میں دیت واجب ہوگی خواہ قتل عمد ہو یا خطأ ہو، کیونکہ قید کے عارض سے عصمت ختم نہیں ہوتی جیسا کہ استیمان کے عارض سے ختم نہیں ہوتی۔ اس تفصیل کے مطابق جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور قصاص کا ممتنع ہونا طاقت نہ ہونے کی وجہ سے ہے اور قاتل کے مال میں دیت واجب ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قیدی گرفتار ہونے کی وجہ سے حربیوں کے تابع ہوگیا ہے کیونکہ وہ ان کے قبضے میں مقہور ہے اسی لیے ان کی اقامت سے وہ مقیم ہوگا اور ان کی مسافرت سے مسافر ہوگا اور اس وجہ سے بالکل احراز باطل ہو جائے گا اور یہ اس مسلم کی طرح ہوگیا جس نے ہماری طرف ہجرت نہ کی ہو۔ اور امام قدوریؒ نے خطأ کو کفارہ کے ساتھ خاص کیا ہے، کیونکہ ہمارے یہاں عمد میں کفارہ نہیں ہے۔

اللغات:

﴿إحراز﴾ محفوظ ہونا۔ ﴿منعة﴾ قوتِ مدافعت، دفاعی طاقت۔ ﴿عواقل﴾ واحد عاقلة؛ قبیلے والے، قریبی تعلق دار۔ ﴿استیفاد﴾ حصول، وصول۔ ﴿صیانة﴾ حفاظت۔ ﴿تباین﴾ جدا ہونا، علیحدہ ہونا۔ ﴿اسر﴾ قیدی ہونا۔ ﴿صیرورة﴾ ہو جانا۔

دارالحرب میں کسی مسلمان کو قتل کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو مسلمان امان لے کر دارالحرب گئے اور وہاں ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا خواہ عمداً قتل کیا ہو یا خطأً بہر دو صورت قاتل پر اس کے مال میں دیت واجب ہوگی اور خطأ کی صورت میں دیت کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا۔ وجوب کفارہ کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے: ومن قتل مؤمنا خطأ فتحریر رقبة مؤمنة ودیة مسلمة إلی أهله الخ اور اس آیت میں چوں کہ مطلق قتل خطأ پر دیت واجب کی گئی ہے، اس لیے قتل خطأ کی صورت میں تو دیت واجب ہوگی اور عمد کی صورت میں بھی دیت ہی واجب ہوگی اور قصاص نہیں واجب ہوگا، کیونکہ قصاص وصول کرنے کے لیے طاقت وقوت کی ضرورت درکار ہے اور دارالحرب میں نہ تو امام المسلمین ہوتا ہے اور نہ ہی مسلمانوں کی جماعت ہوتی ہے، اس لیے وہاں قصاص واجب کرنا بے سود ہے ہاں مسلمان کا خون رائیگاں ہونے سے بچانے کے لیے قاتل پر دیت واجب ہوگی، کیونکہ اس کے عارضی امان طلب کرنے نے اس کی دائمی عصمت ساقط نہیں ہوئی ہے بلکہ وہ عصمت باقی ہے اور اسی عصمت کی وجہ سے قاتل پر دیت واجب ہوگی اور یہ اس کے مال میں واجب ہوگی کیونکہ عاقلہ قتل عمد کی دیت نہیں دیتے۔ اور عاقلہ قتل خطأ کی دیت اگرچہ دیتے ہیں لیکن صورت مسئلہ میں قتل خطأ کی دیت بھی قاتل ہی دے گا، اس کے عاقلہ نہیں دیں گے، اس لیے عاقلہ پر ترک صیانت کی وجہ سے دیت واجب ہوتی ہے اور صیانت کا ترک دارالاسلام میں متحقق ہوتا ہے جب کہ صورت مسئلہ میں قتل دارالحرب میں واقع ہوا ہے اور دارالحرب میں عاقلہ صیانت پر قادر نہیں ہوتے تو گویا دارالحرب کے قتل میں ان کی طرف سے صیانت کا ترک نہیں پایا گیا اس لیے وہ اس کی دیت بھی نہیں ادا کریں گے۔

وإن کان أسیرین الخ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار نے دارالاسلام سے دو لوگوں کو قیدی بنا لیا اور انھیں دارالحرب لے کر چلے گئے وہاں ایک قیدی نے دوسرے کو قتل کر دیا یا کسی مسلم تاجر نے کسی مسلمان قیدی کو قتل کر دیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قاتل پر کچھ نہیں واجب ہوگا البتہ اگر قتل خطأ ہو تو قاتل پر کفارہ واجب ہوگا۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک قیدی نے دوسرے

قیدی کو قتل کیا ہو تو قتل عمد اور خطأ دونوں صورتوں میں قاتل پر دیت واجب ہوگی، کیونکہ مقتول مسلمان ہے اور اس کی عصمت دائمی ہے، لہٰذا عارضی قید اور گرفتاری سے اس کی عصمت ساقط نہیں ہوگی جیسے عارضی استیمان سے عصمت ساقط نہیں ہوتی ہے اور چوں کہ یہ دار الحرب کا معاملہ ہے اور وہاں اسلامی قوت وطاقت اور جماعت معدوم ہے اس لیے قصاص نہیں واجب ہوگا تاہم دیت ضرور واجب ہوگی۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ قید ہونے کی وجہ سے وہ مسلمان کفار کے قبضے اور ان کی ماتحتی میں ہے اور ہر اعتبار سے ان کے تابع ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے مقیم ہونے سے وہ مقیم ہوتا ہے اور ان کے مسافر ہونے سے وہ مسافر شمار ہوتا ہے اور اس طرح کی تبعیت سے احراز بالکل ختم ہوجاتا ہے اور جب احراز باطل ہوا تو عصمت بھی ساقط ہوگئی اور جب عصمت نہیں ہے تو دیت کیا خاک واجب ہوگی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ذمی دار الحرب میں مسلمان ہوا لیکن وہ وہاں سے ہجرت کرکے دار الاسلام نہیں آیا تو اس کے حق میں بھی مکمل عصمت ثابت نہیں ہوگی اور وہ بھی کفار کے قبضے میں مقہور سمجھا جائے گا اسی طرح اس قیدی کا بھی یہی حال ہے۔

وخص الکفارۃ الخ فرماتے ہیں کہ صرف قتل خطأ کی صورت میں کفارہ واجب کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ قتلِ عمد میں ہمارے یہاں کفارہ نہیں ہے۔

فَصْلٌ أَیْ هٰذَا فَصْلٌ فِیْ بَیَانِ أَحْكَامِ الْحَرْبِیِّ الْمُسْتَأْمِنِ

یہ فصل حربی مستامن کے احکام کے بیان میں ہے

اس سے پہلے ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ حربی مستامن کے احکام مسلم مستامن کے احکام کے بعد بیان کئے گئے ہیں اب یہاں سے اسی کا بیان ہے، دیکھئے۔

قَالَ وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِیُّ إِلَیْنَا مُسْتَأْمِنًا لَمْ یُمَكَّنْ أَنْ یُقِیْمَ فِیْ دَارِنَا سَنَةً وَیَقُوْلُ لَهُ الْإِمَامُ إِنْ أَقَمْتَ تَمَامَ السَّنَةِ وَضَعْتُ عَلَیْكَ الْجِزْیَةَ، وَالْأَصْلُ أَنَّ الْحَرْبِیَّ لَایُمَكَّنُ مِنْ إِقَامَةٍ دَائِمَةٍ فِیْ دَارِنَا إِلَّا بِالْإِسْتِرْقَاقِ أَوِالْجِزْیَةِ، لِأَنَّهُ یَصِیْرُ عَیْنًا لَهُمْ وَعَوْنًا عَلَیْنَا فَیَلْتَحِقُ الْمَضَرَّةُ بِالْمُسْلِمِیْنَ، وَیُمَكَّنُ مِنَ الْإِقَامَةِ الْیَسِیْرَةِ، لِأَنَّ فِیْ مَنْعِهَا قَطْعَ الْمِیْرَةِ وَالْجَلْبِ وَسَدِّ بَابِ التِّجَارَةِ فَفَصَلْنَا بَیْنَهُمَا بِسَنَةٍ، لِأَنَّهَا مُدَّةٌ تَجِبُ فِیْهَا الْجِزْیَةُ فَیَكُوْنُ الْإِقَامَةُ لِمَصْلِحَةِ الْجِزْیَةِ ثُمَّ إِنْ رَجَعَ بَعْدَ مَقَالَةِ الْإِمَامِ قَبْلَ تَمَامِ السَّنَةِ إِلٰی وَطْنِهِ فَلَاسَبِیْلَ عَلَیْهِ وَإِذَا مَكَثَ سَنَةً فَهُوَ ذِمِّیٌّ، لِأَنَّهُ لَمَّا أَقَامَ سَنَةً بَعْدَ تَقَدُّمِ الْإِمَامِ إِلَیْهِ صَارَ مُلْتَزِمًا لِلْجِزْیَةِ فَیَصِیْرُ ذِمِّیًّا، وَلِلْإِمَامِ أَنْ یُوَقِّتَ فِیْ ذٰلِكَ مَادُوْنَ السَّنَةِ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرَیْنِ، وَإِذَا أَقَامَهَا بَعْدَ مَقَالِ الْإِمَامِ یَصِیْرُ ذِمِّیًّا لِمَا قُلْنَا، ثُمَّ لَا یُتْرَكُ أَنْ یَرْجِعَ إِلٰی دَارِالْحَرْبِ، لِأَنَّ عَقْدَ الذِّمَّةِ لَایَنْقُضُ كَیْفَ وَأَنَّ فِیْهِ قَطْعَ الْجِزْیَةِ وَجَعَلَ وَلَدِهٖ حَرْبًا عَلَیْنَا وَفِیْهِ مَضَرَّةٌ بِالْمُسْلِمِیْنَ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حربی امان لے کر دار الاسلام آئے تو دار الاسلام میں اسے ایک سال تک ٹھہرنے کا موقع نہ دیا جائے اور امام اس سے یہ کہہ دے اگر تم سال بھر یہاں رہو گے تو میں تم پر جزیہ مقرر کردوں گا۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ غلام بنائے یا جزیہ مقرر کئے بغیر حربی کو دار الاسلام میں دائمی اقامت کا موقع نہیں دیا جائے گا، کیونکہ ایسا کرنے سے وہ حربیوں کا جاسوس ہو جائے گا اور ہمارے خلاف ان کی اعانت کرے گا اور مسلمانوں کو اس سے ضرر ہوگا۔ ہاں اسے مختصر سی مدت کے لیے رہنے کا موقع دیا جائے گا، کیونکہ اس سے بھی منع کرنے میں غلہ کی آمد ورفت ختم ہو جائے گی اور تجارت کا دروازہ بند ہو جائے گا، لہٰذا ہم نے قلیل وکثیر کے

درمیان ایک سال سے فاصلہ کردیا ہے، کیونکہ یہ ایسی مدت ہے جس میں جزیہ واجب ہوتا ہے لہٰذا اس کی اقامت جزیہ کی مصلحت کے لیے ہوگی۔

پھر امام کی بات کے بعد اگر ایک سال پورا ہونے سے پہلے وہ دارالحرب چلا جائے تو اس پر (وجوب جزیہ کی) کوئی راہ نہیں ہوگی اور اگر وہ ایک سال ٹھہر گیا تو ذمی ہوگا، کیونکہ جب امام کے اس کو پہلے بتادینے کے بعد وہ ایک سال ٹھہر گیا تو وہ خود ہی جزیہ لازم کرنے والا ہوگیا، اس لیے ذمی ہوجائے گا اور امام کو یہ اختیار ہے کہ وہ ایک سال سے کم مثلاً مہینہ دومہینہ کی مدت متعین کردے اور اگر امام کی بات کے بعد وہ سال بھر رہ گیا تو بھی ذمی ہوجائے گا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے ہیں پھر اسے دارالحرب واپس جانے کے لیے نہیں چھوڑا جائے گا، کیونکہ عقد ذمی کو توڑا نہیں جاتا اور کیوں کر اسے توڑا جاسکتا ہے جب کہ اس میں جزیہ کو ختم کرنے اور اس کی اولاد کو اپنے خلاف حربی بنانا لازم آتا ہے اور اس میں مسلمانوں کا (کھلا ہوا) نقصان ہے۔

اللغات:

﴿مستأمن﴾ امان لے کر آنے والا۔ ﴿سنة﴾ ایک سال۔ ﴿أقمت﴾ تو ٹھہرا۔ ﴿استرقاق﴾ غلام بنانا۔ ﴿عين﴾ جاسوس۔ ﴿عون﴾ مددگار۔ ﴿ميرة﴾ غلہ، اناج۔ ﴿جلب﴾ درآمدات۔ ﴿سدّ﴾ بند کرنا۔ ﴿ملتزم﴾ اپنے ذمے لینے والا۔

حربی کو دی جانے والی امان کی زیادہ سے زیادہ مدت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جزیہ لیے یا استرقاق یعنی غلام بنائے بغیر حربی کو دارالاسلام میں رہنے کے لیے ایک سال کا ویزا نہیں دیا جائے گا ہاں اسے مہینہ دومہینہ تک دارالاسلام میں رہنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، اس لیے کہ سال بھر اگر حربی دارالاسلام میں رہ جائے گا تو وہ مسلمانوں کے داؤ پیچ سے واقف ہوجائے گا اور جاسوسی کرے گا نیز ہمارے خلاف کفار کے ساتھ لڑائی کرے گا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائے گا اس لیے اسے سال بھر رہنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، البتہ سال سے کم مدت تک کے لیے اسے اقامتی ویزا دیا جائے گا، کیونکہ اگر اسے بھی روک دیا گیا تو پھر غلام کی آمد ورفت متاثر ہوگی اور تجارت کے ذرائع مسدود ہوجائیں گے۔ اور سال بھر اگر وہ رہنا چاہے تو اسے جزیہ دینا ہوگا یا طوق غلامی پہننا پڑے گا۔

وإن رجع الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام نے حربی سے یہ بتادیا ہو کہ بھائی سال بھر رہنے کی صورت میں تمہیں جزیہ دینا پڑے گا اور اس نے اسے منظور کرلیا ہو، لیکن پھر سال پورا ہونے سے پہلے ہی وہ اپنے وطن چلا گیا تو اب اس پر جزیہ نہیں واجب ہوگا۔ ہاں اگر وہ ایک سال دارالاسلام میں رہ گیا تو اب ذمی بن جائے گا، اس پر جزیہ واجب ہوگا اور اس کے دارالحرب جانے کے تمام راستے بند ہوجائیں گے، کیونکہ وہ سال بھر رہ کر ذمی بن چکا ہے اور اس نے اپنے فعل اور قیام سے خود ہی جزیہ کا التزام کرلیا ہے اور عقد ذمہ کو توڑا نہیں جاتا، اس لیے کہ اسے توڑنے میں مسلمانوں کا نقصان ہے، لہٰذا اب وہ حربی دارالحرب واپس جا بھی نہیں سکتا۔

فَإِنْ دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ فَاشْتَرٰى أَرْضَ خَرَاجٍ فَإِذَا وَضَعَ عَلَيْهِ الْخَرَاجُ فَهُوَ ذِمِّيٌّ، لِأَنَّ خَرَاجَ الْأَرْضِ بِمَنْزِلَةِ خَرَاجِ الرَّأْسِ، وَإِذَا الْتَزَمَهُ صَارَ مُلْتَزِمَ الْمَقَامِ فِيْ دَارِنَا، أَمَّا بِمُجَرَّدِ الشِّرَاءِ لَايَصِيْرُ ذِمِّيًّا، لِأَنَّهُ قَدْ

يَشْتَرِيْهَا لِلتِّجَارَةِ، وَإِذَا أَلْزَمَهُ خَرَاجَ الْأَرْضِ فَبَعْدَ ذٰلِكَ تَلْزَمُهُ الْجِزْيَةُ لِسَنَةٍ مُسْتَقْبَلَةٍ، لِأَنَّهُ يَصِيْرُ ذِمِّيًّا بِلُزُوْمِ الْخَرَاجِ فَتُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ مِنْ وَقْتِ وُجُوْبِهِ، وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ فَإِذَا وُضِعَ عَلَيْهِ الْخَرَاجُ فَهُوَ ذِمِّيٌّ تَصْرِيْحٌ بِشَرْطِ الْوَضْعِ فَيُخَرَّجُ عَلَيْهِ أَحْكَامُهُ جُمَّعَةً فَلَايُغْفَلُ عَنْهُ، وَإِذَا دَخَلَتْ حَرْبِيَّةٌ بِأَمَانٍ فَتَزَوَّجَتْ ذِمِّيًّا صَارَتْ ذِمِّيَّةً لِأَنَّهَا الْتَزَمَتِ الْمُقَامَ تَبَعًا لِلزَّوْجِ وَ إِذَا دَخَلَ حَرْبِيٌّ بِأَمَانٍ فَتَزَوَّجَ ذِمِّيَّةً لَمْ يَصِرْ ذِمِّيًّا لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَيَرْجِعُ إِلٰى بَلَدِهِ فَلَمْ يَكُنْ مُلْتَزِمًا الْمُقَامَ.

ترجمہ: اگر کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام میں آیا اور اس نے کوئی خراجی زمین خریدی تو جب اس پر خراج لازم کیا جائے گا تب وہ ذمی ہوگا، کیونکہ زمین کا خراج خراجِ فرد کے درجے میں ہے اور جب اس نے خراج لازم کرلیا تو گویا اس نے دارالاسلام رہنے کو لازم کرلیا۔ اور محض زمین خریدنے سے وہ ذمی نہیں ہوگا، اس لیے کہ کبھی تجارت کے لیے بھی زمین خریدی جاتی ہے اور جب اس پر زمین کا خراج لازم ہوگیا تو اس کے بعد آئندہ سال کے لیے اس پر جزیہ لازم ہوگا، کیونکہ خراج لازم ہونے کے ساتھ وہ ذمی ہوگا لہٰذا اسی وقت سے اس کے ذمی ہونے کی مدت معتبر ہوگی اور جامع صغیر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول: فإذا وُضع علیہ الخراج فھو ذمي وضع خراج کے شرط ہونے کی صراحت ہے اور اس شرط پر اس کے بہت سے مسائل کی تخریج ہوگی لہٰذا اسے نہیں بھولنا چاہئے۔

اگر کوئی حربیہ امان لے کر دارالاسلام آئی اور اس نے کسی ذمی سے نکاح کرلیا تو وہ ذمیہ ہوجائے گی، کیونکہ اپنے شوہر کے تابع ہوکر اس نے بھی دارالاسلام میں رہنے کا التزام کرلیا ہے اور اگر کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام میں آیا اور اس نے کسی ذمیہ سے نکاح کرلیا تو وہ ذمی نہیں ہوگا، کیونکہ اس حربی کے لیے اپنی بیوی کو طلاق دے کر اپنے ملک واپس جانا ممکن ہے تو وہ دارالاسلام میں رہنے کو لازم کرنے والا نہیں ہوا۔

اللغات:

﴿التزمهٗ﴾ اس کو اپنے ذمے لے لیا۔ ﴿سنة﴾ سال۔ ﴿تصریح﴾ واضح ذکر کرنا۔ ﴿مقام﴾ ٹھہرنا، رہائش رکھنا، اقامت۔

حربی کا دارالاسلام میں زمین خریدنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام آیا اور یہاں اس نے ایک خراجی زمین خرید لی تو جب اس پر خراج لاگو ہوگا یعنی جس وقت سے وہ اس زمین میں کاشت کاری کرے گا (یا کاشت کاری کا وقت آجائے اور وہ نہ کرے) اس وقت سے وہ ذمی شمار ہوگا کیونکہ زمین کا خراج انسان کی ذات کے خراج کی طرح ہے لہٰذا جب وہ زمین کا خراج لازم کرے گا تو دلالۃً وہ خود بھی دارالاسلام میں رہنے والا شمار ہوگا اور اسی وقت سے اسے ذمی قرار دیا جائے گا اور اس پر آئندہ سال کا جزیہ واجب ہوگا یعنی اس کے ذمی ہونے کا دار و مدار اس کے التزام خراج پر ہے۔ اس لیے محض زمین خریدنے سے کوئی شخص ذمی نہیں ہوگا کیونکہ زمین کبھی تجارت کی نیت سے بھی خریدی جاتی ہے لہٰذا اس کے ذمی ہونے کے لیے اقامت اور تجارت میں فرق کرنا ضروری ہے اور یہ فرق التزام خراج یعنی کاشت کاری اور زراعت وغیرہ سے حاصل ہوگا، اسی لیے ہم نے التزام خراج ہی پر اس کے ذمی ہونے کو منحصر کردیا ہے۔ اور متن میں فإذا

وضع علیہ الخراج سے یہی مراد ہے اور اسی پر بہت سے احکام کی تخریج بھی ہوگی مثلاً اس کے بعد وہ دارالحرب واپس نہیں جا سکے گا، اس کے اور مسلمان کے مابین قصاص جاری ہوگا اور اس سے تعرض کرنا حرام ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ (بنایہ: ۶/ ۶۲۷)

وإذا دخلت الخ اگر کوئی حربیہ عورت امان لے کر دارالاسلام آئی اور یہاں آکر اس نے کسی ذمی سے نکاح کرلیا تو وہ ذمیہ ہوجائے گی، کیونکہ نکاح کرکے اس نے اپنے آپ کو شوہر کے تابع کرلیا اور شوہر کے ساتھ ہمیشہ کے لیے دارالاسلام میں رہنے کا عہد کرلیا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی حربی دارالاسلام میں آکر کسی ذمیہ سے نکاح کرلے تو وہ ذمی نہیں ہوگا، کیونکہ شریعت نے مردوں کو حاکم اور متبوع بنایا ہے اور عورتوں کو تابع بنایا ہے لہٰذا وہ حربی اپنی ذمیہ عورت کے تابع نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کی وجہ سے دارالاسلام میں رہنے کا پابند ہوگا، بلکہ جب چاہے گا اسے طلاق کی گولی دے کر دارالحرب چلتا بنے گا، اس لیے ہم اسے ذمی نہیں قرار دے سکتے۔

وَلَوْ أَنَّ حَرْبِيًّا دَخَلَ دَارَنَا بِأَمَانٍ ثُمَّ عَادَ إِلٰى دَارِ الْحَرْبِ وَتَرَكَ وَدِيْعَةً عِنْدَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ أَوْ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهِمْ فَقَدْ صَارَ دَمُهُ مُبَاحًا بِالْعَوْدِ، لِأَنَّهُ أَبْطَلَ أَمَانَهُ، وَمَا فِيْ دَارِ الْإِسْلَامِ مِنْ مَالِهِ عَلٰى خَطْرٍ، فَإِنْ أُسِرَ أَوْ ظُهِرَ عَلَى الدَّارِ فَقُتِلَ سَقَطَتْ دُيُوْنُهُ وَصَارَتِ الْوَدِيْعَةُ فَيْأً، أَمَّا الْوَدِيْعَةُ فَلِأَنَّهَا فِيْ يَدِهِ تَقْدِيْرًا، لِأَنَّ يَدَ الْمُوْدِعِ كَيَدِهِ فَيَصِيْرُ فَيْأً تَبَعًا لِنَفْسِهِ، وَأَمَّا الدَّيْنُ فَلِأَنَّ إِثْبَاتَ الْيَدِ عَلَيْهِ بِوَاسِطَةِ الْمُطَالَبَةِ وَقَدْ سَقَطَتْ وَيَدُ مَنْ عَلَيْهِ أَسْبَقُ إِلَيْهِ مِنْ يَدِ الْعَامَّةِ فَيَخْتَصُّ بِهِ، وَإِنْ قُتِلَ وَلَمْ يُظْهَرْ عَلَى الدَّارِ فَالْقَرْضُ وَالْوَدِيْعَةُ لِوَرَثَتِهِ وَكَذٰلِكَ إِذَا مَاتَ، لِأَنَّ نَفْسَهُ لَمْ تَصِرْ مَغْنُوْمَةً فَكَذٰلِكَ مَالُهُ، وَهٰذَا لِأَنَّ حُكْمَ الْأَمَانِ بَاقٍ فِيْ مَالِهِ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ أَوْ عَلٰى وَرَثَتِهِ مِنْ بَعْدِهِ.

ترجمہ: اور اگر کوئی حربی امان لے کر دارالحرب میں آیا پھر دارالحرب واپس چلا گیا اور کسی مسلمان یا ذمی کے پاس کوئی امانت چھوڑ گیا یا ان کے ذمے کوئی قرض چھوڑ گیا تو واپس ہونے کی وجہ سے اس کا خون مباح ہوگیا، کیونکہ اس نے اپنا مال باطل کردیا اور دارالاسلام میں اس کا جو کچھ مال ہے وہ متردد ہے چنانچہ اگر وہ قید کرلیا گیا یا دارالحرب پر قبضہ ہوگیا پھر وہ شخص قتل کردیا گیا تو اس کے دیون ساقط ہوجائیں گے اور اس کی امانت فئے ہوجائے گی، کیونکہ ودیعت تو تقدیراً اس کے قبضے میں ہے، اس لیے کہ مودَع کا قبضہ اس کے قبضہ کی طرح ہے لہٰذا اس کے نفس کے تابع ہوکر ودیعت فئے ہوجائے گی۔ اور دین اس لیے ساقط ہوگا کہ اس پر حربی کا قبضہ مطالبہ کے ذریعے ثابت ہوگا حالانکہ حربی کے لیے حق مطالبہ ساقط ہوگیا ہے اور جو شخص اس پر قابض ہے اس کا قبضہ عوام کے قبضہ سے مقدم ہے اس لیے وہی شخص اس مال کے ساتھ مختص ہوگا۔

اور اگر حربی قتل کردیا گیا لیکن دارالحرب پر قبضہ نہیں ہوا تو قرض اور ودیعت اس کے ورثاء کی میراث ہوگی ایسے ہی اگر وہ مرگیا تو بھی یہ چیزیں میراث ہوں گی، کیونکہ جب اس حربی کا نفس مال غنیمت نہیں ہوا تو اس کا مال بھی مغنوم نہیں ہوگا، یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ اس حربی کے مال میں امان کا حکم باقی ہے لہٰذا وہ مال اس پر لوٹایا جائے گا یا اس کے بعد اس کے ورثاء کو واپس کیا جائے گا۔

اللغات:

﴿عاد﴾ واپس چلا گیا۔ ﴿ودیعة﴾ امانت۔ ﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿أسر﴾ قیدی بنایا گیا۔ ﴿ظهر﴾ غلبہ ہوگیا۔ ﴿ید﴾

قبضہ۔ ﴿لم تصر﴾ نہیں ہوگئے۔

حربی کے دارالاسلام میں امانت یا قرض دیئے ہوئے مال کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام آیا اور یہاں اس نے کسی مسلمان یا ذمی کے پاس اپنا مال ودیعت رکھ دیا یا ان کو قرض دیدیا اور پھر سب چھوڑ چھاڑ کر یہاں سے دارالحرب چلا گیا تو اب وہ حسب سابق حربی ہو جائے گا اور اس کا امان باطل ہو جائے گا اور پھر سے وہ مباح الدم ہو جائے گا۔ اور جہاں تک اس کے مال کا مسئلہ ہے تو اس کا حکم متردد اور مشکوک ہے چنانچہ اگر وہ گرفتار کر لیا گیا یا دارالحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور وہ حربی قتل کر دیا گیا تو اس کے سابقہ دیون ساقط ہو جائیں گے اور اس کا مال ودیعت فئی ہو جائے گا، کیونکہ یہ مال معناً ابھی بھی اسی حربی کے قبضے میں ہے، اس لیے کہ مودَع کا قبضہ صاحب ودیعت کے قبضے کی طرح ہوتا ہے اور چوں کہ صاحب ودیعت یعنی مذکورہ حربی گرفتار ہو کر فئے ہو گیا ہے لہٰذا اس کا مال بھی اس کے تابع ہو کر فئے ہو جائے گا، اور اس کا دین اس لیے ساقط ہو جائے گا کہ دین پر اب اس کا قبضہ مطالبے سے ساقط ہوگا حالانکہ دارالحرب میں چلے جانے سے اس حربی کے لیے مطالبہ کرنے کا حق ساقط ہو گیا ہے لہٰذا اس مال سے بھی اس کا حق ساقط ہو جائے گا اور اس مال کا مستحق مدیون ہوگا، اس لیے کہ اس مال پر مدیون کا قبضہ تمام لوگوں کے قبضے سے مقدم ہوگا، لہٰذا وہی مدیون ہی اس کا احق ہوگا۔

اور اگر اس حربی کو قتل کر دیا گیا یا از خود وہ مر گیا لیکن دارالاسلام والوں کا دارالحرب پر قبضہ نہیں ہوا تو اس کا قرض اور اس کا مالِ ودیعت اس کے ورثاء کا ہوگا، کیونکہ جب اس کا نفس مغنوم نہیں ہوا تو ظاہر ہے کہ اس کا مال بھی مغنوم نہیں ہوگا اور اس کے مال میں امان کو باقی رکھ کر اس کی زندگی میں وہ مال اسے دیا جائے گا اور اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو دیا جائے گا۔

قَالَ وَمَا أَوْجَفَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَيْهِ مِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الْحَرْبِ بِغَيْرِ قِتَالٍ يُصْرَفُ فِيْ مَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ كَمَا يُصْرَفُ الْخَرَاجُ، قَالُوْا هُوَ مِثْلُ الْأَرَاضِيِ الَّتِيْ أَجْلَوْا أَهْلَهَا عَنْهَا وَالْجِزْيَةُ، وَلَا خُمُسَ فِيْ ذٰلِكَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فِيْهِمَا الْخُمُسُ اِعْتِبَارًا بِالْغَنِيْمَةِ، وَلَنَا مَارُوِيَ أَنَّهُ① عَلَيْهِ السَّلَامُ أَخَذَ الْجِزْيَةَ وَكَذَا عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَمَعَاذٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَوَضَعَ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ وَلَمْ يُخَمَّسْ، وَلِأَنَّهُ مَالٌ مَأْخُوْذٌ بِقُوَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ، بِخِلَافِ الْغَنِيْمَةِ، لِأَنَّهُ مَمْلُوْكٌ بِمُبَاشَرَةِ الْغَانِمِيْنَ وَبِقُوَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاسْتَحَقَّ الْخُمُسَ بِمَعْنًى وَاسْتَحَقَّهُ الْغَانِمُوْنَ بِمَعْنًى، وَفِيْ هٰذَا السَّبَبِ وَاحِدٌ وَهُوَ مَاذَكَرْنَاهُ فَلَامَعْنٰى لِإِيْجَابِ الْخُمُسِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ کفار کے وہ اموال جو قتال کے بغیر محض پیش قدمی کر کے مسلمانوں نے حاصل کیا ہو انھیں مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کیا جائے گا جیسے خراج صرف کیا جاتا ہے۔ حضرات مشائخؒ نے فرمایا کہ یہ اموال ان زمینوں کی طرح ہیں جہاں سے مجاہدین نے ان کے اہل کو نکال دیا ہو اور جزیہ کی طرح ہیں اور ان میں خمس نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ غنیمت پر قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان میں خمس لیا جائے گا۔

ہماری دلیل وہ روایت ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے جزیہ لیا ہے نیز حضرت عمر اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما نے بھی جزیہ لیا ہے اور اسے بیت المال میں رکھا گیا تھا اور خمس نہیں لیا گیا تھا۔ اور اس وجہ سے کہ یہ ایسا مال ہے جو قتال کے بغیر مسلمانوں کی قوت کے بل پر حاصل کیا گیا ہے۔ برخلاف غنیمت کے، اس لیے کہ وہ غازیوں کی محنت اور مسلمانوں کی طاقت سے حاصل کیا جاتا ہے لہٰذا ایک معنی کی وجہ سے بیت المال خمس کا مستحق ہے اور ایک دوسرے معنی کی وجہ سے غانمین خمس کے مستحق ہیں۔ جب کہ اس مال میں سبب ایک ہے لہٰذا خمس واجب کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

اللغات:

﴿أوجف﴾ حاصل کرلیں۔ ﴿یصرف﴾ خرچ کیا جائے گا۔ ﴿أخلوا﴾ نکال دیا ہو۔ ﴿خمس﴾ پانچواں حصہ۔ ﴿ایجاب﴾ واجب کرنا۔

تخریج:

❶ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الخراج باب فی تدوین العطاء، حدیث: ۲۹۶۱.

بغیر جنگ کے حاصل ہونے والے اموال کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وہ اموال جنھیں کفار پر پیش قدمی کر کے محض ڈرا دھمکا کر بدون قتال مسلمان غازی حاصل کرتے ہیں انھیں خراج صرف کرنے کی طرح مسلمانوں کے مصالح یعنی پل وغیرہ بنانے، نہر کھودنے اور قاضیوں کی تنخواہ وغیرہ دینے میں صرف کیا جائے گا۔ ہمارے یہاں یہ اموال ان آراضی کے مثل ہیں جہاں سے مسلمانوں نے ان کے مالکان کو بھگا دیا ہو اور وہ اراضی اپنے قبضے میں لے لی ہو اور ان اموال کی حیثیت جزیہ کی سی ہے اسی لیے ہمارے یہاں ان میں خمس نہیں ہے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جس طرح مال غنیمت میں سے خمس لیا جاتا ہے اسی طرح ان اموال میں سے بھی خمس لیا جائے گا اور مذکورہ آراضی میں سے بھی خمس لیا جائے گا۔

ہماری دلیل حضرت نبی اکرم ﷺ کا وہ طرز عمل ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے نصاری نجران سے اور مجوس ہجر سے جزیہ لیا تھا نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سواد والوں سے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اہل یمن سے جزیہ لیا تھا اور ان حضرات کے واقعات میں جزیہ کے علاوہ خمس وغیرہ لینے کی بات نہیں ہے جو اس امر کی بین دلیل ہے کہ اس طرح کے اموال میں خمس نہیں ہے اور حدیث نبوی اور فعل صحابی کے سامنے قیاس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اس لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا صورت مسئلہ کو اموال غنیمت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ مال قتال کے بغیر محض مسلمانوں کی قوت اور ان کے رعب سے حاصل کیا گیا ہے جب کہ مال غنیمت کے حصول میں غازیوں کی محنت بھی شامل ہوتی ہے اور مسلمانوں کی قوت بھی دخیل ہوتی ہے، لہٰذا قوت کی طرف نظر کرتے ہوئے مال غنیمت کا خمس بیت المال کو دیا جاتا ہے اور محنت کو دیکھتے ہوئے اس کے چار حصے غازیوں کو دیے جاتے ہیں لیکن بغیر قتال کے حاصل کردہ مال کا سبب صرف ایک ہے یعنی مسلمانوں کی طاقت اور قوت اس لیے اس مال میں خمس نہیں واجب کیا جا سکتا ہے،

کیونکہ ایک سبب سے ایک ہی شیٔ میں جو چیزوں اور دو حکموں کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔

فائدہ: أوجف إيجافا باب افعال سے ہے جس کے معنی ہیں گھوڑوں کو تیز دوڑانا یہاں اس سے پیش رفت کرنا اور پہل کرنا مراد ہے۔

وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ وَلَهُ امْرَأَةٌ فِيْ دَارِالْحَرْبِ وَأَوْلَادُ صِغَارٍ وَكِبَارٍ وَمَالٌ أَوْدَعَ بَعْضَهُ ذِمِّيًّا وَبَعْضَهُ حَرْبِيًّا وَبَعْضَهُ مُسْلِمًا فَأَسْلَمَ هٰهُنَا ثُمَّ ظُهِرَ عَلَى الدَّارِ فَذٰلِكَ كُلُّهُ فَيْءٌ، أَمَّا الْمَرْأَةُ وَأَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَظَاهِرٌ لِأَنَّهُمْ حَرْبِيُّوْنَ كِبَارٌ وَلَيْسُوْا بِأَتْبَاعٍ، وَكَذٰلِكَ مَافِيْ بَطْنِهَا لَوْكَانَتْ حَامِلًا لِمَا قُلْنَا مِنْ قَبْلُ، وَأَمَّا أَوْلَادُهُ الصِّغَارُ فَلِأَنَّ الصَّغِيْرَ إِنَّمَا يَصِيْرُ مُسْلِمًا تَبَعًا لِإِسْلَامِ أَبِيْهِ إِذَا كَانَ فِيْ يَدِهٖ وَتَحْتَ وَلَايَتِهٖ، وَمَعَ تَبَايُنِ الدَّارَيْنِ لَايَتَحَقَّقُ ذٰلِكَ وَكَذَا أَمْوَالُهُ لَاتَصِيْرُ مُحْرَزَةً بِإِحْرَازِهٖ نَفْسَهُ لِاخْتِلَافِ الدَّارَيْنِ فَبَقِيَ الْكُلُّ فَيْئًا وَغَنِيْمَةً، وَإِنْ أَسْلَمَ فِيْ دَارِالْحَرْبِ ثُمَّ جَاءَ فَظُهِرَ عَلَى الدَّارِ فَأَوْلَادُهُ الصِّغَارُ أَحْرَارٌ مُسْلِمُوْنَ تَبَعًا لِأَبِيْهِمْ، لِأَنَّهُمْ كَانُوْا تَحْتَ وِلَايَتِهٖ حِيْنَ أَسْلَمَ إِذَا الدَّارُ وَاحِدَةٌ، وَمَا كَانَ مِنْ مَالٍ أَوْدَعَهُ مُسْلِمًا أَوْ ذِمِّيًّا فَهُوَ لَهُ، لِأَنَّهُ فِيْ يَدٍ مُحْتَرَمَةٍ وَيَدُهُ كَيَدِهٖ، وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَيْءٌ أَمَّا الْمَرْأَةُ وَأَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَلِمَا قُلْنَا، وَأَمَّا الْمَالُ الَّذِيْ فِيْ يَدِ الْحَرْبِيِّ فَلِأَنَّهُ لَمْ يَصِرْ مَعْصُوْمًا، لِأَنَّ يَدَ الْحَرْبِيِّ لَيْسَتْ يَدًا مُحْتَرَمَةً.

ترجمہ: اگر کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام آیا اور دارالحرب میں اس کی بیوی ہے، اس کی چھوٹی بڑی اولاد ہے اور مال ہے جس میں سے کچھ اس نے کسی ذمی کے پاس ودیعت رکھا ہے، کچھ مال کسی حربی کے پاس ہے اور کچھ مال کسی مسلمان کے پاس ودیعت رکھا ہے اور وہ حربی دارالاسلام آکر مسلمان ہوگیا پھر دارالحرب پر قبضہ ہوگیا تو یہ ساری چیزیں فئے ہوں گے۔ رہا اس کی بیوی اور بڑی اولاد کافئ ہونا تو ظاہر و باہر ہے، کیونکہ یہ سب بالغ حربی ہیں اور تابع نہیں ہیں نیز اگر بیوی حاملہ ہوتو جو بیوی کے پیٹ میں حمل ہے وہ بھی فئ ہے اس دلیل کی وجہ سے جو اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور اس کی چھوٹی اولاد اس وجہ سے فئے ہوگی کہ صغیر اسی وقت اپنے باپ کے اسلام کے تابع ہوکر مسلمان ہوتا ہے جب وہ باپ کے قبضے اور اس کی ولایت میں ہو اور تباین دارین کے ہوتے ہوئے وہ صغیر باپ کے تابع نہیں ہوسکتا نیز اس کے اموال بھی اس کے اپنی ذات کو محرز کرنے سے محرز نہیں ہوسکتے، کیونکہ اختلاف دارین ہے لہٰذا سب کے سب فئے اور غنیمت ہوجائیں گے۔

اور اگر حربی دارالحرب میں مسلمان ہوکر دارالاسلام آیا پھر دارالحرب پر اہل اسلام کا غلبہ ہوا تو اس کی چھوٹی اولاد اپنے باپ کے تابع ہوکر آزاد اور مسلمان ہوگی، کیونکہ باپ کے مسلمان ہوتے وقت وہ سب اسی کی ولایت میں ہیں اس لیے کہ دار ایک ہے اور وہ مال جسے اس نے مسلمان یا ذمی کے پاس ودیعت رکھا ہے وہ بھی اسی کا ہوگا کیونکہ وہ مال قابل احترام قبضے میں ہے اور مسلمان یا ذمی کا قبضہ اس کے اپنے قبضے کی طرح ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ فئے ہوگا۔ رہی بیوی اور بالغ اولاد تو اس دلیل کی وجہ سے فئے ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں

اور وہاں وہ مال جو حربی کے قبضے میں ہے تو اس وجہ سے وہ فئے ہے کہ وہ مال محترم نہیں ہے، کیونکہ حربی کا قبضہ قابل احترام نہیں ہے۔

اللغات:

﴿أودع﴾ امانت رکھوایا۔ ﴿ظُهِر﴾ غلبہ پالیا گیا، فتح کرلیا گیا۔ ﴿فيء﴾ غنیمت کا مال، جنگ کیے بغیر مسلمانوں کے قبضے میں آنے والا حربیوں کا مال۔ ﴿يدٌ﴾ قبضہ۔ ﴿تباین﴾ جدا ہونا، مختلف ہونا۔ ﴿محرّزة﴾ محفوظ کیے گئے۔ ﴿أحرار﴾ واحد حرّ؛ آزاد۔ ﴿لم يَصِرْ﴾ نہیں ہوا۔

دارالاسلام میں آ کر مسلمان ہونے والے حربی کی دارالحرب والی جائیداد کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام آیا اور یہاں اس نے اسلام قبول کیا جب کی دارالحرب میں اس کی حربیہ بیوی موجود ہے، اس کے چھوٹے بڑے لڑکے موجود ہیں اور اس کے اموال ہیں جن میں سے کچھ مال اس نے کسی ذمی کے پاس ودیعت رکھا ہے، کچھ کسی حربی کے پاس اور کچھ مال کسی مسلمان کے پاس بطور ودیعت رکھا ہے۔ اب اگر دارالاسلام کا دارالحرب پر قبضہ ہوجاتا ہے تو اس کی بیوی بچے اور اس کے تمام اموال سب فئے اور غنیمت ہوجائیں گے اور اس نومسلم کا ان پر حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی بیوی اور بالغ اولاد تو خود مختار ہیں اور اس کے تابع نہیں ہیں، بلکہ حسب سابق حربی ہی ہیں اور چوں کہ مسلمان دارالحرب پر قابض ہوچکے ہیں اس لیے دیگر اموال کی طرح یہ لوگ بھی فئے اور غنیمت بن جائیں گے، اسی طرح اگر اس حربی کی حربیہ عورت حاملہ ہو تو ماں کے تابع ہو کر وہ حمل بھی فئے ہوجائے گا اس لیے کہ حمل ماں کا جزء ہے، لہٰذا جب کل فئے ہے تو جزء بھی فئے ہوگا۔

رہا مسئلہ اس کی نابالغ اور صغیر اولاد کا تو صغیر اولاد اس صورت میں اپنے مسلمان باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوتی ہے جب وہ باپ کی نگرانی اور اس کی ماتحتی میں ہو حالانکہ یہاں تباین دارین کی وجہ سے وہ اولاد باپ کی ماتحتی میں نہیں ہے اس لیے وہ اس کے تابع ہو کر مسلمان نہیں ہوگی اور دارالحرب میں ہونے کی وجہ سے فئے بن جائے گی اور یہی حکم اس کے اموال کا بھی ہوگا کہ تباین دارین کی وجہ سے صرف حربی محرز ہوگا اور اس کے اموال محرز نہیں ہوں گے اور سب فئے اور غنیمت بن جائیں گے۔

اس کے برخلاف اگر حربی دارالحرب میں مسلمان ہو کر دارالاسلام آیا ہو اور صورت مسئلہ یہی ہو پھر دارالحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا ہو تو اس صورت میں اس کی نابالغ اولاد اپنے باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگی اور آزاد ہوگی، کیونکہ جب ان کا باپ مشرف بہ اسلام ہوا ہے تو یہ سب اس کی ماتحتی میں تھے کیونکہ یہ بھی دارالحرب میں تھے اور باپ نے بھی دارالحرب ہی میں اسلام قبول کیا ہے لہٰذا اتحاد دار کی وجہ سے یہ باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوں گے، فئے اور غنیمت نہیں ہوں گے، نیز اس حربی نے مسلمان یا ذمی کے پاس جو مال ودیعت رکھا تھا وہ بھی اس کا اپنا ہوگا، کیونکہ اتحاد دار کی وجہ سے اس کا مال بھی محترم ہے اور وہ قابل احترام قبضے میں ہے بھی اس لیے اس کے نفس کی طرح اس کا یہ مال بھی معصوم اور محفوظ ہوگا، البتہ حربی کے پاس جو اس نے مال رکھا تھا وہ اس کا اپنا نہیں ہوگا اور فئے بن جائے گا، کیونکہ حربی کا قبضہ قابل احترام نہیں ہے، اسی طرح اس کی بیوی اور اس کی بالغ اولاد بھی فئے ہوجائے گی کیونکہ یہ سب حربی ہیں اور اپنے مسلمان شوہر یا باپ کے تابع نہیں ہیں۔

وَإِذَا أَسْلَمَ الْحَرْبِيُّ فِي دَارِ الْحَرْبِ فَقَتَلَهُ مُسْلِمٌ عَمَدًا أَوْ خَطَأً وَلَهُ وَرَثَةٌ مُسْلِمُوْنَ هُنَالِكَ فَلَاشَيْءَ عَلَيْهِ إِلَّا

الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَأِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ تَجِبُ الدِّيَةُ فِي الْخَطَأِ وَالْقِصَاصُ فِي الْعَمَدِ، لِأَنَّهُ أَرَاقَ دَمًا مَعْصُومًا لِوُجُوْدِ الْعَاصِمِ وَهُوَ الْإِسْلَامُ لِكَوْنِهِ مُسْتَجْلِبًا لِلْكَرَامَةِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْعِصْمَةَ أَصْلُهَا الْمُؤْثِمَةُ لِحُصُوْلِ أَصْلِ الزَّجْرِبِهَا وَهِيَ ثَابِتَةٌ إِجْمَاعًا، وَالْمُقَوَّمَةُ كَمَالٌ فِيْهِ لِكَمَالِ الْإِمْتِنَاعِ بِهِ فَيَكُوْنُ وَصْفًا فِيْهِ فَيَتَعَلَّقُ بِمَا عَلَّقَ بِهِ الْأَصْلُ، وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالٰى ﴿فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ (سورۃ النساء : ۹۲) الْآيَةُ. جَعَلَ التَّحْرِيْرَ كُلَّ الْمُوْجَبِ رُجُوْعًا إِلٰى حَرْفِ الْفَاءِ أَوْ إِلٰى كَوْنِهِ كُلَّ الْمَذْكُوْرِ فَيَنْتَفِي غَيْرُهُ، وَلِأَنَّ الْعِصْمَةَ الْمُؤْثِمَةَ بِالْآدَمِيَّةِ، لِأَنَّ الْآدَمِيَّ خُلِقَ مُتَحَمِّلًا أَعْبَاءَ التَّكْلِيْفِ وَالْقِيَامُ بِهَا بِحُرْمَةِ التَّعَرُّضِ، وَالْأَمْوَالُ تَابِعَةٌ لَهَا، أَمَّا الْمُقَوَّمَةُ فَالْأَصْلُ فِيْهَا الْأَمْوَالُ، لِأَنَّ التَّقَوُّمَ يُؤْذِنُ بِجَبْرِ الْفَائِتِ وَذٰلِكَ فِي الْأَمْوَالِ دُوْنَ النُّفُوْسِ، لِأَنَّ مِنْ شَرْطِهِ التَّمَاثُلُ وَهُوَ فِي الْمَالِ دُوْنَ النَّفْسِ فَكَانَتِ النُّفُوْسُ تَابِعَةً، ثُمَّ الْعِصْمَةُ الْمُقَوَّمَةُ فِي الْأَمْوَالِ بِالْإِحْرَازِ بِالدَّارِ، لِأَنَّ الْعِزَّةَ بِالْمَنْعَةِ فَكَذٰلِكَ فِي النُّفُوْسِ إِلَّا أَنَّ الشَّرْعَ أَسْقَطَ اعْتِبَارَ مَنْعَةِ الْكَفَرَةِ لِمَا أَنَّهُ أَوْجَبَ إِبْطَالَهَا، وَالْمُرْتَدُّ وَالْمُسْتَأْمَنُ فِي دَارِنَا مِنْ أَهْلِ دَارِهِمْ حُكْمًا لِقَصْدِهِمَا الْإِنْتِقَالَ إِلَيْهَا.

ترجمه: اور اگر کوئی دار الحرب میں اسلام لایا اور کسی مسلمان نے اسے عمداً یا خطأً قتل کردیا اور دار الحرب میں اس کے مسلم ورثاء موجود ہوں تو قاتل پر قتل خطأ میں کفارہ کے سوا کچھ نہیں واجب ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قتل خطأ میں دیت واجب ہے اور عمد میں قصاص، اس لیے کہ قاتل نے ایسا خون بہایا ہے جو عاصم یعنی اسلام کی وجہ سے معصوم ہے کیونکہ اسلام کرامت وشرافت لے آتا ہے۔ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ عصمت درحقیقت (قاتل کو) گنہ گار بنا دیتی ہے، اس لیے کہ عصمت سے زجر حاصل ہوجاتا ہے اور (مذکورہ نومسلم میں) یہ عصمت بالاتفاق ثابت ہے اور عصمت کا مقوّمہ ہونا زجر کا کمال ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے کمال امتناع حاصل ہوگا لہٰذا یہ کمال اس اصل میں وصف ہوگا لہٰذا جس چیز سے اصل متعلق ہے اسی سے وصف بھی متعلق ہوگا (یعنی اسلام سے دونوں متعلق ہوں گے)۔

ہماری دلیل اللہ پاک کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ اگر مقتول ایسی قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے حالانکہ وہ مومن ہو تو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غلام آزاد کرنے کو پوری جزاء اور سزاء قرار دیا ہے حرف فاء کی طرف نظر کرتے ہوئے، یا اس لیے کہ جو مذکور ہے وہی پوری سزاء ہے، لہٰذا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔ اور اس لیے کہ عصمت آدمی ہونے کی وجہ سے گنہگار کرتی ہے، کیونکہ آدمی شریعت کے احکام بجالانے کے لیے پیدا ہی کیا گیا ہے اور چھیڑ خانی کا حرام ہونا بھی احکام بجالانے میں شامل ہے۔ رہے اموال تو وہ آدمیت کے تابع ہیں۔ اور عصمت اس لیے مقوم ہوتی ہے کہ اس میں اموال اصل ہوتے ہیں، کیونکہ متقوم ہونا فوت شدہ چیز کی تلافی کی خبر دیتا ہے اور یہ چیز اموال ہی میں ہوسکتی ہے، نفوس میں نہیں، اس لیے کہ جبر کے لیے تماثل شرط ہے اور یہ تماثل مال میں ہوسکتا ہے، نفوس میں نہیں ہوسکتا اس لیے (دیت میں) مال اصل ہے اور نفوس اموال کے تابع ہیں۔

پھر اموال کی عصمت مقومہ احراز بدار الاسلام سے ثابت ہوگی، کیونکہ عزت قوت سے حاصل ہوتی ہے اور نفوس کا بھی یہی حکم

ہوگا، لیکن شریعت نے کفار کی طاقت کا اعتبار ختم کر دیا ہے کیونکہ شریعت نے قوتِ کفار کا ابطال واجب کیا ہے۔ اور دارالاسلام کے مرتد اور مستامن حربیوں کے حکم میں ہیں، اس لیے کہ وہ دارالاسلام واپس جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اللغاتُ:

﴿عمدًا﴾ جان بوجھ کر۔ ﴿أراق﴾ بہایا ہے۔ ﴿دم﴾ خون۔ ﴿عاصم﴾ حفاظت کرنے والا۔ ﴿مستجلب﴾ کھینچنے والا، طلب کرنے والا۔ ﴿مؤثمة﴾ گناہگار کرنے والی۔ ﴿امتناع﴾ رکنا۔ ﴿عدو﴾ دشمن۔ ﴿تحریر﴾ آزاد کرنا۔ ﴿رقبة﴾ ایک مملوک ذات۔ ﴿موجب﴾ ثابت ہونے والا، واجب، نتیجہ۔ ﴿أعباد﴾ واحد عبوۃ؛ بوجھ، کسی چیز کو بھر دینے والی مقدار۔ ﴿جبر﴾ تلافی، فوت شدہ چیز کی نقصان بندی۔ ﴿أسقط﴾ ساقط کر دیا ہے۔

مسلمان ہونے والے حربی کو قتل کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی حربی دارالحرب میں اسلام قبول کر لے اور پھر اسے کوئی مسلمان قتل کر دے خواہ عمداً خواہ خطأً بہر دوصورت ہمارے یہاں قاتل پر نہ تو قصاص واجب ہوگا اور نہ ہی دیت واجب ہوگی البتہ قتلِ خطأً میں اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ اس کے برخلاف حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر قاتل نے عمداً قتل کیا ہے تو اس پر قصاص لازم ہے اور اگر خطأً قتل کیا ہے تو دیت لازم ہے وبه قال مالك رحمۃ اللہ علیہ وأحمد رحمۃ اللہ علیہ۔ (بنایہ)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی دلیل یہ ہے کہ قاتل نے ایک معصوم یعنی مسلمان جان کو قتل کیا ہے اور نفس معصومہ کی عصمت قاتل کو مجرم ثابت کر رہی ہے، کیونکہ عصمت سے زجر حاصل ہوجاتا ہے، یعنی مقتول کا مسلمان اور معصوم ہونا اس خوف اور دہشت کے لیے کافی ہے کہ اس کے بدلہ قاتل کو قتل کیا جائے گا اور پھر جب یہ بات بھی اس عصمت سے متصل ہے کہ یہ قتل موجب دیت و مال ہے تو اس میں چار چاند لگ گیا اور اس وصف سے یہ عصمت ہر اعتبار سے کامل اور مکمل ہوگئی اور طرح اصل عصمت کا تعلق اسلام سے ہے اسی طرح وصف بھی اسلام سے متعلق ہوگا اور چوں کہ مقتول مسلمان ہے، لہٰذا قتل عمد کی صورت میں قاتل پر قصاص واجب ہوگا اور قتل خطأً کی صورت میں دیت واجب ہوگی۔

ہماری دلیل یہ آیت کریمہ ہے: فإن كان من قوم عدو لكم وهو مومن فتحرير رقبة مؤمنة الخ اس آیت کریمہ سے ہمارا استدلال اس طور پر ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اس مسلمان کے قتل کا نقشہ کھینچا ہے جو کفار کے ساتھ ہو یعنی دارالحرب میں ہو اور اسے کوئی مسلمان قتل کر دے تو اس کی جزاء ایک غلام آزاد کرنا ہے اور چوں کہ اس میں عمد اور خطأً کی کوئی قید نہیں ہے اس لیے دونوں صورتوں میں حکم ایک ہوگا اور تحریر رقبہ یعنی کفارہ پوری جزاء ہوگا، کیونکہ فتحریر میں حرف فاء مذکور ہے اور حرف فاء فالجزاء کے قائم مقام ہے اور جزاء اسے کہتے ہیں جو کافی اور وافی ہو، معلوم ہوا کہ تحریر رقبہ ہی اس مقتول کی پوری سزاء ہے۔

تحریر رقبة کے پوری جزاء ہونے کی دلیل یہ ہے کہ شریعت کا مقصد یہاں حکم بیان کرنا ہے اور مجرم کو اس کے جرم سے بری کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر ہم تحریر رقبة کو پوری جزاء نہیں مانیں گے تو یہ لازم آئے گا کہ شریعت نے یہاں واضح حکم نہیں بیان کیا ہے حالانکہ یہ ہمارے یقین اور عقیدے کے خلاف ہے، لہٰذا اس حوالے سے بھی تحریر رقبہ مذکورہ مقتول کی پوری سزاء ہوگی اور اس کے علاوہ دوسری چیز نہیں واجب ہوگی۔

ولأن العصمة الخ یہ ہماری عقلی دلیل ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب بھی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ عصمت اسلام کی وجہ سے قاتل کو مجرم اور گنہ گار نہیں بناتی، بلکہ آدمیت اور انسانیت کی وجہ سے مجرم بناتی ہے، کیونکہ انسان احکام شرع پر عمل کرنے کے لیے ہی پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اصلاً ہر ہر آدمی کے خون اور نفس کو معصوم اور محفوظ قرار دیا ہے، لیکن کافروں میں ان کے کفر کی وجہ سے اللہ پاک نے اس عصمت کو باطل کر دیا ہے اب جب کوئی کافر کفر سے توبہ کر کے مسلمان ہو جاتا ہے تو وہ اپنی اصل خلقت پر معصوم الدم ہو جاتا ہے۔ اور اموال آدمیت کے تابع ہوتے ہیں، یعنی اصلاً تو یہ مباح ہوتے ہیں لیکن انسان کی اپنی ضرورت کی وجہ سے تبعیت کے طور پر ان میں بھی عصمت آجاتی ہے لہٰذا اسلام کی وجہ سے جان اور مال کو معصوم قرار دینا درست نہیں ہے اور اسلام کی بنا پر عصمت کو متقوم کہنا بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ متقوم ہونے میں اموال اصل ہوتے ہیں، کیونکہ متقوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قتل سے جو نقصان ہوا ہے مال سے اس کی تلافی کر دی جائے اور تلافی کے لیے جابر اور فائت میں تماثل ضروری ہے اور یہ تماثل مال میں متحقق ہوگا نہ کہ نفوس میں، لہٰذا دیت اور اموال کے معاملہ میں اموال اصل ہوں گے اور نفوس ان کے تابع ہوں گے، اسی سے یہ بات بھی سامنے آگئی کہ عصمت موثمہ الگ شئ ہے اور عصمت متقومہ الگ شئ ہے اور متقومہ مؤثمہ کا وصفِ کمال نہیں ہے جیسا کہ شوافع نے سمجھا ہے۔ (عنایہ شرح عربی ہدایہ)

ثم العصمة الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اموال میں جو عصمت متقومہ ہے یعنی جس نفس کی دیت دی جاتی ہے اس کا دارالاسلام میں ہونا ضروری ہے کیونکہ تقوم اور عزت طاقت وقوت سے حاصل ہوتی ہے اور صورت حال یہ ہے کہ یہ قتل جس سے صورتِ مسئلہ متعلق ہے دارالحرب میں واقع ہوا ہے جہاں عمد کی صورت میں قصاص بھی نہیں واجب ہوگا، کیونکہ اس صورت میں عصمت موثمہ محرز نہیں ہے اور دارالحرب کی طاقت وقوت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ شریعت نے اس قوت کو ختم اور پامال کرنے کا حکم دے کر اسے ناقابل اعتبار بنا دیا ہے۔ اسی طرح دارالاسلام میں مرتد ہو یا حربی مستأمن ہو تو دارالاسلام کی وجہ سے نہ تو وہ محرز ہوں گے اور نہ ہی ان کے اموال متقوم ہوں گے، بلکہ یہ حربیوں کے حکم میں ہوں گے اور اگر کوئی مسلمان ان کا کام تمام کر دے تو اس پر دیت نہیں واجب ہوگی، اس لیے کہ یہ دارالحرب واپس جانے کا ارادہ کیے ہوئے ہیں اور دارالاسلام کی چھاؤں انھیں راس نہیں آرہی ہے، لہٰذا ان کے مقتول ہونے سے مسلمانوں کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

وَمَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا خَطَأً لَاوَلِيَّ لَهُ أَوْ قَتَلَ حَرْبِيًّا دَخَلَ إِلَيْنَا بِأَمَانٍ فَأَسْلَمَ فَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهِ لِلْإِمَامِ وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ، لِأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسًا مَعْصُوْمًا خَطَأً فَيُعْتَبَرُ بِسَائِرِ النُّفُوْسِ الْمَعْصُوْمَةِ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ لِلْإِمَامِ أَنَّ حَقَّ الْأَخْذِ لَهُ، لِأَنَّهُ لَا وَارِثَ لَهُ، وَإِنْ كَانَ عَمَدًا فَإِنْ شَاءَ الْإِمَامُ قَتَلَهُ وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الدِّيَةَ، لِأَنَّ النَّفْسَ مَعْصُوْمَةٌ وَالْقَتْلُ عَمْدٌ، وَالْوَلِيُّ مَعْلُوْمٌ وَهُوَ الْعَامَةُ أَوِ السُّلْطَانُ، قَالَ ① عَلَيْهِ السَّلَامُ السُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ، وَقَوْلُهُ وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الدِّيَةَ مَعْنَاهُ بِطَرِيْقِ الصُّلْحِ، لِأَنَّ مُوْجَبَ الْعَمَدِ وَهُوَ الْقَوَدُ عَيْنًا، وَهٰذَا لِأَنَّ الدِّيَةَ أَنْفَعُ فِيْ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ مِنَ الْقَوَدِ فَلِهٰذَا كَانَ لَهُ وِلَايَةُ الصُّلْحِ عَلَى الْمَالِ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَعْفُوَ، لِأَنَّ الْحَقَّ لِلْعَامَةِ وَوِلَايَتِهِ نَظَرِيَّةٌ وَلَيْسَ

مِنَ النَّظَرِ إِسْقَاطُ حَقِّهِمْ مِنْ غَيْرِ عِوَضٍ.

ترجمہ: اگر کسی نے ایسے مسلمان کو خطأً قتل کیا جس کا کوئی ولی نہ ہو یا ایسے حربی کو قتل کیا جو امان لے کر دارالاسلام آیا ہو اور پھر مسلمان ہو گیا تو قاتل کے عاقلہ پر واجب ہے کہ امام کو مقتول کی دیت ادا کریں اور قاتل پر کفارہ ہوگا، کیونکہ اس نے نفس معصومہ کو خطأً قتل کیا ہے، لہٰذا اسے تمام نفوسِ معصومہ پر قیاس کیا جائے گا۔ اور ماتن کے قول للإمام کا مطلب یہ ہے کہ دیت لینے کا حق اسی کو ہے، کیونکہ مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے۔ اور اگر قتل عمد ہو تو اگر امام چاہے تو قاتل کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو اس سے دیت لے، کیونکہ نفس معصوم ہے، قتل عمد ہے اور ولی متعین ہے اور وہ عوام ہیں یا امام ہے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''جس کا کوئی ولی نہ ہو، بادشاہ اس کا ولی ہے۔ اور ماتن کے قول وإن شاء أخذ الدية کا مطلب یہ ہے کہ امام مصلحت کے طریقے پر دیت لے سکتا ہے، کیونکہ قتل عمد کا موجب قصاص ہی ہے، لیکن اس مسئلے میں دیت مسلمانوں کے لیے قصاص سے زیادہ نفع بخش ہے، اسی لیے امام کو مال کے عوض صلح کرنے کی ولایت حاصل ہوگی، لیکن اسے معاف کرنے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ اصل حق تو عوام کا ہے اور امام کی ولایت مبنی بر شفقت ہوتی ہے حالانکہ بغیر عوض کے عوام کا حق ساقط کرنے میں کوئی شفقت نہیں ہے۔

اللغات:

﴿عاقلة﴾ قبیلے والے، قریبی تعلق دار۔ ﴿قود﴾ قصاص۔ ﴿نظرية﴾ شفقت پر مبنی ہے۔ ﴿إسقاط﴾ ساقط کرنا، گرا دینا۔

تخریج:

❶ اخرجه ابوداؤد في كتاب النكاح، باب في الولي، حديث رقم: ۲۰۸۳.

اس مقتول کی دیت جس کا کوئی وارث نہ ہو:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے خطأً کسی ایسے مسلمان کو قتل کر دیا جس کا کوئی وارث اور ولی نہ ہو یا کسی ایسے حربی کو قتل کر دیا جو امان لے کر دارالاسلام آیا تھا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا تھا تو قاتل کی سزاء یہ ہے کہ اس کے عاقلہ امام کو مقتول کی دیت ادا کریں اور قاتل اس کا کفارہ ادا کرے، کیونکہ قاتل نے معصوم جان کو خطأً قتل کیا ہے لہٰذا جس طرح دیگر نفوس معصومہ کو خطأً قتل کرنے سے دیت اور کفارہ واجب ہوتا ہے اسی طرح مذکورہ قتل پر بھی دیت اور کفارہ دونوں چیزیں واجب ہوں گی جیسا کہ قرآن پاک میں ومن قتل مؤمنا خطأً فتحرير رقبة مؤمنة ودية مسلّمة إلى أهله کے فرمان سے مذکورہ قتل کی یہی سزا بیان کی گئی ہے۔

اور اگر یہ قتل عمداً ہوا ہو تو امام کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا (۱) یا تو وہ قاتل کو قتل کر دے (۲) یا مصالحت کر کے اس سے دیت لے لے، کیونکہ قتل عمد میں مقتول کے اولیاء کو بھی یہی دونوں اختیار ملتے ہیں اور یہاں چوں کہ مقتول کا کوئی ولی نہیں ہے، اس لیے حدیث پاک السلطان ولي من لا ولي له کے پیشِ نظر امام اس مقتول کا ولی ہوگا اور اسے یہ دونوں اختیار ملیں گے۔ البتہ اگر امام قتل کے بجائے دیت لینے کو اختیار کرے تو زیادہ بہتر ہے تاکہ وہ مال بیت المال میں جمع ہو اور مسلمانوں کے کام آئے، تاہم امام کو یہ حق ہرگز نہیں ہوگا کہ وہ مفت میں قاتل کو معاف کر دے، کیونکہ امام کو اسی لیے سب کی طرف نمائندہ بنایا گیا ہے کہ اس کی ولایت شفقت ورعایت پر مبنی ہے حالانکہ عوام کا حق بلاعوض اور مفت ساقط کرنے میں شفقت نہیں بلکہ عداوت ہے، اس لیے امام کو صلح علی مال کا حق تو ہوگا، لیکن فری فنڈ میں معاف کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ فقط واللّٰہ أعلم وعلمه أتم

بَابُ الْعُشْرِ وَالْخَرَاجِ

یہ باب احکام عشر وخراج کے بیان میں ہے

اس سے پہلے حربی مستامن کے ذمی ہونے کے احکام ومسائل بیان کیے گئے ہیں اور اب یہاں سے اس پر لازم ہونے والے خراج کا بیان ہے مگر چوں کہ عشر میں عبادت کے معنی موجود ہیں اس لیے اسے خراج سے پہلے بیان کیا جارہا ہے۔

واضح رہے کہ عشر کے لغوی معنی ہیں: أحد الأجزاء العشرة دسواں حصہ، اور خراج کے معنی ہیں وہ چیز جو زمین یا غلام کی پیداوار سے نکالی جائے اور لی جائے۔ (بنایہ: ۶/۶۴۰)

قَالَ أَرْضُ الْعَرَبِ كُلُّهَا أَرْضُ عُشْرٍ وَهِيَ مَابَيْنَ الْعُذَيْبِ إِلَى أَقْصٰى حَجَرٍ بِالْيَمَنِ بِمُهْرَةٍ إِلَى حَدِّ الشَّامِ، وَالسَّوَادُ أَرْضُ خَرَاجٍ وَهُوَ مَابَيْنَ الْعُذَيْبِ إِلَى عَقَبَةِ حُلْوَانَ وَمِنَ الثَّعْلَبِيَّةِ وَيُقَالُ مِنَ الْعَلَثِ إِلَى عَبَّادَانَ، لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِيْنَ لَمْ يَأْخُذُوا الْخِرَاجَ مِنْ أَرَاضِي الْعَرَبِ، وَلِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْفَيْءِ فَلَايَثْبُتُ فِي أَرَاضِيْهِمْ كَمَا لَايَثْبُتُ فِيْ رِقَابِهِمْ، وَهٰذَا لِأَنَّ وَضْعَ الْخِرَاجِ مِنْ شَرْطِهٖ أَنْ يُقَرَّ أَهْلُهَا عَلَى الْكُفْرِ كَمَا فِيْ سَوَادِ الْعِرَاقِ، وَمُشْرِكُوا الْعَرَبِ لَايُقْبَلُ مِنْهُمْ إِلَّا الْإِسْلَامُ وَالسَّيْفُ، وَعُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حِيْنَ فَتَحَ السَّوَادَ وَضَعَ الْخَرَاجَ عَلَيْهَا بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ، وَوَضَعَ عَلٰى مِصْرَ حِيْنَ افْتَتَحَهَا عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ وَكَذَا اجْتَمَعَتِ الصَّحَابَةُ عَلٰى وَضْعِ الْخَرَاجِ عَلَى الشَّامِ، قَالَ وَأَرْضُ السَّوَادِ مَمْلُوْكَةٌ لِأَهْلِهَا يَجُوْزُ بَيْعُهُمْ لَهَا وَتَصَرُّفُهُمْ فِيْهَا، لِأَنَّ الْإِمَامَ إِذَا فَتَحَ أَرْضًا عَنْوَةً وَقَهْرًا لَهٗ أَنْ يُقِرَّ أَهْلَهَا عَلَيْهَا وَيَضَعَ عَلَيْهَا وَعَلٰى رُؤُوْسِهِمُ الْخَرَاجَ فَتَبْقَى الْأَرَاضِيْ مَمْلُوْكَةً لِأَهْلِهَا وَقَدْ قَدَّمْنَاهُ مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ: عرب کی پوری زمین عشری ہے جو عذیب سے لے کر شام کی سرحد تک یمن میں مہرہ پتھر کی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے۔ اور سواد عراق کی زمین خراجی ہے جو عذیب سے لے کر عقبہ حلوان تک ہے اور ثعلبہ یا علث سے لے کر عبادان تک ہے، اس لیے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفائے راشدین نے عرب کی زمینوں سے خراج نہیں لیا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ خراج فئے کے درجے میں ہے، لہٰذا

جس طرح عرب والوں کی ذات میں خراج نہیں ہے ایسے ہی ان کی زمینوں میں بھی خراج نہیں ہوگا۔ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ خراج کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ خراجی زمین والوں کو کفر پر باقی چھوڑ دیا جاتا ہے جیسا کہ سوادِ عراق میں ہوا ہے حالانکہ مشرکینِ عرب سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا یا تلوار سے فیصلہ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب سوادِ عراق کو فتح کیا تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اس کے اہل پر خراج مقرر فرمایا تھا، اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر فتح کیا تو اس پر خراج مقرر فرمایا نیز ملکِ شام پر خراج مقرر کرنے کے حوالے سے حضرات صحابہ متفق ہوئے تھے۔

فرماتے ہیں کہ سواد والوں کی زمین ان کی مملوکہ ہے حتی کہ ان کے لیے اس زمین کو فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنا سب جائز ہے، اس لیے کہ امام جب غلبہ اور زور سے کسی زمین کو فتح کرتا ہے تو اسے یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس کے باشندوں کو وہیں رہنے دے اور اس زمین پر اور وہاں کے باشندوں پر پر خراج متعین کردے اور وہ زمین وہاں کے لوگوں کی مملوک رہیں۔ اور اس سے پہلے ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

اللغات:

﴿اقصٰی﴾ انتہاء، سب سے دور۔ ﴿سواد﴾ شہری زمین کے گرداگرد کا علاقہ، مراد عراقی سرزمین۔ ﴿فيء﴾ بغیر جنگ کے مسلمانوں کے قبضے میں آنے والا حربیوں کا مال۔ ﴿رقاب﴾ واحد رقبۃ؛ گردن، مراد: ذات، جان۔ ﴿وضع﴾ رکھنا، مراد: لگانا، نافذ کرنا۔ ﴿عنوۃ﴾ زور، طاقت، بزور بازو۔ ﴿یقرّ﴾ برقرار رکھے۔

عرب کی ساری زمینوں کے عشری ہونے کا مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عرب کی ساری زمین عشری ہے اور مقامِ عذیب سے لے کر یمن میں مہرہ نامی سخت پتھر کی آخری تک جو شام کی سرحد سے متصل ہے لمبائی میں اور یسرین، دھناء اور رمل عالج سے لے کر شام کی بستیوں اور وہاں کے گاؤں تک چوڑائی میں پوری زمین عشری ہے اور عربی ہے۔ اس کے بالمقابل سوادِ عراق کی پوری زمین خراجی ہے جو چوڑائی میں عذیبہ سے لے کر عقبہ حلوان تک ہے اور لمبائی میں علث لے کر عبادان تک ہے۔ عرب کی زمین کے عشری ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرات خلفائے راشدین نے اراضئ عرب سے کبھی بھی خراج نہیں لیا ہے۔ اگر یہ زمین خراجی ہوتی تو کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی موقع پر ضرور اس سے خراج لیا جاتا، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام کا ارضئ عرب سے خراج نہ لینا اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ زمین خراجی نہیں ہیں۔

اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خراج فیئ اور مالِ غنیمت کے درجے میں ہے اور اہل عرب کی ذات میں فیئ ثابت نہیں ہے، کیونکہ نفوس اور ذوات میں فیئ ثابت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں کفر پر برقرار رکھا جائے گا اور چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ مشرکین عرب کے ساتھ یا تو ان کے اسلام قبول کرنے پر فیصلہ ہوگا یا انھیں قتل کر دیا جائے گا اور ان کے کفر پر تو ہرگز انھیں چھوڑا جائے گا، اس لیے مشرکین عرب کے نفوس میں خراج ثابت نہیں ہوسکتا اور نفوس کی طرح ان کی زمینوں میں بھی خراج نہیں ہوگا، اور سوادِ عراق کی زمینوں کے خراجی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی امارت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت

میں عراق کو فتح کیا تو وہاں کی زمینوں پر خراج متعین فرمادیا اور چند صحابہ کو چھوڑ کر باقی تمام صحابۂ کرامؓ نے اس پر اتفاق کرلیا تھا اسی طرح جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر کو فتح کیا تو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں خراج مقرر فرمادیا تھا اور مصر پر بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مصر کو فتح کیا تو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں خراج مقرر فرمادیا تھا اور مصر پر بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے خراج مقرر کیا گیا تھا۔ یہ تمام واقعات اس قانون پر واضح دلیل ہیں کہ عرب کے علاوہ دوسرے مقامات کی اراضی پر خراج مقرر کرنا درست اور جائز ہے۔

قال وأرض السواد الخ فرماتے ہیں کہ سوادِ عراق کی زمین وہاں کے باشندوں کی مملوک ہے اور ان کے لیے زمین کو فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنا سب جائز ہے، کیونکہ امام جب غلبۃً اور قہراً کسی زمین کو فتح کرتا ہے تو اسے یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہاں کے باشندوں کو اسی جگہ قیام پذیر رہنے دے اور ان کی زمینوں میں اور ان کے نفوس میں خراج مقرر کردے اور وہ زمین انھی کی ملکیت پر باقی چھوڑ دے جیسا کہ باب قسمة الغنائم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کے حوالے سے اس کی تفصیل آچکی ہے۔

قَالَ وَكُلُّ أَرْضٍ أَسْلَمَ أَهْلُهَا أَوْ فُتِحَتْ عَنْوَةً وَقُسِمَتْ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ فَهِيَ أَرْضُ عُشْرٍ، لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى ابْتِدَاءِ التَّوْظِيْفِ عَلَى الْمُسْلِمِ، وَالْعُشْرُ أَلْيَقُ بِهِ لِمَا فِيْهِ مِنْ مَعْنَى الْعِبَادَةِ وَكَذَا هُوَ أَخَفُّ حَيْثُ يَتَعَلَّقُ بِنَفْسِ الْخَارِجِ، وَكُلُّ أَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَأُقِرَّ أَهْلُهَا عَلَيْهِ فَهِيَ أَرْضُ خِرَاجٍ، وَكَذَا إِذَا صَالَحَهُمْ، لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى ابْتِدَاءِ التَّوْظِيْفِ عَلَى الْكَافِرِ وَالْخِرَاجُ أَلْيَقُ بِهِ، وَمَكَّةُ مَخْصُوْصٌ مِنْ هٰذَا، فَإِنَّ[1] رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَتَحَهَا عَنْوَةً وَتَرَكَهَا لِأَهْلِهَا وَلَمْ يُوَظِّفِ الْخَرَاجَ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ كُلُّ أَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَوَصَلَ إِلَيْهَا مَاءُ الْأَنْهَارِ فَهِيَ أَرْضُ خَرَاجٍ وَمَالَمْ يَصِلْ إِلَيْهَا مَاءُ الْأَنْهَارِ وَاسْتُخْرِجَ مِنْهَا عَيْنٌ فَهِيَ أَرْضُ عُشْرٍ، لِأَنَّ الْعُشْرَ يَتَعَلَّقُ بِالْأَرْضِ النَّامِيَةِ، وَنَمَاؤُهَا بِمَائِهَا فَيُعْتَبَرُ السَّقْيُ بِمَاءِ الْعُشْرِ أَوْ بِمَاءِ الْخَرَاجِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ وہ زمین جس کے باشندے اسلام لے آئیں یا قہراً فتح کرکے اسے غازیوں میں تقسیم کردیا جائے تو وہ عشری زمین ہے، کیونکہ اس زمین میں ابتداءً مسلمان پر وظیفہ مقرر کرنے کی حاجت ہے اور عشر مسلمان کے زیادہ لائق ہے، کیونکہ اس میں عبادت کے معنی ہیں نیز وہ اخف بھی ہے اس لیے اس کا تعلق صرف پیداوار سے ہوتا ہے۔ اور وہ زمین جو قہراً فتح کی گئی اور اس کے باشندوں کو وہیں رہنے دیا گیا تو وہ خراجی زمین ہے ایسے ہی اگر ان لوگوں سے صلح کی گئی ہو، کیونکہ یہاں پہلے کافر پر لگان مقرر کرنے کی ضرورت ہے اور خراج کافر کے زیادہ لائق ہے۔ اور مکہ مکرمہ اس حکم سے الگ ہے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قہراً فتح کرکے اہل مکہ کو وہیں رہنے دیا تھا اور ان پر خراج نہیں مقرر کیا تھا۔

جامع صغیر میں ہے کہ جو زمین قہراً فتح کی گئی ہو اور وہاں نہروں کا پانی جاتا ہو وہ خراجی ہے اور جہاں نہروں کا پانی نہ جاتا ہو، بلکہ اسی جگہ چشمہ نکالا گیا ہو تو وہ عشری زمین ہے، کیونکہ عشر کا تعلق پیدا کرنے والی زمین سے ہوتا ہے اور زمین کی پیداوار اس کے پانی

سے ہوتی ہے لہٰذا عشری یا خراجی پانی سے سیراب کرنے پر عشر یا خراج کا اعتبار ہوگا۔

اللغات:

﴿فتحت﴾ فتح کی جائے۔ ﴿عنوة﴾ طاقت، قہر، زور۔ ﴿غانمین﴾ نمازی۔ ﴿توظیف﴾ وظیفہ لگانا۔ ﴿ألیق﴾ زیادہ مناسب۔ ﴿أخفّ﴾ زیادہ ہلکا، سبک تر۔ ﴿أقرّ﴾ برقرار رکھا۔ ﴿صالحهم﴾ ان سے صلح کر لی۔ ﴿وصل﴾ پہنچتا ہو۔ ﴿نامية﴾ افزائش والی، جس میں اضافہ ہو۔ ﴿نماء﴾ افزائش، اضافہ، بڑھوتری۔ ﴿سقی﴾ سیرابی۔

تخریج:

❶ اخرجه مسلم فی کتاب الجهاد، باب فتح مکه، حدیث: ۸٤.

کوئی بھی زمین عشری کب بنتی ہے:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی زمین کے باشندے مشرف بہ اسلام ہو جائیں یا کوئی زمین طاقت وقوت کے بل پر فتح کر کے غازیوں میں تقسیم کر دی جائے تو وہ عشری زمین ہوگی، کیونکہ اس زمین کا محصول سب سے پہلے مسلمانوں پر واجب ہوگا اور مسلمانوں کے حسب حال عشر ہے، اس لیے کہ عشر میں عبادت کے معنی موجود ہیں اور پھر عشر اخف اور آسان بھی ہے، کیونکہ اس کا تعلق پیداوار سے ہے اور اگر پیداوار نہ ہو تو عشر بھی نہیں واجب ہوگا۔ اس کے برخلاف جو زمین قہراً اور عنوۃً فتح کی جائے یا اس کے باشندوں سے صلح کر لی جائے اور دونوں صورتوں میں انھیں اسی زمین میں مقیم رہنے دیا جائے تو وہ خراجی زمین ہوگی، کیونکہ اس صورت میں زمین کا محصول سب سے پہلے کافر پر لازم کیا جائے گا اور کافر خراج ہی کے قابل ہے، اس لیے کہ خراج میں عقوبت کا معنیٰ ہے اور اس میں تغلیظ بھی ہے چنانچہ اگر پیداوار نہ ہو تب بھی کافر کو خراج دینا ہی دینا ہے۔

اور اس حکم سے مکۃ المکرمہ الگ اور جدا ہے، کیونکہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ کو طاقت وقوت کے ذریعے فتح کیا تھا اور اہل مکہ کو وہاں رہنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی لیکن آپ ﷺ نے اہل مکہ پر خراج نہیں مقرر فرمایا تھا، لہٰذا یہ بلد امین کی خصوصیت اور انفرادیت ہے اس لیے اس کو لے کر اعتراض نہ کیا جائے۔

وفي الجامع الصغير الخ فرماتے ہیں کہ جامع صغیر میں امام محمد علیہ الرحمہ نے ایک قانون یہ پیش کیا ہے کہ جو زمین طاقت وقوت کے ذریعے فتح کی گئی ہو اور اسے نہروں کے پانی سے سینچا جاتا ہو تو وہ خراجی زمین ہے اور اگر اسے نہروں کے پانی سے نہ سینچا جاتا ہو بلکہ اسی زمین مین کنواں یا چشمہ کھود کر نکالا گیا ہو تو وہ عشری زمین ہے۔ اس قانون کی دلیل یہ ہے کہ عشر کا تعلق نامی زمین سے ہے اور زمین کی نماء اور پیداوار کا دار ومدار اس کے پانی پر ہے، لہٰذا زمین کے عشری اور خراجی ہونے میں پانی اور سینچائی ہی کا اعتبار ہوگا۔

قَالَ وَمَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَوَاتًا فَهِيَ عِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ رَحَمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ مُعْتَبَرَةٌ بِحَيِّزِهَا فَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ أَرْضِ الْخَرَاجِ وَمَعْنَاهُ بِقُرْبِهِ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ وَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ أَرْضِ الْعُشْرِ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ، وَالْبَصْرَةُ عِنْدَهُ كُلُّهَا عُشْرِيَّةٌ

بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ، لِأَنَّ حَيِّزَ الشَّيْءِ يُعْطَى لَهُ حُكْمُهُ كَفِنَاءِ الدَّارِ يُعْطَى لَهُ حُكْمُ الدَّارِ حَتَّى يَجُوْزُ لِصَاحِبِهَا الْإِنْتِفَاعَ بِهِ وَكَذَا لَايَجُوْزُ أَخْذَ مَاقُرُبَ مِنَ الْعَامِرِ، وَكَانَ الْقِيَاسُ فِي الْبَصْرَةِ أَنْ تَكُوْنَ خِرَاجِيَّةً، لِأَنَّهَا مِنْ حَيِّزِ أَرْضِ الْخَرَاجِ، إِلَّا أَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَظَّفُوْا عَلَيْهَا الْعُشْرَ فَتُرِكَ الْقِيَاسُ لِإِجْمَاعِهِمْ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ أَحْيَاهَا بِبِئْرٍ حَفَرَهَا أَوْ بِعَيْنٍ اِسْتَخْرَجَهَا أَوْ مَاءِ دِجْلَةِ وَالْفُرَاتِ وَالْأَنْهَارِ الْعِظَامِ الَّتِي لَايَمْلِكُهَا أَحَدٌ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَكَذَا إِنْ أَحْيَاهَا بِمَاءِ السَّمَاءِ، وَإِنْ أَحْيَاهَا بِمَاءِ الْأَنْهَارِ الَّتِي اِحْتَفَرَهَا الْأَعَاجِمُ مِثْلَ نَهْرِ الْمَلِكِ وَنَهْرِ يَزْدَجَرْدِ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ اِعْتِبَارِ الْمَاءِ إِذْ هُوَ السَّبَبُ لِلنَّمَاءِ، وَلِأَنَّهُ لَايُمْكِنُ تَوْظِيْفُ الْخَرَاجِ اِبْتِدَاءً عَلَى الْمُسْلِمِ كَرْهًا فَيُعْتَبَرُ فِي ذٰلِكَ الْمَاءِ، لِأَنَّ السَّقْيَ بِمَاءِ الْخَرَاجِ دَلَالَةُ الْتِزَامِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کے قرب پر اس کا اعتبار ہوگا چنانچہ اگر وہ خراجی زمین سے قریب ہوگی تو خراجی ہوگی اور اگر عشری زمین سے قریب ہوگی تو عشری ہوگی۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے بصرہ کی ساری زمین عشری ہے، اس لیے کہ حیزِ شئ کو شئ کا حکم دیدیا جاتا ہے جیسے فنائے دار کو دار کا حکم دیدیا گیا ہے حتی کہ صاحبِ دار کے لیے فنائے دار سے نفع اٹھانا جائز ہوتا ہے نیز آبادی کے قریب جو زمین ہوتی ہے اسے لینا جائز نہیں ہوتا۔

اور بصرہ کے متعلق قیاس یہ تھا کہ وہ خراجی زمین ہو، اس لیے کہ وہ خراجی زمین کے قریب ہے لیکن حضرات صحابۂ کرام نے بصرہ پر عشر مقرر فرمایا تھا اس لیے ان کے اجماع کی وجہ سے قیاس کو ترک کردیا گیا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر کسی نے ارض موات کو سیراب کیا یا دجلہ اور فرات کے پانی سے اور ان بڑی نہروں کے پانی سے سینچا جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا تو وہ عشری ہوگی، نیز اگر آسمانی پانی سے زندہ کیا تو بھی وہ عشری ہوگی۔ اور اگر ان نہروں کے پانی سے سینچا جنھیں شاہانِ عجم نے کھودوایا ہے جیسے نہر ملک اور نہر یزدجرد تو وہ خراجی زمین ہوگی، اس دلیل کی وجہ سے جو پانی کو معتبر ماننے کے سلسلے میں ہم بیان کر چکے ہیں، اس لیے کہ پانی ہی نماء کا سبب ہے اور اس لیے کہ شروع سے ہی زبردستی کر کے مسلمان پر خراج لازم کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے اس سلسلے میں پانی کا اعتبار ہوگا، کیونکہ خراجی پانی سے سینچنا التزام خراج کی دلیل ہے۔

اللغات:

﴿أحیا﴾ زندہ کیا، مراد: قابل کاشت بنایا، زرخیز بنایا۔ ﴿موات﴾ بے آباد، مردہ، بنجر۔ ﴿حیّز﴾ مکان، علاقہ۔ ﴿فناء﴾ صحن، میدان۔ ﴿عامر﴾ آباد زمین۔ ﴿وظّفوا﴾ مقرر کیا تھا۔ ﴿بئر﴾ کنواں۔ ﴿حفر﴾ اس نے کھودا۔ ﴿عین﴾ چشمہ۔ ﴿احتفر﴾ کھود نکالا ہے۔ ﴿نماء﴾ افزائش، اضافہ، بڑھوتری۔ ﴿کرھًا﴾ زبردستی کے طریقے سے۔

بنجر اور بے آباد زمینوں کو آباد کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بنجر اور چٹیل یعنی غیر مزروعہ زمین کو زراعت اور کاشت کاری کے لائق بنا دیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کے عشری اور خراجی ہونے کا فیصلہ اس کے محلِ وقوع سے ہوگا چنانچہ اگر وہ عشری زمین کے قریب ہوگی تو عشری ہوگی اور اگر خراجی زمین کے قریب ہوگی تو خراجی ہوگی، کیونکہ شئ کی حیز اور اس کے قرب کو اس شئ کا حکم دے دیا جاتا ہے جیسے فنائے دار کو دار کے حیز اور قرب کی وجہ سے دار کا حکم دیدیا جاتا ہے اور اسی قرب کی وجہ سے صاحب دار کے لیے فنائے دار سے انتفاع کرنا جائز ہوتا ہے، اور آبادی سے قرب کو زمین ہوتی ہے کسی کے لیے اسے لینا اور قابلِ زراعت بنانا جائز نہیں ہوتا، کیونکہ وہ زمین آبادی سے قریب ہوتی ہے اور آبادی والے ہی اس سے انتفاع کر سکتے ہیں۔

والبصرة عنده الخ فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بصری کی ساری زمینیں عشری ہیں، کیونکہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اہل بصرہ سے عشر ہی لیا ہے، خراج نہیں لیا ہے حالانکہ قیاس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ بصرہ کی زمین خراجی ہو اسی لیے کہ وہ خراجی زمینوں سے قریب ہے لیکن اس کے باوجود حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل اور ان کے اتفاق کی وجہ سے ہم نے قیاس کو ترک کر دیا ہے اور اراضی بصرہ کو عشری مانا ہے۔

وقال محمد رحمۃ اللہ علیہ **الخ** فرماتے ہیں کہ ارض موات کے احیاء کے بعد اس کے عشری اور خراجی ہونے میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پانی اور سینچائی کا اعتبار ہے چناں چہ اگر کسی نے ارض موات میں کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر اسے سینچا یا دجلہ اور فرات کے پانی سے سینچا یا بڑی نہروں سے سینچا جو کسی کی مملوک نہیں ہوتیں یا آسمانی پانی سے سینچا تو ان تمام صورتوں میں وہ زمین عشری ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر شاہانِ عجم کی کھودی ہوئی نہروں سے مثلاً نہر نوشیروان یا نہر یزدجرد سے سینچا تو وہ خراجی زمین کہلائے گی، کیونکہ عشر کا تعلق ارض نامیہ سے ہے اور نمو کا مدار پانی پر ہے لہٰذا عشر اور خراج کا دارومدار بھی پانی ہی پر ہوگا۔

عشر اور خراج کے سلسلے میں پانی کو معتبر ماننے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر ہم شروع ہی میں زبردستی کسی مسلمان پر ارض موات میں خراج لازم کر دیں گے تو اس سے اس مسلمان کی دل شکنی ہوگی اور وہ آئندہ کسی بھی ارض موات کا احیاء نہیں کرے گا اس لیے بہتر یہ ہے کہ عشر اور خراج کا فیصلہ پانی پر منحصر کر دیا جائے اور اگر کوئی شخص خراجی پانی سے اسے سیراب کر کے اس کا احیاء کرتا ہے تو اس میں خراج لازم کر دیا جائے، کیونکہ اس کا خراجی پانی سے احیاء کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے اوپر خراج لازم کر رہا ہے۔

قَالَ وَالْخَرَاجُ الَّذِيْ وَضَعَهُ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى أَهْلِ السَّوَادِ مِنْ كُلِّ جَرِيْبٍ يَبْلُغُهُ الْمَاءُ قَفِيْزٌ هَاشِمِيٌّ وَهُوَ الصَّاعُ وَدِرْهَمٌ وَمِنْ جَرِيْبِ الرَّطْبَةِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَمِنْ جَرِيْبِ الْكَرْمِ الْمُتَّصِلِ وَالنَّخِيْلِ الْمُتَّصِلِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ، وَهٰذَا هُوَ الْمَنْقُوْلُ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَإِنَّهُ بَعَثَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيْفٍ حَتّٰى يَمْسَحَ سَوَادَ الْعِرَاقِ وَجَعَلَ حُذَيْفَةَ مُشْرِفًا فَمَسَحَ فَبَلَغَ سِتًّا وَثَلَاثِيْنَ أَلْفَ أَلْفِ جَرِيْبٍ وَوَضَعَ عَلٰى ذٰلِكَ مَا قُلْنَا، وَكَانَ ذٰلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ فَكَانَ إِجْمَاعًا مِنْهُمْ، وَلِأَنَّ الْمُؤَنَ مُتَفَاوِتَةٌ فَالْكَرْمُ أَخَفُّهَا مُؤْنَةً، وَالْمَزَارِعُ أَكْثَرُهَا

مَؤُنَةٌ وَالرُّطَبُ بَيْنَهُمَا وَالْوَظِيْفَةُ يَتَفَاوَتُ بِتَفَاوُتِهَا فَجُعِلَ الْوَاجِبُ فِي الْكَرْمِ أَعْلَاهَا وَفِي الزَّرْعِ أَدْنَاهَا وَفِي الرَّطْبَةِ أَوْسَطُهَا، قَالَ وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِنَ الْأَصْنَافِ كَالزَّعْفَرَانِ وَالْبُسْتَانِ وَغَيْرِهِ يُوْضَعُ عَلَيْهَا بِحَسْبِ الطَّاقَةِ، لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيْهِ تَوْظِيْفُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَقَدِ اعْتَبَرَ الطَّاقَةَ فِي ذٰلِكَ فَنَعْتَبِرُهَا فِيْمَا لَاتَوْظِيْفَ فِيْهِ، قَالُوْا وَنِهَايَةُ الطَّاقَةِ أَنْ يَبْلُغَ الْوَاجِبُ نِصْفَ الْخَارِجِ لَايُزَادُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ التَّنْصِيْفَ عَيْنُ الْإِنْصَافِ لِمَا كَانَ لَنَا أَنْ نُقَسِّمَ الْكُلَّ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ، وَالْبُسْتَانُ كُلُّ أَرْضٍ يَحُوْطُهَا حَائِطٌ وَفِيْهَا نَخِيْلٌ مُتَفَرِّقَةٌ وَأَشْجَارٌ أُخَرُ، وَفِي دِيَارِنَا وَظَّفُوْا مِنَ الدَّرَاهِمِ فِي الْأَرَاضِيْ كُلِّهَا وَتُرِكَ كَذٰلِكَ، لِأَنَّ التَّقْدِيْرَ يَجِبُ أَنْ يَكُوْنَ بِقَدْرِ الطَّاقَةِ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ كَانَ.

ترجمہ: اور وہ خراج جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل سواد پر مقرر فرمایا تھا وہ اس طرح تھا کہ ہر وہ جریب رطبہ سے پانچ دراہم خراج واجب تھا اور ملے ہوئے انگور اور ملی ہوئی کھجور کی جریب سے دس دراہم تھے یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے چنانچہ انھوں نے حضرت عثمان بن حنیف کو سواد عراق کی پیائش کے لیے بھیجا اور حضرت حذیفہ کو وہاں کا نگراں مقرر کیا اور جب حضرت عثمان نے سواد عراق کی پیائش کی تو وہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلا اور ہمارے بتائے ہوئے حساب کے مطابق انھوں نے اس پر خراج مقرر کیا اور یہ کام حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ان کی نکیر کے بغیر ہوا تھا اس لیے ان کی طرف سے اس پر اجماع ہو گیا۔

اور اس لیے کہ (زراعتی امور میں) محنت اور صرفہ متفاوت ہوتا ہے چناں چہ انگور میں مؤنت سب سے کم ہوتی ہے اور اناج کی کھیتی میں سب سے زیادہ ہوتی ہے اور کھیرے ککڑی کی کھیتی میں اوسط درجے کی مونت ہوتی ہے اور مؤنت کے متفاوت ہونے سے محصول میں بھی فرق ہوتا ہے، اسی لیے انگور میں سب سے زیادہ محصول مقرر کیا گیا ہے اور ناج کی کھیتی میں سب سے کم محصول لازم کیا ہے اور رطبۃ میں اوسط درجے کا محصول مقرر کیا گیا ہے۔

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ کھیتی کی جو دوسری اقسام ہیں جیسے زعفران کی کھیتی اور باغ وغیرہ تو ان پر طاقت کے بقدر محصول مقرر کیا جائے گا، کیونکہ ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی وظیفہ ثابت نہیں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں طاقت کا اعتبار کیا ہے، لہٰذا جن میں توظیف نہیں ہے وہاں ہم بھی زمین کی طاقت کا اعتبار کریں گے۔

حضرات مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں طاقت کی انتہاء یہ ہے کہ واجب کردہ مقدار پیداوار کے نصف تک پہنچے اور اس سے زیادہ نہ ہونے پائے، کیونکہ نصف مقرر کرنا ہی عین انصاف ہے کیونکہ ہمیں یہ بھی حق تھا کہ ہم پوری زمین غازیوں میں تقسیم کر دیں۔

اور بستان ہر وہ زمین ہے جسے (چاروں طرف سے) دیوار گھیرے ہو اور اس میں مختلف قسم کے درخت اور پیڑ ہوں۔ اور ہمارے علاقے میں تمام زمینوں میں دراہم سے وظیفہ لیا جاتا ہے اور اوپر بیان کردہ طریقہ متروک کر دیا گیا ہے، اس لیے جو مقدار مقرر ہے وہ یہ ہے کہ بقدر طاقت ہو خواہ کسی بھی جنس سے ہو۔

اللغات:

﴿جریب﴾ کھیت، تقریباً ۹۰ مربع فٹ کا زمین کا ٹکڑا۔ ﴿قفیز﴾ ایک پیمانہ، جدید مصری استعمال میں تقریباً سولہ کلوگرام

کے برابر۔ ﴿رطبة﴾ تر، گیلا، مراد نرم سبزیاں مثلاً کھیرا، ککڑی وغیرہ۔ ﴿کرم﴾ انگور۔ ﴿نخیل﴾ کھجور کے درخت۔ ﴿یمسح﴾ پیائش کریں۔ ﴿مؤن﴾ واحد مؤنة؛ مشقت، تکلیف، اخراجات۔ ﴿مزارع﴾ کھیتیاں۔ ﴿بستان﴾ باغ۔ ﴿تنصیف﴾ آدھا کرنا۔ ﴿یحوط﴾ گھیرے ہوئے ہو۔ ﴿حائط﴾ دیوار۔

خراج اور محصولات کی شرح:

عبارت کو سمجھنے سے پہلے ان الفاظ کے معانی ذہن میں مستحضر رکھئے (۱) جریب زمین کی وہ مقدار کہلاتی ہے جس کی لمبائی بھی ساٹھ ذراع ہو اور چوڑائی بھی ساٹھ ذراع ہو اور یہ ذراع نوشیرواں بادشاہ کے ذراع سے ہو، کیونکہ اس کا ذراع عام ذراع سے ایک مٹھی بڑا تھا یہ سات مٹھیوں کا ہوتا ہے اور عام ذراع چھ مٹھیوں کا ہوتا ہے۔

(۲) رطبة اس کے اصل معنی ہیں تر اور نرم کے یہاں اس سے کھیرے، ککڑی اور سبزی وغیرہ کی کھیتی مراد ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سواد عراق والوں پر جریب کے اعتبار سے لگان اور خراج مقرر فرمایا تھا اور جس جس جریب میں کاشت کاری ہوئی تھی اور سینچائی کا پانی پہنچا تھا اس میں ایک ہاشمی قفیز محصول مقرر کیا تھا، ہاشمی قفیز کی مقدار ایک صاع اور ایک درہم تھی۔ اور رطبہ کھیرے اور سبزی کی کھیتی سے پانچ درہم فی جریب لیتے تھے جب کہ انگور اور کھجور کی باہم ملی ہوئی کھیتیوں سے دس دس دراہم لیتے تھے اور اس کام کے لیے آپ نے حضرت عثمان بن حنیف کو عراق بھیجا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سواد عراق کی پیائش کر کے تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب متعین کیا تھا اور اسی حساب سے وہاں محصول مقرر کر دیا تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کام صحابۂ کرامؓ کی موجودگی میں انجام پایا تھا اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کی تھی جس سے یہ اجماعی شکل اختیار کر گیا تھا۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ محصول اور خراج مؤنت کے اعتبار سے لیا جاتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جس کھیتی میں مؤنت اور محنت زیادہ ہوتی ہے اس میں محصول کم واجب ہوتا ہے اور جس کھیتی میں مؤنت کم ہوتی ہے اس میں محصول زیادہ واجب ہوتا ہے چنانچہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انگور کی کھیتی میں مؤنت کم ہے اس لیے انگور کا محصول سب سے زیادہ یعنی دس درہم فی جریب ہے اور اناج اور غلہ کی کھیتی میں مؤنت اور محنت بہت زیادہ ہے لہٰذا اس کا محصول سب سے کم یعنی فی جریب ایک صاع اور ایک درہم ہے اور رطبہ ورطاب میں مؤنت اوسط درجے کی ہے یعنی انگور سے زیادہ اور اناج سے کم ہے، اس لیے اس میں اوسط درجے کا محصول واجب کیا گیا ہے جس کی مقدار پانچ درہم ہے۔

قال و ما سوی ذلك الخ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں قسموں کے علاوہ کھیتی کی اور جو اقسام ہیں جیسے زعفران کی کھیتی ہے اور پھلوں کے باغات وغیرہ ہیں تو ان میں زمین کی طاقت یعنی پیداوار کے اعتبارے سے محصول مقرر کیا جائے گا، کیونکہ ان کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی توظیف منقول نہیں ہے اور انھوں نے بھی ان اشیاء میں طاقت اور پیداوار کا اعتبار کر کے محصول متعین فرمایا تھا لہٰذا ہم بھی اس سلسلے میں ان کی تقلید کریں گے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ طاقت کا آخری درجہ یہ ہے کہ محصول کی مقدار نصف پیداوار کے برابر ہو اور اس سے زیادہ نہ ہونے پائے، کیونکہ نصف تک انصاف ہے اور اس سے زیادہ لینے میں تعدی ہے، نصف تک لینا انصاف اس وجہ سے ہے کہ جب ہمیں یہ حق ہے کہ ہم اس پوری زمین کو غازیوں میں تقسیم کر دیں اور انھیں کچھ بھی نہ دیں تو ہمیں نصف دے کر ان پر احسان کرنے کا بدرجۂ اولیٰ حق ہوگا۔

وفی دیارنا الخ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے یعنی مرغینان کے علاقے میں پیداوار سے محصول لینے دینے کا رواج بالکل متروک سا ہو گیا ہے اور اب ہر طرح کی زمینوں میں دراہم اور نقدی لینے کا چلن ہو چکا ہے خواہ وہ عشری زمین ہو یا خراجی ہو، کیونکہ اصل چیز تو طاقت اور پیداوار کے بقدر دینا ہے خواہ وہ کسی بھی جنس سے ہو۔

قَالَ فَإِنْ لَمْ تُطِقْ مَا وُضِعَ عَلَيْهَا نَقَصَهُمُ الْإِمَامُ، وَالنُّقْصَانُ عِنْدَ قِلَّةِ الرِّيْعِ جَائِزٌ بِالْإِجْمَاعِ، أَلَا تَرٰى إِلٰى قَوْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَعَلَّكُمَا حَمَّلْتُمَا الْأَرْضَ مَالَا تُطِيْقُ فَقَالَا، لَا بَلْ حَمَّلْنَاهَا مَا تُطِيْقُ وَلَوْزِدْنَاهَا لَأَطَاقَتْ، وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى جَوَازِ النُّقْصَانِ، وَأَمَّا الزِّيَادَةُ عِنْدَ زِيَادَةِ الرِّيْعِ يَجُوْزُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِعْتِبَارًا بِالنُّقْصَانِ، وَعِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَايَجُوْزُ لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمْ يَزِدْ حِيْنَ أُخْبِرَ بِزِيَادَةِ الطَّاقَةِ، وَإِنْ غَلَبَ عَلٰى أَرْضِ الْخَرَاجِ الْمَاءُ أَوِانْقَطَعَ الْمَاءُ عَنْهَا أَوِاصْطَلَمَ الزَّرْعَ اٰفَةٌ فَلَا خَرَاجَ عَلَيْهِ، لِأَنَّهُ فَاتَ التَّمَكُّنُ مِنَ الزِّرَاعَةِ وَهُوَ النَّمَاءُ التَّقْدِيْرِيُّ الْمُعْتَبَرُ فِي الْخَرَاجِ، وَفِيْمَا إِذَا اصْطَلَمَ الزَّرْعَ اٰفَةٌ فَاتَ النَّمَاءُ التَّقْدِيْرِيُّ فِيْ بَعْضِ الْحَوْلِ وَكَوْنِهٖ نَامِيًا فِيْ جَمِيْعِ الْحَوْلِ شَرْطٌ كَمَا فِيْ مَالِ الزَّكَاةِ أَوْ يُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى الْحَقِيْقَةِ عِنْدَ خُرُوْجِ الْخَارِجِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر زمین پر لگایا گیا محصول زمین کی برداشت سے باہر ہو تو امام محصول کو کم کر دے۔ اور پیداوار کم ہونے کی صورت میں محصول کم کرنا بالاتفاق جائز ہے کیا تمہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان نظر نہیں آتا (جو انہوں نے حضرت حذیفہ اور حضرت عثمان بن حنیف کو جاری کیا تھا) شاید دونوں نے زمین پر اتنا محصول لگا دیا جو اس کی طاقت سے خارج ہے تو انھوں نے عرض کیا نہیں ہم نے تو اس کی طاقت کے مطابق محصول لگایا ہے اور اگر اس سے زیادہ محصول لگا دیتے تو بھی زمین اسے برداشت کر لیتی۔ یہ قول جواز نقصان کی دلیل ہے۔

پیداوار زیادہ ہونے کی صورت میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کمی پر قیاس کرتے ہوئے محصول میں اضافہ کرنا جائز ہے، لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز نہیں ہے، کیونکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیداوار زیادہ ہونے کی خبر دی گئی تو انھوں نے محصول میں اضافہ نہیں فرمایا تھا۔ اور اگر خراجی زمین میں بہت زیادہ پانی بھر گیا یا اس کا پانی خشک ہو گیا یا کسی آفت نے کھیتی کو تباہ و برباد کر دیا تو اس پر خراج نہیں ہوگا، کیونکہ کھیتی کی قدرت ہی ختم ہو گئی اور وہ نمائے تقدیری ہے جو خراج میں معتبر ہے۔ اور اس صورت میں جب آفت سے کھیتی تباہ ہو جائے تو نمائے تقدیری بعض سال میں فوت ہو گیا حالانکہ اس کا پورے سال نامی ہونا (وجوب خراج کے لیے) شرط ہے جیسا کہ مال زکوۃ میں ہے۔ یا پیداوار ظاہر ہونے کی صورت میں حکم کا مدار حقیقی نما پر رکھا جائے گا۔

اللغات:

﴿لم تطق﴾ طاقت نہ رکھتی ہو۔ ﴿نقصهم﴾ ان کو کم کر دے۔ ﴿ريع﴾ رونق، پیداوار۔ ﴿حمّلتما﴾ تم نے لاد دیا ہے۔
﴿لأطاقت﴾ وہ ضرور برداشت کر لیتی۔ ﴿اصطلم﴾ برباد کر دیا۔ ﴿تمكّن﴾ قدرت، طاقت۔ ﴿يدار﴾ مدار رکھا جائے گا۔

امام کو محصول کم کرنے کا اختیار:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر زمین کی پیداوار کم ہو اور اس پر لگائے گئے محصول اور خراج کو برداشت نہ کرسکتی ہو تو امام کے لیے محصول کم کرنا جائز اور درست ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا: **لعلکما حملتما الأرض مالاتطیق فقالا لا بل حملنا ھا ماتطیق، ولو زدنا ھا لأطاقت۔** اس قول میں **ولو زدناھا لأطاقت** اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے محصول کم مقرر کیا تھا اور اگر وہ اس سے زیادہ مقرر کرتے تو بھی درست تھا، معلوم ہوا کہ محصول میں کمی جائز ہے اور جب پیداوار کثیر ہونے کی صورت میں کمی جائز ہے تو پیداوار کم ہونے کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ محصول کم کرنا جائز ہے۔

وأما الزیادۃ الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر پیداوار توقع اور امید سے بڑھ جائے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جس طرح کم ہونے کی صورت میں محصول کرم کرنا جائز ہے اسی طرح پیدوار زیادہ ہونے کی صورت میں محصول میں اضافہ کرنا بھی درست ہے، لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اضافہ کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ جب حضرت عثمان اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سواد عراق میں پیداوار کے زیادہ ہونے کی خبر دی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محصول میں اضافہ نہیں فرمایا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اضافہ کرنا جائز نہیں ہے۔

وإن غلب الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر خراجی زمین میں خوب پانی بھر جائے یا سوکھا پڑ جائے یا آفت ساویہ سے کھیتی تباہ و برباد ہو جائے اور کچھ بھی پیداوار نہ ہو تو اب اس زمین پر خراج اور محصول نہیں ہوگا، کیونکہ ان عوارض کی وجہ سے زراعت کی قدرت ختم ہوگئی حالانکہ زراعت ہی زمین کی تقدیری نماء ہے اور خراج میں اسی کا اعتبار ہے لہٰذا جب زراعت ختم ہوئی تو نماء بھی ختم ہوگیا اور جب نماء معدوم ہے تو ظاہر ہے کہ خراج بھی معدوم ہوگا اور اگر زراعت آفت کی وجہ سے تباہ ہوئی ہو تو اس صورت میں اگرچہ سال کے کچھ حصے میں نمائے تقدیری فوت ہے مگر پھر بھی یہ مسقطِ خراج ہے، کیونکہ وجوب خراج کے لیے پورے سال نمائے تقدیری کا موجود رہنا شرط ہے جیسے مال زکوۃ میں حولانِ حول شرط ہے۔

أو یدار الحکم الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں سقوطِ خراج کو اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ نمائے تقدیری نمائے حقیقی یعنی پیداوار کے حکم میں ہے، لیکن جب پیداوار ظاہر ہوگئی تو اب نمائے تقدیری ختم ہوگئی اور حکم یعنی خراج کا وجوب نمائے حقیقی سے متعلق ہوگیا اور جب آفتِ ساویہ سے پیداوار ہلاک ہوئی تو ظاہر ہے کہ نماء بھی ہلاک ہوگیا اور خراج کا معاملہ ساقط ہوگیا۔

قَالَ وَإِنْ عَطَّلَهَا صَاحِبُهَا فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ، لِأَنَّ التَّمَكُّنَ كَانَ ثَابِتًا وَهُوَ الَّذِيْ فَوَّتَهُ قَالُوْا مَنِ انْتَقَلَ إِلَى أَخَسِّ الْأَمْرَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ الْأَعْلَى، لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِيْ ضَيَّعَ الزِّيَادَةَ، وَهٰذَا يُعْرَفُ وَلَايُفْتٰى بِهِ كَيْ لَايَتَجَرَّءَ الظَّلَمَةُ عَلَى أَخْذِ أَمْوَالِ النَّاسِ، وَمَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْخَرَاجِ أَخَذَ فِيْهِ الْخَرَاجَ عَلَى حَالِهِ، لِأَنَّ فِيْهِ مَعْنَى الْمُؤْنَةِ فَيُعْتَبَرُ مُؤْنَةً فِيْ حَالَةِ الْبَقَاءِ فَأَمْكَنَ إِبْقَاؤُهُ عَلَى الْمُسْلِمِ، وَيَجُوْزُ أَنْ يَشْتَرِيَ الْمُسْلِمُ أَرْضَ

الْخَرَاجِ مِنَ الذِّمِّيِّ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ الْخَرَاجُ لِمَا قُلْنَا، وَقَدْ صَحَّ أَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اِشْتَرَوْا أَرَاضِيَ الْخَرَاجِ وَكَانُوا يُؤَدُّوْنَ خَرَاجَهَا فَدَلَّ عَلٰى جَوَازِ الشِّرَاءِ وَأَخْذِ الْخَرَاجِ وَأَدَائِهِ لِلْمُسْلِمِ مِنْ غَيْرِ كَرَاهَةٍ.

ترجمه: اور اگر مالک زمین زمین کو بے کار چھوڑ دے تو اس پر خراج لازم ہوگا، کیونکہ اسے زراعت پر قدرت حاصل تھی اور اس نے (جان بوجھ کر) اسے فوت کردیا۔ حضرات مشائخ نے فرمایا کہ جو شخص عذر کے بغیر دو امروں میں سے خسیس امر کی طرف مائل ہوا تو اس پر اعلی خراج لازم ہوگا، کیونکہ اس نے زیادہ کو ضائع کردیا ہے۔ یہ صرف معلوم کرنے کے لیے ہے، فتوی کے لیے نہیں ہے۔ تاکہ ظالم حکام لوگوں کا مال لینے میں جرأت نہ کربیٹھیں۔

اہل خراج میں سے جو شخص مسلمان ہوجائے اس سے بدستور خراج لیا جاتا رہے گا، اس لیے کہ خراج میں مونت کے معنی ہیں، لہذا حالت بقاء میں اسے مؤنت ہی مانا جائے گا اور مسلمان پر اس کو باقی رکھنا ممکن ہوگا۔

مسلمانوں کے لیے ذمی سے خراجی زمین خریدنا جائز ہے اور اس مسلمان سے خراج لیا جائے گا اس دلیل کی وجہ سے جسے ہم بیان کرچکے ہیں۔ اور یہ صحیح ہے کہ حضرات صحابۂ کرام نے خراجی زمین خریدی ہیں اور وہ حضرات ان کا خراج ادا کیا کرتے تھے۔ حضرات صحابۂ کا فعل اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان کے لیے خراجی زمین خریدنا، اس سے خراج لینا اور اسے مسلمانوں کو دینا بلا کراہت جائز ہے۔

اللغات:

﴿عطلها﴾ اس کو بے مصرف رکھ دیا۔ ﴿تمکّن﴾ قدرت، طاقت۔ ﴿أخسّ﴾ ہلکا، گھٹیا۔ ﴿ضیّع﴾ ضائع کردیا ہے۔

ترک زراعت سے خراج ساقط نہ ہونے کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مالک خراجی زمین میں کھیتی نہ کرے اور اسے چٹیل میدان کی طرح چھوڑ دے تو اس پر خراج واجب ہوگا اور اس کے ترک زراعت سے خراج ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ کھیتی نہ کرنے میں اس شخص کی اپنی بدمعاشی ہے، لہذا شریعت اس حرکت پر اسے معاف نہیں کرے گی اور اس زمین کا محصول وصول کرے گی۔

حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کی زمین میں زعفران اگانے اور پیدا کرنے کی صلاحیت ہو اور وہ زعفران کی کھیتی نہ کرکے بلا عذر اس میں بیگن، مولی اور باجرے کی کھیتی کرے تو وہ بھی مجرم ہوگا اور اس پر طاقت زمین کے حساب سے زعفران ہی کا خراج لازم ہوگا، لیکن یہ صرف معلومات کے لیے ہے، اس پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا ورنہ ظالم حکام پر صاحب ارض سے یہ کہہ کر زعفران کا خراج وصول کریں گے کہ تمہاری زمین تو زعفران اگانے کے قابل ہے تم نے کیوں نہیں اگایا۔

و من أسلم من أهل الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر خراج دینے والوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہوجائے تو اس سے حسب سابق خراج لیا جاتا رہے گا اور اس سے اسلام کی وجہ سے خراج ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ عشر کی طرح خراج بھی مؤنت ہے لہذا حالت بقاء میں اسے مؤنت ہی سمجھا جائے گا یعنی مسلمان پر اگرچہ ابتداءً خراج نہیں واجب کیا جاسکتا، لیکن بقاءً وہ خراج دے سکتا ہے، اس لیے کہ بقاء ابتداء سے آسان ہے۔ اسی طرح مسلمان کے لیے ذمی سے خراجی زمین خریدنا جائز ہے اور خریدنے کے بعد جس طرح ذمی سے قصاص لیا جاتا تھا اسی طرح اب مسلمان سے لیا جائے گا، کیونکہ اس میں مونت کے معنی ہیں اور زمین کا محصول بہر حال دینا ہے۔

اس کی اور بھی بیّن دلیل حضرات صحابۂ کرام کا وہ عمل ہے کہ انھوں نے خراجی زمین خریدی تھی اور اس کا خراج دیا کرتے تھے چنانچہ روایات میں حضرت ابن مسعود، حضرت خباب بن الارت اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہم کے متعلق خراجی زمین خریدنے اور خراج ادا کرنے کے واقعات موجود ہیں، اسی طرح عامر بن عتبہ بن فرقد سلمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا إنی اشتریت أرضا بالسواد فقال عمر رضی اللہ عنہ أنت فیها بمنزلة صاحبها۔ یعنی جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوادِ عراق میں زمین خریدنے کی بات بتائی تو آپ نے فرمایا کہ جو وہاں کے کفار پر لازم ہے یعنی خراج وہی تمہیں بھی دینا پڑے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے لیے خراجی زمین خریدنا اور خراج دینا بلا کراہت درست اور جائز ہے۔

وَلَا عُشْرَ فِي الْخَارِجِ مِنْ أَرْضِ الْخَرَاجِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا لِأَنَّهُمَا حَقَّانِ مُخْتَلِفَانِ وَجَبَا فِيْ مَحَلَّيْنِ بِسَبَبَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ فَلَايَتَنَافِيَانِ، وَلَنَا قَوْلُهُ① عَلَيْهِ السَّلَامُ ((لَايَجْتَمِعُ عُشْرٌ وَخَرَاجٌ فِيْ أَرْضِ مُسْلِمٍ))، وَلِأَنَّ أَحَدًا مِنْ أَئِمَةِ الْعَدْلِ وَالْجَوْرِ لَمْ يَجْمَعْ بَيْنَهُمَا وَكَفٰى بِإِجْمَاعِهِمْ حُجَّةً، وَلِأَنَّ الْخَرَاجَ يَجِبُ فِيْ أَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً وَقَهْرًا، وَالْعُشْرُ فِيْ أَرْضٍ أَسْلَمَ أَهْلُهَا طَوْعًا وَالْوَصْفَانِ لَايَجْتَمِعَانِ فِيْ أَرْضٍ وَاحِدَةٍ، وَسَبَبُ الْحَقَّيْنِ وَاحِدٌ وَهُوَ الْأَرْضُ النَّامِيَةُ إِلَّا أَنَّهُ يُعْتَبَرُ فِي الْعُشْرِ تَحْقِيْقًا وَفِي الْخَرَاجِ تَقْدِيْرًا وَلِهٰذَا يُضَافَانِ إِلَى الْأَرْضِ، وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ الزَّكٰوةِ مَعَ أَحَدِهِمَا، وَلَايَتَكَرَّرُ الْخَرَاجُ بِتَكَرُّرِ الْخَارِجِ فِيْ سَنَةٍ، لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمْ يُوَظِّفْهُ مُكَرَّرًا، بِخِلَافِ الْعُشْرِ لِأَنَّهُ لَايَتَحَقَّقُ عُشْرًا إِلَّا بِوُجُوْبِهِ فِيْ كُلِّ خَارِجٍ. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمه: خراجی زمین کی کی پیداوار میں عشر نہیں ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عشر اور خراج دونوں لئے جائیں گے اس لیے کہ دونوں دو مختلف حق ہیں جو دو الگ الگ سبب سے دو محل میں واجب ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ ایک دوسرے کے منافی نہیں ہوں گے۔ ہماری دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ایک مسلمان کی زمین میں عشر اور خراج جمع نہیں ہو سکتے، اور اس لیے کہ مسلمانوں کے اماموں میں سے کسی بھی امام نے (خواہ وہ عادل ہو یا ظالم) ان دونوں کو جمع نہیں کیا ہے، اور ان کا اجماع حجت کے لیے کافی ہے۔ اور اس لیے کہ خراج ایسی زمین میں واجب ہوتا ہے جسے قہراً فتح کیا گیا ہو اور عشر اس زمین میں واجب ہوتا ہے جس کے اہل بخوشی اسلام لے آئے ہوں اور یہ دونوں وصف ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتے۔

اور دونوں حقوں کا سبب ایک ہے اور وہ ارض نامیہ ہے، لیکن عشر میں یہ سبب حقیقتاً معتبر ہے اور خراج میں تقدیراً معتبر ہے، اسی لیے دونوں زمین کی طرف منسوب ہوتے ہیں، اسی اختلاف پر عشر یا خراج کے ساتھ زکوۃ کا اجتماع ہے۔ اور ایک سال میں پیداوار مکرر ہونے سے خراج مکرر نہیں ہوگا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مکرر مقرر نہیں کیا ہے۔ برخلاف عشر کے کیونکہ عشر اسی وقت متحقق ہوگا جب ہر پیداوار میں سے عشر لیا جائے گا۔

اللغات:

﴿جور﴾ ظلم، زیادتی۔ ﴿عنوة﴾ زور، زبردستی، طاقت۔ ﴿طوعًا﴾ مان کر، رضامندی سے۔ ﴿نامیة﴾ افزائش والی، جس میں اضافہ ہوتا ہو۔ ﴿لم یوظفه﴾ اس کو مقرر نہیں کیا۔

تخریج:

❶ اخرجه ابن ابی شیبه فی مصنفه باب اواخر الزکاة.

عشر اور خراج کو جمع کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں عشر اور خراج کو جمع کرنا درست اور جائز نہیں ہے بلکہ خراجی زمین سے صرف خراج لیا جائے گا اور عشری زمین سے صرف عُشر لیا جائے گا، جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں عشر اور خراج دونوں کو جمع کیا جاسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عشر اور خراج دونوں دو مختلف حق ہیں بایں معنی کہ اس میں سے ایک میں (عشر میں) عبادت کے معنی ہیں اور دوسرے میں عقوبت کے معنی ہیں اور یہ دونوں دو الگ الگ سبب سے دو علیحدہ علیحدہ محل میں واجب ہیں چنانچہ وجوبِ عشر کا سبب نمائے حقیقی ہے اور وجوب خراج کا سبب قدرت علی الزراعت ہے اور پھر خراج صاحبِ ارض کے ذمہ واجب ہوتا ہے اور عشر کا تعلق خارج یعنی پیداوار سے ہوتا ہے، الحاصل یہ دونوں ہر اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اس لیے ان کے اجتماع میں کوئی منافات نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ حدیث ہے **لایجتمع عشر وخراج في أرض مسلم** کہ مسلمان کی زمین میں دونوں کا اجتماع نہیں ہوسکتا اس حدیث سے دو دو چار کی طرح واضح ہے کہ عشر اور خراج ایک زمین میں جمع نہیں ہوسکتے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلے میں صریح نص موجود ہو تو اس میں عقلی گھوڑے نہیں دوڑائے جاتے لہٰذا نص کے مقابلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بے حیثیت ہے۔

ہماری عقلی دلیل یہ ہے کہ عہد نبوت سے لے کر آج تک کسی بھی امام نے عشر اور خراج کو جمع نہیں کیا ہے خواہ وہ عادل ہو یا ظالم ہو اور ان حضرات کا یہ فعل ہی ہمارے لیے قوی ترین حجت ہے۔ ہماری تیسری دلیل یہ ہے کہ خراج قہراً فتح کی گئی زمین میں واجب ہوتا ہے جب کہ عشر اس زمین کا محصول ہے جس کے باشندے بخوشی مسلمان ہوئے ہوں اور ظاہر ہے کہ قہراً اور طوعاً ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے تو عشر اور خراج کیسے ایک ساتھ جمع ہوجائیں گے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دونوں کو دو مختلف سبب سے واجب قرار دینا صحیح نہیں ہے، بلکہ دونوں ایک ہی سبب سے واجب ہوتے ہیں اور وہ سبب زمین کا نمو ہے البتہ عشر میں یہ سبب حقیقتاً معتبر ہے اور خراج میں تقدیراً لیکن اصلاً دونوں کا سبب ایک ہی ہے اسی لیے عشر اور خراج دونوں زمین کی طرف منسوب ہوتے ہیں چنانچہ **عشر الأرض** اور **خراج الأرض** کہا جاتا ہے۔

وعلی هذا الخلاف الخ فرماتے ہیں کہ ہمارا اور شوافع کا جو اختلاف عشر اور خراج کے اجتماع اور عدم اجتماع میں ہے وہی اختلاف عشر یا خراج کے ساتھ زکوۃ کے بھی اجتماع اور عدم اجتماع میں ہے چنانچہ اگر کسی نے تجارت کی نیت سے عشری یا خراجی زمین خریدی تو ہمارے یہاں اس میں زکوۃ نہیں واجب ہوگی۔

ولایتکرر الخراج الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر خراجی زمین میں سال میں دو مرتبہ پیداوار ہو تو خراج دو مرتبہ نہیں واجب ہوگا، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکرر خراج مقرر اور متعین نہیں کیا ہے اور اس سلسلے میں چوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی اصل الاصول ہیں، لہٰذا جب ان سے تکرار ثابت نہیں ہے تو پھر کسی کو مکرر کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر عشری زمین میں سال میں دو مرتبہ پیداوار ہو تو اس زمین سے دو مرتبہ عشر لیا جائے گا، کیونکہ عشر کا تعلق خارج سے ہے لہٰذا خارج کے حساب سے اس کا وجوب بھی ہوگا۔

اس سے پہلے زمین کے خراج کو بیان کیا گیا ہے اور اب یہاں سے ذات اور رأس کے خراج یعنی جزیہ کو بیان کیا جارہا ہے اور خراج اراضی کو خراج رؤس پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ خراج اراضی اور عشر دونوں کا سبب ہے ایک ہے اور عشر میں قربت کے معنی موجود ہیں اور قربت عقوبت سے مقدم ہوتی ہے، اسی لیے صاحب کتاب نے خراج اراضی کو خراج رؤس سے پہلے بیان کیا ہے۔

جزیۃ کے لغوی معنی ہیں، بدلہ اس کی جمع جُزیٰ ہے جیسے لحیۃ کی جمع لُحی ہے، اور جزیہ کے اصطلاحی معنی ہیں وہ مال جو ذمی سے اس کی ذات کے عوض لیا جاتا ہے۔

وَهِيَ عَلٰى ضَرْبَيْنِ، جِزْيَةٌ تُوْضَعُ بِالتَّرَاضِيْ وَالصُّلْحِ فَتَتَقَدَّرُ بِحَسْبِ مَايَقَعُ عَلَيْهِ الْإِتِّفَاقُ كَمَا صَالَحَ ① رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَهْلَ نَجْرَانَ عَلٰى أَلْفٍ وَمِائَتَيْ حُلَّةٍ وَلِأَنَّ الْمُوْجِبَ هُوَ التَّرَاضِيْ فَلَايَجُوْزُ التَّعَدِّيْ إِلٰى غَيْرِ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ الْإِتِّفَاقُ، وَجِزْيَةٌ يَبْتَدِئُ الْإِمَامُ وَضْعَهَا إِذَا غَلَبَ الْإِمَامُ عَلَى الْكُفَّارِ وَأَقَرَّهُمْ عَلٰى أَمْلَاكِهِمْ فَيَضَعُ عَلَى الْغَنِيِّ الظَّاهِرِ الْغِنٰى فِيْ كُلِّ سَنَةٍ ثَمَانِيَةً وَأَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا يَأْخُذُ مِنْهُمْ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ، وَعَلٰى وَسْطِ الْحَالِ أَرْبَعَةً وَعِشْرِيْنَ دِرْهَمًا فِيْ كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمَيْنِ، وَعَلَى الْفَقِيْرِ الْمُعْتَمِلِ اِثْنَيْ عَشَرَ دِرْهَمًا فِيْ كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمًا وَهٰذَا عِنْدَنَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يَضَعُ عَلٰى كُلِّ حَالِمٍ دِيْنَارًا أَوْ مَايَعْدِلُ الدِّيْنَارَ، وَالْغَنِيُّ وَالْفَقِيْرُ فِيْ ذٰلِكَ سَوَاءٌ لِقَوْلِهِ ② عَلَيْهِ السَّلَامُ ((لِمُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ خُذْ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ وَحَالِمَةٍ دِيْنَارًا أَوْ عِدْلَهُ مُعَافِرَ)) مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ، وَلِأَنَّ الْجِزْيَةَ إِنَّمَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ الْقَتْلِ حَتّٰى لَايَجِبُ عَلٰى مَنْ لَايَجُوْزُ قَتْلُهُ بِسَبَبِ الْكُفْرِ كَالذَّرَارِيِّ وَالنِّسْوَانِ، وَهٰذَا الْمَعْنٰى يَنْتَظِمُ الْفَقِيْرَ وَالْغَنِيَّ، وَمَذْهَبُنَا مَنْقُوْلٌ عَنْ عُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِمْ أَحَدٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ، وَلِأَنَّهُ وَجَبَ نُصْرَةً لِلْمُقَاتَلَةِ فَتَجِبُ عَلَى التَّفَاوُتِ بِمَنْزِلَةِ خَرَاجِ الْأَرْضِ، وَهٰذَا لِأَنَّهُ وَجَبَ بَدَلًا عَنِ النُّصْرَةِ بِالنَّفْسِ وَالْمَالِ وَذٰلِكَ يَتَفَاوَتُ بِكَثْرَةِ

الْوَفْرِ وَقِلَّتِهٖ فَكَذَا مَا هُوَ بَدَلُهٗ، وَمَارَوَاهُ مَحْمُوْلٌ عَلٰى أَنَّهٗ كَانَ ذٰلِكَ صُلْحًا وَلِهٰذَا أَمَرَهٗ بِالْأَخْذِ مِنَ الْحَالِمَةِ وَإِنْ كَانَتْ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا الْجِزْيَةُ.

ترجمہ: جزیہ کی دوقسمیں ہیں (۱) وہ جزیہ جو آپسی رضامندی اور صلح سے مقرر کی جائے لہٰذا اس کی مقدار وہی ہوگی جو اتفاق رائے سے طے ہوئی ہو جیسے آپ ﷺ نے اہل نجران سے ۱۲۰۰/ جوڑوں پر صلح فرمائی تھی اور اس لیے کہ مال واجب کرنے والی چیز آپسی رضامندی ہے لہٰذا جس پر اتفاق ہوا ہے اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (۲) اور دوسری قسم وہ ہے جسے امام کفار پر غلبہ پا کر انھیں ان کی املاک پر برقرار رکھتے ہوئے ابتداءً ان پر مقرر کردے، لہٰذا جس مالدار کی مالداری ظاہر ہو اس پر ہر سال ۴۸ دراہم مقرر کردے اور ان سے ہر ماہ چار دراہم لے۔ اور اوسط درجے والے پر ۲۴/ دراہم مقرر کردے اور ہر ماہ دو دو درہم لیتا رہے اور کھاتے پیتے فقیر پر ۱۲ دراہم مقرر کردے اور ہر ماہ ایک دراہم لے لیا کرے۔ یہ تفصیل ہمارے یہاں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر بالغ پر ایک دینار یا اس کے مساوی مال مقرر کردے اور اس میں غنی اور فقیر دونوں برابر ہیں، اس لیے کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ہر بالغ اور بالغہ سے ایک دینار یا اس کے برابر معافر لینا اور یہ فرمان کسی تفصیل کے بغیر ہے۔ اور اس لیے کہ جزیہ قتل کے عوض واجب ہوتا ہے حتی کہ کفر کی وجہ سے جس کا قتل جائز نہ ہو اس پر جزیہ واجب نہیں ہوتا جیسے نابالغ بچے اور عورتیں۔ اور یہ معنی فقیر اور غنی دونوں کو شامل ہے۔ اور ہمارا مذہب حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور مہاجرین وانصار میں سے کسی نے ان پر نکیر نہیں کی ہے اور اس لیے بھی کہ جزیہ مجاہدین کی نصرت کے لیے واجب کیا گیا ہے، لہٰذا خراج ارض کی طرح جزیہ بھی متفاوت ہو کر واجب ہوگا نیز اس لیے بھی کہ جزیہ جان ومال کی نصرت کے بدلے واجب ہوا ہے اور یہ چیز مال کی کمی اور زیادتی سے متفاوت ہوتی ہے لہٰذا اس کا بدل بھی متفاوت ہوگا۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث صلح پر محمول ہے اسی لیے آپ ﷺ حضرت معاذ کو بالغہ عورت سے بھی جزیہ لینے کا حکم دیا تھا جب کہ عورت سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔

اللغات:

﴿ضربین﴾ دوقسمیں۔ ﴿توضع﴾ لگایا جاتا ہے، مقرر کیا جاتا ہے۔ ﴿تراضی﴾ باہمی رضامندی۔ ﴿حلّة﴾ جوڑا، لبادہ۔ ﴿تعدّی﴾ تجاوز کرنا، حد سے بڑھنا۔ ﴿حالم﴾ بالغ۔ ﴿معافر﴾ یمنی کپڑے۔ ﴿ذراری﴾ چھوٹے بچے۔ ﴿نسوان﴾ عورتیں۔ ﴿نصرة﴾ امداد۔ ﴿وفر﴾ پورا ہونا، بہت ہونا۔

تخریج:

❶ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الخراج باب فی اخذ الجزیۃ، حدیث: ۳۰۴۱.

❷ اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الزکاۃ، باب فی زکاۃ السائمۃ، حدیث رقم: ۱۵۷۶.

جزیہ کی اقسام اور مقدار کا بیان:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جزیہ کی دوقسمیں ہیں (۱) پہلی قسم وہ ہے جو مسلمانوں اور کافروں سے مصالحت پر طے پا جائے اور اس

کا حکم یہ ہے کہ جس مقدار پر مصالحت ہوگی وہی مقدار واجب ہوگی اور اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے اہل نجران سے بارہ سو کپڑے کے جوڑوں پر مصالحت فرمائی تھی۔ جزیہ کی دوسری قسم وہ ہے جسے امام المسلمین کفار پر قہراً فتح حاصل کر کے ان پر لازم کرے۔ ہمارے یہاں اس کی تفصیل یہ ہے کہ مالدار پر سال میں ۴۸/ دراہم فی ماہ چار درہم، متوسط الحال پر سال میں ۲۴/ دراہم فی ماہ دو درہم اور کھاتے پیتے فقیر پر سال میں ۱۲/ دراہم فی ماہ ایک درہم کے حساب سے جزیہ مقرر کردے۔

اس کے برخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس دوسری قسم میں امام ہر بالغ مرد اور عورت پر سالانہ ایک دینار واجب کردے خواہ وہ غنی ہوں یا مالدار ہوں یا ایک دینار کے برابر کپڑا یا کوئی سامان لازم کردے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے خُذْ مِنْ حالم أو حالمة دينارا أو عدله معافر کہ اے معاذ ہر بالغ مرد اور بالغہ عورت سے ایک دینار لینا یا اس کے برابر یمنی کپڑے لینا۔ اس حدیث سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال بایں طور ہے کہ اس میں صاف طور پر ہر بالغ اور بالغہ پر ایک دینار واجب کیا گیا ہے اور غنی اور فقیر کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی ہے، اس لیے بغیر کسی تفصیل کے سب پر ایک دینار لازم ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جزیہ قتل کا عوض ہے یعنی جزیہ دینے کی وجہ سے کفار اور ذمی قتل سے محفوظ رہتے ہیں اور اس سبب اور بدل میں غنی اور فقیر دونوں برابر ہیں، اس لیے دونوں پر یکساں طور پر ایک دینار واجب ہوگا۔

ومذهبنا الخ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی تفصیل پر غنی، متوسط الحال اور فقیر پر جزیہ مقرر کیا تھا جو ہم نے بیان کیا ہے اور آپ کے بعد حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طریقے پر عمل کیا تھا اور صحابہ میں سے کسی نے اس پر نکیر نہیں کی تھی جس سے یہ عمل اجماع کی شکل اختیار کر گیا تھا اور اجماع حجج شرعیہ میں سے ایک قوی حجت ہے۔

ہماری عقلی دلیل یہ ہے کہ جزیہ مجاہدین کی نصرت واعانت کے لیے مقرر کیا جاتا ہے، لہٰذا جس طرح خراج مجاہدین کی نصرت کے لیے متعین کیا جاتا ہے اور وہ متفرق طور پر مقرر کیا جاتا ہے اسی طرح جزیہ بھی متفرق طور پر مقرر کیا جائے گا۔ جزیہ کے متفاوت ہو کر مقرر کیے جانے کی ایک یہ بھی ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کی ماتحتی میں ہیں ان پر اہل اسلام کی نصرت کرنا واجب ہے، لیکن جب کافر ذہنی طور پر دار الحرب کی طرف مائل ہوتا ہے اور وہ مسلمانوں کی جان و مال سے مدد نہیں کرتا تو اس لیے لیا جانے والا جزیہ جان اور مال سے مدد کرنے کا بدل ہے اور جان و مال سے مدد کرنے کی صورتیں مختلف ہیں اس لیے جزیہ کا وجوب بھی حسب حالات مختلف ہوگا اور امیر وغریب سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکا جائے گا۔

رہی وہ حدیث جسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بطور استدلال پیش کیا ہے وہ جزیہ کی پہلی قسم یعنی مصالحت والی صورت سے متعلق ہے، کیونکہ اس میں عورت سے بھی جزیہ لینے کا حکم مذکور ہے حالانکہ عورت سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔ اور ہماری گفتگو جزیہ کی دوسری قسم سے ہے اس لیے اس دوسری قسم پر اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

قَالَ وَتُوْضَعُ الْجِزْيَةُ عَلٰى أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمَجُوْسِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ﴾ (سورة التوبة : ۲۹) (الآية) ❶ ((وَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْجِزْيَةَ عَلَى الْمَجُوْسِ))، قَالَ وَعَبَدَةِ

الْأَوْثَانِ مِنَ الْعَجَمِ وَفِيْهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحَمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ هُوَ يَقُوْلُ بِأَنَّ الْقِتَالَ وَاجِبٌ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ﴾، إِلَّا أَنَّا عَرَفْنَا جَوَازَ تَرْكِهِ فِيْ حَقِّ أَهْلِ الْكِتَابِ بِالْكِتَابِ وَفِيْ حَقِّ الْمَجُوْسِ بِالْخَبَرِ فَبَقِيَ مِنْ وَرَائِهِمْ عَلَى الْأَصْلِ، وَلَنَا أَنَّهُ يَجُوْزُ اسْتِرْقَاقُهُمْ فَيَجُوْزُ ضَرْبُ الْجِزْيَةِ عَلَيْهِمْ إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ يَشْتَمِلُ عَلَى سَلْبِ النَّفْسِ مِنْهُمْ فَإِنَّهُ يَكْتَسِبُ وَيُؤَدِّيْ إِلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَنَفَقَتُهُ فِيْ كَسْبِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اہل کتاب اور مجوس پر بھی جزیہ مقرر کیا جائے گا، اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے اہل کتاب سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ جزیہ دینے لگیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس پر جزیہ مقرر فرمایا ہے اور عجم کے بت پرستوں پر بھی جزیہ لازم کیا جائے گا، اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وقاتلوھم کی وجہ سے قتال کرنا واجب ہے لیکن ہم نے اہل کتاب کے حق میں ترک قتال کے جواز کو کتاب اللہ سے اور مجوس کے حق میں اس جواز کو حدیث رسول اللہ سے پہچانا ہے لہٰذا ان کے ماسواء کے حق میں حکم اپنی اصل (قتال) پر باقی رہا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ بت پرستوں کو غلام بنانا جائز ہے لہٰذا ان پر جزیہ مقرر کرنا جائز ہے، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کام ان کی ذات چھیننے پر مشتمل ہے اس لیے کہ کافر کما کر اپنی کمائی مسلمانوں کو دیتا ہے اور اس کی کمائی سے اس کا خرچ پورا ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿توضع﴾ مقرر کیا جائے گا، لگایا جائے گا۔ ﴿عبدة﴾ واحد عابد؛ پجاری، عبادت کرنے والا۔ ﴿اوثان﴾ واحد وثن؛ بت۔ ﴿عرفنا﴾ ہم نے پہچانا۔ ﴿استرقاق﴾ غلام بنانا۔ ﴿ضرب﴾ لگانا، مقرر کرنا۔ ﴿سلب﴾ چھیننا، قابو کر لینا۔ ﴿یکتسب﴾ کمائے گا۔ ﴿نفقة﴾ خرچہ۔

تخریج:

1. اخرجه بخاری فی کتاب الجزیة باب الجزیة، حدیث رقم: ۳۱۵۷.

اہل کتاب اور مجوسیوں سے جزیہ لینا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کفار کی طرح اہل کتاب اور مجوس سے بھی جزیہ لینا درست اور جائز ہے اہل کتاب سے جزیہ لینے کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے حتی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون۔ اور مجوس سے جزیہ لینے کی دلیل حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اور شہادت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أخذها (أی الجزیة) من مجوس هَجَر۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس ہجر سے جزیہ لیا ہے۔

اسی طرح عجم کے بت پرستوں سے بھی جزیہ لینا ہمارے یہاں درست ہے، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان سے جزیہ لینا جائز نہیں ہے، ان کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے وقاتلوھم حتی لاتکون الخ اور چوں کہ یہ آیت کریمہ عام ہے اس لیے اس کے تحت ہر ہر کافر سے قتال کرنے کا حکم ثابت ہے مگر جن کو دوسری نص سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے وہ مستثنیٰ رہیں گے اور اہل کتاب اور

مجوس علی الترتیب قرآن وحدیث سے مستثنیٰ ہیں اس لیے یہی لوگ قتال سے مستثنیٰ ہوں گے اور ان کے علاوہ کے حق میں اصل حکم یعنی قتال کرنا باقی رہے گا اور چوں کہ مجوس مستثنیٰ نہیں ہیں لہٰذا ان سے بھی قتال ہوگا اور جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ بت پرستوں کو غلام بنانا جائز اور درست ہے لہٰذا ان پر جزیہ مقرر کرنا بھی درست ہوگا، کیونکہ جس طرح غلام بنانے سے ان کی ذات اور منفعت سلب ہوجاتی ہے اسی طرح ان پر جزیہ مقرر کرنے سے بھی ان کی ذات اور منفعت سلب ہوجاتی ہے اور کافی اپنی ساری کمائی مسلمانوں کو دیتا ہے اور چوں کہ اس کی کمائی میں اس کا اپنا خرچہ اور نفقہ بھی شامل ہوتا ہے اس لیے اس حوالے سے اس کا سب کچھ سلب ہوجاتا ہے اور جس طرح ایک غلام اپنا سب کچھ مسلمانوں کے لیے سپرد کردیتا ہے بالکل یہی معاملہ بت پرستوں کا بھی ہوتا ہے اور بت پرستوں کو غلام بنانا جائز ہے لہٰذا اس پر جزیہ لازم کرنا بھی جائز ہوگا۔

وَإِنْ ظُهِرَ عَلَيْهِمْ قَبْلَ ذٰلِكَ فَهُمْ وَنِسَاؤُهُمْ وَصِبْيَانُهُمْ فَيْءٌ لِجَوَازِ اسْتِرْقَاقِهِمْ، وَلَاتُوْضَعُ عَلٰى عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ مِنَ الْعَرَبِ وَلَا الْمُرْتَدِّيْنَ، لِأَنَّ كُفْرَهُمَا قَدْ تَغَلَّظَ، أَمَّا مُشْرِكُوا الْعَرَبِ فَلِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَشَأَ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ وَالْقُرْآنُ نَزَلَ بِلُغَتِهِمْ فَالْمُعْجِزَةُ فِيْ حَقِّهِمْ أَظْهَرُ، وَأَمَّا الْمُرْتَدُّ فَلِأَنَّهُ كَفَرَ بِرَبِّهِ بَعْدَ مَا هُدِيَ لِلْإِسْلَامِ وَوَقَفَ عَلٰى مَحَاسِنِهِ فَلَايُقْبَلُ مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ إِلَّا الْإِسْلَامُ أَوِالسَّيْفُ زِيَادَةٌ فِي الْعُقُوْبَةِ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ يُسْتَرَقُّ مُشْرِكُوا الْعَرَبِ وَجَوَابُهُ مَا قُلْنَا، وَإِذَا ظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَنِسَاؤُهُمْ وَصِبْيَانُهُمْ فَيْءٌ، لِأَنَّ أَبَابَكْرٍ الصِّدِّيْقَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اسْتَرَقَّ نِسْوَانَ بَنِيْ حَنِيْفٍ وَصِبْيَانَهُمْ لَمَّا ارْتَدُّوْا وَقَسَّمَهُمْ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ، وَمَنْ لَمْ يُسْلِمْ مِنْ رِجَالِهِمْ قُتِلَ لِمَا ذَكَرْنَا، وَلَا جِزْيَةَ عَلٰى امْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ، لِأَنَّهُمَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ الْقَتْلِ أَوْعَنِ الْقِتَالِ وَهُمَا لَايُقْتَلَانِ وَلَايُقَاتِلَانِ لِعَدَمِ الْأَهْلِيَّةِ.

ترجمہ: اور اگر جزیہ لازم کرنے سے پہلے مجوس اور اہل کتاب وغیرہ مغلوب ہوجائیں تو وہ ان کی عورتیں اور ان کے بچے سب فئے ہوں گے، کیونکہ انھیں غلام بنانا جائز ہے۔ اور عرب کے بت پرستوں پر اور مرتدین پر جزیہ نہیں مقرر کیا جائے گا، اس لیے کہ ان کا کفر سخت ہوگیا ہے۔ رہے مشرکین عرب تو آپ ﷺ ان کے مابین پلے بڑھے ہیں اور ان کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے، لہٰذا ان کے حق میں بہت سے معجزے ظاہر ہوئے۔ رہا مرتد تو اس وجہ سے کہ وہ اسلام کی ہدایت پاکر اور اس کی خوبیوں سے واقف ہونے کے بعد اس نے اپنے رب کا انکار کیا ہے اس لیے ان دونوں فریق سے اسلام اور تلوار کے علاوہ تیسری کوئی چیز مقبول نہیں ہوگی۔ تاکہ ان کی سزا بھی سخت ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مشرکین عرب کو غلام بنایا جاسکتا ہے، لیکن اس کا جواب وہی ہے جو ہم عرض کر چکے ہیں۔ اور جب ان پر غلبہ ہوگیا تو ان کی عورتیں اور ان کے بچے فئے ہوں گے، اس لیے کہ بنوحنیف جب مرتد ہوگئے تھے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو غلام بنالیا تھا اور انھیں غازیوں میں تقسیم کردیا تھا۔

اور ان کے مردوں میں سے جو اسلام قبول نہیں کریں گے انھیں قتل کر دیا جائے گا، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ بچہ اور عورت پر جزیہ نہیں ہے، اس لیے کہ جزیہ قتل یا قتال کے عوض واجب ہوا ہے اور بچہ اور عورت نہ تو قتل کیے جا سکتے ہیں اور نہ ہی قتال کر سکتے ہیں، کیونکہ ان میں اہلیت معدوم ہوتی ہے۔

اللغاتُ:

﴿ظهر﴾ غلبہ پالیا جائے۔ ﴿فيء﴾ غنیمت کا مال۔ ﴿استرقاق﴾ غلام بنانا۔ ﴿أوثان﴾ واحد وثن؛ بت۔ ﴿تغلّظ﴾ شدید ہو گیا ہے۔ ﴿بين اظهرهم﴾ بیچوں بیچ۔ ﴿لغة﴾ زبان۔ ﴿هدى﴾ راہ دکھلائی گئی۔ ﴿وقف على﴾ واقف ہو گیا، جان چکا تھا۔

مشرکین عرب اور مرتدین پر جزیہ کا عدم جواز:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر اہل کتاب اور مجوس وغیرہ پر جزیہ مقرر کیے جانے سے پہلے ان پر مسلمان غالب ہو گئے تو وہ ان کی بیویاں اور بچے سب مال غنیمت ہو جائیں گے، کیونکہ جب انہیں غلام بنانا جائز ہے تو انھیں غنیمت بنانا بھی جائز ہے۔ عرب کے بت پرستوں اور مرتدین پر جزیہ مقرر کرنا درست نہیں ہے خواہ مرتدین عرب ہوں یا عجم ہوں، اس لیے کہ مشرکین عرب اور مرتدین دونوں فریق کا کفر انتہائی گھناؤنا ہے، مشرکین عرب کا کفر اس لیے گھناؤنا ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ انھی کے مابین پلے بڑھے ہیں اور قرآن انھی کی زبان میں نازل ہوا ہے اور ان کے مابین بہت سے معجزات کا ظہور ہوا ہے اس کے باوجود ان کا اسلام نہ لا کر شرک کرنا بہت بڑا جرم ہے، اسی طرح مرتد اسلام کی ہدایت پا کر اور اسلام کی خوبیوں سے واقف ہو کر جب اسلام سے پھر جاتا ہے تو وہ بھی جرم عظیم کا مرتکب ہوتا ہے، اس لیے ان کی سزا بھی زیادہ ہوگی اور ان سے یا تو اسلام مقبول ہوگا یا پھر ان پر تلوار چلے گی۔

وعند الشافعي رحمۃ اللہ علیہ الخ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مشرکین عرب کو غلام بنایا جا سکتا ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہماری دلیل حجت ہے کہ ان کا کفر سخت ہے۔

وإذا ظهر الخ عبارت واضح ہے۔

قَالَ وَلَا زَمِنٍ وَلَا أَعْمٰى وَكَذَا الْمَفْلُوْجُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيْرُ لِمَا بَيَّنَّا، وَعَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ تَجِبُ إِذَا كَانَ لَهُ مَالٌ لِأَنَّهُ يُقْتَلُ فِي الْجُمْلَةِ إِذَا كَانَ لَهُ رَأْيٌ، وَلَا عَلٰى فَقِيْرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ، لَهُ إِطْلَاقُ حَدِيْثِ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَلَنَا أَنَّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمْ يُوَظِّفْهَا عَلٰى فَقِيْرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ وَذٰلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَلِأَنَّ خَرَاجَ الْأَرْضِ لَايُوَظَّفُ عَلٰى أَرْضٍ لَاطَاقَةَ لَهَا فَكَذَا هٰذَا الْخَرَاجُ، وَالْحَدِيْثُ مَحْمُوْلٌ عَلَى الْمُعْتَمِلِ، وَلَايُوْضَعُ عَلَى الْمَمْلُوْكِ وَالْمُكَاتَبِ وَالْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ، لِأَنَّهُ بَدَلٌ عَنِ الْقَتْلِ فِيْ حَقِّهِمْ وَعَنِ النُّصْرَةِ فِيْ حَقِّنَا وَعَلَى اعْتِبَارِ الثَّانِيْ لَاتَجِبُ فَلَاتَجِبُ بِالشَّكِّ، وَلَايُؤَدِّيْ عَنْهُمْ مَوَالِيْهِمْ لِأَنَّهُمْ تَحَمَّلُوا الزِّيَادَةَ بِسَبَبِهِمْ وَلَاتُوْضَعُ عَلَى الرُّهْبَانِ الَّذِيْنَ لَايُخَالِطُوْنَ النَّاسَ، كَذَا ذَكَرَ هٰهُنَا، وَذَكَرَ مُحَمَّدٌ

عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحمۃ اللہ علیہ أَنَّهُ تُوْضَعُ عَلَيْهِمْ إِذَا كَانُوْا يَقْدِرُوْنَ عَلَى الْعَمَلِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحمۃ اللہ علیہ، وَجْهُ الْوَضْعِ عَلَيْهِمْ أَنَّ الْقُدْرَةَ عَلَى الْعَمَلِ هُوَ الَّذِيْ ضَيَّعَهَا فَصَارَ كَتَعْطِيْلِ الْأَرْضِ الْخَرَاجِيَّةِ، وَوَجْهُ الْوَضْعِ عَنْهُمْ أَنَّهُ لَا قَتْلَ عَلَيْهِمْ إِذَا كَانُوْا لَايُخَالِطُوْنَ النَّاسَ وَالْجِزْيَةُ فِيْ حَقِّهِمْ لِإِسْقَاطِ الْقَتْلِ وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُوْنَ الْمُعْتَمِلُ صَحِيْحًا وَيَكْتَفِيْ بِصِحَّتِهِ فِيْ أَكْثَرِ السَّنَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ لنجے اور اندھے نیز اپاہج اور شیخ کبیر پر بھی جزیہ نہیں مقرر کیا جائے گا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اگر اس کے پاس مال ہو تو جزیہ واجب ہوگا اس لیے کہ اگر وہ لڑائی میں مشورہ دے سکتا ہو تو اسے قتل کیا جائے گا۔ اور اس فقیر پر بھی جزیہ نہیں ہے جس کی آمدنی اس کے ذاتی خرچ سے کم ہو۔ امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ان کی دلیل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فقیر غیر معتمل پر جزیہ مقرر نہیں کیا ہے اور یہ حضرات صحابۂ کرامؓ کی موجودگی میں ہوا ہے۔ اور اس لیے کہ زمین کا خراج اس زمین پر نہیں لگایا جاتا جو زمین برداشت کرنے کے قابل نہ ہو اسی طرح یہ خراج بھی اس شخص پر لازم نہیں ہوگا جو اسے برداشت نہ کر سکتا ہو۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث فقیر معتمل پر محمول ہے۔

مملوک، مکاتب، مدبر اور ام ولد جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا، کیونکہ جزیہ ان کے حق میں قتل کا بدل ہے اور ہمارے حق میں نصرت کا عوض ہے، اور دوسرے کے اعتبار پر ان پر جزیہ واجب نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا شک کی وجہ سے جزیہ واجب نہیں ہوگا، اور ان غلاموں کی طرف سے ان کے موالی جزیہ ادا نہیں کریں گے، اس لیے کہ ان غلاموں کی وجہ سے ان کے موالی کو زیادہ کا تحمل کرنا ہوگا۔ اور ان راہبوں پر بھی جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا یہی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ان پر جزیہ مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے خود ہی کام کرنے کی صلاحیت وقدرت ضائع کر دی ہے تو یہ خراجی زمین کو برباد کرنے کی طرح ہو گیا۔ اور ان پر جزیہ واجب نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ لوگوں سے میل جول نہ کرتے ہوں تو انھیں قتل نہیں کیا جائے گا اور ان کے حق میں اسقاطِ قتل ہی کی وجہ سے جزیہ واجب ہوتا ہے۔ اور معتمل کا صحیح سلامت ہونا ضروری ہے اور سال کے اکثر حصے میں اس کے صحیح ہونے پر اکتفاء کیا جائے گا۔

اللغاتُ:

﴿زمن﴾ اپاہج، معذور۔ ﴿أعمٰی﴾ اندھا، نابینا۔ ﴿شیخ کبیر﴾ بہت بوڑھا۔ ﴿رأی﴾ مشورہ دینے کی صلاحیت، عقلمندی۔ ﴿معتمل﴾ گزر بسر کرنے والا۔ ﴿لم یوظفها﴾ مقرر نہیں کیا۔ ﴿محضر﴾ موجودگی۔ ﴿تحمّلوا﴾ برداشت کرتے ہیں۔ ﴿رهبان﴾ واحد راهب؛ زاہد، ترک دنیا کرنے والا، گوشہ نشین۔ ﴿لایخالطون﴾ میل جول نہ کرتے ہوں۔ ﴿ضیّعها﴾ اس کو ضائع کیا ہے۔ ﴿سنة﴾ سال۔

معذوروں اور بوڑھوں پر جزیہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ لنجے، اندھے، اپاہج اور کھوسٹ بڈھے پر جزیہ نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ قتل وقتال سے عاجز اور بے بس

ہیں، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان میں سے کسی کے پاس مال ہو تو اس پر جزیہ لازم ہوگا، کیونکہ یہ شخص اگر چہ قتال نہیں کر سکتا، لیکن قتال کے حوالے سے مشورہ دے سکتا ہے اور اس کا مال بھی لڑائی میں کام دے سکتا ہے اس لیے اس پر جزیہ واجب ہوگا ، ہمارے یہاں فقیر غیر معتمل پر بھی جزیہ نہیں ہے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس پر جزیہ ہے، ان کی دلیل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا اطلاق ہے جس میں کسی تخصیص کے بغیر خذ من کل حالم دینارا کا حکم وارد ہے اور فقیر غیر معتمل بھی حالم کے تحت داخل ہے اس لیے اس پر بھی جزیہ واجب ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے سواد عراق کے فقیر معتمل پر جزیہ نہیں واجب کیا تھا اور یہ عمل حضرات صحابہ اور حضرت عمر جیسے عادل بادشاہ کے زمانہ میں ہوا تھا اور کسی نے فقیر غیر معتمل پر جزیہ مقرر کرنے کی بات نہیں کی تھی، اور پھر جزیہ اور خراج قریب المعنی ہیں اور جب غیر قابل زراعت زمین میں کھیتی نہیں ہو سکتی پھر اس شخص پر جزیہ بھی نہیں واجب ہوگا جو اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہو۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا حدیث حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیو ں کہ اس میں فقیر سے فقیر معتمل مراد ہے۔

ولا یوضع الخ مملوک اور مکاتب وغیرہ پر بھی جزیہ نہیں ہے، کیونکہ ذمیوں پر جزیہ کا وجوب انہیں قتل نہ کرنے کے عوض اور بدلے میں ہے اور ہماری نصرت کرنے کی وجہ سے ہے، لیکن چوں کہ مملوک اور مدبر وغیرہ ہماری مدد نہیں کر سکتے، اس لیے مدد والے پہلو سے ان پر جزیہ نہیں واجب کیا جا سکتا، اب صرف قتل کے عوض والا پہلو باقی رہا اس لیے اس ایک پہلو کو بنیاد بنا کر ہم ان پر جزیہ واجب نہیں کر سکتے، اور مملوک اور مکاتب وغیرہ کی طرف سے ان کے آقا اور موالی بھی جزیہ نہیں دے سکتے، اس لیے کہ ایسا کرنے سے ان پر دو مرتبہ جزیہ واجب کرنا لازم آئے گا اور ایک صنف سے دو مرتبہ جزیہ لینا صحیح نہیں ہے۔

اُن راہبوں سے جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتے ہوں ان پر جزیہ نہیں ہے یہ حکم قدوری کا ہے، لیکن امام اعظم سے حضرت امام محمد کی روایت یہ ہے کہ اگر رہبان کام کرنے پر قادر ہوں تو ان پر جزیہ ہوگا، اس لیے کہ قدرت علی العمل کے باوجود کام نہ کرنا ان کی بد معاشی اور ان کی طرف سے تعدی ہے لہٰذا جس طرح خراجی زمین میں زراعت پر قدرت کے باوجود کوئی شخص کھیتی نہ کرے تو اس پر خراج واجب ہوتا ہے اسی طرح قدرت علی العمل کے ہوتے ہوئے جو شخص کام نہ کرے اس پر بھی جزیہ لازم ہوگا۔ اور امام قدوریؒ نے جو ان راہبوں پر جزیہ مقرر نہیں کیا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ قتل نہ کرنے کا عوض ہے، لیکن جب لوگوں سے میل جول نہ رکھنے کی وجہ سے ان پر قتل ہی نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ ان پر جزیہ بھی نہیں ہوگا۔

اور فقیر معتمل پر وجوب جزیہ کا حکم اسی صورت میں ہوگا جب وہ تندرست اور صحیح سالم ہو اور اگر سال کے اکثر حصے میں وہ صحیح سالم ہو تو یہ بات اس پر وجوب جزیہ کے لیے کافی ہے۔

وَمَنْ أَسْلَمَ وَعَلَيْهِ جِزْيَةٌ سَقَطَتْ وَكَذٰلِكَ إِذَا مَاتَ كَافِرًا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِيهِمَا، لَهُ أَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ الْعِصْمَةِ أَوِالسُّكْنٰى وَقَدْ وَصَلَ إِلَيْهِ الْمُعَوَّضُ فَلَايَسْقُطُ عَنْهُ الْعِوَضُ بِهٰذَا الْعَارِضِ كَمَا فِي الْأُجْرَةِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمَدِ، وَلَنَا قَوْلُهُ ❶ عَلَيْهِ السَّلَامُ ((لَيْسَ عَلٰى مُسْلِمٍ جِزْيَةٌ))، وَلِأَنَّهَا وَجَبَتْ عُقُوبَةً عَلَى الْكُفْرِ

وَلِهٰذَا تُسَمّٰى جِزْيَةً وَهِيَ وَالْجَزَاءُ وَاحِدٌ، وَعُقُوْبَةُ الْكُفْرِ تَسْقُطُ بِالْإِسْلَامِ وَلَاتُقَامُ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَلِأَنَّ شَرْعَ الْعُقُوْبَةِ فِي الدُّنْيَا لَا يَكُوْنُ إِلَّا لِدَفْعِ الشَّرِ وَقَدْ انْدَفَعَ بِالْمَوْتِ وَالْإِسْلَامِ، وَلِأَنَّهَا وَجَبَتْ بَدْلًا عَنِ النُّصْرَةِ فِي حَقِنَا وَقَدْ قَدَرَ عَلَيْهَا بِنَفْسِهٖ بَعْدَ الْإِسْلَامِ، وَالْعِصْمَةُ تَثْبُتُ بِكَوْنِهٖ اٰدَمِيًّا، وَالذِّمِيُّ يَسْكُنُ مِلْكَ نَفْسِهٖ فَلَامَعْنٰى لِإِيْجَابِ بَدْلِ الْعِصْمَةِ وَالسُّكْنٰى.

ترجمه: جو شخص مسلمان ہوگیا اس حال میں کہ اس پر جزیہ لازم تھا تو جزیہ ساقط ہو جائے گا ایسے ہی اگر وہ کافر ہو کر مرا تو بھی جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دونوں صورتوں میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ تو جان کی حفاظت یا سکونت کے عوض واجب ہوا ہے اور معوض اسے مل چکا ہے لہٰذا اس عارض کی وجہ سے اس سے عوض ساقط نہیں ہوگا جیسے اجرت میں اور صلح عن دم العمد میں ہوتا ہے۔ ہماری دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے ''مسلمان پر جزیہ نہیں ہے'' اور اس لیے کہ جزیہ کفر پر باقی رہنے کی سزاء ہے اسی لیے اس کو جزیہ کہا جاتا ہے اور جزیہ اور جزاء دونوں ایک ہیں۔ اور کفر کی سزاء اسلام کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد بھی سزاء جاری نہیں کی جاتی۔ اور اس لیے کہ دنیا میں سزاء اس لیے مشروع ہے تا کہ کافر کا شر ختم ہو جائے حالانکہ موت اور اسلام کی وجہ سے یہ شر ختم ہو چکا ہے۔ اور اس لیے کہ جزیہ ہمارے حق میں بدل عن النصرۃ ہے اور اسلام لانے کے بعد وہ شخص بذات خود نصرت پر قادر ہو گیا ہے۔ اور عصمت تو اس کے آدمی ہونے کی وجہ سے ثابت ہے۔ اور ذمی اپنے نفس کی ملکیت میں رہتا ہے، لہٰذا عصمت اور سکونت کے عوض جزیہ واجب کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

اللغات:

﴿سقطت﴾ ساقط ہو جائے گا۔ ﴿عصمة﴾ حفاظت، بچاؤ۔ ﴿سکنٰی﴾ رہائش۔ ﴿معوّض﴾ جس کا عوض دیا جا رہا تھا۔ ﴿عقوبة﴾ سزا۔ ﴿اندفع﴾ دور ہو گیا۔ ﴿ایجاب﴾ واجب کرنا۔

تخریج:

❶ اخرجه ابوداؤد فی کتاب الخراج باب فی الذمی، حدیث رقم: ۳۰۵۳.

جزیہ دینے والے کی موت یا اسلام قبول کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ذمی تھا، اس پر جزیہ واجب تھا پھر وہ مسلمان ہو گیا یا بحالت کفر اس کا انتقال ہو گیا تو ہمارے یہاں دونوں صورتوں میں اس سے جزیہ ساقط ہو جائے گا، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نہ تو اسلام کی وجہ سے جزیہ ساقط ہوگا اور نہ ہی بحالتِ کفر مرنے کی وجہ سے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ ذمی کی جان کی حفاظت یا اس کے دارالاسلام میں سکونت پذیر ہونے کے عوض اور بدل کے طور پر واجب ہے اور جب ذمی دارالاسلام میں آ کر رہتا ہے تو اسے اس کا معوض مل جاتا ہے یعنی اس کی جان بھی محفوظ ہو جاتی ہے اور اسے سکونت بھی میسر ہو جاتی ہے لہٰذا جب اسے عوض کے بدلے معوض مل چکا ہے تو موت یا اسلام کے پیش آنے سے یہ عوض ساقط نہیں ہوگا، جیسے اگر ذمی نے اجرت پر کوئی چیز لے کر نفع حاصل کر لیا یا عمداً ناحق قتل کر کے قتل کے

عوض مال پر صلح کرلیا تو اس کے اسلام لانے یا مرنے سے نہ تو اس پر واجب شدہ اجرت ساقط ہوگی اور نہ ہی صلح میں طے شدہ مال ساقط ہوگا اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی اسلام یا موت کی وجہ سے ذمی سے جزیہ ساقط نہیں ہوگا۔

ہماری دلیل یہ حدیث پاک ہے ''لیس علی مسلم جزیة'' کہ مسلمان پر جزیہ نہیں ہے اور چوں کہ مسلمان پر ابتداءً جزیہ لازم نہیں کیا جاسکتا اس لیے لامحالہ اس سے مراد یہی ہوگا کہ ذمی اگر مسلمان ہوجائے تو اس سے جزیہ ساقط ہوجائے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جزیہ کفر پر باقی رہنے کی سزاء ہے حالانکہ اسلام لے آنے کے بعد کفر کی سزاء ختم ہوجاتی ہے **لأن الإسلام یهدم ما کان قبله** اور موت کے بعد کسی شخص پر سزاء قائم نہیں کی جاسکتی، نیز دنیا میں کافر پر اس لیے سزاء مقرر کی جاتی ہے تاکہ اس کا شر دور کیا جاسکے اور چوں کہ اسلام یا موت کی وجہ سے یہ شر ختم ہو چکا ہے اور ایجاب جزیہ کا مقصد حاصل ہو چکا ہے اس لیے اب اس کے وجوب کو باقی رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اسقاط جزیہ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جزیہ کا وجوب ہمارے حق میں نصرت کا بدل ہے اور اسلام لانے کی وجہ سے ذمی اور من کانت علیه الجزیة بذات خود نصرت پر قادر ہوگیا اس لیے اب اصل سے کام ہوگا نہ کہ بدل سے ''آب آید تیمم برخاست''

والعصمة الخ یہاں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب ہے جس کا حاصل ہے کہ جزیہ کو عصمت کا بدل کہنا درست نہیں ہے، کیونکہ جزیہ سے عصمت اور سکونت نہیں ثابت ہوتی، بلکہ عصمت آدمیت کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے نیز اس کی سکونت اس کی تجارت اور خرید وفروخت کرنے کی وجہ سے اس کی اپنی ذات ملکیت میں ثابت ہوتی ہے، نہ کہ جزیہ واجب کرنے سے لہٰذا جزیہ کو عصمت اور سکونت کا بدل قرار دینا درست نہیں ہے۔

وَإِنِ اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْحَوْلَانِ تَدَاخَلَتِ الْجِزْيَتَانِ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ وَمَنْ لَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ خِرَاجُ رَأْسِهِ حَتَّى مَضَتِ السَّنَةُ وَجَاءَتْ سَنَةٌ أُخْرَى لَمْ يُؤْخَذْ، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُؤْخَذُ مِنْهُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَإِنْ مَاتَ عِنْدَ تَمَامِ السَّنَةِ لَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا وَكَذٰلِكَ إِنْ مَاتَ فِيْ بَعْضِ السَّنَةِ، أَمَّا مَسْأَلَةُ الْمَوْتِ فَقَدْ ذَكَرْنَاهَا، وَقِيْلَ خِرَاجُ الْأَرْضِ عَلَى هٰذَا الْخِلَافِ، وَقِيْلَ لَا تَدَاخُلَ فِيْهِ بِالْإِتِّفَاقِ، لَهُمَا فِي الْخِلَافِيَّةِ أَنَّ الْخَرَاجَ وَجَبَ عِوَضًا، وَالْأَعْوَاضُ إِذَا اجْتَمَعَتْ وَأَمْكَنَ اسْتِيْفَاؤُهَا تُسْتَوْفَى وَقَدْ أَمْكَنَ فِيْمَا نَحْنُ فِيْهِ بَعْدَ تَوَالِي السِّنِيْنَ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَسْلَمَ لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ اسْتِيْفَاؤُهُ، وَلِأَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهَا وَجَبَتْ عُقُوْبَةً عَلَى الْإِصْرَارِ عَلَى الْكُفْرِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ وَلِهٰذَا لَاتُقْبَلُ مِنْهُ لَوْ بَعَثَ عَلَى يَدِ نَائِبِهِ فِيْ أَصَحِّ الرِّوَايَاتِ بَلْ يُكَلَّفُ أَنْ يَأْتِيَ بِهِ بِنَفْسِهِ فَيُعْطِيْ قَائِمًا وَالْقَابِضُ مِنْهُ قَاعِدٌ، وَفِيْ رِوَايَةٍ يَأْخُذُ بِتَلْبِيْبِهِ وَيَهُزُّهُ هَزًّا وَيَقُوْلُ أَعْطِنِي الْجِزْيَةَ يَا ذِمِّيُّ، وَقِيْلَ عَدُوَّ اللّٰهِ فَثَبَتَ أَنَّهُ عُقُوْبَةٌ وَالْعُقُوْبَاتُ تَدَاخَلَتْ كَالْحُدُوْدِ، وَلِأَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ الْقَتْلِ فِيْ حَقِّهِمْ وَعَنِ النُّصْرَةِ فِيْ حَقِّنَا كَمَا ذَكَرْنَا لٰكِنْ فِي الْمُسْتَقْبَلِ لَا

فِي الْمَاضِيْ، لِأَنَّ الْقَتْلَ إِنَّمَا يُسْتَوْفٰى لِحِرَابٍ قَائِمٍ فِي الْحَالِ لَا لِحِرَابٍ مَاضٍ وَكَذَا النُّصْرَةُ فِي الْمُسْتَقْبِلِ، لِأَنَّ الْمَاضِيْ وَقَعَتِ الْغُنْيَةُ عَنْهُ، ثُمَّ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الْجِزْيَةِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ وَجَاءَتْ سَنَةٌ أُخْرٰى حَمَلَهُ بَعْضُ الْمَشَائِخِ عَلَى الْمَضِيِّ مَجَازًا وَقَالَ الْوُجُوْبُ بِاٰخِرِ السَّنَةِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْمَضِيِّ لِيَتَحَقَّقَ الْإِجْتِمَاعُ فَيَتَدَاخَلُ، وَعِنْدَ الْبَعْضِ هُوَ مَجْرًى عَلٰى حَقِيْقَتِهٖ، وَالْوُجُوْبُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِأَوَّلِ الْحَوْلِ فَيَتَحَقَّقُ الْإِجْتِمَاعُ بِمُجَرَّدِ الرَّأْيِ، وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْوُجُوْبَ عِنْدَنَا فِي ابْتِدَاءِ الْحَوْلِ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي اٰخِرِهٖ اِعْتِبَارًا بِالزَّكٰوةِ، وَلَنَا أَنَّ مَا وَجَبَ بَدَلًا عَنْهُ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا فِي الْمُسْتَقْبِلِ عَلٰى مَا قَرَّرْنَاهُ فَتَعَذَّرَ إِيْجَابُهٗ بَعْدَ مُضِيِّ الْحَوْلِ فَأَوْجَبْنَاهَا فِيْ أَوَّلِهٖ.

ترجمہ: اگر کسی ذمی پر دو سال گذر جائیں تو دو جزیوں میں تداخل ہو جائے گا۔ جامع صغیر میں ہے کہ جس شخص سے جزیہ نہ لیا گیا حتی کہ سال گذر گیا اور دوسرا سال آگیا تو اس سے سال گذشتہ کا جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے سالِ گذشتہ کا بھی جزیہ لیا جائے گا یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔

اور اگر سال پورا ہونے کے بعد وہ ذمی مر گیا تو کسی کے یہاں بھی اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ ایسے ہی اگر سال کے اندر مرا ہو۔ رہا موت کا مسئلہ تو ہم اسے بیان کر چکے ہیں اور کہا گیا کہ زمین کا خراج بھی اسی اختلاف پر ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ خراج ارض میں بالاتفاق تداخل نہیں ہوگا، مختلف فیہ مسئلے میں حضرات صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ خراج عوض بن کر واجب ہوا ہے اور اعواض اگر جمع ہو جائیں اور ان کی وصولیابی ممکن ہو تو انھیں وصول کر لیا جائے گا۔ اور جس مسئلے میں ہم ہیں اس میں لگاتار کئی سال گذرنے کے بعد بھی وصولیابی ممکن ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب ذمی مسلمان ہو جائے، کیونکہ اس وقت استیفاء متعذر ہو جائے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ کفر پر مصر ہونے کی وجہ سے بطور سزاء مقرر ہوا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، اسی لیے اگر ذمی اپنے نائب کے ہاتھ جزیہ بھیجے تو اصح الروایت میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے بذات خود لے کر آنے کا مکلف بنایا جائے گا چنانچہ وہ لائے اور کھڑے ہو کر دے اور امام بیٹھ کر اس سے لے۔ ایک روایت میں ہے کہ امام اس کے سینے کے اوپری حصے کو پکڑ کر اسے حرکت دے اور یوں کہے اے ذمی مجھے جزیہ دے، ایک قول ہے عدو اللہ کہے، معلوم ہوا کہ جزیہ عقوبت ہے اور عقوبات جب جمع ہو جاتی ہیں تو ان میں تداخل ہو جاتا ہے جیسے حدود میں تداخل ہو جاتا ہے۔

اور اس لیے کہ جزیہ ذمیوں کے حق میں قتل کا عوض ہے اور ہمارے حق میں نصرت کا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، لیکن یہ مستقبل کے لیے ہے ماضی کے لیے نہیں ہے، کیونکہ قتل اسی لڑائی کا وصول کیا جاتا ہے جو فی الحال ہو رہی ہے نہ کہ گذشتہ لڑائی کا نیز نصرت بھی مستقبل سے متعلق ہے، اس لیے کہ ماضی سے تو استغناء ہو چکا ہوتا ہے، پھر جامع صغیر میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول وجاءت سنة أخرى کو بعض مشائخ نے دوسرا سال گذرنے پر محمول کیا ہے اور یوں فرمایا ہے کہ وجوبِ اداء تو آخر سال میں ہوتا ہے لہٰذا سال گذرنا ضروری ہے تا کہ اجتماع متحقق ہو جائے اور تداخل ہو سکے۔ اور بعض مشائخ کے یہاں وہ اپنی حقیقت پر محمول ہے اور امام اعظم

رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سال کے شروع میں وجوب ہوجاتا ہے لہٰذا دوسرا سال آتے ہی اجتماع متحقق ہوجائے گا اور اصح یہ ہے کہ ہمارے یہاں ابتدائے سال میں وجوب ہوتا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں آخری سال میں وجوب ہوتا ہے زکوۃ پر قیاس کرتے ہوئے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جو چیز قتل کے بدلے واجب ہوتی ہے وہ مستقبل ہی میں متحقق ہوتی ہے جیسا کہ ہم اسے ثابت کرچکے ہیں لہٰذا سال گزرنے کے بعد اسے واجب کرنا متعذر ہے اس لیے ہم نے ابتدائے سال میں اسے واجب کردیا ہے۔

اللغات:

﴿حول﴾ ایک سال۔ ﴿تداخلت﴾ ایک دوسرے میں داخل ہوجائیں گے۔ ﴿خراج رأس﴾ جزیہ، وہ ٹیکس جو ذات پر واجب ہوتا ہے۔ ﴿مضت﴾ گزر گیا۔ ﴿سنة﴾ ایک سال۔ ﴿أعواض﴾ واحد عوض؛ بدلہ، وہ چیز جو بدل کے طور پر ادا کی جائے۔ ﴿استیفاء﴾ وصولی، حصول۔ ﴿توالی﴾ پے در پے ہونا، ایک کے بعد دوسرا ہونا۔ ﴿تعذّر﴾ مشکل ہوا، ناممکن ہوا۔ ﴿تلبیب﴾ سینے کا اوپر کا حصہ۔ ﴿یهزّہ﴾ اس کو جھنجھوڑے، زور سے ہلائے۔ ﴿عقوبة﴾ سزا۔ ﴿مضیّ﴾ گزرنا۔

جزیہ کی قضا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی ذمی نے ایک سال کا جزیہ نہیں دیا یہاں تک کہ وہ سال گذر گیا اور دوسرا سال آگیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دوسرا سال آتے ہی دونوں جزیوں میں تداخل ہوجائے گا اور اس پر صرف ایک ہی جزیہ واجب ہوگا جب کہ حضرات صاحبین اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دوسرا سال آکر جب ختم ہوجائے گا تب اس پر دونوں سال کا جزیہ واجب ہوگا یعنی ان حضرات کے یہاں تداخل نہیں ہوگا اور اگر ذمی سال پورا ہونے پر مرجائے تو کسی کے یہاں بھی اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ خراج کا مسئلہ بھی اسی اختلاف پر ہے، یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس میں بھی تداخل ہوگا جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں تداخل نہیں ہوگا۔ اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ خراج میں کسی کے یہاں بھی تداخل نہیں ہوگا۔

لهما في الخلافية الخ مختلف فیہ مسئلے میں حضرات صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ خراج رأس یعنی جزیہ عوض بن کر واجب ہوا ہے اور اعواض اگر جمع ہوجائیں اور ان کی وصولیابی ممکن ہو تو انھیں وصول کرلیا جاتا ہے اور ان میں تداخل نہیں ہوتا اور صورت مسئلہ میں چوں کہ کئی سال کا جزیہ وصول کرنا ممکن ہے اس لیے ہر ہر سال کا جزیہ وصول کیا جائے گا، ہاں اگر ذمی مسلمان ہوجائے تو اب اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، کیونکہ مسلمان کی توقیر اور اس کی تکریم کرنا واجب ہے جب کہ جزیہ لینے میں اس کی توہین وتذلیل ہے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ کفر پر اڑے رہنے کی سزاء ہے (اسی لیے صرف ذمی ہی سے جزیہ لیا جائے گا اور اس کے کسی نائب یا قاصد کے ہاتھ سے نہیں لیا جائے گا) اور سزاؤں کا حکم یہ ہے کہ اگر ان کا اجتماع ہوجائے تو ان میں تداخل ہوجاتا ہے جیسے حدود کا معاملہ ہے کہ اگر ایک شخص نے کئی لوگوں پر تہمت لگائی اور اس پر کئی حد قذف واجب ہوئیں تو صرف ایک ہی مرتبہ اسے حد لگائی جائے گی اور حدود میں تداخل ہوجائے گا اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی جب جزیہ سزاء ہے تو اجتماع جزئی کے وقت تداخل ہوجائے گا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جزیہ ذمیوں کے حق میں قتل نہ کرنے کا عوض ہے اور ہمارے حق میں نصرت نہ کرنے

کا بدل ہے یعنی چوں کہ وہ ہماری نصرت نہیں کرتے اور ہم جزیہ لے کر انھیں قتل نہیں کرتے اور قتل اور نصرت کا تعلق مستقبل سے ہے نہ کہ ماضی سے، کیونکہ ماضی میں واقع شدہ فعل سے تو زمانہ گذرنے کے ساتھ بے پرواہی اور استغناء ہو جاتا ہے، لہٰذا اس حوالے سے بھی زمانہ ہائے ماضیہ کے جزیوں میں تداخل ہو جائے گا۔

ثم قول محمد رحمۃ اللہ علیہ الخ فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں و جائت سنة أخرى کی جو عبارت پیش کی ہے بعض مشائخ کے یہاں اس سے دوسرے سال کا گذرنا مراد ہے اور بعض کے یہاں دوسرے سال کا آنا مراد ہے اور یہی احناف کے یہاں اصح بھی ہے کہ نفسِ وجوب اولِ سال میں ہوتا ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ وجوب آخر سال میں ہوتا ہے جیسا کہ زکوۃ میں بھی وجوب آخر سال میں ہوتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جزیہ بدل عن القتل والنصرۃ ہے اور بدل صرف مستقبل میں متحقق ہوتا ہے کیونکہ سال گذرنے کے بعد وہ سال پھر ماضی ہو جائے گا حالانکہ ماضی سے استغناء ہو جاتا ہے اس لیے ہم نے مستقبل میں اسے واجب کیا ہے اور مستقبل کا تحقق ابتدائے سال میں ہوگا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اسے زکوۃ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ زکوۃ کے لیے حولانِ حول شرط ہے اور حول فصول اربعہ پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے اس میں مجبوراً آخر سال میں زکوۃ واجب کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

فَصْلٌ أَیْ هٰذَا فَصْلٌ فِيْ بَيَانِ مَايَجُوْزُ لَهُمْ أَنْ يَفْعَلُوْا مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالسُّكْنٰى

یہ فصل اس چیز کے بیان میں ہے کہ ذمیوں کے لیے سکنیٰ سے متعلق کون سے امور جائز ہیں

وَلَايَجُوْزُ إِحْدَاثُ بَيْعَةٍ وَلَاكَنِيْسَةٍ فِيْ دَارِالْإِسْلَامِ لِقَوْلِهِ [1] عَلَيْهِ السَّلَامُ ((لَاخَصَاءَ فِي الْإِسْلَامِ وَلَا كَنِيْسَةَ))، وَالْمُرَادُ إِحْدَاثُهَا، وَإِنِ انْهَدَمَتِ الْبِيَعُ وَالْكَنَائِسُ الْقَدِيْمَةُ أَعَادُوْهَا، لِأَنَّ الْأَبْنِيَةَ لَاتَبْقٰى دَائِمَةً، وَلَمَّا أَقَرَّهُمُ الْإِمَامُ فَقَدْ عَهِدَ إِلَيْهِمُ الْإِعَادَةَ إِلَّا أَنَّهُمْ لَا يُمَكَّنُوْنَ مِنْ نَقْلِهَا، لِأَنَّهُ إِحْدَاثٌ فِي الْبَيْتِ، لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلسُّكْنٰى، وَهٰذَا فِي الْأَمْصَارِ دُوْنَ الْقُرٰى، لِأَنَّ الْأَمْصَارَ هِيَ الَّتِيْ تُقَامُ فِيْهَا الشَّعَائِرُ فَلَا تُعَارَضُ بِإِظْهَارِ مَا يُخَالِفُهَا، وَقِيْلَ فِيْ دِيَارِنَا يُمْنَعُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ فِي الْقُرٰى أَيْضًا، لِأَنَّ فِيْهَا بَعْضَ الشَّعَائِرِ، وَالْمَرْوِيُّ عَنْ صَاحِبِ الْمَذْهَبِ فِيْ قُرَى الْكُوْفَةِ، لِأَنَّ أَكْثَرَ أَهْلِهَا أَهْلُ الذِّمَّةِ، وَفِيْ أَرْضِ الْعَرَبِ يُمْنَعُوْنَ مِنْ ذٰلِكَ فِيْ أَمْصَارِهَا وَقُرَاهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ((لَايَجْتَمِعُ دِيْنَانِ فِيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ)).

ترجمہ: دار الاسلام میں بیعہ اور کنیسہ بنانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''اسلام میں خصی ہونا اور کنیسہ بنانا جائز نہیں ہے۔ اور اس سے مراد از سرنو بنانا ہے۔ اور اگر بیعہ اور پرانے کنیسہ منہدم ہوگئے ہوں تو انہیں دوبارہ بنا سکتے ہیں، کیونکہ عمارت ہمیشہ باقی نہیں رہتی اور جب امام نے ذمیوں کو (دار الاسلام میں) رہنے کا اختیار دیدیا ہے تو اس نے ان کی عبادت گاہ کو دوبارہ بنانے کا بھی عہد کرلیا ہے، لیکن ذمیوں کو کنیسہ یا بیعہ منتقل کرنے کی قدرت نہیں دی جائے گی، اس لیے کہ نقل درحقیقت احداث ہے اور وہ صومعہ جو تخلی کے لیے ہوتا ہے وہ بیعہ کے درجے میں ہے۔ برخلاف گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ کے، کیونکہ یہ جگہ سکنیٰ کے تابع ہوتی ہے اور یہ احکام شہروں کے ہیں، دیہات کے نہیں ہیں، کیونکہ شہروں میں شعائر قائم کئے جاتے ہیں لہٰذا دیہات میں کچھ کرنا ان شعائر کے مخالف نہیں ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ ہمارے علاقے میں دیہات میں بھی یہ کام کرنے سے انھیں روکا جائے گا، کیونکہ دیہات میں بھی کچھ شعائر ہوتے ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ کوفہ کے دیہات میں جائز ہے، کیونکہ وہاں کے اکثر باشندے ذمی ہیں اور سرزمین عرب کے شہروں اور دیہاتوں دونوں میں اس سے منع کیا جائے گا، اس لیے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''جزیرۃ العرب میں دو

دین اکٹھا نہیں ہوں گے''۔

اللغات:

﴿إحداث﴾ نیا بنانا۔ ﴿بیعة﴾ عیسائیوں کی مجاہدہ گاہ، خانقاہ۔ ﴿کنیسة﴾ سینی گاگ، یہودیوں کی عبادت گاہ۔ ﴿خصاء﴾ آختگی، خصی ہو جانا، آختہ بننا۔ ﴿اقرّ﴾ برقرار رکھا ہے۔ ﴿سکنٰی﴾ رہائش۔ ﴿أمصار﴾ واحد مصر؛ شہر۔ ﴿قریٰ﴾ واحد قریة؛ بستیاں۔

تخریج:

❶ اخرجہ البیہقی فی کتاب السنن الکبری ۱۰/۴۱.

❷ اخرجہ اسحاق بن راھویہ فی مسندہ وانظر نصب الرایہ.

ذمیوں کی مذہبی سرگرمیاں:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دار الاسلام میں جزیہ دے کر جو ذمی رہتے ہیں ان کے لیے وہاں کنیسہ اور بیعہ کی تعمیر کرنا درست اور جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث پاک میں صاف طور پر یہ وضاحت کردی گئی ہے کہ اسلام میں نہ تو خصی ہونا جائز ہے اور نہ ہی کنیسہ بنانے کی اجازت ہے۔ اور حدیث پاک میں خصاء اور کنیسہ کا حکم اس لیے ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے، کیونکہ دو آدمیوں نے ایک ساتھ علی الترتیب خصاء اور کنیسہ کے متعلق حضرت نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا تھا اور آپ ﷺ نے ایک ہی ساتھ غالبا دونوں کو جواب مرحمت فرمایا تھا۔ (بنایہ: ۶/۶۸۳) ہاں اگر پہلے سے یہودیوں اور نصاری کی عبادت گاہیں موجود ہوں اور منہدم ہوگئی ہوں تو ان کی مرمت کرنے اور رنگ وروغن کرانے کی اجازت ہوگی، اس لیے کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ کوئی بھی عمارت ہمیشہ باقی نہیں رہتی اور اس کی مرمت کاری وغیرہ کرانی پڑتی ہے اور پھر جب امام نے ذمیوں کو دار الاسلام میں رہنے کی اجازت دیدی تو اس کے ضمن میں یہ عہد بھی شامل ہوگیا کہ ہم تمہاری قدیم عبادت گاہوں کو تمہیں دیدیں گے لأنا أمرنا بترکھم ومایدینون البتہ نئی عبادت گاہ بنانے نہیں دیں گے اور نہ ہی پرانی عبادت گاہوں کو منتقل کرنے کی اجازت ہوگی، اس لیے کہ نقل بھی حقیقت میں احداث ہی ہے اور حدیث پاک میں احداث ہی سے منع کیا گیا ہے۔

والصومعة الخ فرماتے ہیں کہ وہ عبادت خانہ جسے یہود تخلیہ کرنے اور لوگوں سے کنارہ کش ہو کر عبادت کرنے کے لیے بناتے ہیں اس کا حکم بھی کنیسہ اور بیعہ کے حکم کی طرح ہے یعنی از سرنو اسے بھی بنانا جائز نہیں ہے، البتہ مرمت وغیرہ کرائی جاسکتی ہے، اسی طرح اگر کوئی ذمی اپنے گھر میں نماز اور عبادت کے لیے کوئی جگہ متعین کرلے اور بنالے تو اس کی بھی اجازات ہوگی، کیونکہ یہ اس کی رہائش اور اس کے مکان ومسکن کے تابع ہے اور اسے مکان وغیرہ کی تعمیر سے کوئی نہیں روسکتا۔

وهذا في الأمصار الخ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ممانعت کا یہ حکم شہروں سے متعلق ہے اور دیہات میں کوئی ممانعت نہیں ہے، کیونکہ شہروں میں ہی شعائر اسلامیہ موجود ہوتے ہیں اس لیے شہروں کے علاوہ دیہات میں ذمیوں کو بیعہ وغیرہ بنانے سے نہیں روکا جائے گا، لیکن علامہ شمس الأئمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ہمارے علاقے کے دیہات میں بھی ذمیوں کو اس کام سے روکا

جائے گا اس لیے کہ ان دیہاتوں میں بھی شعائر اسلام مثلاً اذان واقامت اور نماز با جماعت کا قیام ہوتا ہے، البتہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ کوفہ کے دیہاتوں میں ذمیوں کو احداث بیعہ وغیرہ سے منع نہیں کیا جائے گا، کیونکہ کوفہ کے دیہات میں ذمی ہی زیادہ تر آباد ہیں اور وہاں مسلمان بھی کم ہیں اور اسلامی شعائر بھی کم ہیں اس لیے وہاں اس کو جائز قرار دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، ہاں عرب کے شہر اور دیہات کہیں بھی اس کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ حدیث پاک میں ہے لایجتمع دینان في جزيرة العرب۔

قَالَ وَيُؤْخَذُ أَهْلُ الذِّمَّةِ بِالتَّمَيُّزِ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ زِيِّهِمْ وَمَرَاكِبِهِمْ وَسُرُوْجِهِمْ وَقَلَانِسِهِمْ فَلَايَرْكَبُوْنَ الْخَيْلَ وَلَايَعْمَلُوْنَ بِالسِّلَاحِ، وَفِي الْجَامِعِ وَيُؤْخَذُ أَهْلُ الذِّمَّةِ بِإِظْهَارِ الْكُسْتِيْجَاتِ وَالرُّكُوْبِ عَلَى السُّرُوْجِ الَّتِيْ هِيَ كَهَيْأَةِ الْأُكُفِ، وَإِنَّمَا يُؤْخَذُوْنَ بِذٰلِكَ إِظْهَارًا لِلصَّغَارِ عَلَيْهِمْ وَصِيَانَةً لِضَعَفَةِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَلِأَنَّ الْمُسْلِمَ يُكْرَمُ وَالذِّمِّيُّ يُهَانُ وَلَايُبْتَدَأُ بِالسَّلَامِ وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ الطَّرِيْقُ فَلَوْلَمْ يَكُنْ عَلَامَةٌ مُمَيِّزَةٌ فَلَعَلَّهُ يُعَامَلُ مُعَامَلَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَذٰلِكَ لَايَجُوْزُ، وَالْعَلَامَةُ تَجِبُ أَنْ يَكُوْنَ خَيْطًا غَلِيْظًا مِنَ الصُّوْفِ يَشُدُّهُ عَلٰى وَسْطِهِ دُوْنَ الزُّنَّارِ مِنَ الْإِبْرَيْسَمِ فَإِنَّهُ جَفَاءٌ فِيْ حَقِّ أَهْلِ الْإِسْلَامِ، وَيَجِبُ أَنْ يَتَمَيَّزَ نِسَاؤُهُمْ عَنْ نِسَائِنَا فِي الطُّرُقَاتِ وَالْحَمَّامَاتِ وَيَجْعَلُ عَلٰى دُوْرِهِمْ عَلَامَاتٌ كَيْ لَا يَقِفُ عَلَيْهِمْ سَائِلٌ يَدْعُوْ لَهُمْ بِالْمَغْفِرَةِ، قَالُوْا الْأَحَقُّ أَنْ لَايُتْرَكُوْا أَنْ يَرْكَبُوْا إِلَّا لِلضَّرُوْرَةِ وَإِذَا رَكِبُوْا لِلضَّرُوْرَةِ فَلْيَنْزِلُوْا فِيْ جَامِعِ (مَجَامِعِ) الْمُسْلِمِيْنَ فَإِنْ لَزِمَتْهُ ضَرُوْرَةٌ اِتَّخَذُوْا سَرْجًا بِالصِّفَةِ الَّتِيْ تَقَدَّمَتْ، وَيُمْنَعُوْنَ عَنْ لِبَاسٍ يَخْتَصُّ بِهٖ أَهْلُ الْعِلْمِ وَالزُّهْدِ وَالشَّرَفِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ذمیوں سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنے لباس، اپنی سواریاں، اپنی زین اور اپنی ٹوپیوں میں مسلمانوں سے علاحدگی اور امتیاز پیدا کریں چنانچہ وہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں اور ہتھیار نہ لٹکائیں، جامع صغیر میں ہے کہ ذمیوں پر یہ دباؤ ڈالا جائے کہ وہ دھاگا باندھیں اور ان زینوں پر سوار ہوں جو خچروں اور گدھوں کے پالان کی طرح ہوتی ہیں اور ایسا اس لیے کیا جائے گا تا کہ ان کی ذلت ہو اور کم زور مسلمان ان سے محفوظ رہیں۔ اور اس لیے کہ مسلمان کا اکرام کیا جاتا ہے اور ذمی کی توہین کی جاتی ہے، اس کو پہلے سلام نہیں کیا جاتا اور اس کا راستہ تنگ کر دیا جاتا ہے لہٰذا اگر کوئی علامت ممیزہ نہیں ہوگی تو ہوسکتا ہے کہ ذمی کے ساتھ بھی مسلمانوں جیسا برتاؤ کر دیا جائے حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔

اور علامت یہ ہے کہ اس کے پاس اون کا ایک موٹا تاگا ہو جسے وہ اپنی کمر میں باندھے لیکن یہ ریشمی زنار نہ ہو، اس لیے کہ زنار مسلمانوں کے حق میں ظلم ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ذمیوں کی عورتیں مسلمانوں کی عورتوں سے راستوں اور غسل خانہ میں الگ رہیں اور ان کے دروازوں پر نشانیاں بنادی جائیں تا کہ کوئی سائل وہاں کھڑا ہو کر ان کے لیے دعائے مغفرت نہ کر سکے، حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ بلاضرورت انھیں سوار ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اگر بوقت ضرورت وہ سوار ہوں تو مسلمانوں کے مجمع پر اتر کر چلیں اور اگر

(مجمع کے پاس بھی سوار ہو کر چلنے کی) ضرورت ہو تو وہ پالان کی طرح زین بنالیں۔ اور انھیں ایسا لباس پہننے سے منع کیا جائے گا جو علماء، بزرگان دین اور شریفان قوم کے ساتھ مخصوص ہو۔

اللغات:

﴿زیّ﴾ حلیہ، لباس۔ ﴿مراکب﴾ واحد مرکب؛ سواریاں۔ ﴿سروج﴾ زین، پالان۔ ﴿قلانس﴾ ٹوپیاں۔ ﴿خیل﴾ گھوڑے۔ ﴿اکف﴾ گدھے کی کاٹھی۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار، اسلحہ۔ ﴿کستیجات﴾ جنیؤ، مذہبی علامتی دھاگے۔ ﴿صیانۃ﴾ بچاؤ، حفاظت۔ ﴿خیط﴾ دھاگا۔ ﴿غلیظ﴾ موٹا، گاڑھا۔ ﴿صوف﴾ اون۔

دارالاسلام میں ذمیوں کے رہنے کے طور طریقے:

اس پوری عبادت میں ذمیوں کے دارالاسلام میں رہنے کے طور وطریقے اور لباس وغیرہ پہننے کے اصول بیان کئے گئے ہیں جو ترجمے سے واضح ہیں، البتہ چند الفاظ اس میں نئے ہیں جن کی حقیقت سے آپ کو مطلع کرایا جارہا ہے۔

(۱) زِیٌّ اس کی جمع أزیاء ہے بمعنی لباس، ڈریس۔

(۲) کستیجات اس کا واحد کُستیج ہے بمعنی انگلی کے بقدر ایک موٹا دھاگا جسے ذمی اپنے کپڑوں کے اوپر باندھتے ہیں۔

(۳) اُکُف اس کا واحد اکاف ہے بمعنی گدھے کی پالان۔

وَمَنِ امْتَنَعَ مِنَ الْجِزْيَةِ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمًا أَوْ سَبَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْ زَنٰى بِمُسْلِمَةٍ لَمْ يُنْتَقَضْ عَهْدُهُ، لِأَنَّ الْغَايَةَ الَّتِي يَنْتَهِي بِهَا الْقِتَالُ اِلْتِزَامُ الْجِزْيَةِ لَا أَدَاؤُهَا، وَالْإِلْتِزَامُ بَاقٍ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ سَبُّ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُوْنُ نَقْضًا، لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا يَنْقُضُ إِيْمَانَهُ فَكَذَا يَنْقُضُ أَمَانَهُ، إِذْ عَقْدُ الذِّمَّةِ خَلَفٌ عَنْهُ، وَلَنَا أَنَّ سَبَّ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُفْرٌ مِنْهُ، وَالْكُفْرُ الْمُقَارِنُ لَايَمْنَعُهُ فَالطَّارِيُ لَايَرْفَعُهُ، قَالَ وَلَايَنْتَقِضُ الْعَهْدُ إِلَّا أَنْ يَلْحَقَ بِدَارِ الْحَرْبِ أَوْ يَغْلِبُوْنَ عَلٰى مَوْضِعٍ فَيُحَارِبُوْنَنَا، لِأَنَّهُمْ صَارُوْا حَرْبًا عَلَيْنَا فَيَعْرٰى عَقْدُ الذِّمَّةِ عَنِ الْفَائِدَةِ وَهُوَ دَفْعُ شَرِّ الْحِرَابِ، وَإِذَا نَقَضَ الذِّمِّيُّ الْعَهْدَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُرْتَدِّ، مَعْنَاهُ فِي الْحُكْمِ بِمَوْتِهِ بِاللِّحَاقِ، لِأَنَّهُ الْتَحَقَ بِالْأَمْوَاتِ، وَكَذَا فِيْ حُكْمِ مَا حَمَلَهُ مِنْ مَالِهِ إِلَّا أَنَّهُ لَوْ أُسِرَ يُسْتَرَقُّ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ.

ترجمہ: جو ذمی جزیہ دینے سے انکار کردے یا کسی مسلمان کو قتل کردے یا حضرت نبی کریم ﷺ پر سب وشتم کرے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ قتال کی آخری غایت یہ ہے کہ وہ ذمی جزیہ کو اپنے اوپر لازم کرلے اور اس کی ادائیگی آخری حد نہیں ہے اور اس کا التزام باقی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینا نقض عہد ہے کیونکہ اگر گالی بکنے والا مسلمان ہو تو اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح ذمی کا عہد بھی (سب وشتم سے) ختم ہو جائے گا اس لیے کہ عقد ذمہ ایمان کا خلیفہ ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو سب وشتم کرنا کفر ہے اور وہ کفر جو عقد ذمہ سے متصل تھا وہ اس کے ذمے ہونے سے مانع نہیں ہوا تو کفر طاری اس عہد اور عقد کو ختم بھی نہیں کرے گا۔

فرماتے ہیں کہ ذمی کا عہد نہیں ٹوٹے گا الّا یہ کہ وہ دار الحرب چلا جائے یا ذمی کسی جگہ غالب اور اکٹھا ہو کر ہم مسلمانوں سے لڑائی کرنے لگیں، کیونکہ اس صورت میں وہ ہمارے خلاف لڑاکا بن جائیں گے اور عقد ذمہ فائدہ یعنی لڑائی کی برائی کے خاتمے سے خالی ہو جائے گا۔ اور اگر ذمی اپنا عہد توڑ دے تو وہ مرتد کے درجے ہو جائے گا یعنی وہ مرتد کے حکم میں ہوگا کہ دار الحرب میں چلے جانے سے اس کی موت کا فیصلہ کر دیا جائے گا، کیونکہ وہ مردوں سے مل گیا ہے، اسی طرح اپنے ساتھ جو وہ مال لے گیا ہے وہ بھی مالِ مرتد کے حکم میں ہوگا، لیکن اگر اسے گرفتار کر لیا گیا تو اسے غلام بنالیا جائے گا۔ برخلاف مرتد کے۔

اللغات:

﴿امتنع﴾ رُک گیا، انکار کیا۔ ﴿سبّ﴾ زبان درازی کی، نازیبا گفتاری کی۔ ﴿لم ینتقض﴾ نہیں ٹوٹا۔ ﴿غایة﴾ انتہائی بات۔ ﴿التزم﴾ اپنے ذمے میں لیا ہے۔ ﴿یلحق﴾ ساتھ مل جائے۔ ﴿یسترق﴾ غلام بنایا جائے گا۔

ذمی کی جنایات کی سزا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی ذمی جزیہ دینے سے انکار کر دے یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا نعوذ باللہ حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کو برا بھلا کہے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے تو ان جرائم کی وجہ سے اس کا عقد ذمہ ختم نہیں ہوگا، بلکہ باقی رہے گا، کیونکہ قتل سے جو چیز مانع ہے وہ جزیہ کو لازم کرنا ہے نہ کہ جزیہ ادا کرنا اور ان جرائم کے بعد بھی اس کے حق میں التزام باقی ہے، اس لیے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اور جرائم میں تو اسے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر اس بدبخت نے حضرت نبی اکرم ﷺ پر زبانِ طعن دراز کیا تو اس کی گردن ناپ دی جائے گی اور اس کا ''عہد وہد'' اس کے منہ پر مار دیا جائے گا، کیونکہ اگر کوئی مسلمان اس طرح کی نازیبا حرکت کرتا تو اس کا ایمان سلب ہو جاتا اس لیے جب کوئی کافر ذمی اس طرح کی گستاخی کرے گا تو اس کا بھی امان ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ عقد ذمہ ایمان کا بدل ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت نبیٔ اکرم ﷺ کو برا بھلا کہنا کفر ہے حالانکہ ذمی کا کفر عقد ذمہ کے جواز سے مانع نہیں ہے، کیونکہ بحالت کفر ہی وہ ذمی بنتا ہے تو جب کفر ابتدائی مانع ذمیت نہیں ہے تو کفر طاری رافع ذمہ نہیں ہوگا ''لأن البقاء أسهل من الإبتداء''۔

قال ولا ینتقض الخ فرماتے ہیں کہ اگر ذمی دار الحرب چلا جائے یا ذمی اپنی ایک پارٹی بنا کر مسلمانوں پر حملہ کر دیں تو ان کا عہد و امان ختم ہو جائے گا، اس لیے کہ ایسا کرنے سے وہ ہمارے خلاف لڑائی کرنے والے بن جائیں گے اور عقد ذمہ کا مقصد اور اس کی منفعت یعنی دفع شر الحراب فوت ہو جائے گی۔ اور نقضِ عہد کے بعد ذمی کی جان اور اس کا مال مرتد کی جان اور اس کے مال کے حکم میں ہوگی، کیونکہ وہ دار الحرب جا کر کفار سے مل گیا ہے جو ایک طرح سے مردے ہیں، اور مرتد کی بیوی کی طرح اس کی بیوی بھی اگر دار الاسلام میں ہو تو بائنہ ہو جائے گی اسی طرح مسلمان اگر دار الحرب پر قابض ہو گئے تو اس کے اموال غنیمت ہو جائیں گے، البتہ اس ذمی اور مرتد میں فرق یہ ہوگا کہ ذمی گرفتار ہو کر قید بنالیا جائے گا لیکن مرتد کو قیدی نہیں بنایا جا سکتا، بلکہ اس کے سامنے صرف دو ہی راستے ہوں گے (۱) یا تو وہ اسلام قبول کرے (۲) یا پھر اپنی گردن کٹوالے۔

فَصْلٌ أَیْ هٰذَا فَصْلٌ فِيْ أَحْكَامِ نَصَارٰی بَنِيْ تَغْلَب

یہ فصل نصاری بنوتغلب کے احکام کے بیان میں ہے

نصاری بنوتغلب کے احکام عام نصاریٰ کے احکام سے مختلف ہیں اسی لیے علیحدہ فصل کے تحت انھیں بیان کیا جارہا ہے۔

وَنَصَارٰی بَنُوْتَغْلَبَ یُؤْخَذُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ ضِعْفَ مَایُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ مِنَ الزَّكَاةِ، لِأَنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ صَالَحَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ، وَیُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَلَایُؤْخَذُ مِنْ صِبْیَانِهِمْ، لِأَنَّ الصُّلْحَ وَقَعَ عَلَى الصَّدَقَةِ الْمُضَاعَفَةِ، وَالصَّدَقَةُ تَجِبُ عَلَیْهِنَّ دُوْنَ الصِّبْیَانِ فَكَذَا الْمُضَاعَفُ، وَقَالَ زُفَرُ رحمۃ اللہ علیہ لَایُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ أَیْضًا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رحمۃ اللہ علیہ، لِأَنَّهٗ جِزْیَةٌ فِي الْحَقِیْقَةِ عَلٰى مَا قَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ هٰذِهٖ جِزْیَةٌ فَسَمُّوْهَا مَاشِئْتُمْ وَلِهٰذَا تُصْرَفُ مَصَارِفَ الْجِزْیَةِ وَلَاجِزْیَةَ عَلَى النِّسْوَانِ، وَلَنَا أَنَّهٗ مَالٌ وَجَبَ بِالصُّلْحِ، وَالْمَرْأَةُ مِنْ أَهْلِ وُجُوْبِ مِثْلِهٖ عَلَیْهَا، وَالْمَصْرَفُ مَصَالِحُ الْمُسْلِمِیْنَ، لِأَنَّهٗ مَالُ بَیْتِ الْمَالِ وَذٰلِكَ لَایَخْتَصُّ بِالْجِزْیَةِ، أَلَا تَرٰی أَنَّهٗ لَایُرَاعٰی فِیْهِ شَرَائِطُهَا.

ترجمه: نصاریٰ بنوتغلب کے اموال سے مسلمانوں سے لی جانے والی زکوۃ کا دوگنا مال لیا جائے گا اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اسی مقدار پر ان سے صلح کی تھی، ان کی عورتوں سے بھی لیا جائے گا، لیکن ان کے بچوں سے نہیں لیا جائے گا، کیونکہ صلح صدقہ مضاعفہ پر واقع ہوئی ہے اور صدقہ عورتوں پر واجب ہے نہ کہ بچوں پر، لہٰذا مضاعف بھی عورتوں پر ہی واجب ہوگا۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ ان کی عورتوں سے بھی نہیں لیا جائے گا یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے اس لیے کہ یہ در حقیقت جزیہ ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا یہ جزیہ ہے لہٰذا تم چاہو اسے نام دیدو اسی لیے اس کو جزیہ کے مصارف میں صرف کیا جاتا ہے اور عورتوں پر جزیہ نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ ایسا مال ہے جو صلح کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور عورت اس بات کی اہل ہے کہ اس پر اس جیسا مال واجب کیا جائے۔ اور اس کا مصرف مصالح المسلمین ہیں اس لیے کہ یہ بیت المال کا مال ہے اور یہ مصرف جزیہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، کیا دکھتا نہیں کہ اس میں جزیہ کی شرطوں کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

اللغات:

﴿ضعف﴾ دوگنا، دوہرا۔ ﴿صالحهم﴾ ان سے مصالحت کی تھی۔ ﴿محضر﴾ موجودگی۔ ﴿صبیان﴾ واحد صبی: بچے۔ ﴿سموها﴾ اس کا نام رکھو۔ ﴿تصرف﴾ خرچ کیا جاتا ہے۔

بنوتغلب کے جزیہ کی مقدار:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نصاری بنوتغلب سے جو جزیہ لیا جائے گا اس کی مقدار زکوۃ کے مال سے دوگنی ہوگی یعنی ان سے ہر سو دراہم میں سے پانچ دراہم لیے جائیں گے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب نصاری بنوتغلب پر جزیہ لازم کیا تو انہوں نے اس سے انکار کردیا اور یہ کہا کہ تم ہم سے زکوۃ کی مقدار مال لے لو، اس پر حضرت عمر نے فرمایا لا آخذ الصدقة عن مشرك میں مشرک سے صدقہ نہیں لوں گا تب حضرت نعمان بن زرعہ نے عرض کیا اے امیر المؤمنین خذ منهم الصدقة باسم الجزية کہ ان سے جزیہ کے نام پر صدقہ لے لیجئے چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سے صدقہ کا دوگنا مال لیا (بنایہ شرح عربی ہدایہ) اور یہ مال ان کی عورتوں سے بھی لیا جائے گا لیکن بچوں سے نہیں لیا جائے گا، کیونکہ صلح صدقۂ مضاعفہ پر واقع ہوئی تھی اور صدقہ عورتوں پر تو واجب ہے، لیکن بچے اس وجوب سے مستثنیٰ ہیں۔

امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ کے یہاں عورتوں سے بھی نہیں لیا جائے گا، کیونکہ یہ درحقیقت جزیہ ہے اور عورتوں پر جزیہ نہیں ہوتا، اسی لیے تو یہ مال مصارف جزیہ میں صرف کیا جاتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ صلح کے نتیجے میں ملنے والا مال ہے اور مال صلح عورتوں پر بھی واجب ہوتا ہے۔ اور امام زفرؒ وغیرہ کا اسے مصارف جزیہ کا مصرف قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ مال مسلمانوں کے فائدے اور منافع میں صرف کیا جاتا ہے اور یہ مصالح اموال جزیہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں، بلکہ ان میں ہر طرح کے اموال مثلاً خراج اور اہل حرب کے ہدایا سب ہوتے ہیں، اسی لیے تو یہ مال نائب کے ذریعے بھی لے لیا جاتا ہے اور اس میں معطی کے کھڑے ہوکر دینے کی شرط نہیں ہے جب کہ جزیہ میں یہ شرطیں ملحوظ ہیں، اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ مال صلح ہے، مالِ جزیہ نہیں ہے۔

وَيُوْضَعُ عَلٰى مَوْلَى التَّغْلَبِيِّ الْخَرَاجُ أَيِ الْجِزْيَةُ وَخَرَاجُ الْأَرْضِ بِمَنْزِلَةِ مَوْلَى الْقُرَشِيِّ، وَزُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُضَاعِفُ لِقَوْلِهِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ((إِنَّ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ)) أَلَاتَرٰى أَنَّ مَوْلَى الْهَاشِمِيِّ يَلْحَقُ بِهِ فِيْ حَقِّ حُرْمَةِ الصَّدَقَةِ، وَلَنَا أَنَّ هٰذَا تَخْفِيْفٌ، وَالْمَوْلٰى لَايَلْحَقُ بِالْأَصْلِ فِيْهِ وَلِهٰذَا تُوْضَعُ الْجِزْيَةُ عَلٰى مَوْلَى الْمُسْلِمِ إِذَا كَانَ نَصْرَانِيًّا، بِخِلَافِ حُرْمَةِ الصَّدَقَةِ لِأَنَّ الْحُرُمَاتِ تَثْبُتُ الشُّبُهَاتِ فَأُلْحِقَ الْمَوْلٰى بِالْهَاشِمِيِّ فِيْ حَقِّهٖ وَلَايَلْزَمُ مَوْلَى الْغَنِيِّ حَيْثُ لَاتَحْرُمُ عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ، لِأَنَّ الْغَنِيَّ مِنْ أَهْلِهَا وَإِنَّمَا الْغِنٰى مَانِعٌ وَلَمْ يُوْجَدْ فِيْ حَقِّ الْمَوْلٰى، أَمَّا الْهَاشِمِيُّ فَلَيْسَ بِأَهْلٍ لِهٰذِهِ الصِّلَةِ أَصْلًا لِأَنَّهٗ صِيْفَ لِشَرَفِهٖ وَكَرَامَتِهٖ عَنْ أَوْسَاخِ النَّاسِ فَأُلْحِقَ بِهٖ مَوْلَاهُ.

ترجمہ: ہاشمی غلاموں کی طرح تغلبی غلاموں پر بھی جزیہ اور خراج مقرر کیا جائے گا، امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ان سے دوگنا لیا جائے گا، اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے قوم کا آزاد کیا ہوا غلام انھی میں سے ہوتا ہے، کیا دکھتا نہیں کہ حرمت صدقہ کے حق میں ہاشمی کا غلام ہاشمی کے ساتھ کردیا جاتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ تخفیف ہے اور آزاد کردہ غلام اس تخفیف میں اصل کے ساتھ نہیں ہوگا، اسی لیے اگر مسلمان کا آزاد کردہ غلام نصرانی ہو تو اس پر جزیہ مقرر کیا جاتا ہے۔ برخلاف صدقہ حرام ہونے کے، کیونکہ شبہات سے بھی حرمتیں ثابت ہوجاتی ہیں لہٰذا حرمت کے حق میں ہاشمی کے مولیٰ کو اس ہاشمی کے ساتھ لاحق کردیا جائے گا اور مولی الغنی پر اعتراض نہیں وارد ہوسکتا، اس لیے کہ مالدار شخص میں صدقہ لینے کی اہلیت ہوتی ہے اور اس کا غنیٰ لینے سے مانع ہوتا ہے اور اس کے غلام کے حق میں یہ بات نہیں ہے۔ رہا ہاشمی تو وہ اس عطیہ کا مستحق ہی نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنی شرافت وکرامت کی وجہ سے لوگوں کی میل کچیل سے محفوظ کردیا گیا ہے لہٰذا اس کے غلاموں کو بھی اسی کے ساتھ لاحق کردیا گیا ہے۔

اللغات:

﴿مولیٰ﴾ غلام۔ ﴿یضاعف﴾ دوگنا کرتے ہیں، دوہرا بتاتے ہیں۔ ﴿غنیّ﴾ مالدار۔ ﴿صیف﴾ محفوظ کیا گیا ہے۔
﴿أوساخ﴾ واحد وسخ: میل کچیل۔

بنوتغلب کے آزاد کردہ غلاموں کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں نصاریٰ بنوتغلب کے آزاد کردہ غلاموں پر بھی جزیہ اور ان کی زمینوں میں خراج مقرر کیا جائے گا اور اصل یعنی بنوتغلب کی طرح ان کے غلاموں سے دوگنا نہیں لیا جائے گا جب کہ امام زفرؒ کے یہاں تغلبی غلاموں سے بھی ان کے موالی کی طرح دوگنا لیا جائے گا، کیونکہ حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ قوم کا آزاد کردہ غلام بھی انھی میں سے ہوتا ہے یعنی جو احکام ومسائل قوم کے ہوتے ہیں وہی احکام ان کے موالی کے بھی ہوتے ہیں اور چوں کہ بنوتغلب سے دوگنا لیا جاتا ہے لہٰذا ان کے موالی سے بھی دوگناہ لیا جائے گا جیسا کہ ہاشمی شخص پر صدقہ حرام ہے تو اس کے آزاد کردہ غلام کے لیے بھی صدقہ لینا حرام ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ بنوتغلب سے دوگنا لینا درحقیقت ان کے حق میں تخفیف فی الذلۃ ہے یعنی دوگنا دینے میں جزیہ اور خراج کی بہ نسبت ذلت اور رسوائی کم ہے لہٰذا یہ تخفیف ان کے موالی کے حق میں ثابت نہیں ہوگی، جیسے اگر کوئی شخص مسلمان ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر جزیہ اور خراج نہیں ہوگا، لیکن اگر اس مسلمان کا کوئی نصرانی غلام ہو تو اس پر جزیہ ہوگا اور اس کے مولیٰ کے حق میں جو جزیہ معدوم ہے یہ انعدام اس غلام کے حق میں مؤثر نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف حرمت صدقہ کا معاملہ ہے تو ہاشمی کے مولیٰ پر اس لیے صدقہ حرام ہے کہ ہاشمی میں صدقہ لینے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور اپنی شرافت وبزرگی کی وجہ سے وہ کسی بھی حالت میں صدقہ نہیں لے سکتا اور چوں کہ ہاشمی کے غلام میں کچھ نہ کچھ ہاشمیت کا اثر ہو ہی جاتا ہے اور اس میں ہاشمیت کی بو آنے لگتی ہے لہٰذا اسی شبہے اور بو کی وجہ سے حرمتِ صدقہ ہاشمی کے مولیٰ کو اس کے ساتھ لاحق کردیا گیا ہے۔

اب اگر کوئی شخص مالدار ہو تو اس کے لیے صدقہ لینا حرام ہے، لیکن یہ حرمت اس کے مولیٰ کے حق میں مؤثر نہیں ہوگی اور اس

کے مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام کے لیے صدقہ لینا حلال ہوگا اگر وہ محتاج ہو۔ کیونکہ اس کے اصل یعنی مالدار میں فی الجملہ صدقہ لینے کی صلاحیت موجود ہے اور عارضِ غنی کی وجہ سے اس کے لیے صدقہ حرام ہوا ہے اور چوں کہ یہ عارض اس کے مولیٰ میں موجود نہیں ہے، لہٰذا اس کے حق میں صدقہ لینا حلال ہوگا۔

قَالَ وَمَا جَبَاهُ الْإِمَامُ مِنَ الْخَرَاجِ وَمِنْ أَمْوَالِ بَنِي تَغْلَبَ وَمَا أَهْدَاهُ أَهْلُ الْحَرْبِ إِلَى الْإِمَامِ وَالْجِزْيَةُ تُصْرَفُ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ كَسَدِّ الثُّغُورِ وَبِنَاءِ الْقَنَاطِيرِ وَالْجُسُورِ وَيُعْطِي قُضَاةَ الْمُسْلِمِينَ وَعُمَّالَهُمْ وَعُلَمَاءَهُمْ مِنْهُ مَا يَكْفِيهِمْ، وَيَدْفَعُ مِنْهُ أَرْزَاقَ الْمُقَاتِلَةِ وَذَرَارِيِّهِمْ، لِأَنَّهُ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ فَإِنَّهُ وَصَلَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ وَهُوَ مُعَدٌّ لِمَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ وَهٰؤُلَاءِ عَمَلَتُهُمْ، وَنَفَقَةُ الذَّرَارِيِّ عَلَى الْآبَاءِ فَلَوْلَمْ يُعْطَوْا كِفَايَتَهُمْ لَاحْتَاجُوْا إِلَى الْإِكْتِسَابِ وَلَايَفْرُغُونَ لِلْقِتَالِ، وَمَنْ مَاتَ فِي نِصْفِ السَّنَةِ فَلَاشَيْءَ لَهُ مِنَ الْعَطَاءِ، لِأَنَّهُ نَوْعُ صِلَةٍ وَلَيْسَ بِدَيْنٍ وَلِهٰذَا سُمِّيَ عَطَاءً فَلَايَمْلِكُ قَبْلَ الْقَبْضِ وَيَسْقُطُ بِالْمَوْتِ، وَأَهْلُ الْعَطَاءِ فِي زَمَانِنَا مِثْلُ الْقَاضِي وَالْمُدَرِّسِ وَالْمُفْتِي، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ امام خراج سے اور بنوتغلب کے اموال سے جو مال جمع کرے اور وہ مال جسے حربی لوگ امام کو ہدیہ کردیں اور جزیہ یہ سب امام مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کرے جیسے سرحدوں کو مضبوط کرنا، پل بنوانا، اور اسی میں سے مسلمان قاضیوں، عاملوں اور عالموں کو اتنا مال دے جو ان کے لیے کافی ہو اور اسی مال سے مجاہدین اور ان کی اولاد کو روزینہ بھی دے اس لیے کہ یہ بیت المال کا مال ہے، کیونکہ بغیر قتال کے یہ مال مسلمانوں کو ملا ہے اور بیت المال مسلمانوں کے مصالح کے لیے بنایا گیا ہے اور یہ لوگ مسلمانوں کے عامل ہیں اور اولاد کا خرچہ ان کے آباء پر ہوگا، اس لیے اگر ان لوگوں کو بقدر کفایت مال نہ دیا گیا تو ان لوگوں کو کمانے کی ضرورت ہوگی اور وہ قتال کے لیے فارغ نہیں ہوں گے۔

اور قاضی وغیرہ میں سے جو شخص درمیان سال میں مرگیا تو عطاء میں سے اسے کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ عطاء ایک طرح کا صلہ ہے، قرض نہیں ہے اسی لیے اس کو عطاء کہا جاتا ہے لہٰذا قبضہ سے پہلے کوئی اس کا مالک نہیں ہوگا اور مستحق کی موت سے ساقط ہوجائے گا، ہمارے زمانے میں اہل عطاء یہ لوگ ہیں قاضی، مدرس اور مفتی، واللہ اعلم۔

اللغات:

﴿ماجباہ﴾ جس کو ٹیکس کے طور پر وصول کرے۔ ﴿أهداه﴾ جو ہدیہ کیا ہو۔ ﴿تصرف﴾ خرچ کیا جائے گا۔ ﴿سدّ﴾ باندھنا، مضبوط کرنا۔ ﴿ثور﴾ سرحدیں۔ ﴿قناطیر﴾ واحد قنطرۃ؛ پل۔

خراج، جزیہ اور حربیوں کے ہدایا کے مصارف:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ خراج، جزیہ اور حربیوں کے ہدایہ وغیرہ سے جو مال امام کے پاس جمع ہو امام کو چاہئے کہ وہ سارے

اموال مسلمانوں کے مصالح یعنی سرحدوں کی مضبوطی اور پل وغیرہ کی تعمیرات میں خرچ کرے اور انھیں اموال میں سے مسلم قاضیوں، عاملوں اور علماء کی تنخواہ دے اور مجاہدین اور ان کی آل واولاد کا نان ونفقہ بھی دے، اس لیے کہ یہ بیت المال کا مال ہے اور بیت المال مسلمانوں کی مصالح اور ان کے مصائب میں کام آنے کے لیے بنایا جاتا ہے اور چوں کہ یہ لوگ یعنی قاضی وغیرہ مسلمانوں کی تنظیم وترقی کے لیے سرگرم عمل رہتے ہیں اس لیے ان کا روزینہ اور ان کے اخراجات بھی مسلمانوں کے مال یعنی بیت المال سے پورے کیے جائیں گے۔ اور چوں کہ اولاد کا نفقہ باپ کے ذمے ہوتا ہے اس لیے امام کو چاہیے کہ ہر شخص کو اتنا مال دے جو اس کے ذاتی اخراجات اور اس کے اہل وعیال کی ضروریات کے لیے کافی ہو جائے اور کوئی شخص اپنے بال بچوں کی خاطر فکر معاش میں ادھر ادھر کام کرنے کے متعلق نہ سوچے، اس لیے کہ اگر ان میں سے کوئی جماعت اپنے مقصد اور مشن سے پھر گئی تو اس کا نقصان صرف مسلمانوں کو ہوگا۔

و من مات الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ مسلم قاضیوں اور عاملوں کو چوں کہ سال کے اخیر میں پورے سال کی تنخواہ دی جاتی ہے اس لیے اگر کوئی شخص درمیان سال میں مر جائے تو اس کا استحقاق ساقط ہو جائے گا، اس لیے کہ یہ عطیہ ہے کوئی قرض نہیں ہے اور عطیہ کا حکم یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے کوئی اس کا مالک نہیں ہوتا اور جو شخص مر گیا ہو ظاہر ہے کہ وہ قبضہ کر نہیں سکتا اس لیے درمیان سال میں مرنے سے استحقاق ختم ہو جائے گا، ہاں آخر سال میں مرنے سے مرنے والے کے قریبی کو اس کے حصے کا عطیہ دیا جاسکتا ہے۔ اور اس زمانے میں مفتی، قاضی اور مدرس وغیرہ اہل عطاء میں شامل وداخل ہیں لہٰذا ان کی خوب خدمت کرنی چاہیے۔ واللّٰہ أعلم وعلمہ أتم.

بَابُ أَحْكَامِ الْمُرْتَدِّيْنَ

یہ باب اسلام سے پھر جانے والے بدبختوں کے احکام کے بیان میں ہے

اس سے پہلے کفر اصلی کے احکام بیان کئے گئے ہیں، اور اب کفر طاری کے احکام بیان کئے جا رہے ہیں، اس لیے کہ طاری اصلی سے موخر ہوتا ہے۔

قَالَ وَإِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ عُرِضَ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ فَإِنْ كَانَتْ لَهُ شُبْهَةٌ كُشِفَتْ عَنْهُ، لِأَنَّهُ عَسَاهُ اعْتَرَتْهُ شُبْهَةٌ فَتُزَاحُ وَفِيْهِ دَفْعُ شَرِّهِ بِأَحْسَنِ الْأَمْرَيْنِ إِلَّا أَنَّ الْعَرْضَ عَلَى مَا قَالُوْا غَيْرُ وَاجِبٍ، لِأَنَّ الدَّعْوَةَ بَلَغَتْهُ، قَالَ وَيُحْبَسُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ أَسْلَمَ وَ إِلَّا قُتِلَ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ الْمُرْتَدُّ يُعْرَضُ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ حُرًّا كَانَ اَوْعَبْدًا فَإِنْ أَبَى قُتِلَ، وَتَأْوِيْلُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ يَسْتَمْهِلُ فَيُمْهَلُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، لِأَنَّهَا مُدَّةٌ ضُرِبَتْ لِإِبْلَاءِ الْأَعْذَارِ، وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُؤَجِّلَهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ طَلَبَ ذٰلِكَ أَوْ لَمْ يَطْلُبْ، وَعَنِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يُؤَجِّلَهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَايَحِلُّ لَهُ أَنْ يَقْتُلَهُ قَبْلَ ذٰلِكَ، لِأَنَّ ارْتِدَادَ الْمُسْلِمِ يَكُوْنُ عَنْ شُبْهَةٍ ظَاهِرًا فَلَابُدَّ مِنْ مُدَّةٍ يُمْكِنُهُ التَّأَمُّلُ فَقَدَّرْنَاهُ بِالثَّلَاثِ، وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالٰى ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (سورة التوبة: ٥) مِنْ غَيْرِ قَيْدِ الْإِمْهَالِ وَكَذَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ((مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ))، وَلِأَنَّهُ كَافِرٌ حَرْبِيٌّ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ فَيُقْتَلُ لِلْحَالِ مِنْ غَيْرِ اسْتِمْهَالٍ، وَهٰذَا لِأَنَّهُ لَايَجُوْزُ تَاخِيْرُ الْوَاجِبِ لِأَمْرٍ مَوْهُوْمٍ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ لِإِطْلَاقِ الدَّلَائِلِ، وَكَيْفِيَّةُ تَوْبَتِهِ أَنْ يَتَبَرَّأَ عَنِ الْأَدْيَانِ كُلِّهَا سِوَى الْإِسْلَامِ، لِأَنَّهُ لَا دِيْنَ لَهُ، وَلَوْ تَبَرَّأَ عَمَّا انْتَقَلَ إِلَيْهِ كَفَاهُ لِحُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر نعوذ باللہ کوئی مسلمان اسلام سے پھر جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے اور اگر اسے کوئی شبہہ ہو گیا ہو تو اس کو حل کیا جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے اسے کوئی شبہہ ہو گیا ہو لہٰذا اسے ختم کر دیا جائے اور ایسا کرنے میں دو طریقوں میں سے احسن طریقے پر اس کے شر کو دفع کرنا ہے، لیکن حضرات مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر اسلام پیش کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ اسے اسلام

کی دعوت پہنچ چکی ہے۔

فرماتے ہیں کہ مرتد کو تین دنوں تک قید رکھا جائے اگر وہ اسلام لے آئے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کردیا جائے۔ جامع صغیر میں ہے مرتد خواہ آزاد ہو یا غلام اس پر اسلام پیش کیا جائے گا اور اگر وہ انکار کردے تو اسے قتل کردیا جائے گا اور قول اول کی تاویل یہ ہے کہ اگر مرتد مہلت مانگے تو اسے تین دن تک مہلت دی جائے گی، کیونکہ اعذار دور کرنے کے لیے یہی مدت متعین کی گئی ہے۔ حضرات شیخین عِلیہما سے مروی ہے کہ تین دنوں تک مرتد کی مہلت دینا مستحب ہے خواہ وہ مانگے یا نہ مانگے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ امام پر لازم ہے کہ وہ مرتد کو تین دنوں تک کی مہلت دے اور اس سے پہلے اسے قتل کرنا امام کے لیے حلال نہیں ہے، کیونکہ مسلم کا ارتداد بہ ظاہر شبہہ کی وجہ سے ہوتا ہے لہٰذا غور وفکر کرنے کے لیے کسی مدت کا ہونا ضروری ہے اور ہم نے تین دن سے اس کی تعیین کردی ہے۔

ہماری دلیل اللہ پاک کا یہ ارشاد مقدس ہے **فاقتلوا المشرکین** اور اس میں امہال کی قید نہیں ہے ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کردو۔ اور اس لیے کہ مرتد کافر حربی ہوگیا ہے اور اسے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے لہٰذا مہلت دیئے بغیر اسے فوراً قتل کردیا جائے گا اور یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ امر موہوم کی وجہ سے واجب کو موخر کرنا جائز نہیں ہے۔ اور دلائل کے مطلق ہونے کی وجہ سے آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور مرتد کی توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ وہ تمام ادیان سے براءت کا اظہار کردے، اس لیے کہ فی الحال اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ اور مرتد جس دین کی طرف مائل ہوا تھا اگر اس سے براءت کرلیا تو کافی ہوگا، اس لیے کہ مقصود حاصل ہو چکا ہے۔

اللغات:

﴿ارتد﴾ پھر جائے، پلٹ جائے، کافر ہو جائے۔ ﴿عرض﴾ پیش کیا جائے گا۔ ﴿کشفت عنه﴾ اس کو حل کیا جائے گا۔ ﴿عساہ﴾ یہ ممکن ہے۔ ﴿اعترتهٗ﴾ اس پر وارد ہو۔ ﴿تراح﴾ ہٹا دیا جائے۔ ﴿یُحبَس﴾ قید کیا جائے گا۔ ﴿أبٰی﴾ انکار کیا۔ ﴿إبلاء﴾ پرانا ہونا، دور ہونا۔ ﴿یؤجّله﴾ اس کو مدت دے دے۔ ﴿إمهال﴾ مہلت دینا۔ ﴿یتبرّأ﴾ براءت ظاہر کردے، غیر متعلق ہونے کا اعلان کرے۔

تخریج:

❶ اخرجه بخاری فی کتاب الجهاد باب لا یعذب بعذاب الله، حدیث رقم: ۳۰۱۷.

مرتد کے احکام:

ترجمے سے عبارت کا مطلب واضح ہے کہ عام طور پر دین اسلام میں کسی شبہے کی وجہ سے ہی کوئی مسلمان مرتد ہوتا ہے، اس لیے کسی بھی مرتد کو قتل کرنے سے پہلے اس کے شکوک وشبہات کو دور کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اسلام سے مطمئن ہوکر دوبارہ اسلام قبول کرلے۔ اسی لیے حضرات شیخین عِلیہما کے یہاں مرتد کو تین دنوں تک کی مہلت دینا مستحب ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں امہال واجب ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ **فاقتلوا المشرکین** امہال کی قید سے خالی ہے اور اس میں

فوری طور پر مشرکین کے قتل کا حکم ہے اسی طرح حدیث پاک من بدل دینہ فاقتلوہ میں بھی مرتد کے فوری قتل کا حکم وارد ہے لہٰذا مرتد کو مہلت دینا مستحب تو ہوگا لیکن واجب اور لازم نہیں ہوگا۔

مرتد کی توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دین اسلام کے سوا تمام ادیان سے توبہ کرے اور سب سے بیزاری اور براءت ظاہر کرے اور جس دین کی طرف وہ مائل ہوا تھا اگر اس نے اسی بیزاری اور براءت ظاہر کردی تو یہ بھی درست ہے، اور اس سے بھی اس کی توبہ اور براءت محقق ہوجائے گی، کیونکہ مقصود حاصل ہو چکا ہے اور اس کا ارتداد ختم ہو چکا ہے۔

قَالَ فَإِنْ قَتَلَهُ قَاتِلٌ قَبْلَ عَرْضِ الْإِسْلَامِ عَلَيْهِ كُرِهَ وَلَاشَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ، وَمَعْنَى الْكَرَاهِيَةِ هٰهُنَا تَرْكُ الْمُسْتَحَبِّ وَانْتِفَاءِ الضَّمَانِ، لِأَنَّ الْكُفْرَ مُبِيْحٌ لِلْقَتْلِ، وَالْعَرْضُ بَعْدَ بُلُوْغِ الدَّعْوَةِ غَيْرُ وَاجِبٍ، وَأَمَّا الْمُرْتَدَّةُ فَلَاتُقْتَلُ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تُقْتَلُ لِمَا رَوَيْنَا، وَلِأَنَّ رِدَّةَ الرَّجُلِ مُبِيْحَةٌ لِلْقَتْلِ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ جِنَايَةٌ مُغَلَّظَةٌ فَتَنَاطُ بِهَا عُقُوْبَةٌ مُغَلَّظَةٌ، وَرِدَّةُ الْمَرْأَةِ تُشَارِكُهَا فِيْهَا فَتُشَارِكُهَا فِيْ مُوْجِبِهَا، وَلَنَا أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهٰى عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ، وَلِأَنَّ الْأَصْلَ تَاخِيْرُ الْأَجْزِيَةِ إِلٰى دَارِ الْاٰخِرَةِ إِذْ تَعْجِيْلُهَا يُخِلُّ بِمَعْنَى الْإِبْتِلَاءِ، وَإِنَّمَا عُدِلَ عَنْهُ دَفْعًا لِشَرٍّ نَاجِزٍ وَهُوَ الْحِرَابُ، وَلَايَتَوَجَّهُ ذٰلِكَ مِنَ النِّسَاءِ لِعَدَمِ صَلَاحِيَّةِ الْبِنْيَةِ، بِخِلَافِ الرِّجَالِ فَصَارَتِ الْمُرْتَدَّةُ كَالْأَصْلِيَّةِ، قَالَ وَلٰكِنْ تُحْبَسُ حَتّٰى تُسْلِمَ لِأَنَّهَا امْتَنَعَتْ عَنْ إِيْفَاءِ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰى بَعْدَ الْإِقْرَارِ فَتُجْبَرُ عَلٰى إِيْفَائِهِ بِالْحَبْسِ كَمَا فِيْ حُقُوْقِ الْعِبَادِ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ وَتُجْبَرُ الْمَرْأَةُ عَلَى الْإِسْلَامِ حُرَّةً كَانَتْ أَوْأَمَةً وَالْأَمَةُ يُجْبِرُ مَوْلَاهَا، أَمَّا الْجَبْرُ فَلَمَّا ذَكَرْنَا وَمِنَ الْمَوْلٰى لِمَا فِيْهِ مِنَ الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَقَّيْنِ، وَيُرْوٰى تُضْرَبُ فِيْ كُلِّ أَيَّامٍ مُبَالَغَةً فِي الْحَمْلِ عَلَى الْإِسْلَامِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر مرتد پر اسلام پیش کرنے سے پہلے کسی قاتل نے اسے قتل کردیا تو یہ مکروہ ہے لیکن قاتل پر کوئی ضمان نہیں ہوگا اور یہاں کراہیت ترکِ مستحب اور انتفائے ضمان کے معنی میں ہے، کیونکہ کفر قتل کو مباح کردیتا ہے اور دعوت اسلام پہنچنے کے بعد اسلام پیش کرنا واجب نہیں ہے، اور مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے بھی قتل کیا جائے گا اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کرچکے ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ مرد کا ارتداد جنایتِ مغلظ ہونے کی وجہ سے قتل کو مبیح کرتا ہے لہٰذا اس سے سخت سزاء بھی متعلق ہوگی اور عورت مرتد ہوکر اس جرم میں شریک ہے لہٰذا وہ اس کی سزاء میں بھی شریک ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے قتل سے منع فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ دار آخرت کے لیے سزاؤں کو مؤخر کرنا اصل ہے، کیونکہ جلدی سزاء دینے سے ابتلاء اور آزمائش میں خلل ہوتا ہے، لیکن اس اصل سے اس مقصد سے اعراض کرلیا جاتا ہے تاکہ فی الحال پیدا ہونے والا شر یعنی لڑائی ختم ہوجائے اور عورتوں سے لڑائی متوقع نہیں ہے کیونکہ ان میں جنگ کرنے کی

صلاحیت نہیں ہوتی۔ برخلاف مردوں کے لہٰذا مرتدہ کافرہ اصلیہ کی طرح ہوگئی۔

فرماتے ہیں کہ مرتدہ کو قید کردیا جائے یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے، کیونکہ وہ حقوق اللہ کا اقرار کرنے کے بعد اس کو پورا کرنے سے رُک گئی ہے، لہٰذا قید کے ذریعے ان حقوق کو پورا کرنے کے لیے اس پر جبر کیا جائے گا جیسے حقوق العباد میں ہوتا ہے۔

جامع صغیر میں ہے کہ مرتدہ عورت کو اسلام لانے کے لیے مجبور کیا جائے گا خواہ وہ آزاد ہو یا باندی ہو اور باندی پر اس کا مولیٰ بھی جبر کرے گا۔ رہا جبر تو اس وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور مولیٰ اس لیے جبر کرے گا تا کہ اس میں دونوں حق جمع ہو جائیں۔ اور مروی ہے کہ باندی کو ہر روز مارا جائے تا کہ اسلام پر آمادہ کرنے میں مبالغہ ہو۔

اللغاتُ:

﴿عرض﴾ پیش کرنا۔ ﴿مبیح﴾ حلال کرنے والا ہے۔ ﴿بلوغ﴾ پہنچنا۔ ﴿جنایة﴾ جرم۔ ﴿مغلّظة﴾ شدید، پختہ، سخت۔ ﴿تناط به﴾ اس سے متعلق ہوگی۔ ﴿عقوبة﴾ سزا۔ ﴿تعجیل﴾ جلدی کرنا۔ ﴿تحبس﴾ قید کی جائے گی۔ ﴿ناجز﴾ فوری۔ ﴿إیفاء﴾ پوری پوری ادائیگی۔ ﴿تجبر﴾ مجبور کی جائے گی۔

اسلام پیش کرنے سے پیشتر قتل کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں مرتد پر اسلام پیش کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے، اسی لیے اگر کوئی شخص قبل العرض مرتد کو قتل کردے تو اس پر ضمان نہیں ہوگا کیونکہ مرتد کا کفر اس کے قتل کو مباح کر رہا ہے، ہاں اس کا یہ فعل مکروہ اور غیر پسندیدہ ہے۔ اور اگر کوئی عورت مرتد ہوئی ہو تو ہمارے یہاں اسے قتل نہیں کیا جائے گا جب کہ امام شافعیؒ کے یہاں اسے بھی قتل کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حدیث من بدّل دینه فاقتلوه میں کلمۂ مَن کا عموم ہے جو مرد اور عورت سب کو شامل ہے، دوسری اور عقلی دلیل یہ ہے کہ مرد کا ارتداد جنایتِ مغلظہ ہونے کی وجہ سے عقوبتِ مغلظہ یعنی قتل کا موجب ہے اور عورت بھی نفس ردّت اور نفسِ جنایت میں اس کی شریک ہے، لہٰذا جب عورت کی جنایت بھی مغلظہ ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی سزاء بھی بھاری ہوگی اور اسے بھی قتل کیا جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے اس لیے عورتوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور پھر دارِ آخرت دارِ جزء ہے اور جزاؤں اور سزاؤں کو موخر کرنا اصل ہے اس لیے بھی عورت کو دنیا میں اس کے ارتداد کی سزاء نہیں دی جائے گی اور یہی اصل مرد کے متعلق بھی ہے، لیکن مرد کے شر یعنی لڑائی کو ختم کرنے کے لیے اس کے حق میں اس اصل سے اعراض کیا گیا ہے اور اسے دنیا میں ارتداد کی سزاء دی گئی ہے اور چوں کہ عورتوں میں لڑائی کی صلاحیت نہیں ہوتی اس لیے ان کے حق میں یہ اصل اپنی اصلی حالت پر قائم ہے اور مرتدہ عورت کافرہ عورت کی طرح ہے اور چوں کہ کافرہ عورت قتل نہیں کی جاتی اس لیے مرتدہ بھی قتل نہیں کی جائے گی۔ ہاں اسے قید کردیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرلے، کیونکہ ایک مرتبہ اسلام لانے اور حقوق اللہ کا اقرار کرنے کے بعد اب وہ ایفائے حق سے منہ موڑ رہی ہے لہٰذا جس طرح حقوق العباد مثلاً دیون وغیرہ کی ادائیگی کے لیے مدیون اور مدیونہ کو قید کیا جاتا ہے اسی طرح حقوق اللہ کی ادائیگی کے لیے بھی مرتدہ کو قید کیا جائے گا۔

جامع صغیر میں بھی یہی حکم ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ گر مرتدہ عورت باندی ہو تو اسلام قبول کرنے کے لیے اس کا

مولی بھی اس پر دباؤ ڈالے تا کہ حق اللہ کی بھی رعایت ہو اور خود مولی کے حق یعنی استخدام کی بھی وصولیابی ہو، اسی لیے بعض روایات میں یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ مولی اسلام قبول کرنے کے لیے باندی کی پٹائی اور ٹھوکائی بھی کرسکتا ہے، تا کہ کما حقہ جبر متحقق ہو جائے اور وہ مرتدہ اسلام کی آغوش میں آجائے۔

قَالَ وَيَزُوْلُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ أَمْوَالِهِ بِرِدَّتِهِ زَوَالًا مُرَاعًى فَإِنْ أَسْلَمَ عَادَتْ إِلَى حَالِهَا قَالُوْا هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ، وَعِنْدَهُمَا لَايَزُوْلُ مِلْكُهُ، لِأَنَّهُ مُكَلَّفٌ مُحْتَاجٌ فَإِلَى أَنْ يُقْتَلَ بَقِيَ مِلْكُهُ كَالْمَحْكُوْمِ عَلَيْهِ بِالرَّجْمِ وَالْقِصَاصِ، وَلَهُ أَنَّهُ حَرْبِيٌّ مَقْهُوْرٌ تَحْتَ أَيْدِيْنَا حَتَّى يُقْتَلَ، وَلَا قَتْلَ إِلَّا بِالْحِرَابِ فَهٰذَا يُوْجِبُ زَوَالَ مِلْكِهِ وَمَالِكِيَّتِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ مَدْعُوٌّ إِلَى الْإِسْلَامِ بِالْإِجْبَارِ عَلَيْهِ وَيُرْجٰى عَوْدُهُ إِلَيْهِ فَتَوَقَّفْنَا فِيْ أَمْرِهِ، فَإِنْ أَسْلَمَ جُعِلَ هٰذَا الْعَارِضُ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ حَقِّ هٰذَا الْحُكْمِ وَصَارَ كَأَنْ لَمْ يَزَلْ مُسْلِمًا وَلَمْ يَعْمَلِ السَّبَبُ، وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلٰى رِدَّتِهِ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَحُكِمَ بِلِحَاقِهِ اسْتَقَرَّ كُفْرُهُ فَيَعْمَلُ السَّبَبُ عَمَلَهُ وَزَالَ مِلْكُهُ.

ترجمہ: مرتد کے ارتداد کی وجہ سے اس کے اموال سے زوال موقوف کی طرح اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے چنانچہ اگر وہ اسلام لے آتا ہے تو ملکیت بحال ہو جاتی ہے۔ حضرات مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ حکم حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں مرتد کی ملکیت زائل نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ مکلف اور محتاج ہوتا ہے لہٰذا اس کے قتل کیے جانے تک اس کی ملکیت باقی رہتی ہے جیسے وہ شخص جس پر رجم یا قصاص کا فیصلہ کیا گیا ہو۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ایک حربی ہے جو ہمارے ہاتھوں مغلوب ہے یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا جائے اور لڑائی کے بغیر قتل نہیں ہوتا اور اس کا حربی ہونا ہی اس کی ملکیت اور مالکیت کے زوال کا سبب ہے، تاہم اس پر جبر کر کے اسے اسلام کی دعوت دی جائے گی اور اس کا اسلام کی طرف واپس آنا متوقع ہے، اس لیے ہم نے اس کے معاملے میں توقف کر دیا۔ اب اگر وہ اسلام لے آتا ہے تو مذکورہ عارض (ارتداد) کو زوال ملک کے حق میں معدوم سمجھا جائے گا اور وہ ایسا ہو جائے گا گویا ہمیشہ وہ مسلمان ہی تھا اور اس نے زوالِ ملک کا سبب اختیار ہی نہیں کیا۔ اور اگر وہ مر گیا یا بحالت ارتداد قتل کر دیا گیا یا دار الحرب چلا گیا اور اس کے دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دیا گیا تو اس کا کفر پختہ ہو جائے گا لہٰذا سبب (ارتداد) اپنا اثر دکھائے گا اور اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔

اللغات:

﴿ردّۃ﴾ مرتد ہونا، مسلمان کا (معاذ اللہ) کافر ہو جانا۔ ﴿مقھور﴾ مجبور، مغلوب۔ ﴿حراب﴾ جنگ کرنا۔ ﴿یرجٰی﴾ اُمید کی جاتی ہے۔ ﴿لحق﴾ جاملا۔ ﴿استقرّ﴾ پختہ ہو جائے گا، پکا ہو جائے گا۔

مرتد کی ملکیت کا زائل ہونا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرتد ہو جائے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کی ملکیت موقوف ہو کر زائل ہو جاتی ہے

اور اگر وہ اسلام لے آتا ہے تو وہ ملکیت بحال ہوجاتی ہے جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں اس کی ملکیت زائل ہی نہیں ہوتی، کیونکہ وہ احکام کا مکلف ہے اور مال وملکیت کا ضرورت مند ہے لہٰذا جب تک وہ مقتول نہیں ہوجاتا اس وقت تک اس کی ملکیت باقی رہے گی جیسے اگر کسی شخص پر رجم یا قصاص کا فیصلہ کردیا گیا تو اس کے بھی مرجوم یا مقتول ہونے تک اس کی ملکیت باقی رہے گی اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی مرتد کے مقتول ہونے تک اس کی ملکیت برقرار رہے گی۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مرتد اب کافر حربی ہوگیا ہے اور ہمارے یعنی مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہے اور اس کا ارتداد اس کے قتل کا موجب ہے نیز اس کا حربی ہونا اس کی ملکیت اور مالکیت کے زوال کا سبب ہے وہ اس طرح کہ مقہور ومغلوب ہونے سے انسان مملوک ہوجاتا ہے اور جو مملوک ہوتا ہے اس کی مالکیت ختم ہوجاتی ہے اور جب مالکیت ختم ہوجاتی ہے تو ملکیت خود بخود رفع ہوجاتی ہے اسی لیے ہم نے مرتد کی ملکیت کو زائل قرار دیا ہے، لیکن چوں کہ وہ اسلام کے محاسن سے واقف ہو چکا ہے اور اس کا دوبارہ اسلام کے دامن سے وابستہ ہونا ممکن اور متوقع ہے اسی لیے ہم اس کی ملکیت کو زوال موقوف کی طرح زائل قرار دیتے ہیں اور اس پر اسلام پیش کراتے ہیں چنانچہ اگر وہ اسلام لے آتا ہے تو اس کی ملکیت بحال ہوجائے گی اور یوں سمجھا جائے گا کہ وہ مرتد ہی نہیں ہوا تھا۔ اور اگر وہ اسلام لانے سے انکار کردے یا مرجائے یا دار الحرب چلا جائے اور قاضی اس کے دار الحرب چلے جانے کا فیصل کردے تو اب اس کا ارتداد اور کفر پختہ ہوجائے گا اور اس کی ملکیت زائل ہوجائے گی۔

قَالَ وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلٰى رِدَّتِهٖ انْتَقَلَ مَا اكْتَسَبَهٗ فِيْ إِسْلَامِهٖ إِلٰى وَرَثَةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَكَانَ مَا اكْتَسَبَهٗ فِيْ حَالِ رِدَّتِهٖ فَيْأً، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٌ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ كِلَاهُمَا لِوَرَثَتِهٖ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ كِلَاهُمَا فَيْءٌ لِأَنَّهٗ مَاتَ كَافِرًا وَالْمُسْلِمُ لَايَرِثُ الْكَافِرُ ثُمَّ هُوَ مَالٌ حَرْبِيٌّ لَا أَمَانَ لَهٗ فَيَكُوْنُ فَيْأً، وَلَهُمَا أَنَّ مِلْكَهٗ فِي الْكَسْبَيْنِ بَعْدَ الرِّدَّةِ بَاقٍ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ فَيَنْتَقِلُ بِمَوْتِهٖ إِلٰى وَرَثَتِهٖ وَيَسْتَنِدُ إِلٰى مَا قُبَيْلَ رِدَّتِهٖ إِذِ الرِّدَّةُ سَبَبُ الْمَوْتِ فَيَكُوْنُ تَوْرِيْثُ الْمُسْلِمِ مِنَ الْمُسْلِمِ، وَلِأَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ أَنَّهٗ يُمْكِنُ الْإِسْتِنَادُ فِيْ كَسْبِ الْإِسْلَامِ لِوُجُوْدِهٖ قَبْلَ الرِّدَّةِ وَلَايُمْكِنُ الْإِسْتِنَادُ فِيْ كَسْبِ الرِّدَّةِ لِعَدَمِهٖ قَبْلَهَا وَمِنْ شَرْطِهٖ وُجُوْدُهٗ، ثُمَّ إِنَّمَا يَرِثُهٗ مَنْ كَانَ وَارِثًا لَهٗ حَالَةَ الرِّدَّةِ وَبَقِيَ وَارِثًا إِلٰى وَقْتِ مَوْتِهٖ فِيْ رِوَايَةٍ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ اِعْتِبَارًا لِلْاِسْتِنَادِ، وَعَنْهُ أَنَّهٗ يَرِثُهٗ مَنْ كَانَ وَارِثًا لَهٗ عِنْدَ الرِّدَّةِ وَلَايَبْطُلُ اسْتِحْقَاقُهٗ بِمَوْتِهٖ بَلْ يَخْلُفُهٗ وَارِثُهٗ، لِأَنَّ الرِّدَّةَ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ، وَعَنْهُ أَنْ يُعْتَبَرَ وُجُوْدُ الْوَارِثِ عِنْدَ الْمَوْتِ، لِأَنَّ الْحَادِثَ بَعْدَ انْعِقَادِ السَّبَبِ قَبْلَ تَمَامِهٖ كَالْحَادِثِ قَبْلَ انْعِقَادِهٖ بِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ الْحَادِثِ مِنَ الْمُبِيْعِ قَبْلَ الْقَبْضِ، وَتَرِثُهٗ امْرَأَتُهُ الْمُسْلِمَةُ إِذَا مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلٰى رِدَّتِهٖ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ لِأَنَّهٗ يَصِيْرُ فَارًّا وَإِنْ كَانَ صَحِيْحًا وَقْتَ الرِّدَّةِ، وَالْمُرْتَدَّةُ كَسْبُهَا لِوَرَثَتِهَا، لِأَنَّهٗ

لَاحَرَابَ مِنْهَا فَلَمْ يُوْجَدْ سَبَبُ الْفَيْءِ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحمۃ اللہ علیہ وَيَرِثُهَا زَوْجُهَا الْمُسْلِمُ إِنِ ارْتَدَّتْ وَهِيَ مَرِيْضَةٌ لِقَصْدِهَا إِبْطَالُ حَقِّهِ وَإِنْ كَانَتْ صَحِيْحَةً لَايَرِثُهَا لِأَنَّهَا لَاتُقْتَلُ فَلَمْ يَتَعَلَّقْ حَقُّهُ بِمَالِهَا بِالرِّدَّةِ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر مرتد مرگیا یا اپنی ردت پر قتل کر دیا گیا تو اس کی حالتِ اسلام کی کمائی اس کے مسلمان ورثاء کی طرف منتقل ہوجائے گی اور وہ مال جو اس نے ردت کی حالت میں کمایا ہو، وہ فیئ ہوجائے گا، یہ حکم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں مال اس کے ورثاء کا ہوگا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں مال فیئ ہوں گے، کیونکہ وہ کافر ہوکر مرا ہے اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا پھر وہ ایسے حربی کا مال ہے جسے امان نہیں حاصل ہے اس لیے یہ مال فیئ ہوگا۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ارتداد کے بعد بھی دونوں کمائی میں اس کی ملکیت باقی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں لہٰذا اس کی موت کے بعد وہ مال اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوجائے گا اور یہ انتقال اس کے مرتد ہونے سے کچھ دیر پہلے ہوگا، کیونکہ ردت ہی اس کی موت کا سبب ہے لہٰذا یہ مسلمان کا مسلمان سے وراثت حاصل کرنا ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اسلام والی کمائی میں استناد ممکن ہے کیونکہ یہ کمائی ارتداد سے پہلے کی ہے، لیکن ردت والی کمائی میں استناد ممکن نہیں ہے، کیونکہ ردت سے پہلے یہ کمائی معدوم ہے حالانکہ استناد کے لیے ردت سے پہلے کسب کا موجود ہونا شرط ہے پھر وہی شخص اس کا وارث ہوگا جو بحالت ردت اس کا وارث تھا اور اس کی موت تک اس کا وارث باقی رہا تھا۔ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے جو استناد کے اعتبار پر مبنی ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ جو شخص بوقت ردت اس کا وارث تھا وہی اس کا وارث ہوگا اور اس وارث کی موت سے اس کا استحقاق باطل نہیں ہوگا بلکہ وارث کا وارث اس کا نائب ہوگا، کیونکہ ردت موت کے درجے میں ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے تیسری روایت یہ ہے کہ مرتد کی موت کے وقت وارث کا وجود معتبر ہے، اس لیے کہ انعقاد سبب کے بعد اس کے مکمل ہونے سے پہلے پیدا ہونے والا وارث انعقاد سبب سے پہلے پیدا ہونے والے کی طرح ہے جیسے مبیعہ باندی پر قبضہ سے پہلے پیدا ہونے والا لڑکا۔ اور اگر مرتد اپنی ردت پر مرگیا یا قتل کر دیا گیا اور اس کی مسلمان بیوی اس کی عدت میں ہو تو وہ اس مرتد کی وارث ہوگی، اس لیے کہ یہ شخص فار ہوگیا ہے اگرچہ بوقت ردت صحیح تھا، اور مرتدہ عورت کی کمائی اس کے ورثاء کی ہوگی کیونکہ اس کی طرف سے جنگ نہیں ہوتی، لہٰذا فیئ کا سبب نہیں پایا گیا، برخلاف مرتد کے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں۔ اور اگر کوئی عورت مرتد ہوئی اور وہ مریض ہو تو اس کا مسلمان شوہر اس کا وارث ہوگا، کیونکہ بیوی نے اس کے حق کو باطل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اور اگر وہ تندرست ہو تو شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا، اس لیے کہ عورت قتل نہیں کی جائے گی، لہٰذا اس کے مرتد ہونے سے اس کے مال سے شوہر کا حق متعلق نہیں ہوا، برخلاف مرتد کے۔

اللغات:

﴿اکتسب﴾ اس نے کمایا۔ ﴿فيئ﴾ مال غنیمت، وہ مال جس کا خرچ امام کا صوابدیدی اختیار ہوتا ہے۔ ﴿قُبیل﴾ ذرا

پہلے۔ ﴿توریث﴾ وارث بنانا۔ ﴿فار﴾ فراری، بچ کر بھاگنے والا۔ ﴿قصد﴾ ارادہ۔

مرتد کے قتل کے بعد اس کے اموال کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرتد مرجائے یا بحالت ارتداد قتل کردیا جائے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حالت اسلام میں اس کا کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثاء کا ہوگا اور بحالت ارتداد کمایا ہوا مال فئے ہوگا۔ حضرات صاحبینؒ کے یہاں دونوں طرح کے اموال اس کے ورثاء کو ملیں گے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دونوں اموال فئے ہوں گے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص مرتد ہوکر کفر کی حالت میں مرا ہے اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا نیز اس مرتد کو امان بھی نہیں حاصل ہے اس لیے یہ کافر حربی ہے اور حربی کا مال فئے ہوتا ہے، لہٰذا اس کا مال بھی فئے ہوگا۔

حضرات صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اسلام اور ردت دونوں حالتوں میں اس کی جو کمائی ہے اس میں اس شخص کی ملکیت موجود ہے لہٰذا اس کی موت یعنی اس کے مرتد ہونے سے یہ ملکیت اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوجائے گی اور چوں کہ اس کی ردت ہی اس کی موت ہے اس لیے ارتداد سے کچھ دیر پہلے اس ملکیت کو ورثاء کی طرف منتقل کردیا جائے جیسے موت سے کچھ دیر پہلے نزع کی حالت میں میت کے اموال سے ورثاء کا حق متعلق کردیا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی ردت سے کچھ دیر پہلے مرتد کی ملکیت اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوجائے گی اور اس حالت میں چوں کہ مورث مسلمان ہیں اور اس کے ورثاء بھی مسلمان ہیں، لہٰذا مسلمان مسلمان کے وارث ہوں گے اور یہ درست ہے۔

ولأبي حنيفة رحمۃ اللہ علیہ الخ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بھی وہی ہے جو حضرات صاحبینؒ کی دلیل ہے لیکن فرق یہ ہے کہ مرتد کی اس کمائی کو ردت سے کچھ پہلے اس کے ورثاء کی طرف منتقل کرنا ممکن ہے جو اس نے اسلام کی حالت میں حاصل کیا ہو اس لیے کہ یہ کمائی ردت اور شبہۂ ردت سے خالی ہے اس لیے کہ ردت سے پہلے یہ کمائی معدوم ہے حالانکہ نقل اور اسناد کے لیے ردت سے پہلے کسب اور کمائی کا وجود شرط ہے اور وہ یہاں معدوم ہے اسی لیے ہم نے ردت کے بعد والی کمائی کو ورثاء کی طرف منتقل نہیں کیا ہے بلکہ اسے فئے اور غنیمت قرار دے دیا ہے۔

ثم إنما يورثه الخ اب رہ گئی یہ بات کہ اس کا وارث کون ہوگا تو اس سلسلے میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے تین روایتیں مروی ہیں:

(۱) پہلی روایت جو حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی ہے یہ ہے کہ جو شخص ردت کی حالت میں اس کا وارث ہو یعنی آزاد اور مسلمان ہو اور اس کی موت تک وہ اسی وصف پر قائم ہو وہی اس کا وارث ہوگا۔ کیونکہ اس کا وارث ہونا استناد سے ثابت ہوگا اور مستند کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اسی وصف کے ساتھ منسوب ہو جس وصف کے ساتھ ثابت ہوا تھا اور چوں کہ وارث وارث ہونے کے وقت حر اور مسلمان تھا اس لیے استناد کی حالت میں بھی اس کا حر اور مسلمان ہونا ضروری ہے۔

(۲) دوسری روایت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور وہ یہ ہے کہ بوقت ردت جو شخص اس کا وارث تھا وہی بوقت موت بھی اس کا وارث ہوگا اور اگر یہ وارث مرجائے تو اس کا استحقاق باطل نہیں ہوگا بلکہ اس وارث کا وارث اس مرتد مورث کا وارث ہوگا، اس لیے کہ ردت بھی موت کے درجے میں ہے اور اگر مورث کی موت کے بعد کوئی وارث مرجائے تو اس کا نائب وارث ہوتا ہے اسی طرح

صورت مسئلہ میں بھی مرنے والے وارث کا نائب اپنے اصل کے مورث کا وارث ہوگا۔

(۳) امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے تیسری روایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور یہ اصح الروایات ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مرتد کی موت کے وقت وارث کا موجود ہونا معتبر ہے خواہ وہ وارث بوقت ردت موجود ہو یا موجود نہ ہو اور بعد میں ہوا ہو، اس لیے کہ سبب منعقد ہونے کے بعد اس کے پورا ہونے سے پہلے جو چیز وجود میں آتی ہے وہ انعقاد سبب سے پہلے پیدا ہونے والی چیز کی طرح ہے جیسے اگر کسی نے کوئی باندی خریدی اور قبضہ سے پہلے اس باندی سے بچہ پیدا ہوا ہو تو وہ بچہ بیع سے پہلے کا شمار ہوگا اور اس کے مقابلے میں بھی ثمن ہوگا، کیونکہ یہ بچہ حادث قبل انعقاد السبب کی طرح ہے۔

و ترثہ الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مرتد مرگیا یا ارتداد کی حالت میں اسے قتل کردیا گیا اور اس کی مسلمان بیوی اس کی عدت میں ہے تو وہ اس کی وارث ہوگی، کیونکہ یہ شخص فار یعنی بیوی کو میراث سے محروم کرنے والا ہے لہٰذا جس طرح اس کے مریض ہونے کی حالت میں اس کی بیوی اس شخص کی وارث ہوتی ہے اسی طرح اس کے تندرست ہونے کی صورت میں بھی اس کی بیوی اس شخص کی وارث ہوگی۔

اور اگر عورت مرتد ہوئی ہو تو اس کی کمائی اس کے ورثاء کو ملے گی، کیونکہ اس عورت کی طرف سے لڑنا اور جنگ کرنا ممکن ہی نہیں ہے اس لیے وہ حربیہ نہیں ہوگی، اور اس کا مال بھی فئی نہیں ہوگا لیکن مرتد مرد کی بعد الارتداد والی کمائی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں فئی ہوگی کیونکہ اس کی طرف سے لڑائی متوقع ہے۔ اور وہ حربی ہے۔ اب اگر یہ عورت بیمار ہو تو اس کا مسلمان شوہر اس کا وارث ہوگا، کیونکہ بیمار ہونے کی صورت میں یہ فائدہ ہوگا اور ارتداد سے اپنے شوہر کا حق باطل کرنے والی ہوگی۔ لیکن اگر یہ تندرست ہو تو اس کا شوہر وارث نہیں ہوگا، کیونکہ اب یہ فائدہ نہیں ہے اور اسے قتل بھی نہیں کیا جائے گا، لہٰذا اس کے مرتد ہونے سے اس کے مال سے شوہر کا حق متعلق نہیں ہوا اس لیے شوہر اس کا وارث نہیں ہوگا، اس کے برخلاف مرتد مستحق قتل ہوتا ہے اور اس کے ارتداد سے اس کے مال سے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے اس لیے مرتد مرد کے ورثاء اس کے وارث ہوں گے۔

قَالَ وَإِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَحَكَمَ الْحَاكِمُ بِلِحَاقِهِ عَتَقَ مُدَبَّرُوْهُ وَأُمَّهَاتُ أَوْلَادِهِ وَحَلَّتِ الدُّيُوْنُ الَّتِي عَلَيْهِ وَنَقَلَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ إِلٰى وَرَثَتِهِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ يَبْقٰى مَالُهُ مَوْقُوْفًا كَمَا كَانَ لِأَنَّهُ نَوْعُ غَيْبَةٍ فَأَشْبَهَ الْغَيْبَةَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ، وَلَنَا أَنَّهُ صَارَ مُرْتَدًّا بِاللِّحَاقِ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَهُمْ أَمْوَاتٌ فِي حَقِّ أَحْكَامِ الْإِسْلَامِ لِانْقِطَاعِ وِلَايَةِ الْإِلْزَامِ كَمَا هِيَ مُنْقَطِعَةٌ عَنِ الْمَوْتٰى فَصَارَ كَالْمَوْتِ إِلَّا أَنَّهُ لَايَسْتَقِرُّ لِحَاقُهُ إِلَّا بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ لِاحْتِمَالِ الْعَوْدِ إِلَيْنَا فَلَابُدَّ مِنَ الْقَضَاءِ، وَإِذَا تَقَرَّرَ مَوْتُهُ ثَبَتَ الْأَحْكَامُ الْمُتَعَلِّقَةُ وَهِيَ مَا ذَكَرْنَاهَا كَمَا فِي الْمَوْتِ الْحَقِيْقِيِّ، ثُمَّ يُعْتَبَرُ كَوْنُهُ وَارِثًا عِنْدَ لِحَاقِهِ فِي قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ اللِّحَاقَ هُوَ السَّبَبُ، وَالْقَضَاءُ لِتَقَرُّرِهِ لِقَطْعِ الْاِحْتِمَالِ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ وَقْتَ الْقَضَاءِ،

لِأَنَّهُ يَصِيرُ مَوْتًا بِالْقَضَاءِ، وَالْمُرْتَدَّةُ إِذَا لَحِقَتْ بِدَارِ الْحَرْبِ فَهِيَ عَلَى هٰذَا الْخِلَافِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا اور حاکم نے اس کے دارالحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دیا تو اس کے تمام مدبر اور امہات اولاد سب آزاد ہو جائیں گے اور اس کے میعادی قرضے فوراً واجب الأداء ہو جائیں گے۔ اور بحالت اسلام اس کی حاصل کردہ کمائی اس کے مسلمان ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ امام شافعی رالٹیلہ فرماتے ہیں کہ اس کا مال حسب سابق موقوف رہے گا، کیونکہ دارالحرب میں جانا ایک طرح کی غیوبت ہے اور یہ دارالاسلام کی غیوبت کے مشابہ ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حربیوں سے مل جانے کی وجہ سے یہ شخص مرتد ہو گیا ہے اور اہل حرب احکام اسلام کے حق میں مردہ ہوتے ہیں، اس لیے کہ ان سے الزام کی ولایت منقطع ہوتی ہے جیسے مردوں سے منقطع ہوتی ہے تو مرتد مردہ کی طرح ہو گیا تاہم قضائے قاضی کے بغیر اس کا لحاق پختہ نہیں ہوگا اس لیے کہ اس کے ہماری طرف واپس آنے کا احتمال ہے اس لیے قضاء باللحاق ضروری ہے اور جب اس کا مردہ ہونا مستحکم ہو گیا تو مردے سے متعلق احکام ثابت ہو جائیں گے یعنی جو حکم ہم نے بیان کیا ہے جیسے حقیقی مردے میں ہوتا ہے۔ پھر امام محمد رالٹیلہ کے قول میں اس کے دارالحرب چلے جانے سے وارث ہونے کا اعتبار ہوگا کیونکہ پہنچ جانا سبب میراث کا سبب ہے اور امام ابو یوسف رالٹیلہ کے یہاں بوقت قضاء اس کے مورث ہونے کا اعتبار ہوگا۔ اور جب کوئی عورت مرتد ہو کر دارالحرب چلی جائے تو وہ بھی اسی اختلاف پر ہے۔

اللغات:

﴿لحق﴾ جاملا۔ ﴿حلّت﴾ فوری واجب الادا ہو جائیں گے۔ ﴿اکتسب﴾ اُس نے کمایا۔ ﴿لایستقرّ﴾ نہیں پختہ ہوگا۔ ﴿عود﴾ لوٹنا۔ ﴿یصیر﴾ ہو جائے گا۔

مرتد کا دارالحرب چلے جانا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرتد ہو کر دارالحرب چلا جائے اور قاضی اس کے جانے کا فیصلہ کر دے تو اب وہ مُردوں کے حکم میں ہو جائے گا اور اس کے تمام مدبر اور ام ولد سب آزاد ہو جائیں گے اور اس پر جو میعادی قرضے ہوں گے ان کی میعاد ختم ہو جائے گی اور وہ فی الحال واجب الاداء ہو جائیں گے نیز اس نے حالت اسلام میں جو مال کمایا ہے وہ سب اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائیں گے، یہ حکم ہمارے یہاں ہے۔ امام شافعی رالٹیلہ کے یہاں اس کا مال محفوظ رہے گا جیسا کہ اس کے دارالحرب جانے سے پہلے اس کا مال محفوظ تھا، کیونکہ اس کا دارالحرب جانا ایک طرح کی غیوبت ہے اور غیوبت سے انسان مردہ نہیں ہوتا جیسے اگر کوئی شخص دارالاسلام ہی میں غائب ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس پر مردہ ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا، اسی طرح اس شخص پر بھی شوافع کے یہاں میت کا حکم لاگو نہیں ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مرتد ہو کر حربیوں سے جاملنے کی وجہ سے یہ شخص مردہ ہو گیا ہے، کیونکہ حربی احکام اسلام کے حق میں مردہ ہیں اور مردوں کی طرح ان پر بھی کوئی حکم لازم کرنے کی ولایت نہیں ہے تاہم اس کے دوبارہ واپس آنے کا احتمال ہے اس لیے قضائے قاضی کے بغیر اس کا ارتداد اور لحاق بدار الحرب پختہ نہیں ہوگا، لیکن جب قاضی اس کے دارالحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دے گا تو

مردوں کے ساتھ وہ بھی مردہ شمار ہوگا اور جو احکام بیان کئے گئے ہیں یعنی مدبروں اور امہات اولاد کی آزاد اور دیون کا فی الحال واجب الأ داء ہونا وہ سب اس کے حق میں بھی ثابت ہوں گے۔

ثم یعتبر کونہ الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس مرتد کے دار الحرب پہنچنے کے وقت جو وارث ہوں گے وہی اس کے وارث شمار کئے جائیں گے اور بعد میں کسی وارث کا اعتبار نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کے دار الحرب جانے کے بعد قضائے قاضی تک جو اس کے وارث ہوں گے وہ سب اس کی موت کے وقت اس کے ورثاء شمار ہوں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ہوکر اس کا دار الحرب پہنچ جانا ہی میراث کا سبب ہے لہٰذا یہی لحاق وارث ہونے کا بھی سبب ہوگا، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ میراث کا سبب اس کی موت کا حکم ہے اور موت کا حکم قضائے قاضی سے ثابت ہوگا لہٰذا وارث ہونے اور نہ ہونے کا مدار بھی اسی وقت پر (یعنی قضاء پر) ہوگا۔ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کا یہی اختلاف مرتدہ عورت کا بھی ہے۔

وَتُقْضٰى دُيُوْنُهُ الَّتِيْ لَزِمَتْهُ فِيْ حَالِ الْإِسْلَامِ مِمَّا اكْتَسَبَهُ فِيْ حَالِ الْإِسْلَامِ وَمَالَزِمَتْهُ فِيْ حَالِ رِدَّتِهٖ مِنَ الدُّيُوْنِ تُقْضٰى مِمَّا اكْتَسَبَهُ فِيْ حَالِ رِدَّتِهٖ، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذِهٖ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَعَنْهُ أَنَّهُ يَبْدَأُ بِكَسْبِ الْإِسْلَامِ وَإِنْ لَمْ يَفِ بِذٰلِكَ يَبْدَأُ مِنْ كَسْبِ الرِّدَّةِ وَعَنْهُ عَلٰى عَكْسِهٖ، وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ الْمُسْتَحَقَّ بِالسَّبَبَيْنِ مُخْتَلِفٌ وَحُصُوْلُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْكَسْبَيْنِ بِاعْتِبَارِ السَّبَبِ الَّذِيْ وَجَبَ لَهُ الدَّيْنُ فَيُقْضٰى كُلُّ دَيْنٍ مِنَ الْكَسْبِ الْمُكْتَسَبِ الَّذِيْ فِيْ تِلْكَ الْحَالَةِ لِيَكُوْنَ الْغُرْمُ بِالْغُنْمِ، وَجْهُ الثَّانِيْ أَنَّ كَسْبَ الْإِسْلَامِ مِلْكُهُ حَتّٰى يَخْلُفَهُ الْوَارِثُ فِيْهِ، وَمِنْ شَرْطِ هٰذِهِ الْخِلَافَةِ الْفَرَاغُ مِنْ حَقِّ الْمُوَرِّثِ فَيُقَدَّمُ الدَّيْنُ عَلَيْهِ، أَمَّا كَسْبُ الرِّدَّةِ فَلَيْسَ بِمَمْلُوْكٍ لَهُ لِبُطْلَانِ أَهْلِيَّةِ الْمِلْكِ بِالرِّدَّةِ عِنْدَهُ فَلَايُقْضٰى دَيْنُهُ مِنْهُ إِلَّا إِذَا تَعَذَّرَ قَضَاؤُهُ مِنْ مَحَلٍّ اٰخَرَ فَحِيْنَئِذٍ يُقْضٰى مِنْهُ كَالذِّمِّيِّ إِذَا مَاتَ وَلَا وَارِثَ لَهُ يَكُوْنُ مَالُهُ لِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَلَوْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ يُقْضٰى مِنْهُ كَذٰلِكَ هٰهُنَا، وَجْهُ الثَّالِثِ أَنَّ كَسْبَ الْإِسْلَامِ حَقُّ الْوَرَثَةِ، وَكَسْبَ الرِّدَّةِ خَالِصُ حَقِّهٖ فَكَانَ قَضَاءُ الدَّيْنِ مِنْهُ أَوْلٰى إِلَّا إِذَا تَعَذَّرَ بِأَنْ لَمْ يَفِ بِهٖ فَحِيْنَئِذٍ يُقْضٰى مِنْ كَسْبِ الْإِسْلَامِ تَقْدِيْمًا لِحَقِّهٖ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تُقْضٰى دُيُوْنُهُ مِنَ الْكَسْبَيْنِ، لِأَنَّهُمَا جَمِيْعًا مِلْكُهُ حَتّٰى يَجْرِيَ الْإِرْثُ فِيْهِمَا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: اور مرتد پر بحالت اسلام جتنے قرضے لازم ہوئے ہوں انھیں حالتِ اسلام والی اس کی کمائی سے ادا کیا جائے گا اور جو قرضے بحالت ردت اس پر لدے ہوں انہیں ردت والی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔ بندۂ ضعیف کہتا ہے کہ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ پہلے اسلام والی کمائی سے شروع کیا جائے اور اگر ادائیگی دیون کے لیے یہ کمائی ناکافی ہو تو بحالت ارتداد والی کمائی سے اسے ادا کیا جائے گا۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی سے اس کے برعکس مروی ہے۔

پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ اس پر واجب شدہ قرضہ دو الگ الگ سبب کی وجہ سے مختلف ہے اور دونوں طرح کی کمائی اسی سبب سے حاصل ہے جس سبب سے اس پر دین واجب ہوا ہے لہٰذا ہر قرضہ اسی کمائی سے ادا کیا جائیگا جو اس حالت میں ہوئی ہوتا کہ نفع کے عوض نقصان اور ضمان واجب ہو۔

دوسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ اسلام کی کمائی اس کی ملکیت ہے حتی کہ اس کا وارث اس میں اس شخص کا نائب ہوگا اور وارث کے نائب ہونے کے لیے ملکیت کا حقِ مورث سے فارغ ہونا شرط ہے لہٰذا دین کو میراث پر مقدم کیا جائے گا۔ رہی حالت ردت والی کمائی تو وہ مرتد کی مملوک نہیں ہے، کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ردت سے اہلیت ملکیت باطل ہوجاتی ہے، لہٰذا اس کمائی سے اس کا قرضہ ادا نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر اسلام والی کمائی سے اس کی ادائیگی متعذر ہو تو اس وقت حالتِ ارتداد والی کمائی سے اسے ادا کیا جائے گا، جیسے اگر کوئی ذمی مرجائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال عام مسلمانوں کا ہوگا اور اگر اس پر دین ہو تو اس مال سے ادا کیا جائے گا ایسے ہی یہ بھی ہے۔

تیسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ اسلام والی کمائی ورثاء کا حق ہے اور ردت والی کمائی اس کا اپنا حق ہے، لہٰذا اس کمائی سے قرض ادا کرنا اولیٰ ہے، لیکن اگر ادائیگی متعذر ہو بایں طور کہ وہ ناکافی ہو تو اس وقت اسلام والی کمائی سے اس کا دین ادا کیا جائے گا، اس لیے کہ دین کی ادائیگی میراث سے مقدم ہے۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کے قرضے دونوں کمائیوں سے ادا کیے جائیں گے، کیونکہ دونوں اس کی ملک ہیں حتی کہ دونوں میں میراث جاری ہوتی ہے۔

اللغات:

﴿دیون﴾ واحد دین؛ قرضے۔ ﴿اکتسب﴾ کمایا۔ ﴿یبدأ﴾ شروع کیا جائے گا۔ ﴿لم یف﴾ پورا نہ ہوا۔ ﴿کسب﴾ کمائی۔ ﴿غرم﴾ تاوان، ادائیگی۔ ﴿غنم﴾ نفع، سہولت۔ ﴿تعذّر﴾ مشکل ہوگیا، ناممکن ہوگیا۔

مرتد کے قرضے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرتد پر قرضے ہوں تو ان قرضوں کو دو حصوں پر تقسیم کیا جائے گا اور حالت اسلام میں جو قرضے اس پر لازم ہوئے ہوں انھیں حالت اسلام والی کمائی سے ادا کیا جائے گا اور جو قرضے حالت ارتداد میں لازم ہوئے ہوں انھیں ارتداد والی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے امام زفرؒ کی روایت ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے حسن بن زیادؒ کی روایت یہ ہے کہ پہلے اسلام والی کمائی سے قرضے ادا کیے جائیں اور اگر یہ کمائی ادائیگیٔ دیون کے لیے ناکافی ہو تو ردت والی کمائی سے قرضے ادا کیے جائیں گے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تیسری روایت جو امام ابو یوسفؒ کی ہے وہ یہ ہے کہ ردت والی کمائی سے ادائیگیٔ دین کو شروع کیا جائے گا۔ یہ کل تین روایات ہوئیں۔ ان میں سے پہلی روایت کی دلیل یہ ہے کہ دونوں کمائیاں دو الگ الگ یعنی اسلام اور ردت کی حالتوں میں حاصل ہوئی ہیں اور ان دونوں کا قرضہ بھی الگ الگ سبب سے ہے، لہٰذا ہر کمائی کا قرضہ اس حالت کی کمائی سے ادا کیا جائے گا تاکہ نفع میں سے نقصان اور تاوان ادا کردیا جائے۔

وجه الثاني الخ دوسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ اسلام کی حالت میں اس نے جو مال کمایا ہے وہ اس کی ملکیت ہے اسی لیے

اس شخص کے وارث اس کے مالک ہوں گے اور اس خلافت کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ ملکیت مورث کے حق سے یعنی دین وغیرہ سے فارغ ہو لہٰذا وراثت والی خلافت پر دین کو مقدم کیا جائے گا۔ رہی بحالت ردت والی کمائی تو وہ اس کی مملوک نہیں ہے اس لیے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ردت سے ملکیت کی اہلیت وصلاحیت ختم ہو جاتی ہے اس لیے ردت والی کمائی سے اس کے دیون نہیں ادا کیے جائیں گے ہاں اگر حالتِ اسلام والی کمائی سے ان کی ادائیگی نہ ہو سکے تو پھر اس کمائی سے دیون ادا کیے جائیں گے۔

تیسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ حالتِ اسلام کی کمائی ورثاء کا حق ہے جب کہ ارتداد کی کمائی مرتد کا اپنا حق ہے لہٰذا مرتد کی کمائی سے اس کے قرضے ادا کیے جائیں گے، لیکن اگر حالتِ ارتداد والی کمائی ادائیگیٔ دیون کے لیے ناکافی ہو تو حالتِ اسلام والی کمائی سے اسے ادا کیا جائے گا۔ حضرات شیخینؒ کے یہاں اس شخص کی دونوں کمائی سے اس کے دیون ادا کیے جائیں گے، کیونکہ وہ دونوں کمائیوں کا مالک ہے اور دونوں میں وراثت جاری ہے لہٰذا دونوں سے دیون ادا کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہے۔

قَالَ وَمَا بَاعَهُ أَوِ اشْتَرَاهُ أَوْ أَعْتَقَهُ أَوْ وَهَبَهُ أَوْ رَهَنَهُ أَوْ تَصَرَّفَ فِيْهِ مِنْ أَمْوَالِهِ فِيْ حَالِ رِدَّتِهِ فَهُوَ مَوْقُوْفٌ فَإِنْ أَسْلَمَ صَحَّتْ عُقُوْدُهُ، وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجُوْزُ مَا صَنَعَ فِي الْوَجْهَيْنِ، اِعْلَمْ أَنَّ تَصَرُّفَاتِ الْمُرْتَدِّ عَلٰى أَقْسَامٍ: نَافِذٌ بِالْإِتِّفَاقِ كَالْإِسْتِيْلَادِ وَالطَّلَاقِ لِأَنَّهُ لَايَفْتَقِرُ إِلٰى حَقِيْقَةِ الْمِلْكِ وَتَمَامِ الْوِلَايَةِ، وَبَاطِلٌ بِالْإِتِّفَاقِ كَالنِّكَاحِ وَالذَّبِيْحَةِ، لِأَنَّهُ يَعْتَمِدُ الْمِلَّةَ وَلَا مِلَّةَ لَهُ، وَمَوْقُوْفٌ بِالْإِتِّفَاقِ كَالْمُفَاوَضَةِ لِأَنَّهَا تَعْتَمِدُ الْمُسَاوَاةَ وَلَامُسَاوَاةَ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْمُرْتَدِّ مَا لَمْ يُسْلِمْ، وَمُخْتَلِفٌ فِيْ تَوَقُّفِهِ وَهُوَ مَا عَدَّدْنَاهُ، لَهُمَا أَنَّ الصِّحَّةَ تَعْتَمِدُ الْأَهْلِيَّةَ، وَالنَّفَاذَ يَعْتَمِدُ الْمِلْكَ وَلَا خِفَاءَ فِيْ وُجُوْدِ الْأَهْلِيَةِ لِكَوْنِهِ مُخَاطَبًا وَكَذَا الْمِلْكُ لِقِيَامِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ عَلٰى مَا قَرَّرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ، وَلِهٰذَا لَوْ وَلَدَ لَهُ وَلَدٌ بَعْدَ الرِّدَّةِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ اِمْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ يَرِثُهُ، وَلَوْ مَاتَ وَلَدُهُ بَعْدَ الرِّدَّةِ قَبْلَ الْمَوْتِ لَايَرِثُهُ فَيَصِحُّ تَصَرُّفَاتُهُ قَبْلَ الْمَوْتِ إِلَّا أَنَّ عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَصِحُّ كَمَا تَصِحُّ مِنَ الصَّحِيْحِ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ عَوْدُهُ إِلَى الْإِسْلَامِ، إِذِ الشُّبْهَةُ تُزَاحُ فَلَايُقْتَلُ وَصَارَ كَالْمُرْتَدَّةِ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَصِحُّ كَمَا تَصِحُّ مِنَ الْمَرِيْضِ، لِأَنَّ مَنِ انْتَحَلَ إِلٰى نِحْلَةٍ لَا سِيَّمَا مُعْرِضًا عَمَّا نَشَأَ عَلَيْهِ قَلَّمَا يَتْرُكُهُ فَيُفْضِيْ إِلَى الْقَتْلِ ظَاهِرًا، بِخِلَافِ الْمُرْتَدَّةِ، لِأَنَّهَا لَاتُقْتَلُ، وَلِأَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ حَرْبِيٌّ مَقْهُوْرٌ تَحْتَ أَيْدِيْنَا عَلٰى مَا قَرَّرْنَاهُ فِيْ تَوَقُّفِ الْمِلْكِ وَتَوَقُّفُ التَّصَرُّفَاتِ بِنَاءً عَلَيْهِ، وَصَارَ كَالْحَرْبِيِّ يَدْخُلُ دَارَنَا بِغَيْرِ أَمَانٍ فَيُؤْخَذُ وَيُقْهَرُ وَيَتَوَقَّفُ تَصَرُّفَاتُهُ لِتَوَقُّفِ حَالِهِ، وَكَذَا الْمُرْتَدُّ، وَاسْتِحْقَاقُهُ الْقَتْلَ لِبُطْلَانِ سَبَبِ الْعِصْمَةِ فِي الْفَصْلَيْنِ

فَأَوْجَبَ خَلَلًا فِي الْأَهْلِيَّةِ، بِخِلَافِ الزَّانِي وَقَاتِلِ الْعَمَدِ، لِأَنَّ الْإِسْتِحْقَاقَ فِي ذٰلِكَ جَزَاءٌ عَلَى الْجِنَايَةِ، وَبِخِلَافِ الْمَرْأَةِ، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ حَرْبِيَّةً وَلِهٰذَا لَاتُقْتَلُ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ مرتد نے اپنی ردت کی حالت میں جو مال فروخت کیا یا خریدا یا غلام آزاد کیا یا ہبہ کیا یا کوئی چیز رہن رکھی یا اپنے اموال میں کوئی تصرف کیا تو اس کا تصرف موقوف رہے گا چنانچہ اگر وہ اسلام لے آتا ہے تو اس کے عقود درست ہوجائیں گے، اور اگر وہ مرجائے یا قتل کردیا جائے یا دار الحرب چلا جائے تو اس کے عقوق باطل ہوجائیں گے۔ یہ حکم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں اس کے تصرفات جائز ہوں گے۔

تم جان لو کہ مرتد کے تصرفات کئی قسم کے ہیں اول وہ جو بالاتفاق نافذ ہوتے ہیں جیسے ام ولد بنانا اور طلاق دینا یہ تصرفات حقیقی ملک اور تمامیتِ ولایت کے محتاج نہیں ہوتے (۲) دوسرے وہ تصرفات جو بالاتفاق باطل ہیں جیسے نکاح اور ذبیحہ، اس لیے کہ ان کی صحت کا مدار ملت پر ہے (۳) تیسرے وہ تصرفات جو بالاتفاق موقوف ہیں جیسے شرکتِ مفاوضہ اس لیے کہ مفاوضہ کا مدار مساوات پر ہے اور مسلم اور مُرتد کے درمیان مساوات نہیں ہوتی جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوجائے (۴) چوتھے وہ تصرفات جس کے موقوف ہونے میں اختلاف ہے اور یہ وہی تصرفات ہیں جنہیں ہم شمار کرچکے ہیں۔

حضرات صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ان تصرفات کی صحت کا دار و مدار متصرف کی اہلیت پر ہے اور نفاذ کا مدار ملکیت پر ہے اور اہلیت میں کوئی خفا نہیں ہے اس لیے کہ متصرف احکام شرع کا مخاطب ہے نیز اس میں ملکیت بھی موجود ہے، کیونکہ ملکیت اس کی موت سے پہلے تک باقی ہے جیسا کہ اس سے پہلے ہم بیان کرچکے ہیں اسی لیے اگر اس کے مرتد ہونے کے بعد اس کی مسلمان بیوی سے چھے ماہ میں کوئی بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ اس مرتد کا وارث ہوگا۔ اور اگر ردت کے بعد مرتد کی موت سے پہلے اس کا لڑکا مرگیا تو وہ مرتد کا وارث ہوگا، لہٰذا موت سے پہلے والے اس کے تصرفات صحیح ہوں گے تاہم امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کے تصرفات اسی طرح صحیح ہوں گے جیسا کہ تندرست آدمی کے تصرفات صحیح ہوتے ہیں، کیونکہ اس کا اسلام کی طرف واپس آنا ظاہر ہے لہٰذا جو شبہہ ہوا ہے اسے ختم کردیا جائے اور مرتدہ عورت کی طرح اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس مرتد کے تصرفات اسی طرح صحیح ہوں گے جیسا کہ مریض کے تصرفات صحیح ہوتے ہیں، اس لیے کہ جو شخص کوئی دعویٰ کرتا ہے خاص کر اس صورت میں جب وہ اس مذہب سے اعراض کر کے نیا مذہب بناتا ہے جس پر وہ پیدا ہوا ہو تو وہ اسے کم ہی چھوڑتا ہے اور بہ ظاہر وہ قتل کردیا جاتا ہے۔ برخلاف مرتدہ کے اس لیے کہ وہ قتل نہیں کی جاتی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ حربی ہے اور ہمارے ہاتھوں مغلوب ہے جیسا کہ اس کی ملکیت کے موقوف رہنے کے متعلق ہم عرض کرچکے ہیں اور تصرفات کا موقوف ہونا ملکیت کے موقوف ہونے پر مبنی ہے اور یہ مرتد اس حربی کی طرح ہوگیا جو امان لیے بغیر دار الاسلام میں آگیا ہو اور اسے گرفتار کر کے مقہور کردیا گیا تو اس کے تصرفات موقوف کردیئے جاتے ہیں، کیونکہ اس کا حال موقوف ہوتا ہے یہی حال مرتد کا بھی ہوتا ہے۔

اور دونوں صورتوں میں سبب عصمت کے بطلان کی وجہ سے مرتد مستحق قتل ہوتا ہے اور یہی چیز اس کی اہلیت میں خلل پیدا کرتی

ہے۔ برخلاف زانی کے اور قاتل عمد کے کیونکہ ان میں قتل کا استحقاق جنایت کی سزاء کے طور پر ہوتا ہے۔ اور برخلاف عورت کے کیونکہ عورت جنگجو نہیں ہوتی اسی لیے وہ قتل نہیں کی جاتی۔

اللغاتُ:

﴿أعتق﴾ اس نے آزاد کیا۔ ﴿ردّة﴾ ارتداد، مسلمان کا کافر ہو جانا۔ ﴿عقود﴾ معاملات۔ ﴿استیلاد﴾ اُم ولد بنانا۔ ﴿لایفتقر﴾ محتاج نہیں ہوتے۔ ﴿تعتمد﴾ مبنی ہوتی ہے۔ ﴿عود﴾ واپسی، لوٹنا۔ ﴿انتحل﴾ نسبت اختیار کی۔ ﴿نحلة﴾ مذہب وعقیدہ۔ ﴿یفضی﴾ پہنچاتا ہے۔

حالت ارتداد کے تصرفات:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مرتد حالت ردت میں جو تصرفات کرتا ہے مثلاً بیع وشراء کرنا، ہبہ کرنا اور غلام آزاد کرنا وغیرہ تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کے یہ تصرفات موقوف ہوں گے اگر وہ ایمان لے آتا ہے تو یہ عقود نافذ ہو جائیں گے اور اگر وہ مرجاتا ہے یا قتل کر دیا جاتا ہے یا دار الحرب چلا جاتا ہے تو یہ تمام تصرفات باطل ہو جائیں گے جب کہ حضرات صاحبینؒ کے یہاں دونوں صورتوں میں اس کے تصرفات صحیح ہوں گے خواہ اس نے بحالت اسلام انجام دیا ہو یا بحالت ارتداد اور بعد القتل والموت بہر دوصورت اس کے تصرفات جائز ہوں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ مرتد کے تصرفات کی کل چار قسمیں ہیں (۱) وہ تصرفات جو بالاتفاق نافذ ہو جاتے ہیں جیسے اگر مرتد کسی کو ام ولد بنائے یا عدت کے دوران اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کا یہ فعل سب کے یہاں نافذ ہوگا، کیونکہ ام ولد بنانے اور طلاق دینے کے لیے نہ تو حقیقی ملکیت کی ضرورت درکار ہے اور نہ ہی مکمل ولایت کی، اسی لیے تو فقہاء نے غلام کی طلاق کو درست قرار دیا ہے حالانکہ غلام میں ولایت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جو بالاتفاق باطل ہے اور یہ ترجمہ سے واضح ہے۔ (۳) تیسری وہ ہے جو بالاتفاق موقوف ہے جیسے مرتد کسی مسلمان کے ساتھ کاروبار کرتے ہوئے شرکتِ مفاوضہ کرے تو یہ مفاوضہ موقوف رہے گا اگر وہ اسلام قبول کرلے تو مفاوضہ صحیح ہوگا اور اگر بحالت ارتداد مرجائے یا قتل کر دیا جائے یا دار الحرب چلا جائے تو مفاوضہ باطل ہو جاتا ہے اور اس بطلان کی وجہ یہ ہے کہ مفاوضہ کی صحت کے لیے مساوات بین الشرکین ضروری ہے حالانکہ مسلمان اور مرتد میں کوئی مساوات نہیں ہے، کیونکہ اسلام اور کفر میں کھلا ہوا تضاد ہے۔ (۴) چوتھی قسم ان تصرفات کی ہے جو مختلف فیہ ہیں اور عبارت میں بیان کئے گئے ہیں۔

لھما الخ حضرات صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ صحتِ تصرف کا دار ومدار تصرف کی اہلیت پر ہے اور اس تصرف کا نافذ ہونا متصرِف کی ملکیت پر موقوف ہے اور صورت مسئلہ میں متصرف کی اہلیت ولیاقت میں کوئی شبہہ نہیں ہے، کیونکہ وہ احکام شرع کا مخاطب ہے اسی لیے تو ارتداد کی وجہ سے اس پر قتل واجب ہے نیز جو چیز نفاذ تصرف کے لیے ضروری ہے وہ بھی مرتد میں موجود ہے یعنی اس کی موت تک اس کی ملکیت برقرار ہے اسی لیے اگر اس کے مرتد ہونے کے بعد اس کی مسلمان بیوی سے چھ ماہ کے اندر کوئی بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ اس کا وارث ہوگا اور اگر ارتداد کے بعد موت سے پہلے اس کا کوئی لڑکا مرگیا تو وہ اپنے مرتد باپ کا وارث نہیں ہوگا، کیونکہ مرتد کی ملکیت موت تک باقی تھی اور قبل از موت اس کا لڑکا مرگیا ہے فلایرثہ اسی سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قبل الموت مرتد کے تصرفات صحیح

ہوں گے اور جب تصرفات صحیح ہوں گے تو اسلام کے تصرفات اسی طرح صحیح ہوں جیسے تندرست آدمی کے تصرفات صحیح ہوتے ہیں یعنی یہ تصرفات متصرف اور مرتد کے پورے مال میں صحیح ہوں گے، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے گا اس لیے اس کا شبہہ ختم کرنا ضروری ہے۔ اور جس طرح مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جاتا اسی طرح اس شخص کو بھی قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ تصرفات تصرفاتِ مریض کی طرح صحیح ہوں گے یعنی اس کے تہائی مال سے نافذ ہوں گے، اس لیے کہ جو شخص ایک مذہب پر پیدا ہوا اسی پر پلا بڑھا اس کے بعد اس نے وہ مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کیا تو بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص اس دوسرے مذہب کو ترک کردے لہٰذا اس مرتد کا دوبارہ اسلام قبول کرنا مشکل ہے اور اس کا انجام قتل ہے اس لیے میت کی طرف سے تہائی مال ہی میں اس کے تصرفات نافذ ہوں گے۔

ولأبي حنيفة رحمۃ اللہ علیہ الخ حضرت امام عالی مقام رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ارتداد کے بغیر مرتد حربی ہو جاتا ہے اور چوں کہ یہ ہمارے ہاتھوں مقہور اور مغلوب ہے، لہٰذا امان لیے بغیر دارالاسلام آجانے والے حربی مقہور کی طرح اس کے تصرفات بھی موقوف ہوں گے، کیونکہ اس کی ملکیت موقوف رہتی ہے جب کہ تصرفات کی صحت صحتِ ملکیت ہی پر موقوف ہے، لہٰذا جب اس کی ملکیت موقوف ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے تصرفات بھی موقوف ہوں گے۔

رہا سوال مرتد کے مستحقِ قتل ہونے کا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عصمت یعنی اسلام سے برگشتہ ہونے کی وجہ سے یا حربی ہونے کی وجہ سے اس کی عصمت اور حفاظت معدوم ہو چکی ہے اور عصمت کے معدوم ہونے سے اس کی اہلیت وصلاحیت میں خلل اور نقص ہو گیا ہے اور جب اہلیت گڑبڑ ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے تصرفات بھی گڑبڑ ہوں گے یعنی نافذ اور صحیح نہیں ہوں گے۔ اور حضرات صاحبین رحمہما اللہ کا اسے مرتدہ عورت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ عورت حربیہ نہیں ہوتی اور وہ قتل بھی نہیں کی جاتی۔ اسی طرح زانی اور قاتلِ عمد اس وجہ سے مستحقِ قصاص ہوتے ہیں کہ قصاص اور قتل ان کے جرم اور ان کی جنایت کی سزاء ہے لہٰذا مرتد کو ان پر قیاس کرنا بھی درست نہیں ہے۔

فَإِنْ عَادَ الْمُرْتَدُّ بَعْدَ الْحُكْمِ بِلِحَاقِهِ بِدَارِ الْحَرْبِ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ مُسْلِمًا فَمَا وَجَدَهُ فِي يَدِ وَرَثَتِهِ مِنْ مَالِهِ بِعَيْنِهِ أَخَذَهُ، لِأَنَّ الْوَارِثَ إِنَّمَا يَخْلُفُهُ فِيهِ لِاسْتِغْنَائِهِ، وَإِذَا عَادَ مُسْلِمًا احْتَاجَ إِلَيْهِ فَيُقَدَّمُ عَلَيْهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا أَزَالَهُ الْوَارِثُ عَنْ مِلْكِهِ، وَبِخِلَافِ أُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَمُدَبَّرِيهِ، لِأَنَّ الْقَضَاءَ قَدْ صَحَّ بِدَلِيْلٍ مُصَحَّحٍ فَلَا يُنْقَضُ، وَلَوْ جَاءَ مُسْلِمًا قَبْلَ أَنْ يَقْضِيَ الْقَاضِي بِذَلِكَ فَكَأَنَّهُ لَمْ يَزَلْ مُسْلِمًا لِمَا ذَكَرْنَا.

ترجمہ: پھر اگر مرتد کے دار الحرب چلے جانے کے فیصلے کے بعد مرتد مسلمان ہو کر دارالاسلام واپس آگیا تو اپنا جو مال بعینہ اپنے کسی وارث کے پاس پائے اسے لے لے، کیونکہ وارث اسی وقت اس مال کا وارث ہوگا جب مرتد اس سے مستغنی ہو جائے لیکن جب وہ مسلمان ہو کر واپس آگیا تو اس مال کا ضرورت مند ہو گیا اس لیے وہ شخص وارث سے مقدم ہوگا۔ برخلاف اس صورت کے جب وارث نے اس مال کو اپنی ملکیت سے نکال دیا ہو۔ اور برخلاف اس کی امہات اولاد اور مدبروں کے، اس لیے کہ ان کے متعلق دلیل مصحح

سے صحیح فیصلہ ہو چکا ہے لہٰذا اب یہ فیصلہ ختم نہیں ہوگا اور اگر قاضی کے اس کے دارالحرب چلے جانے کے فیصلہ کرنے سے پہلے وہ مسلمان ہوکر دارالاسلام واپس آ گیا (تو اس کی جملہ املاک بحال رہیں گی) اور وہ ایسا ہو جائے گا گویا کہ ہمیشہ مسلمان ہی تھا۔

اللغاتُ:

﴿عاد﴾ واپس آ گیا۔ ﴿لحاق﴾ ساتھ مل جانا۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿استغناء﴾ غیر ضرورت مند ہونا، بے نیاز ہونا۔

مرتد کا دارالحرب سے مسلمان ہوکر واپس آ جانا:

مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص مرتد ہوکر دارالحرب چلا گیا اور قاضی نے اس کے دارالحرب جانے کا فیصلہ کر دیا پھر وہ مسلمان ہوکر دوبارہ دارالاسلام آ گیا تو اب دارالاسلام میں اس کے ورثاء کے پاس اس کے جو اموال بعینہ موجود ہوں ان اموال کو وہ مذکورہ ورثاء سے واپس لے لے، کیونکہ وارث اسی صورت میں اس کے مال کا مستحق ہوتا ہے جب اس شخص کو مال کی ضرورت نہ ہو حالانکہ صورت مسئلہ میں اس کے مسلمان ہوکر دارالاسلام آ جانے سے وہ شخص خود ہی مال کا ضرورت مند ہو گیا ہے، اس لیے اس کی ضرورت وارث کی ضرورت سے مقدم ہوگی۔ لیکن اگر وارث نے وہ مال اپنی ضرورت میں صرف کر دیا تو اس مال سے اس شخص کا حق ختم ہو جائے گا، اسی طرح اس کے وہ مدبر وغیرہ جو آزاد ہو گئے ہیں وہ بھی آزاد ہی رہیں گے اور پھر غلام نہیں بنیں گے، کیونکہ ان کے متعلق قاضی کا فیصلہ صحیح دلیل سے ہوا تھا اور صحیح تھا اس لیے اب وہ فیصلہ باطل اور ناقص نہیں ہوگا۔ ہاں اگر مرتد دارالحرب چلا گیا اور قاضی نے اس کے دار الحرب جانے کا فیصلہ نہیں کیا تھا پھر وہ مسلمان ہوکر دارالاسلام واپس آ گیا تو اس کی املاک علی حالہا بحال رہیں گی اور کوئی بھی چیز اس کی ملکیت سے زائل نہیں ہوگی، کیونکہ اس صورت میں وہ ہمیشہ مسلمان ہی سمجھا جائے گا اور اس کا ارتداد معدوم شمار ہوگا۔

وَإِذَا وَطِئَ الْمُرْتَدُّ جَارِيَةً نَصْرَانِيَّةً كَانَتْ لَهُ فِيْ حَالَةِ الْإِسْلَامِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ ارْتَدَّ فَادَّعَاهُ فَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ وَالْوَلَدُ حُرٌّ وَهُوَ ابْنُهُ وَلَايَرِثُهُ، وَإِنْ كَانَ الْجَارِيَةُ مُسْلِمَةً وَرِثَهُ الْإِبْنُ إِنْ مَاتَ عَلَى الرِّدَّةِ أَوْلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ، أَمَّا صِحَّةُ الْإِسْتِيْلَادِ فَلِمَا قُلْنَا وَأَمَّا الْإِرْثُ فَلِأَنَّ الْأُمَّ إِذَا كَانَتْ نَصْرَانِيَّةً وَالْوَلَدُ تَبَعٌ لَهُ لِقُرْبِهِ إِلَى الْإِسْلَامِ لِلْجَبْرِ عَلَيْهِ فَصَارَ فِيْ حُكْمِ الْمُرْتَدِّ، وَالْمُرْتَدُّ لَايَرِثُ الْمُرْتَدَّ، أَمَّا إِذَا كَانَتْ مُسْلِمَةً فَالْوَلَدُ مُسْلِمٌ تَبَعٌ لَهَا، لِأَنَّهَا خَيْرُهُمَا دِيْنًا، وَالْمُسْلِمُ يَرِثُ الْمُرْتَدَّ، وَإِذَا لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بِمَالِهِ بِدَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ ظُهِرَ عَلَى ذٰلِكَ الْمَالِ فَهُوَ فَيْءٌ، فَإِنْ لَحِقَ ثُمَّ رَجَعَ وَأَخَذَ مَالًا وَأَلْحَقَهُ بِدَارِ الْحَرْبِ فَظُهِرَ عَلَى ذٰلِكَ الْمَالِ فَوَجَدَتْهُ الْوَرَثَةُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ رُدَّ عَلَيْهِمْ، لِأَنَّ الْأَوَّلَ مَالٌ لَمْ يَجْرِ فِيْهِ الْإِرْثُ، وَالثَّانِيْ اِنْتَقَلَ إِلَى الْوَرَثَةِ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ بِلِحَاقِهِ وَكَانَ الْوَارِثُ مَالِكًا قَدِيْمًا.

ترجمہ: اگر مرتد نے ایسی نصرانیہ باندی سے وطی کی جو حالت اسلام میں اس کی باندی تھی پھر اس باندی نے اس کے مرتد ہونے

کے وقت سے لے کر چھ ماہ سے زیادہ مدت میں بچہ جنا تو وہ باندی اس کی ام ولد ہوگی اور لڑکا آزاد ہوگا اس مرتد کا لڑکا ہوگا لیکن اس کا وارث نہیں ہوگا، اور اگر باندی مسلمان ہو تو اگر مرتد ردت پر مرا ہو یا دار الحرب چلا گیا ہو تو یہ لڑکا اس کا وارث ہوگا۔ رہا ام ولد بنانے کا صحیح ہونا تو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور رہا لڑکے کا وارث ہونا تو اس وجہ سے ہے کہ جب اس کی ماں نصرانیہ ہے تو لڑکا اپنے مرتد باپ کے تابع ہوگا کیونکہ وہ باپ اسلام سے زیادہ قریب ہے، کیونکہ اس پر اسلام قبول کرنے کے لیے جبر کیا جائے گا لہٰذا یہ لڑکا بھی مرتد کے حکم میں ہوگا اور مرتد مرتد کا وارث نہیں ہوتا، لیکن اگر وہ باندی مسلمان ہو تو لڑکا ماں کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا، اس لیے کہ ماں ہی دین کے اعتبار سے بہتر ہے اور مسلمان مرتد کا وارث ہوگا۔ اور اگر مرتد اپنا مال لے کر دار الحرب چلا گیا پھر اس مال پر مجاہدین کا غلبہ ہوگیا تو وہ مال فئے ہوگا، پھر اگر مرتد دار الحرب جا کر واپس آگیا اور مال لے کر دوبارہ دار الحرب چلا گیا پھر اس مال پر غلبہ ہوا اور غنائم کی تقسیم سے پہلے مرتد کے وارثوں نے وہ مال پالیا تو انھی کو وہ مال دیا جائے گا، کیونکہ پہلا مال ایسا مال ہے جس میں وراثت نہیں جاری ہوتی۔ اور دوسرا مال اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوگیا ہے، کیونکہ قاضی نے اس کے دار الحرب جانے کا فیصلہ کر دیا ہے، لہٰذا وارث اس مال کا پرانا حق دار ہوا ہے۔

اللغاتُ:

﴿جاریة﴾ باندی۔ ﴿ادّعاه﴾ اس نے اُس کا دعویٰ کیا۔ ﴿استیلاد﴾ اُمّ ولد بنانا۔ ﴿ظُهِرَ﴾ غلبہ پالیا گیا۔ ﴿فيئٌ﴾ مالِ غنیمت۔ ﴿الحقهٔ﴾ اس کو ملا لیا۔ ﴿رُدّ﴾ واپس کیا جائے گا۔

حالت ارتداد میں کافر باندی سے وطی کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسلمان ہونے کے زمانے میں مرتد کی کوئی نصرانیہ باندی تھی اور اس باندی سے مرتد نے وطی کی تھی چنانچہ اس شخص کے مرتد ہونے کے وقت سے لے کر چھ ماہ سے زائد مدت میں اس باندی نے ایک بچہ جنا اور مرتد نے اس کا دعوی کر دیا تو وہ باندی اس کی ام ولد ہوگی اور مذکور بچہ مرتد کا لڑکا ہوگا اور آزاد ہوگا لیکن اپنے باپ کا وارث نہیں ہوگا، ہاں اگر باندی مسلمان ہو اور مرتد بحالت ردت مرا ہو یا دار الحرب چلا گیا ہو تو ان صورتوں میں وہ لڑکا اپنے باپ کا وارث ہوگا۔ صاحب ہدایہ دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مرتد کا کسی باندی کو ام ولد بنانا صحیح ہے، کیونکہ استیلاد کے لیے نہ تو حقیقی ملک ضروری ہوتی ہے اور نہ ہی ولایت کی تمامیت درکار ہوتی ہے۔ اور ماں کے نصرانیہ ہونے کی صورت میں وہ مرکر اپنے مرتد باپ کا اس لیے وارث نہیں ہوگا کہ لڑکا اپنے باپ کے تابع ہوگا، کیونکہ باپ کو دوبارہ اسلام لانے کے لیے جبر کیا جائے گا اور وہ اسلام سے زیادہ قریب ہوگا، اس لیے باپ کے تابع ہو کر وہ لڑکا بھی مرتد کے حکم میں ہوگا اور مرتد مرتد کا وارث نہیں ہوتا۔ اور ماں کے مسلمان ہونے کی صورت میں الولد یتبع خیرا لأبوین دینا کی وجہ سے لڑکا اپنی ماں کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا اور مسلمان مرتد کا وارث ہوسکتا ہے، لہٰذا اس صورت میں اس کے اپنے باپ کے وارث ہونے میں کوئی شبہہ نہیں ہے۔

وإذا لحق المرتد الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مرتد اپنا مال لے کر دار الحرب گیا پھر اس مال پر مجاہدین کا غلبہ ہوگیا تو وہ مال مالِ فئے ہوگا، کیونکہ ارتداد اور لحاق بدار الحرب کی وجہ سے وہ مرتد حربی ہوگیا ہے اور حربی کا مال مالِ فئے ہوتا ہے۔ اور اگر مرتد تنہا

دار الحرب گیا پھر واپس آ گیا اور دوبارہ ساز وسامان لے کر دار الحرب چلا گیا اور پھر اس مال پر مجاہدین کا قبضہ ہوگیا اور مرتد کے ورثاء کو قبل از تقسیم یہ مال مل گیا تو یہ مال ورثاء ہی کو ملے گا، کیونکہ جب قاضی نے مرتد کے دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دیا تو مرتد کا مال اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوگیا اور ورثاء ہی اس کے پرانے مالک ہو گئے اور غلبہ کے بعد دوبارہ وہ مال ورثاء کو ملا ہے تو وہی اس کے زیادہ حق دار ہوں گے، لہٰذا انھی کو وہ مال دیا جائے گا۔

وَإِذَا لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بِدَارِ الْحَرْبِ وَلَهُ عَبْدٌ فَقُضِيَ بِهِ لِابْنِهِ وَكَاتَبَهُ الْإِبْنُ ثُمَّ جَاءَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمًا فَالْكِتَابَةُ جَائِزَةٌ، وَالْكِتَابَةُ وَالْوَلَاءُ لِلْمُرْتَدِّ الَّذِي أَسْلَمَ، لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى بُطْلَانِ الْكِتَابَةِ لِنُفُوْذِهَا بِدَلِيْلٍ مُنَفِّذٍ فَجَعَلْنَا الْوَارِثَ الَّذِيْ هُوَ يَكُوْنُ خَلَفُهُ كَالْوَكِيْلِ مِنْ جِهَتِهِ، وَحُقُوْقُ الْعَقْدِ فِيْهِ يَرْجِعُ إِلَى الْمُؤَكِّلِ، وَالْوَلَاءُ لِمَنْ يَقَعُ الْعِتْقُ عَنْهُ، وَإِذَا قَتَلَ الْمُرْتَدُّ رَجُلًا خَطأً ثُمَّ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ فَالدِّيَةُ فِيْ مَالٍ اكْتَسَبَهُ فِيْ حَالِ الْإِسْلَامِ خَاصَّةً عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَقَالَا الدِّيَةُ فِيْمَا اكْتَسَبَهُ فِيْ حَالَةِ الْإِسْلَامِ وَالرِّدَّةِ جَمِيْعًا، لِأَنَّ الْعَوَاقِلَ لَاتَعْقِلُ الْمُرْتَدَّ لِانْعِدَامِ النُّصْرَةِ فَيَكُوْنُ فِيْ مَالِهِ وَعِنْدَهُمَا الْكَسْبَانِ جَمِيْعًا مَالُهُ لِنُفُوْذِ تَصَرُّفَاتِهِ فِي الْحَالَيْنِ وَلِهٰذَا يَجْرِي الْإِرْثُ فِيْهِمَا عِنْدَهُمَا، وَعِنْدَهُ مَالُهُ الْمُكْتَسَبُ فِي الْإِسْلَامِ لِنَفَاذِ تَصَرُّفِهِ فِيْهِ دُوْنَ الْمَكْسُوْبِ فِي الرِّدَّةِ لِتَوَقُّفِ تَصَرُّفِهِ وَلِهٰذَا كَانَ الْأَوَّلُ مِيْرَاثًا عِنْدَهُ وَالثَّانِيْ فَيْأً عِنْدَهُ.

ترجمہ: اگر مرتد دار الحرب چلا گیا اور اس کا ایک غلام تھا جس کے متعلق قاضی نے اس کے بیٹے کو دیے جانے کا فیصلہ کر دیا اور بیٹے نے اسے مکاتب بنالیا پھر مرتد مسلمان ہو کر واپس آیا تو مکاتبت جائز ہے اور کتابت کا مال اور مکاتب کی ولاء اس مرتد کو ملے گی جو مسلمان ہوگیا ہے اس لیے کہ مکاتبت کو باطل کرنے کی صورت نہیں ہے، کیونکہ وہ دلیل منفذ سے نافذ ہوئی ہے لہٰذا ہم نے اس وارث کو جو مرتد کا نائب ہے اس کی طرف سے وکیل بنا دیا اور عقد کتابت میں حقوقِ عقد موکل کی طرف لوٹتے ہیں اور ولاء اسے ملتی ہے جس کی طرف سے آزادی واقع ہوتی ہے۔

اگر مرتد نے خطأً کسی شخص کو قتل کر دیا پھر وہ دار الحرب چلا گیا یا بحالت ردت قتل کر دیا گیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دیت صرف اس مال میں ہوگی جو اس نے حالت اسلام میں کمایا ہے۔ حضرات صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دیت اس پورے مال میں ہوگی جو اس نے اسلام اور ارتداد دونوں حالتوں میں کمایا ہے۔ کیونکہ عواقل مرتد کی دیت نہیں دیتے، اس لیے کہ نصرت معدوم ہوتی ہے، لہٰذا اسی کے مال میں دیت ہوگی۔ حضرات صاحبینؒ کے یہاں دونوں کمائیاں اسی کا مال ہیں اس لیے کہ دونوں حالتوں میں اس کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں اسی لیے حضرات صاحبینؒ کے یہاں دونوں کمائیوں میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا مال وہی ہے جو اس نے حالت اسلام میں کمایا ہے، کیونکہ (امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں) اس کے تصرفات اسی میں نافذ ہوتے ہیں نہ کہ حالت ردت والی کمائی میں، کیونکہ اس کمائی میں اس کا تصرف موقوف ہوتا ہے، اسی لیے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں

حالت اسلام کی کمائی میراث ہوتی ہے اور حالتِ ردت والی کمائی فئے ہوتی ہے۔

اللغات:

﴿قضی بہ﴾ اس کا فیصلہ کر دیا گیا۔ ﴿کاتبہٗ﴾ اس سے مکاتبت کا معاملہ کرلیا۔ ﴿ولاء﴾ آزاد کردہ غلام کی میراث۔ ﴿اکتسب﴾ اس نے کمایا۔

مرتد کی غیر موجودگی کے تصرفات:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا اور اس مرتد کا ایک غلام تھا جس کے بارے میں قاضی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ غلام مرتد کے بیٹے کا ہے چنانچہ بیٹے نے اسے اپنا لیا اور اسے مکاتب بنا دیا اس کے بعد مرتد مسلمان ہو کر دارالاسلام واپس آ گیا تو اس کے بیٹے کی کی ہوئی مکاتبت جائز ہوگی البتہ عقد کتابت کا عوض اور بدلِ کتابت ادا کرنے کی صورت میں اس مکاتب غلام کی ولاء اس کے پہلے آقا یعنی اس نو مسلم کو ملے گی۔ اس لیے کہ صورت مسئلہ میں بدل کتابت باطل نہیں ہوئی، کیونکہ اس کا بیٹا قضائے قاضی سے اس غلام کا مالک ہوا ہے، اس لیے صحت کی شکل اختیار کرتے ہوئے ہم نے اس کے وارث بیٹے کو اس کا وکیل قرار دیا ہے اور عقد کتابت میں چوں کہ عقود موکل کی طرف لوٹتے ہیں اس لیے کتابت کا عوض اور اس کی ولاء اسی موکل یعنی مرتد ہو کر اسلام لانے والے کو ملے گی، کیونکہ آزادی اسی کی طرف سے واقع ہوئی ہے اور یہ تو بہت مشہور ہے کہ **الولاء للمعتق**۔

وإذا قتل المرتد الخ فرماتے ہیں کہ اگر مرتد نے خطأً کسی شخص کو قتل کر دیا پھر وہ دارالحرب چلا گیا یا بحالت ردت قتل کر دیا گیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کے اسی مال میں دیت واجب ہوگی جو اس نے اسلام کی حالت میں کمایا ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں اسلام اور ردّت دونوں زمانوں کی کمائی میں دیت واجب ہوگی، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ دونوں زمانوں کی کمائی اس کی ملکیت ہے کیونکہ دونوں میں اس کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں اور دونوں میں میراث بھی جاری ہے، لہٰذا دونوں کمائیوں سے دیت بھی ادا کی جائے گی، اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں چوں کہ حالت اسلام والی کمائی ہی میں مرتد کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں اور اسی میں ان کے یہاں میراث بھی جاری ہوتی ہے، اس لیے حالتِ اسلام والی کمائی ہی اس کا مال ہوگی اور اسی سے دیت ادا کی جائے گی، رہی حالت ردت والی کمائی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ مرتد کا نہیں ہے، کیونکہ اس میں اس کے تصرفات موقوف رہتے ہیں اور یہ کمائی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں میراث بھی نہیں ہوگی بلکہ فئے ہوگی، اسی لیے اس سے دیت بھی نہیں ادا کی جائے گی۔ اور دونوں صورتوں میں قاتل کے مال سے دیت ادا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مرتد اور مسلمان میں باہمی نصرت معدوم ہے اسی لیے صورت مسئلہ میں عاقلہ اس کی دیت ادا نہیں کریں گے۔

وَإِذَا قُطِعَتْ يَدُالْمُسْلِمِ عَمَدًا فَارْتَدَّ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ثُمَّ مَاتَ عَلٰى رِدَّتِهٖ مِنْ ذٰلِكَ أَوْلَحِقَ بِدَارِالْحَرْبِ ثُمَّ جَاءَ مُسْلِمًا فَمَاتَ مِنْ ذٰلِكَ فَعَلَى الْقَاطِعِ نِصْفُ الدِّيَةِ فِيْ مَالِهٖ لِلْوَرَثَةِ، أَمَّا الْأَوَّلُ لِأَنَّ السِّرَايَةَ حَلَّتْ مَحَلًّا غَيْرَ مَعْصُوْمٍ فَأُهْدِرَتْ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قُطِعَ يَدُالْمُرْتَدِّ ثُمَّ أَسْلَمَ فَمَاتَ مِنْ ذٰلِكَ لِأَنَّ الْإِهْدَارَ لَايَلْحَقُهُ الْإِعْتِبَارُ،

أَمَّا الْمُعْتَبَرُ فَقَدْ يُهْدَرُ بِالْإِبْرَاءِ فَكَذَا بِالرِّدَّةِ، وَأَمَّا الثَّانِي وَهُوَ مَا إِذَا لَحِقَ وَمَعْنَاهُ إِذَا قَضٰى بِلِحَاقِهِ لِأَنَّهُ صَارَ مَيِّتًا تَقْدِيرًا وَالْمَوْتُ يَقْطَعُ السِّرَايَةَ، وَإِسْلَامُهُ حَيَاةٌ حَادِثَةٌ فِي التَّقْدِيرِ فَلَايَعُوْدُ حُكْمُ الْجِنَايَةِ الْأُوْلٰى، فَإِذَا لَمْ يَقْضِ الْقَاضِيْ بِلِحَاقِهِ فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ الَّذِيْ نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمه: اگر عمداً کسی مسلمان کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر نعوذ باللہ وہ مرتد ہوگیا پھر اسی قطع کی وجہ سے بحالت ردت وہ مرگیا یا دارالحرب چلا گیا اس کے بعد مسلمان ہوکر واپس آیا اور اسی زخم سے مرا تو قاطع کے مال میں نصف دیت واجب ہوگی جو میت کے ورثاء کو دی جائے گی، رہی پہلی صورت تو اس وجہ سے کہ قطع ایسے محل میں سرایت کر گیا تھا جو قابل حفاظت نہیں تھا، اسی لیے اس کا خون ہدر ہوگیا۔ برخلاف اس صورت کہ جب مرتد کا ہاتھ کاٹا گیا پھر وہ مسلمان ہوا اور اسی قطع کی وجہ سے مرگیا تو قاطع پر کچھ نہیں ہوگا، کیونکہ اہدار کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور جب معتبر قصاص معاف کرنے سے ختم ہوجاتا ہے تو ردت سے بھی قصاص ساقط ہوجائے گا۔ رہی دوسری صورت یعنی جب وہ دارالحرب چلا گیا ہو اور قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ کردیا ہو تو اس کا قصاص اس وجہ سے باطل ہوگا کہ وہ تقدیری اعتبار سے مردہ ہوچکا ہے اور موت زخم کے اثر کو سرایت کرنے سے روک دیتی ہے اور اس کا اسلام لانا معناً نئی زندگی پانا ہے لہٰذا (اس زندگی میں) پہلی جنایت کا حکم عود نہیں کرے گا۔ اور اگر قاضی نے اس کے دارالحرب جانے کا فیصلہ نہ کیا ہو تو وہ اس اختلاف پر ہے جسے آئندہ ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

اللغات:

﴿قطعت﴾ کاٹ دیا گیا۔ ﴿ید﴾ ہاتھ۔ ﴿سرایة﴾ پھیل جانا، بڑھ جانا۔ ﴿أهدرت﴾ بے بدلہ چھوڑ دیا گیا۔ ﴿إبراء﴾ بری کردینا، معاف کردینا۔

ارتداد اور دیتِ نفس کا ایک مسئلہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے جان بوجھ کر بغیر غلطی کے کسی مُسلمان کا ہاتھ کاٹ دیا پھر یہ مقطوع بد بخت مرتد ہوگیا اور بحالت ردت مرگیا یا دارالحرب چلا گیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد وہاں سے مسلمان ہوکر واپس آیا اور پھر اسی زخم سے اس کی موت ہوگئی تو اب قاطع پر دیتِ نفس نہیں ہوگی، بلکہ اس پر دیتِ ید واجب ہوگی جو دیتِ نفس کا نصف ہے۔ پہلی یعنی ارتداد والی صورت میں دیتِ نفس کے عدم وجوب کی وجہ یہ ہے کہ زخم اگرچہ اسے بحالت اسلام لگا ہے لیکن یہ زخم جب اس میں سرایت ہوا ہے اس وقت وہ مرتد ہوچکا تھا اور زخم غیر محترم اور غیر محفوظ مقام میں سرایت کر گیا ہے، اس لیے اس کا عوض اور خون بہا واجب نہیں ہوگا، کیونکہ عوض تو محترم محل کا واجب ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر مرتد کا ہاتھ کاٹا گیا پھر وہ مسلمان ہوگیا اور اسی سابقہ زخم کی وجہ سے مرگیا تو اس کا کوئی ضمان نہیں ہوگا یعنی نہ تو دیتِ نفس واجب ہوگی اور نہ ہی دیتِ ید واجب ہوگی، کیونکہ جس وقت قطع ید ہوا ہے اس وقت اس کا کوئی اعتبار نہیں تھا اور اس وقت قطع ید واجب نہیں تھا، لہٰذا بعد میں اسلام لانے کی وجہ سے بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور بعد میں بھی قطعِ ید واجب نہیں ہوگا۔

اور دوسری یعنی دار الحرب چلے جانے کی صورت میں دیتِ نفس واجب نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دار الحرب جانے کی وجہ سے وہ شخص معناً مردہ ہوگیا اور موت سرایتِ زخم سے مانع ہے اور دوبارہ اس کا اسلام لانا حقیقت میں اسے نئی زندگی ملنے کے مترادف ہے، اس لیے اس نئی زندگی میں زخم کا کوئی اثر نہیں ہوگا اور سابقہ زخم سے مرنے کی وجہ سے قاطع پر دیت نفس نہیں واجب ہوگی۔ اور اگر قاضی نے اس مرتد کے دار الحرب جانے کا فیصلہ نہ کیا ہو تو اس کا حکم اگلی عبارت میں درج ہے۔

قَالَ فَإِنْ لَمْ يَلْحَقْ وَأَسْلَمَ ثُمَّ مَاتَ فَعَلَيْهِ الدِّيَةُ كَامِلَةٌ، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَأَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَزُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي جَمِيْعِ ذٰلِكَ نِصْفُ الدِّيَةِ، لِأَنَّ اِعْتِرَاضَ الرِّدَّةِ أَهْدَرَ السِّرَايَةَ فَلَايَنْقَلِبُ بِالْإِسْلَامِ إِلَى الضَّمَانِ كَمَا إِذَا قُطِعَ يَدُ مُرْتَدٍّ فَأَسْلَمَ، وَلَهُمَا أَنَّ الْجِنَايَةَ وَرَدَتْ عَلٰى مَحَلٍّ مَعْصُوْمٍ وَتَمَّتْ فِيْهِ فَيَجِبُ ضَمَانُ النَّفْسِ كَمَا إِذَا لَمْ يَتَخَلَّلِ الرِّدَّةُ، وَهٰذَا لِأَنَّهُ لَامُعْتَبَرَ بِقِيَامِ الْعِصْمَةِ فِي حَالِ بَقَاءِ الْجِنَايَةِ وَإِنَّمَا الْمُعْتَبَرُ قِيَامُهَا فِي حَالِ اِنْعِقَادِ السَّبَبِ وَفِي حَالِ ثُبُوْتِ الْحُكْمِ، وَحَالَةُ الْبَقَاءِ بِمَعْزَلٍ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ وَصَارَ كَقِيَامِ الْمِلْكِ فِي حَالِ بَقَاءِ الْيَمِيْنِ، وَإِذَا ارْتَدَّ الْمُكَاتَبُ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَاكْتَسَبَ مَالًا فَأُخِذَ بِمَالِهِ وَأَبٰى أَنْ يُسْلِمَ فَقُتِلَ فَإِنَّهُ يُوْفٰى مَوْلَاهُ مُكَاتَبَتَهُ وَمَابَقِيَ فَلِوَرَثَتِهِ، وَهٰذَا ظَاهِرٌ عَلٰى أَصْلِهِمَا لِأَنَّ كَسْبَ الرِّدَّةِ مِلْكُهُ إِذَا كَانَ حُرًّا فَكَذَا إِذَا كَانَ مُكَاتَبًا، وَأَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَلِأَنَّ الْمُكَاتَبَ إِنَّمَا يَمْلِكُ أَكْسَابَهُ بِالْكِتَابَةِ وَالْكِتَابَةُ لَايَتَوَقَّفُ بِالرِّدَّةِ فَكَذَا أَكْسَابُهُ، أَلَا تَرٰى أَنَّهُ لَايَتَوَقَّفُ تَصَرُّفُهُ بِالْأَقْوٰى وَهُوَ الرِّقُّ فَكَذَا بِالْأَدْنٰى بِطَرِيْقِ الْأَوْلٰى.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر مرتد دار الحرب نہیں گیا اور اسلام لے آیا تو قاطع پر پوری دیت واجب ہوگی، یہ حکم حضرات شیخین رحمہما اللہ کے یہاں ہے، امام محمد رحمہ اللہ اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام صورتوں میں نصف دیت ہی واجب ہوگی، کیونکہ ردت نے سرایت کو باطل کر دیا لہٰذا اسلام لانے سے یہ اہدار ضمان میں تبدیل نہیں ہوگا جیسے اگر کسی مرتد کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر وہ مسلمان ہوگیا۔ حضرات شیخین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جنایت محل محترم پر واقع ہو کر اسی میں تام بھی ہوئی ہے لہٰذا ضمانِ نفس واجب ہوگا جیسے اگر ردت متخلل نہ ہوئی ہو۔ یہ اس لیے ہے کہ بقائے جنایت کی حالت میں عصمت اور احترام کی موجودگی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا بلکہ سبب منعقد ہونے اور حکم ثابت ہونے کے وقت عصمت کی موجودگی معتبر ہوتی ہے۔ اور حالتِ بقاء ان سے الگ ہے اور یہ ایسا ہوگیا جیسے بقائے یمین کی حالت میں ملکیت کا قیام۔

اگر مکاتب مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا اور مال کما لیا پھر اپنے مال سمیت پکڑا گیا اور مسلمان ہونے سے انکار کر دیا چنانچہ قتل کر دیا گیا تو (اس کے مال سے) اس کے مولیٰ کی مکاتبت پوری کی جائے گی اور جو مال بچے گا وہ اس کے ورثاء کا ہوگا۔ حضرات

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی اصل پر تو یہ ظاہر ہے، کیونکہ مرتد اگر آزاد ہوتو اس کی کمائی (عندہما) اس کی ملکیت ہوتی ہے لہٰذا جب وہ مکاتب ہوتو بھی اس کی کمائی اسی کی مملوک ہوگی۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ عقد کتابت کی وجہ سے مکاتب اپنی کمائی کا مالک ہوتا ہے اور اس کے مرتد ہونے سے کتابت موقوف نہیں ہوتی لہٰذا اس کی کمائی بھی موقوف نہیں ہوگی۔ کیا دکھتا نہیں کہ اس کا تصرف اقویٰ یعنی رقیت کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا لہٰذا ادنیٰ (ردت) کی وجہ سے بدرجۂ اولیٰ باطل نہیں ہوگا۔

اللغات:

﴿اعتراض﴾ درمیان میں آ جانا۔ ﴿ردّة﴾ مرتد ہونا، مسلمان کا کافر ہو جانا۔ ﴿اهدر﴾ معاف کر دیا ہے، بے بدلہ چھوڑ دیا ہے۔ ﴿معزل﴾ علیحدگی کی جگہ، دوری۔ ﴿یسلم﴾ سپرد کر دے۔ ﴿أکساب﴾ واحد کسب؛ کمائیاں۔ ﴿رق﴾ غلامی۔

ارتداد اور دیتِ نفس کا ایک مسئلہ:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرتد مقطوع الید ہوکر دار الحرب نہیں گیا یا گیا تو لیکن قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ نہیں کیا پھر وہ مسلمان ہوگیا اور اسی قطع ید کی وجہ سے اس کی موت ہوگئی تو حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں قاطع پر اس کی پوری دیت واجب ہوگی، جب کہ امام محمد اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں تمام صورتوں میں قاطع پر نصف دیت ہی واجب ہوگی ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مقطوع کی ردت نے زخم کی سرایت اور اس کے اثر کو ختم کر دیا ہے، لہٰذا اس کے مسلمان ہونے سے یہ اہدار ضمان میں تبدیل نہیں ہوگا، اس لیے دیت نفس نہیں واجب ہوگی بلکہ تمام صورتوں میں نصف دیت یعنی دیت ید ہی واجب ہوگی۔

حضرات شیخین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں جس وقت مقطوع کا ہاتھ کاٹا گیا ہے اس وقت وہ مسلمان تھا اور جنایت محترم اور معصوم محل پر واقع ہوئی ہے اور بحالت اسلام اسی کی زخم کی وجہ سے اس شخص کی موت بھی ہوئی ہے اس لیے دیتِ نفس واجب ہوگی جیسے اگر درمیان میں ردت مخل نہ ہوتو اس صورت میں بھی قاطع پر دیتِ نفس واجب ہوتی ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی اس پر کامل دیت واجب ہوگی۔

اور صورت مسئلہ میں بوقتِ قطع ید چوں کہ مقطوع مسلمان ہے اور اس کی عصمت کامل ہے، لہٰذا اس وقت کی جنایت کی جزاء اور سزاء بھی کامل ہوگی اور قاطع پر پوری دیت واجب ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بقائے یمین کی حالت میں ملکیت کا باقی رہنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر بوقتِ انعقاد یمین ملکیت باقی ہوتو یمین درست ہوگی۔ مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے إن دخلت الدار فانت طالق کہا تو چوں کہ بوقت یمین وہ اس کی بیوی ہے اس لیے یمین صحیح ہے پھر اگر اس نے اسی بیوی کو طلاق بائنہ دے کر اپنی ملکیت سے نکال دیا اور اس کے بعد دوبارہ اس سے نکاح کر لیا پھر یہ بیوی گھر میں داخل ہوئی تو بھی وہ مطلقہ ہوجائے گی۔

و إذا الخ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مکاتب مرتد ہوکر دار الحرب چلا گیا اور وہاں جا کر اس نے مال کمالیا پھر امام نے اس کے مال سمیت اسے پکڑ لیا اور اس پر اسلام پیش کیا لیکن اس نے اسلام لانے سے انکار کر دیا تو امام اسے قتل کر دے اور اس کے پاس جو مال ہے اس مال سے اس کا عقدِ کتابت ادا کر دے اور اگر کچھ مال بچ جائے تو اسے اس مرتد کے ورثاء کو دیدے۔ حضرات صاحبینؒ کے یہاں تو اس کی صحت ظاہر و باہر ہے کیونکہ عندہما مرتد بحالت ارتداد والی کمائی کا مالک ہوتا ہے اور عقد کتابت جب موت سے باطل

نہیں ہوتی تو ردت سے بدرجۂ اولیٰ باطل نہیں ہوگی۔

اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عقد کتابت کی وجہ سے مکاتب اپنے کمائی کا مالک ہوتا ہے اس لیے کہ ردت کی وجہ سے عقد کتابت میں کوئی خرابی نہیں ہوتی لہٰذا مکاتب کی کمائی میں بھی ردت کی وجہ سے کوئی خرابی نہیں ہوگی اور اس کی کمائی سے بدل کتابت بھی ادا کیا جائے گا اور باقی اس کے ورثاء کو ملے گا۔ نیز جب رقیت کی وجہ سے مرتد کے تصرفات موقوف نہیں ہوتے تو ردت کی وجہ سے بدرجۂ اولیٰ موقوف نہیں ہوں گے، کیونکہ مانعیت کے حوالے سے رقیت ردت سے اقویٰ ہے۔

وَإِذَا ارْتَدَّ الرَّجُلُ وَامْرَأَتُهُ وَالْعِيَاذُ بِاللهِ وَلَحِقَا بِدَارِ الْحَرْبِ فَحَبَلَتِ الْمَرْأَةُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَوَلَدَتْ وَلَدًا وَوُلِدَ لِوَلَدِهِمَا فَظُهِرَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا فَالْوَلَدَانِ فَيْءٌ، لِأَنَّ الْمُرْتَدَّةَ تُسْتَرَقُّ فَيَتْبَعُهَا وَلَدُهَا وَيُجْبَرُ الْوَلَدُ الْأَوَّلُ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَلَا يُجْبَرُ وَلَدُ الْوَلَدِ، وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ عَلَيْهِ أَنَّهُ يُجْبَرُ تَبَعًا لِلْجَدِّ وَأَصْلُهُ التَّبَعِيَّةُ فِي الْإِسْلَامِ وَهِيَ رَابِعَةُ أَرْبَعَةِ مَسَائِلَ كُلُّهَا عَلَى الرِّوَايَتَيْنِ، وَالثَّانِيَةُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ، وَالثَّالِثَةُ جَرُّ الْوَلَاءِ وَالْأُخْرَى الْوَصِيَّةُ لِلْقَرَابَةِ.

ترجمه: اگر میاں اور بیوی دونوں مرتد ہوکر دار الحرب چلے گئے اور عورت دار الحرب میں حاملہ ہوئی اور ایک بچے کو جنم دیا اور ان کے لڑکے کو لڑکا پیدا ہوا پھر ان پر مسلمانوں کا غلبہ ہوگیا تو دونوں لڑکے فئے ہوں گے، کیونکہ مرتدہ رقیق بنائی جائے گی، لہٰذا اس کا لڑکا اس کے تابع ہوگا اور پہلے لڑکے کو اسلام لانے کے لیے مجبور کیا جائے گا جب کہ ان کے پوتے کو اسلام کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ حضرت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ روایت کی ہے دادا کے تابع کر کے اسے بھی مجبور کیا جائے گا اور اس روایت کی اصل یہ ہے کہ اسلام کے لیے تبعیت درست ہے اور یہ ان چاروں میں سے چوتھا مسئلہ ہے جن میں ہر ہر مسئلہ دو دو روایتوں پر ہے۔ دوسرا مسئلہ صدقۂ فطر ہے، تیسرا مسئلہ جر ولاء کا ہے اور چوتھا مسئلہ قرابت دار کے لیے وصیت کرنے کا ہے۔

اللغات:

﴿حبلت﴾ حاملہ ہوگئی۔ ﴿ظُهر﴾ غلبہ پالیا گیا۔ ﴿فيء﴾ مال غنیمت۔ ﴿تسترق﴾ غلام بنائی جائے گی۔ ﴿جرّ﴾ کھینچنا، گھسیٹنا۔ ﴿ولاء﴾ آزاد کردہ غلام کی میراث۔

میاں بیوی کا اکٹھے ارتداد اور دار الحرب چلے جانا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی ایک ساتھ مرتد ہوکر دار الحرب چلے گئے اور بیوی نے وہاں ایک بچے کو جنم دیا پھر اس لڑکے کی شادی ہوئی اور اس کی بیوی کے یہاں بھی لڑکے کی ولادت ہوئی اور مجاہدین دار الحرب پر غالب ہوگئے تو ان کا لڑکا اور پوتا دونوں فئے اور غنیمت ہوں گے، اس لیے کہ مرتدہ بیوی کو باندی بنالیا جائے گا، اور بچہ رقیت وحریت میں چوں کہ ماں کے تابع ہوتا ہے لہٰذا اپنی باندی ماں کے تابع ہوکر وہ لڑکا بھی فئے ہوگا اور ان کے اپنے لڑکے کو تو اسلام لانے کے لیے مجبور کیا جاسکتا ہے کیونکہ باپ مرتد ہے اور مرتد پر اسلام پیش کیا جاتا ہے لہٰذا باپ کے تابع کر کے لڑکے پر بھی اسلام پیش کیا جائے گا نیز دادا کے تابع کر کے پوتے پر

بھی اسلام پیش کیا جائے گا لیکن لڑکے کے لڑکے یعنی پوتے کو اسلام کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ لڑکا دادا کے تابع نہیں ہوتا، یہ ظاہر الروایہ ہے اور حسن بن زیاد نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بیان کی ہے دادا کے تابع کر کے پوتے پر بھی اسلام پیش کیا جائے گا اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر الروایہ میں مسلمان ہونے کے لیے دادا کی تبعیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے جب کہ حسن بن زیاد کے یہاں یہ تبعیت معتبر ہے۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ان چار مسائل میں سے ایک ہے جن میں ظاہر الروایہ اور حسن بن زیاد کی الگ الگ دو دو روایتیں ہیں۔ دوسرا مسئلہ صدقۂ فطر کا ہے کہ اگر کسی لڑکے کا باپ غریب ہو یا نہ ہو اور اس کا دادا مالدار ہو تو ظاہر الروایہ میں دادا پر اس کا صدقۂ فطر واجب نہیں ہے اور حسن بن زیاد کے یہاں واجب ہے (۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک آزاد عورت نے کسی غلام سے نکاح کیا اور اس کے لڑکا پیدا ہوا تو یہ لڑکا اپنی ماں کے تابع ہو کر آزاد ہوگا اور اس کی ولاء اس کی ماں کے موالی کے لیے ہوگی، اب اگر دادا اپنے پوتے کو آزاد کر دے تو ظاہر الروایہ میں دادا اس کی ولاء اس کے ماں کے موالی سے اپنے موالی کی طرف نہیں لائے گا جب کہ حسن بن زیاد کے یہاں دادا یہ ولاء اپنے موالی کی طرف کھینچ لائے گا۔

(۴) چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے اقرباء کے لیے وصیت کی تو حسن بن زیادؒ کے یہاں اس میں باپ کے ساتھ دادا بھی داخل ہوگا جب کہ ظاہر الروایہ میں دادا داخل نہیں ہوگا۔

قَالَ وَإِرْتِدَادُ الصَّبِيِّ الَّذِي يَعْقِلُ اِرْتِدَادٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَيُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَلَايُقْتَلُ، وَإِسْلَامُهُ إِسْلَامٌ لَايَرِثُ أَبَوَيْهِ إِنْ كَانَا كَافِرَيْنِ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ اِرْتِدَادُهُ لَيْسَ بِارْتِدَادٍ وَإِسْلَامُهُ إِسْلَامٌ، وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ إِسْلَامُهُ لَيْسَ بِإِسْلَامٍ وَ اِرْتِدَادُهُ لَيْسَ بِارْتِدَادٍ، لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ أَنَّهُ تَبَعٌ لِأَبَوَيْهِ فِيْهِ فَلَايُجْعَلُ أَصْلًا وَلِأَنَّهُ يَلْزَمُهُ أَحْكَامٌ يَشُوْبُهَا الْمَضَرَّةُ فَلَايُؤَهَّلُ لَهُ، وَلَنَا فِيْهِ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ أَسْلَمَ فِي صِبَاهُ وَصَحَّحَ النَّبِيُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ إِسْلَامَهُ وَافْتِخَارُهُ بِذٰلِكَ مَشْهُوْرٌ، وَلِأَنَّهُ أَتَى بِحَقِيْقَةِ الْإِسْلَامِ وَهِيَ التَّصْدِيْقُ وَالْإِقْرَارُ مَعَهُ، لِأَنَّ الْإِقْرَارَ عَنْ طَوْعٍ دَلِيْلٌ عَلَى اِعْتِقَادِهِ عَلَى مَا عُرِفَ، وَالْحَقَائِقُ لَاتُرَدُّ، وَمَايَتَعَلَّقُ بِهِ سَعَادَةٌ أَبَدِيَّةٌ وَنَجَاةٌ عُقْبَاوِيَّةٌ وَهِيَ مِنْ أَجَلِّ الْمَنَافِعِ وَهُوَ الْحُكْمُ الْأَصْلِيُّ ثُمَّ يَبْتَنِي عَلَيْهِ غَيْرُهَا فَلَايُبَالَى بِشَوْبِهِ، وَلَهُمْ فِي الرِّدَّةِ أَنَّهَا مَضَرَّةٌ مَحْضَةٌ، بِخِلَافِ الْإِسْلَامِ عَلَى أَصْلِ أَبِي يُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ أَعْلَى الْمَنَافِعِ عَلَى مَا مَرَّ، وَلِأَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ أَنَّهَا مَوْجُوْدَةٌ حَقِيْقَةً وَلَا مَرَدَّ لِلْحَقِيْقَةِ كَمَا قُلْنَا فِي الْإِسْلَامِ إِلَّا أَنَّهُ يُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ لِمَا فِيْهِ مِنَ النَّفْعِ وَلَايُقْتَلُ لِأَنَّهُ عُقُوْبَةٌ وَالْعُقُوْبَاتُ مَوْضُوْعَةٌ عَنِ الصِّبْيَانِ مَرْحَمَةً عَلَيْهِمْ، وَهٰذَا فِي الصَّبِيِّ الَّذِي يَعْقِلُ، وَمَنْ لَا يَعْقِلُ مِنَ الصِّبْيَانِ لَايَصِحُّ

اِرْتِدَادُهُ، لِأَنَّ إِقْرَارَهُ لَايَدُلُّ عَلٰى تَغْيِيْرِ الْعَقِيْدَةِ وَكَذَا الْمَجْنُوْنُ وَالسَّكْرَانُ الَّذِيْ لَايَعْقِلُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں نابالغ سمجھ دار بچے کا ارتداد معتبر ہے اسے اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کیا جائے گا، لیکن اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اور اس کا اسلام قبول کرنا بھی معتبر ہے یہی وجہ ہے کہ اگر اس کے ماں باپ کافر ہوں تو وہ ان کا وارث نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مرتد ہونا معتبر نہیں ہے تاہم اس کا مسلمان ہونا معتبر ہے۔ امام زفر اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہ تو اس کا مسلمان ہونا معتبر ہے اور نہ ہی اس کا مرتد ہونا معتبر ہے۔ اسلام کے متعلق ان حضرات کی دلیل یہ ہے مسلمان ہونے میں وہ اپنے والدین کے تابع ہے لہٰذا (مسلمان ہونے میں) اسے اصل نہیں قرار دیا جائے گا، اور اس لیے کہ اسے مسلمان مان لینے سے اس پر کچھ ایسے احکام لازم ہوں گے جن سے اسے نقصان ہوگا، اس لیے بھی وہ اسلام لانے کا اہل نہیں ہوگا۔

اسلام لانے کے متعلق ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بچپن میں اسلام قبول کیا تھا اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام کو صحیح باقی رکھا تھا اور اس حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فخر کرنا مشہور و معروف ہے۔ اور اس لیے بھی بچے کا اسلام معتبر ہے کہ وہ بھی ایمان کی حقیقت بجالاتا ہے یعنی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرتا ہے، اس لیے کہ بخوشی اقرار کرنا اس کے اعتقاد کی دلیل ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے اور حقائق مسترد نہیں ہوتے۔

اور اسلام سے متعلق ہونے والی چیزیں یعنی دائمی سعادت اور اخروی نجات (جو اہم منافع ہیں) یہی اسلام کا اصلی حکم ہے اور ان کے علاوہ دیگر چیزیں بھی انھی پر مبنی ہیں۔ لہٰذا نقصان کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

ارتداد کے متعلق ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ یہ صرف نقصان ہی نقصان ہے۔ برخلاف اسلام کے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی اصل پر، کیونکہ اس سے اعلیٰ منافع متعلق ہوتے ہیں جیسا کہ گذر چکا ہے۔ ردت کے متعلق حضرات طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ حقیقتاً موجود ہوتی ہے اور حقیقت رد نہیں کی جاتی جیسا کہ اسلام کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں، لیکن اسے اسلام پر مجبور کیا جائے گا اس لیے کہ اس میں نفع ہے اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ قتل سزاء ہے اور بچوں مہربانی کی غرض سے ان سے سزائیں اٹھالی گئی ہیں، یہ حکم اس بچے کے بارے میں ہے جو سمجھ دار ہو۔ اور ناسمجھ بچوں کا ارتداد صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا اقرار تغییر عقیدہ کی دلیل نہیں ہے، مجنون اور ناسمجھ مدہوش کا بھی یہی حکم ہے۔

اللغات:

﴿یشوبۂ﴾ جس سے ملا ہوا ہے۔ ﴿یوھل﴾ اس کا اہل نہیں قرار دیا جائے گا۔ ﴿صبا﴾ بچپن۔ ﴿طوع﴾ رضامندی، مان کر۔ ﴿یبتنی﴾ مبنی ہوتا ہے، مدار ہوتا ہے۔ ﴿لایبالی﴾ پرواہ نہیں کی جائے گی۔ ﴿عقوبۃ﴾ سزا۔ ﴿صبیان﴾ واحد صبیّ؛ بچے۔ ﴿سکران﴾ مدہوش، نشے میں غرق۔

بچے کا ارتداد:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ حضرات طرفینؒ کے یہاں سمجھ دار بچے کا ارتداد بھی مقبول و معتبر ہے اور اس کا اسلام بھی معتبر ہے چنانچہ اگر وہ مرتد ہو گیا تو اسلام لانے کے لیے اس پر جبر کیا جائے گا اور اگر وہ مسلمان ہوا تو اپنے کافر والدین کا وارث نہیں ہوگا۔ امام

ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس بچے کا ارتداد تو معتبر نہیں ہے لیکن اس کا اسلام مقبول ومعتبر ہے جب کہ امام زفر اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نہ تو اس کا ارتداد معتبر ہے اور نہ ہی اسلام معتبر ہے۔ اسلام کے معتبر نہ ہونے کے متعلق ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ بچہ دین اور مذہب میں اپنے والدین کے تابع ہوتا ہے اور اس کے والدین کافر ہیں لہٰذا ان کے تابع ہو کر وہ بھی کافر ہوگا اور اگر ہم بچے کے اسلام کو معتبر مان لیں تو تابع کا اصل ہونا لازم آئے گا حالانکہ اصلیت اور تبعیت میں منافات ہے، نیز اگر ہم اس کے اسلام کو قبول کرلیں تو اسے مضرت اور نقصان لاحق ہوگا یعنی وہ اپنے والدین کی میراث سے محروم ہوگا لہٰذا اس حوالے سے بھی اس کا اسلام معتبر نہیں ہوگا۔

بچے کے اسلام کی معتبریت اور مقبولیت کے متعلق ہماری دلیل سیدنا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا اسلام ہے کہ حضرت علی نے بچپن میں اسلام قبول کیا اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام کو صحیح قرار دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس شرفِ قبولیت پر ہمیشہ شاداں اور غراں تھے اور یہ واقعہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ بچے کا اسلام مقبول ومعتبر ہے۔

اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ بالغ کی طرح بچہ بھی اسلام کی حقیقت بجالاتا ہے یعنی وہ بھی دل سے تصدیق کرتا ہے اور زبان سے اقرار کرتا ہے اور چوں کہ یہ تصدیق واقرار بخوشی ہوتا ہے اس لیے یہ بھی معتبر اور مقبول ہوگا۔ اور رہا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ بچے کا اسلام معتبر ماننے سے اسے نقصان ہوگا، ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ اس کا نقصان یعنی حرمان میراث دینا سے متعلق ہے جب کہ اس کے عوض اسے دائمی سعادت اور اخروی نجات کا پروانہ ملتا ہے جس سے بڑا کوئی نفع ہی نہیں ہے اور یہی مردِ مومن کی زیست کا مقصد اور اس کی حیات کا ماحصل ہے اور پر دوسرے منافع مرتب ہوتے ہیں اس لیے اس نفعِ عظیم کے سامنے معمولی نقصان کی کوئی پرواہ نہیں کی جائے گی اور اس کا اسلام معتبر ہوگا۔

بچے کا ارتداد معتبر نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ارتداد میں صرف نقصان ہی نقصان ہے اور نقصان والے کام بچے کے حق میں معتبر نہیں ہوتے لہٰذا اس کا ارتداد بھی معتبر نہیں ہوگا۔ ارتداد کے متعلق امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں اور اسلام کے سلسلے میں وہ حضرات طرفین رحمہما اللہ کے ساتھ ہیں۔

ارتدادِ صبی کے معتبر ہونے کے متعلق حضرات طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ردت حقیقتاً موجود ہوتی ہے اور حقیقت کو کوئی ٹال نہیں سکتا اس لیے بچے کی ردت تو معتبر ہوگی تاہم اسے اسلام لانے کے لیے مجبور کیا جائے گا، کیونکہ اگر وہ اسلام لے آئے گا تو اس کی دنیا بھی بن جائے گی اور آخرت بھی سنور جائے گی، لیکن اگر وہ اسلام لانے سے انکار کردے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ قتل ایک بڑی سزاء ہے اور بچہ معمولی سزاء کا سزاوار نہیں ہے چہ جائے کہ اسے بڑی سزا دی جائے۔

وهذا في الصبي الخ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف سمجھ دار بچے کے متعلق ہے لیکن ناسمجھ بچے کا ارتداد صحیح نہیں ہے، کیونکہ ناسمجھ بچہ اسلام اور کفر میں تمیز نہیں کرسکتا لہٰذا وہ ایک نہیں بلکہ ایک ہزار مرتبہ اقرار کرے اس کا اقرار تغییر عقیدہ کی دلیل نہیں ہوگا، یہی حکم مجنون اور ناسمجھ مدہوش کا بھی ہے یعنی ان کا ارتداد بھی معتبر نہیں ہے۔ فقط والله أعلم وعلمه أتم.

بَابُ الْبُغَاةِ

یہ باب باغیوں کے احکام کے بیان میں ہے

احکام مرتدین کے بعد باب البغاۃ کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح اسلام سے انکار کے بعد مرتدین کو قتل کردیا جاتا ہے اسی طرح اگر باغی لوگ حملہ کرنے میں پہل کریں تو انھیں بھی قتل کردیا جاتا ہے اس لیے دونوں کو یکے بعد دیگر بیان کیا گیا ہے لیکن مرتدین سے اسلام کی توقع رہتی ہے اس لیے ان کے احکام کو باغیوں کے احکام سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ بُغاۃ باغی کی جمع ہے جیسے قُضاۃ قاضی کی جمع ہے اس کے لغوی معنی ہیں طلب کرنا، قرآن کریم میں ہے ذلك ما كنا نبغ۔ اس کے اصطلاحی معنی ہیں وہ لوگ جو امام برحق کی اطاعت سے نکل جائیں۔

وَإِذَا تَغَلَّبَ قَوْمٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى بَلَدٍ وَخَرَجُوْا مِنْ طَاعَةِ الْإِمَامِ دَعَاهُمْ إِلَى الْعَوْدِ إِلَى الْجَمَاعَةِ وَكَشَفَ عَنْ شُبْهَتِهِمْ، لِأَنَّ عَلِيًّا ﷺ فَعَلَ ذٰلِكَ بِأَهْلِ حَرُوْرَاءَ قَبْلَ قِتَالِهِمْ، وَلِأَنَّهُ أَهْوَنُ الْأَمْرَيْنِ، وَلَعَلَّ الشَّرَّ يَنْدَفِعُ بِهِ فَيَبْدَأُ بِهِ.

ترجمہ: اگر مسلمان کو قوم زبردستی کسی شہر پر قابض ہوجائے اور وہ لوگ امام کی اطاعت سے نکل جائیں تو امام انھیں جماعت سے جڑنے کی دعوت دے اور ان کا شبہہ دور کردے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل حروراء سے قتال کرنے سے پہلے ان کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا اور اس لیے کہ یہ دو کاموں میں سے زیادہ آسان ہے اور ہوسکتا ہے کہ اسی سے شر ختم ہوجائے لہٰذا امام کو چاہئے کہ پہلے یہی کام کرے۔

اللغات:

﴿بلد﴾ شہر۔ ﴿دعاهم﴾ ان کو دعوت دے۔ ﴿عود﴾ لوٹنا، واپس آنا۔ ﴿أهون﴾ زیادہ ہلکا۔ ﴿يبدأ﴾ ابتداء کرے، شروع کرے۔

اہل بغی سے جنگ سے پہلے مذاکرات کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی قوم امام عادل کی بغاوت کرکے جماعت المسلمین سے الگ ہوجائے اور کسی شہر یا علاقے پر قابض اور غالب ہوجائے تو امام کو چاہئے کہ ان لوگوں سے قبل از قتال اُنھیں جماعت کے ساتھ ملنے اور جڑنے کی دعوت دے اور اگر اسلام یا

جماعت المسلمین کے متعلق انھیں کوئی شبہہ ہوگیا ہو تو اسے دور کردے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل حروراء کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا لہٰذا ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہئے اور ہوسکتا ہے کہ بات چیت کے ذریعے معاملہ حل ہوجائے اور قتل وغارت گری سے نجات مل جائے، لہٰذا اس حوالے سے بھی بات چیت اور مصالحت کو قتل سے مقدم کیا جائے گا۔ اہل حروراء کا قصہ مشہور ہے اور ہدایہ صفحہ: ۶۰۸، حاشیہ: ۳، پر مفصل مذکور ہے۔

وَلَايَبْدَأُ بِالْقِتَالِ حَتّٰى يَبْدَؤُهُ فَإِنْ بَدَؤُهُ قَاتَلَهُمْ حَتّٰى يُفَرِّقَ جَمْعَهُمْ، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ كَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُوْرِيُّ فِيْ مُخْتَصَرِهٖ، وَذَكَرَ الْإِمَامُ الْمَعْرُوْفُ بِخَوَاهَرْ زَادَهْ أَنَّ عِنْدَنَا يَجُوْزُ أَنْ يَبْدَأَ بِقِتَالِهِمْ إِذَا تَعَسْكَرُوْا وَاجْتَمَعُوْا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَايَجُوْزُ حَتّٰى يَبْدَؤُوْا بِالْقِتَالِ حَقِيْقَةً لِأَنَّهُ لَايَجُوْزُ قَتْلُ الْمُسْلِمِ إِلَّا دَفْعًا وَهُمْ مُسْلِمُوْنَ، بِخِلَافِ الْكَافِرِ، لِأَنَّ نَفْسَ الْكُفْرِ مُبِيْحٌ عِنْدَهُ، وَلَنَا أَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى الدَّلِيْلِ وَهُوَ الْاِجْتِمَاعُ وَالْاِمْتِنَاعُ، وَهٰذَا لِأَنَّهُ لَوِانْتَظَرَ الْإِمَامُ حَقِيْقَةَ قِتَالِهِمْ رُبَّمَا لَايُمْكِنُهُ الدَّفْعُ فَيُدَارُ عَلَى الدَّلِيْلِ ضَرُوْرَةَ دَفْعِ شَرِّهِمْ، وَإِذَا بَلَغَهُ أَنَّهُمْ يَشْتَرُوْنَ السِّلَاحَ وَيَتَأَهَّبُوْنَ لِلْقِتَالِ يَنْبَغِيْ أَنْ يَأْخُذَهُمْ وَيَحْبِسَهُمْ حَتّٰى يُقْلِعُوْا عَنْ ذٰلِكَ وَيُحْدِثُوْا تَوْبَةً دَفْعًا لِلشَّرِّ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ، وَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ عَنْ لُزُوْمِ الْبَيْتِ مَحْمُوْلٌ عَلٰى حَالِ عَدَمِ الْإِمَامِ، أَمَّا إِعَانَةُ الْإِمَامِ الْحَقِّ فَمِنَ الْوَاجِبِ عِنْدَ الْغِنَاءِ وَالْقُدْرَةِ.

ترجمه: اور امام پہلے قتال نہ کرے یہاں تک کہ وہ لوگ قتال شروع کردیں چنانچہ اگر وہ لوگ قتال کرنے میں پہل کردیں تو امام ان سے قتال کرے یہاں تک کہ ان کا شیرازہ منتشر کردے، بندۂ ضعیف کہتا ہے کہ امام قدوریؒ نے اپنی مختصر میں ایسا ہی ذکر کیا ہے اور خواہر زادہ کے نام سے مشہور امام نے بیان کیا ہے کہ اگر باغی لوگ اپنا لشکر بنالیں اور ایک جگہ (قتال کے لیے) جمع ہوجائیں تو امام کے لیے ان سے قتل میں پہل کرنا جائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان پر پہلے حملہ کرنا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ وہ ''سچ مچ'' پہلے قتال کریں، کیونکہ مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے لیکن دفاع کے لیے اور باغی بھی مسلمان ہیں۔ برخلاف کافر کے، کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نفس کفر ہی مبیح للقتل ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم کا دار ومدار دلیل پر ہوتا ہے اور یہاں ان کا جمع ہونا اور امام کی اطاعت سے انکار کرنا ہی دلیل ہے، اسی لیے اگر امام ان کے حقیقتاً قتال کرنے کا انتظار کرے گا تو کبھی ایسا ہوگا کہ امام کے لیے دفاع کرنا ممکن نہیں رہے گا لہٰذا ان کے شر کو ختم کرنے کی ضرورت کے پیش نظر حکم کا مدار دلیل پر ہوگا۔

اگر امام کو یہ اطلاع ملی کہ باغی لوگ ہتھیار خرید کر قتال کی تیاری کررہے ہیں تو امام کو چاہئے کہ انھیں گرفتار کرکے قید کردے یہاں تک کہ وہ لوگ اس سے باز آجائیں اور توبہ کرلیں تاکہ بقدر امکان ان کا شر ختم ہوجائے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو یہ بات مشہور ہے کہ (جب فتنہ عام ہو تو) گھروں میں بیٹھ جانا چاہئے یہ اس صورت پر محمول ہے جب امام نہ ہو۔ رہا امام برحق کا تعاون کرنا تو

جہاں تک طاقت وقدرت ہو واجب ہے۔

اللغات:

﴿بدء وہ﴾ وہ جنگ میں پہل کریں۔ ﴿یفرّق﴾ منتشر کردے، بکھیر دے۔ ﴿تعسکروا﴾ لشکر تیار کرلیا۔ ﴿مبیح﴾ حلال کرنے والا۔ ﴿یدار﴾ مدار رکھا جاتا ہے۔ ﴿یتاھّبون﴾ تیاری کررہے ہیں۔ ﴿یحبسھم﴾ ان کو قید کردے۔ ﴿یقلعوا﴾ ہٹ جائیں۔ ﴿إعانة﴾ مدد کرنا۔ ﴿غناء﴾ قدرت، استطاعت۔

باغیوں سے کب جنگ کی جائے:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب تک بُغاۃ قتل وقتال کرنے میں پہل نہ کریں اس وقت تک امام ان سے قتال نہ کرے لیکن اگر وہ لڑائی شروع کردیں تو امام کو چاہئے کہ ان سے قتال کرکے ان کی دھجیاں بکھیر دے۔ قدوری میں یہی حکم مذکور ہے۔ البتہ امام شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر بغاۃ لشکر تیار کرکے قتال کے لیے جمع ہوجائیں تو بھی ان سے قتال کرنا واجب ہے۔ اس کے برخلاف شوافع کے یہاں اس وقت تک ان سے قتال نہیں کیا جائے گا جب تک وہ حقیقتاً قتال شروع نہ کردیں، کیونکہ مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور یہ لوگ بھی مسلم ہیں اس لیے اگر وہ حقیقتاً قتال نہیں کرتے تو بلاوجہ ان سے قتال نہیں کیا جائے گا، ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم کا دارومدار قتال کی دلیل پر ہے نہ کہ حقیقتِ قتال پر اور قتال کی دلیل بغاۃ کا ایک جگہ جمع ہونا ہے اور امام برحق کی اطاعت سے نکلنا ہے اور یہ بات ان کی طرف سے حقیقت قتال سے پہلے موجود ہوجاتی ہے، لہٰذا حقیقتِ قتال کا انتظار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس انتظار میں بسا اوقات بغاوت اتنا آگے نکل جائیں گے کہ انھیں روکنا اور قابو میں کرنا مشکل ہوگا اس لیے اگر یہ معلوم ہوجائے کہ وہ لوگ کہیں جمع ہوکر قتال کی تیاری کررہے ہیں تو ان پر حملہ کرنا جائز ہوگا۔

اگر امام کو یہ اطلاع ملی کہ بغاوۃ ہتھیار خرید رہے ہیں اور قتال کی تیاری کررہے ہیں تو امام کو چاہئے کہ انھیں گرفتار کرکے قید کردے تاکہ وہ توبہ کرلیں اور اپنی اس حرکت سے باز آجائیں اور اس طرح ان کا یہ شر ختم ہوجائے۔

والمروي الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول یہ منقول ہے کہ جب مسلمانوں میں فتنہ پھیل جائے تو اپنے گھروں میں بیٹھ جانا چاہئے، یہ قول اس صورت پر محمول ہے جب مسلمانوں میں امام نہ ہو اور کسی شخص کی رائے پر اتفاق رائے نہ ہو، لیکن اگر امام برحق موجود ہو اور اس کی طرف سے فتنے کے مقابلہ کے لیے نکلنے کا اعلان ہورہا ہو تو ہر شخص پر حسبِ استطاعت اس میں حصہ لینا ضروری ہے، کیونکہ قرآن کریم نے صاف لفظوں میں یہ اعلان کردیا ہے: **فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء إلى أمر الله**۔

فَإِنْ كَانَتْ لَهُمْ فِئَةٌ أُجْهِزَ عَلٰى جَرِيْحِهِمْ وَأُتْبِعَ مُوَلِّيْهِمْ دَفْعًا لِشَرِّهِمْ كَيْ لَايَلْتَحِقُوْا بِهِمْ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِئَةٌ لَمْ يُجْهَزْ عَلٰى جَرِيْحِهِمْ وَلَمْ يُتْبَعْ مُوَلِّيْهِمْ لِانْدِفَاعِ الشَّرِّ دُوْنَهُ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَايَجُوْزُ ذٰلِكَ فِي الْحَالَيْنِ، لِأَنَّ الْقِتَالَ إِذَا تَرَكُوْهُ لَمْ يَبْقَ قَتْلُهُمْ دَفْعًا، وَجَوَابُهُ مَاذَكَرْنَاهُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ دَلِيْلُهُ لَاحَقِيْقَتُهُ، وَلَا يُسْبٰى لَهُمْ ذُرِّيَّةٌ وَلَايُقْسَمُ لَهُمْ مَالٌ لِقَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَوْمَ الْجَمَلِ وَلَايُقْتَلُ أَسِيْرٌ وَلَايُكْشَفُ سَتْرٌ وَلَايُؤْخَذُ مَالٌ وَهُوَ

الْقُدْوَةُ فِي هٰذَا الْبَابِ، وَقَوْلُهُ فِي الْأَسِيْرِ تَاوِيْلُهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ فِئَةٌ، فَإِنْ كَانَتْ يَقْتُلُ الْإِمَامُ الْأَسِيْرَ وَإِنْ شَاءَ حَبَسَهُ لِمَا ذَكَرْنَا، وَلِأَنَّهُمْ مُسْلِمُوْنَ وَالْإِسْلَامُ يَعْصِمُ النَّفْسَ وَالْمَالَ، وَلَابَأْسَ أَنْ يُقَاتِلُوْا بِسَلَاحِهِمْ إِنِ احْتَاجَ الْمُسْلِمُوْنَ إِلَيْهِ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَايَجُوْزُ، وَالْكِرَاعُ عَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ، لَهُ أَنَّهُ مَالُ مُسْلِمٍ فَلَايَجُوْزُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ إِلَّا بِرِضَاهُ، وَلَنَا أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَسَّمَ السَّلَاحَ فِيْمَا بَيْنَ أَصْحَابِهِ بِالْبَصْرَةِ، وَكَانَتْ قِسْمَتُهُ لِلْحَاجَةِ لَا لِلتَّمْلِيْكِ، وَلِأَنَّ لِلْإِمَامِ أَنْ يَفْعَلَ ذٰلِكَ فِي مَالِ الْعَادِلِ عِنْدَ الْحَاجَةِ فَفِي مَالِ الْبَاغِيْ أَوْلٰى، وَالْمَعْنٰى إِلْحَاقُ الضَّرَرِ الْأَدْنٰى لِدَفْعِ الْأَعْلٰى، وَيَحْبِسُ الْإِمَامُ أَمْوَالَهُمْ وَلَايَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَلَايُقَسِّمُهَا حَتّٰى يَتُوْبُوْا فَيَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ أَمَّا عَدَمُ الْقِسْمَةِ فَلِمَا بَيَّنَّاهُ، وَأَمَّا الْحَبْسُ فَلِدَفْعِ شَرِّهِمْ بِكَسْرِ شَوْكَتِهِمْ فَيَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ أَمَّا عَدَمُ الْقِسْمَةِ فَلِمَا بَيَّنَّاهُ، وَأَمَّا الْحَبْسُ فَلِدَفْعِ شَرِّهِمْ بِكَسْرِ شَوْكَتِهِمْ وَلِهٰذَا يَحْبِسُهَا عَنْهُمْ وَإِنْ كَانَ لَايُحْتَاجُ إِلَيْهَا إِلَّا أَنَّهُ يَبِيْعُ الْكِرَاعَ، لِأَنَّ حَبْسَ الثَّمَنِ أَنْظَرُ وَأَيْسَرُ، وَأَمَّا الرَّدُّ بَعْدَ التَّوْبَةِ فَلِانْدِفَاعِ الضَّرُوْرَةِ وَلَااسْتِغْنَامَ فِيْهَا.

ترجمہ: اور اگر ان باغیوں کی مددگار کوئی جماعت ہو تو ان کے زخمیوں کو قتل کردیا جائے اور ان میں سے بھاگنے والوں کا پیچھا کرکے ان کا شر ختم کردیا جائے تاکہ وہ لوگ باغیوں سے نہ مل سکیں۔ اور اگر ان کی کوئی مددگار جماعت نہ ہو تو اُن کے زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے اور نہ ہی ان کے بھاگنے والوں کا پیچھا کیا جائے، کیونکہ اس کے بغیر ہی ان کا شر ختم ہو چکا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں حالتوں میں یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر باغیوں نے قتال چھوڑ دیا تو ان کو قتل کرنا دفع کے لیے نہیں ہوگا، اور اس کا جواب وہی ہے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔ کہ دلیل قتال کا اعتبار ہے نہ کہ حقیقتِ قتال کا اور ان کی ذریت کو قید نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کا مال تقسیم کیا جائے گا، اس لیے کہ جنگ جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمادیا تھا کہ نہ تو ان قیدیوں میں سے کوئی قیدی قتل کیا جائے اور نہ ہی کسی عورت کی بے عزتی اور پردہ دری کی جائے اور نہ ہی ان کا مال لوٹا جائے اور اس باب میں وہی ہمارے پیشوا ہیں۔ اور قیدی کے متعلق ان کے قول کی تاویل یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب باغیوں کی کوئی مددگار جماعت نہ ہو، لیکن اگر ان کی کوئی معاون جماعت ہو تو امام قیدی کو قتل کردے اور اگر چاہے تو انھیں قیدی بنا کر رکھ لے۔ اور اس لیے کہ یہ لوگ مسلمان ہیں اور اسلام جان و مال کی حفاظت کرتا ہے۔

اور اگر مسلمانوں کو ضرورت ہو تو باغیوں سے ہتھیار چھین کر اسی سے مسلمان ان سے قتال کریں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔ اور ان کے اونٹوں کو استعمال کرنے میں بھی یہی اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مسلمان کا مال ہے، لہٰذا اس کی رضامندی کے بغیر اس مال سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقام بصرہ میں مجاہدین کے درمیان مال تقسیم فرمایا تھا اور یہ تقسیم بربنائے ضرورت تھی نہ کہ مالک بنانے کے لیے تھی۔ اور اس لیے بھی کہ

بوقت ضرورت امام کے لیے عادل کے مال کو بھی اس طرح تقسیم کرنا درست ہے لہٰذا باغی کے مال میں بدرجۂ اولیٰ اسے اختیار ہوگا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ضرر اعلیٰ کو دور کرنے کے لیے ادنی ضرر برداشت کرلیا جاتا ہے۔

اور امام ان کے اموال کو روک لے نہ تو انہیں واپس دے اور نہ ہی انھیں تقسیم کرے یہاں تک کہ وہ توبہ کرلیں تو امام وہ اموال انہیں واپس کردے، تقسیم نہ کرنے کی دلیل وہی ہے جسے ہم بیان کرچکے ہیں اور ان کے ساز وسامان کو روکنے کی دلیل یہ ہے کہ ان کی شان وشوکت ختم کرکے ان کے شر سے لوگوں کی حفاظت کی جاسکے، اسی لیے امام یہ سامان باغیوں سے روک لے اگرچہ اسے خود ان کی ضرورت نہ ہو، لیکن وہ اونٹوں کو بیچ کر ان کا ثمن محفوظ رکھ لے، کیونکہ ثمن کو روکنا زیادہ آسان ہے اور جب وہ توبہ کرلیں تو اب ان کے سامان انھیں واپس کردیئے جائیں، کیونکہ ضرورت ختم ہوچکی ہے اور ان اموال کو غنیمت بنایا نہیں گیا تھا، لہٰذا اب ان کا مال واپس کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اللغاتُ:

﴿فئة﴾ مددگار جماعت، پارٹی۔ ﴿اجهز﴾ مراد: قتل کردیئے جائیں۔ ﴿جريح﴾ زخمی۔ ﴿أتبع﴾ پیچھا کیا جائے۔ ﴿مولّی﴾ میدان چھوڑ کر بھاگنے والا۔ ﴿يلتحقوا﴾ جاملیں گے۔ ﴿اندفاع﴾ دور کرنا۔ ﴿لايسبیٰ﴾ قیدی نہیں بنایا جائے گا۔ ﴿يعصم﴾ محفوظ کرتا ہے۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار، اسلحہ۔ ﴿كسر﴾ توڑنا۔ ﴿كراع﴾ جنگی سواریاں، گھوڑے وغیرہ۔ ﴿أنظر﴾ زیادہ مصلحت والا۔ ﴿أيسر﴾ زیادہ آسان۔ ﴿استغنام﴾ غنیمت لینا۔

باغیوں کے مددگاروں کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر باغیوں کی کوئی مددگار جماعت ہو اور وہ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف قتال کررہی ہو تو ان لوگوں میں سے جو لوگ زخمی ہوئے ہوں مسلمانوں کو چاہئے کہ انھیں گرفتار کرکے فوراً ان کو قتل کردیں اور جو لوگ بھاگ گئے ہوں ان کا پیچھا کرکے انھیں بھی قتل کردیا جائے گا تاکہ یہ دوبارہ باغیوں کی مدد نہ کرسکیں اور ان کا شر مٹ جائے۔ ہاں اگر ان کی کوئی مددگار جماعت نہ ہو تو یہ کام نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اب قتل وغیرہ کے بغیر ہی معاملہ نمٹ چکا ہے، لہٰذا بلاوجہ خون خرابہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ خواہ بغاۃ کی حمایتی جماعت ہو یا نہ ہو بہر دو صورت نہ تو ان کے زخمیوں کو قتل کرنا جائز ہے اور نہ ہی ان کے بھاگنے والوں کا پیچھا کرنا درست ہے، کیونکہ ان کا قتال مدافعت کے لیے مباح ہے حالانکہ جب ان لوگوں نے قتال ترک کردیا تو اب ان کا قتل دفع کے لیے نہیں رہا اس لیے مباح بھی نہیں ہوگا، لیکن ہماری طرف سے اس کا جواب وہی ہے جو ہم اس سے پہلے بھی بیان کرچکے ہیں کہ بغات کے حق میں اباحتِ قتل کے لیے قتل کی دلیل معتبر ہے نہ کہ حقیقی قتال اور ان کے جمع ہونے اور امام برحق کی اطاعت نہ کرنے سے دلیل قتال موجود ہے لہٰذا ان کا قتل مباح ہوگا۔

ولا يُسبیٰ لهم الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ باغیوں پر غلبہ پانے کی صورت میں ان کی ذریت یعنی بیویوں اور بچوں کو قید کرکے انھیں باندی اور غلام نہیں بنایا جائے گا اور نہ ہی ان کے اموال کو غنیمت سمجھ کر مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ جنگ جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کاموں سے منع فرمادیا تھا حتی کہ قیدیوں کے قتل سے بھی منع کردیا تھا اس لیے فقہاء نے ان کے اس

قول کو اس صورت پر محمول کیا ہے کہ جب باغیوں کے ساتھ کوئی حمایتی اور مددگار جماعت نہ ہو، لیکن اگر ان کی کوئی معاون جماعت ہو تو امام کو اختیار ہوگا اگر وہ چاہے تو قیدیوں کو قتل کردے تا کہ ان کے شر سے لوگ محفوظ ہو جائیں۔

ولا بأس الخ فرماتے کہ اگر مسلمانوں کو ضرورت ہو تو باغیوں کا ہتھیار اور ان کا ساز وسامان چھین کر ان سے قتال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مسلمانوں کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے، یہی حال ان کے اونٹوں اور سواریوں کا بھی ہے یعنی ہمارے یہاں ان کا استعمال جائز ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ضرورت کی وجہ سے بصرہ میں مجاہدین کے مابین ہتھیار تقسیم فرمایا ہے اور پھر امام کو یہ حق ہے کہ ضرورت پڑنے پر وہ عادل شخص کے اموال کی تقسیم کردے تو باغی کس کھیت کی مولی ہے اس کا مال تو بدرجۂ اولی تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ یہ ضابطہ تو بہت مشہور ہے کہ ضرر اعلی کو ختم کرنے کے لیے ضرر ادنی کو برداشت کرلیا جاتا ہے۔

ویحبس الإمام الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام باغیوں کا مال ضبط کرلے گا نہ تو اسے واپس کرے گا اور نہ ہی مجاہدین میں تقسیم کرے گا ہاں جب وہ توبہ کرلیں گے تو تقسیم کردے گا، کیونکہ ان کے توبہ کرلینے کی وجہ سے حبس اور ضبط کی ضرورت ختم ہو چکی ہے اور چوں کہ یہ اموال غنائم نہیں بنائے گئے تھے، اس لیے انھیں ان کے مالکان کو واپس کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، ان کے علاوہ جو اونٹ اور دیگر جانور ہوں امام کو چاہئے کہ انھیں فروخت کرکے ان کا ثمن رکھ لے، کیونکہ جانوروں کی حفاظت میں پریشانی ہے جب کہ ثمن رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہے۔

قَالَ وَمَا جَبَاهُ أَهْلُ الْبَغْيِ مِنَ الْبِلَادِ الَّتِيْ غَلَبُوْا عَلَيْهَا مِنَ الْخَرَاجِ وَالْعُشْرِ لَمْ يَأْخُذْهُ الْإِمَامُ ثَانِيًا، لِأَنَّ وِلَايَةَ الْأَخْذِ لَهُ بِاعْتِبَارِ الْحِمَايَةِ وَلَمْ يَحْمِهِمْ فَإِنْ كَانُوْا صَرَفُوْهُ فِيْ حَقِّهِ أُجْزِيَ مَنْ أُخِذَ مِنْهُ لِوُصُوْلِ الْحَقِّ إِلٰى مُسْتَحِقِّهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُوْنُوْا صَرَفُوْهُ فِيْ حَقِّهِ فَعَلٰى أَهْلِهِ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى أَنْ يُعِيْدُوْا ذٰلِكَ، لِأَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إِلٰى مُسْتَحِقِّهِ، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ رحمہ اللہ علیہ قَالُوْا لَا إِعَادَةَ عَلَيْهِمْ فِي الْخَرَاجِ لِأَنَّهُمْ مُقَاتِلَةٌ فَكَانُوْا مَصَارِفَ وَإِنْ كَانُوْا أَغْنِيَاءَ، وَفِي الْعُشْرِ إِنْ كَانُوْا فُقَرَاءَ كَذٰلِكَ، لِأَنَّهُ حَقُّ الْفُقَرَاءِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الزَّكٰوةِ، وَفِي الْمُسْتَقْبَلِ يَأْخُذُهُ الْإِمَامُ لِأَنَّهُ يَحْمِيْهِمْ فِيْهِ لِظُهُوْرِ وِلَايَتِهِ، وَمَنْ قَتَلَ رَجُلًا وَهُمَا مِنْ عَسْكَرِ أَهْلِ الْبَغْيِ ثُمَّ ظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَلَيْسَ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ، لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لِإِمَامِ الْعَدْلِ حِيْنَ الْقَتْلِ فَلَمْ يَنْعَقِدْ مُوْجِبًا كَالْقَتْلِ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ، وَإِنْ غَلَبُوْا عَلٰى مِصْرٍ فَقَتَلَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ عَمَدًا ثُمَّ ظَهَرَ عَلَى الْمِصْرِ فَإِنَّهُ يُقْتَصُّ مِنْهُ وَتَاوِيْلُهُ إِذَا لَمْ يَجْرِ عَلٰى أَهْلِهِ أَحْكَامُهُمْ وَأُزْعِجُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ وَفِيْ ذٰلِكَ لَمْ تَنْقَطِعْ وِلَايَةُ الْإِمَامِ فَيَجِبُ الْقِصَاصُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ باغیوں نے جن علاقوں پر غالب ہو کر (مسلمانوں سے) خراج اور عشر جمع کیا ہے امام اسے دوبارہ نہیں

لے گا، کیونکہ امام کے لیے لینے کی ولایت حفاظت کی وجہ سے ہے حالانکہ امام ان کی حفاظت نہیں کر سکا۔ اور اگر باغیوں نے وہ مال اس کے مصرف میں خرچ کر دیا ہو تو جن لوگوں سے یہ اموال لئے گئے تھے ان کی طرف سے کفایت ہو جائے گی، کیونکہ حق اس کے مستحق تک پہنچ گیا ہے اور اگر باغیوں نے اس مال کو اس کے مصرف میں خرچ نہ کیا ہو تو ہر صاحب مال پر فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ دینا لازم ہے کیونکہ وہ اپنے مستحق تک نہیں پہنچا ہے۔ بندۂ ضعیف کہتا ہے کہ مشائخ نے فرمایا خراج میں ان پر اعادہ نہیں ہے، کیونکہ مصرف میں مجاہدین بھی ہوتے ہیں لہٰذا دینے والے بھی خراج کے مصارف ہوں گے اگر چہ وہ مالدار ہوں، اور اگر وہ فقیر ہوں تو عشر میں بھی یہی حکم ہوگا۔ اس لیے کہ عشر فقراء کا حق ہے اور کتاب الزکوۃ میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں اور بعد والے سالوں میں امام ان سے وصول کرے گا کیونکہ مستقبل میں امام کی ولایت ظاہر ہوگی اور وہ ان کی مدد کرے گا۔

باغیوں کے لشکر میں سے اگر کسی نے دوسرے کو قتل کر دیا پھر بغات پر مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا تو قاتل پر کچھ نہیں ہوگا، کیونکہ بوقت قتل ان پر امام عادل کی ولایت نہیں تھی لہٰذا یہ قتل موجب قصاص نہیں ہوا جیسے دار الحرب کا قتل اور اگر بغات کسی شہر پر غالب ہو گئے پھر اہل شہر میں سے کسی نے دوسرے شہری کو عمداً قتل کر دیا پھر شہر پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ جب شہر پر بغات کے فرمان جاری نہیں ہوئے تھے اور اس سے پہلے ہی وہ وہاں سے بھگا دیئے گئے، کیونکہ اس صورت میں امام کی ولایت منقطع نہیں ہوئی تھی اسی لیے قصاص واجب ہوا ہے۔

اللغات:

﴿ماجباہ﴾ جو بطورِ ٹیکس وصول کیا۔ ﴿حمایة﴾ حفاظت۔ ﴿لم یَحْمِهِمْ﴾ ان کی حفاظت نہیں کی۔ ﴿صرفوہ﴾ اس کو خرچ کیا ہے۔ ﴿یعیدوا﴾ دوبارہ ادا کریں۔ ﴿مقاتلة﴾ جنگجو، فوجی۔ ﴿عسکر﴾ لشکر۔ ﴿ظهر﴾ غلبہ پالیا گیا۔ ﴿موجب﴾ سبب، واجب کرنے والا۔ ﴿یُقتَصّ﴾ قصاص لیا جائے گا۔ ﴿أزعجو﴾ ہٹا دیئے گئے، بھگا دیئے گئے۔

باغیوں کا وصول کردہ عشر اور خراج:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر باغی لوگ مسلمانوں کے کسی علاقے پر قابض ہو گئے اور وہاں کے لوگوں سے خراج اور عشر وصول کر لیا اب اگر امام المسلمین اس علاقے پر غالب ہو جاتا ہے تو وہاں کے لوگوں سے دوبارہ اسی سال کا عشر اور خراج وصول کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام کو عشر اور خراج لینے کا حق حفاظت کرنے کی وجہ سے حاصل ہے حالانکہ بغاۃ کے اس علاقے پر غالب ہونے کی وجہ سے حفاظت وصیانت کی پول کھل گئی ہے پھر اگر بغاۃ وہ خراج وغیرہ اس کے مصرف میں خرچ کر دیا ہو تو دینے والے اس سال کے عشر وخراج سے بری الذمہ ہو جائیں گے، لیکن اگر بغاۃ نے اسے صحیح مصرف میں نہ خرچ کیا ہو تو دیانۃً یعنی فیما بینهم وبین اللہ دوبارہ دینا واجب ہے، لیکن قضاءً واجب نہیں ہے، صاحب ہدایہ حضرات مشائخ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ان پر خراج کا اعادہ نہیں ہے، کیونکہ خراج اپنے مصرف ہی میں صرف ہوا ہے اس لیے کہ بغاۃ مقاتلہ ہیں اور مقاتلہ بھی خراج کا مصرف ہیں، لہٰذا اگر بغاۃ نے مال خراج کو اپنی ذاتی ضروریات میں صرف کیا ہو تو بھی دینے والے بریٔ الذمہ ہو جائیں گے، خواہ بغاۃ مالدار ہوں یا محتاج ہوں۔

اور اگر وہ فقراء ہوں تو عشر کا بھی یہی حکم ہوگا، کیونکہ عشر فقراء کا حق ہے اور وہ حق اپنے مستحق کو مل گیا ہے۔ یہ فیصلہ تو سال رواں

کا ہے۔ البتہ آئندہ سالوں میں امام ان لوگوں سے پھر خراج اور عشر لینے کا کام شروع کردے گا اس لیے کہ اب آئندہ وہ ان کی حفاظت کرے گا۔

ومن قتل رجلا الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر باغیوں میں سے کسی نے دوسرے کو قتل کردیا اور پھر ان پر مسلمانوں کو فتح مل گئی تو قاتل پر نہ تو قصاص ہے اور نہ ہی دیت ہے، کیونکہ بوقت قتل قاتل اور مقتول دونوں امام عادل کی ولایت سے خارج تھے لہٰذا یہ قتل موجب قصاص واقع نہیں ہوا تھا جیسے دار الحرب کا قتل موجب قصاص نہیں ہوتا، اسی طرح یہ قتل بھی موجب قصاص نہیں ہے۔

اگر بغاۃ کسی شہر پر قابض ہوگئے لیکن اس شہر پر ان کا مکمل قبضہ اور کنٹرول نہیں ہوا تھا کہ انھیں وہاں سے بھگا دیا گیا اور اسی دوران شہریوں میں سے کسی نے دوسرے شہری کو قتل کردیا اور پھر اس شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ جب اس پر بغاۃ کا مکمل قبضہ نہیں ہوا تھا تو وہ شہر امام عادل کی ولایت سے خارج نہیں ہوا تھا اور قتل اس کی ولایت میں واقع ہوا ہے اس لیے یہ قتل موجب قصاص ہوگا۔

وَإِذَا قَتَلَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْعَدْلِ بَاغِيًا فَإِنَّهُ يَرِثُهُ فَإِنْ قَتَلَهُ الْبَاغِي وَقَالَ قَدْ كُنْتُ عَلَى حَقٍّ وَأَنَا الْآنَ عَلَى حَقٍّ يَرِثُهُ وَإِنْ قَالَ قَتَلْتُهُ وَأَنَا أَعْلَمُ أَنِّي عَلَى الْبَاطِلِ لَمْ يَرِثْهُ، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَايَرِثُ الْبَاغِي فِي الْوَجْهَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَأَصْلُهُ أَنَّ الْعَادِلَ إِذَا أَتْلَفَ نَفْسَ الْبَاغِي أَوْمَالَهُ لَايَضْمَنُ وَلَايَأْثَمُ لِأَنَّهُ مَامُوْرٌ بِقِتَالِهِمْ دَفْعًا لِشَرِّهِمْ، وَالْبَاغِي إِذَا قَتَلَ الْعَادِلَ لَايَجِبُ الضَّمَانُ عِنْدَنَا وَيَأْثَمُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي الْقَدِيْمِ أَنَّهُ يَجِبُ، وَعَلَى هٰذَا الْخِلَافِ إِذَا تَابَ الْمُرْتَدُّ وَقَدْ أَتْلَفَ نَفْسًا أَوْ مَالًا، لَهُ أَنَّهُ أَتْلَفَ مَالًا مَعْصُوْمًا أَوْ قَتَلَ نَفْسًا مَعْصُوْمَةً فَيَجِبُ الضَّمَانُ اِعْتِبَارًا بِمَا قَبْلَ الْمَنْعَةِ، وَلَنَا إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ، وَلِأَنَّهُ أَتْلَفَ عَنْ تَاوِيْلٍ فَاسِدٍ وَالْفَاسِدُ مِنْهُ مُلْحَقٌ بِالصَّحِيْحِ إِذَا ضُمَّتْ إِلَيْهِ الْمَنْفَعَةُ فِيْ حَقِّ الدَّفْعِ كَمَا فِيْ مَنْعَةِ أَهْلِ الْحَرْبِ وَتَاْوِيْلِهِمْ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْأَحْكَامَ لَابُدَّ فِيْهَا مِنَ الْإِلْزَامِ أَوِ الْاِلْتِزَامِ، وَلَا اِلْتِزَامَ لِاِعْتِقَادِ الْإِبَاحَةِ عَنْ تَاوِيْلٍ، وَلَاإِلْزَامَ لِعَدْمِ الْوِلَايَةِ لِوُجُوْدِ الْمَنْعَةِ، وَالْوِلَايَةُ بَاقِيَةٌ قَبْلَ الْمَنْعَةِ وَعِنْدَ عَدَمِ التَّاوِيْلِ ثَبَتَ الْاِلْتِزَامُ اِعْتِقَادًا، بِخِلَافِ الْإِثْمِ لِأَنَّهُ لَا مَنْعَةَ فِيْ حَقِّ الشَّارِعِ، إِذَا ثَبَتَ هٰذَا نَقُوْلُ قَتْلُ الْعَادِلِ الْبَاغِي قَتْلٌ بِحَقٍّ فَلَايَمْنَعُ الْإِرْثَ، وَلِأَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي قَتْلِ الْبَاغِي الْعَادِلَ أَنَّ التَّاوِيْلَ الْفَاسِدَ إِنَّمَا يُعْتَبَرُ فِي حَقِّ الدَّفْعِ وَالْحَاجَةُ هٰهُنَا إِلَى اسْتِحْقَاقِ الْإِرْثِ، وَلَهُمَا فِيْهِ أَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى دَفْعِ الْحِرْمَانِ أَيْضًا إِذِالْقَرَابَةُ سَبَبُ الْإِرْثِ فَيُعْتَبَرُ الْفَاسِدُ فِيْهِ إِلَّا أَنَّ مَنْ شَرْطَهُ بَقَاؤُهُ عَلَى دِيَانَتِهِ فَإِذَا قَالَ كُنْتُ عَلَى الْبَاطِلِ لَمْ يُوْجَدِ الدَّافِعُ فَوَجَبَ الضَّمَانُ.

ترجمہ: اگر اہل عدل میں سے کسی نے کسی باغی کو قتل کر دیا تو بھی قاتل مقتول کا وارث ہوگا اور اگر باغی عادل کو قتل کر دے اور یوں کہے میں حق پر تھا اور اب بھی حق پر ہوں تو وہ مقتول کا وارث ہوگا اور اگر یہ کہا میں نے اس حال میں اسے قتل کیا ہے کہ میں جانتا تھا کہ میں حق پر نہیں ہوں تو وہ مقتول کا وارث نہیں ہوگا۔ یہ حکم حضرات طرفینؒ کے یہاں ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں باغی عادل مقتول کا وارث نہیں ہوگا یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ جب عادل شخص باغی کی جان یا اس کا مال ہلاک کرے گا تو نہ وہ ضامن ہوگا اور نہ ہی گنہگار ہوگا، کیونکہ ان کا شر دور کرنے کے لیے عادل کو بغاۃ کے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور باغی اگر عادل کو قتل کرتا ہے تو ہمارے یہاں اس پر ضمان نہیں ہوگا لیکن وہ گنہگار ہوگا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم یہ ہے کہ ضمان واجب ہوگا۔

اسی اختلاف پر ہے جب مرتد نے توبہ کر لی حالانکہ بحالت ارتداد اس نے کسی جان یا مال کو ہلاک کیا تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے محفوظ مال یا معصوم جان کو ہلاک کیا ہے، لہٰذا اس پر ضمان واجب ہوگا حصول طاقت سے پہلے والی حالت پر قیاس کرتے ہوئے۔

ہماری دلیل حضرات صحابۂ کرام کا اجماع ہے اور اگر باغی کے ساتھ طاقت موجود ہو تو دفع ضمان کے حق میں تاویل فاسد بھی صحیح کے ساتھ ملحق ہوتی ہے جیسے اہل حرب کی قوت اور ان کی تاویل کا یہی حکم ہے۔ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ احکام شرع کے لیے الزام یا التزام ضروری ہے اور باغی التزام نہیں کرتا اس لیے کہ وہ اپنی فاسد تاویل سے اہل عدل کی جان اور ان کے اموال کو مباح سمجھتا ہے اور باغی پر امام کی طرف سے کوئی حکم لازم بھی نہیں ہوتا اس لیے کہ اس پر امام کی ولایت نہیں ہوتی، کیونکہ اس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور طاقت سے پہلے تو ولایت حاصل رہتی ہے۔ اور تاویل نہ ہونے کی صورت میں اعتقاد التزام ثابت ہو جاتا ہے۔ برخلاف گناہ کے کیونکہ حق شرع میں طاقت کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ عادل شخص کا باغی کو قتل کرنا برحق ہے لہٰذا یہ قتل مانع ارث نہیں ہوگا، اور باغی کے عادل شخص کو قتل کرنے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ تاویلِ فاسد دفع ضمان کے حق میں معتبر ہے جب کہ یہاں استحقاقِ ارث ثابت کرنے کی ضرورت ہے، لہٰذا ارث کے حق میں تاویلِ فاسد کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اس میں حضرات طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں دفع حرمان کی بھی ضرورت ہے، کیوں کہ قرابت ارث کا سبب ہے لہٰذا دفع حرمان میں بھی تاویل فاسد کا اعتبار ہوگا، لیکن اس اعتبار کی شرط یہ ہے کہ وہ اپنی دیانت پر باقی ہو یہی وجہ ہے کہ اگر اس نے کنت علی الباطل کہا تو دافع نہیں پایا گیا اس لیے ضمان واجب ہوگا۔

اللغات:

﴿یرثہ﴾ اس کا وارث ہوگا۔ ﴿أتلف﴾ ہلاک کر دیا۔ ﴿لا یأثم﴾ گناہ گار نہیں ہوگا۔ ﴿منعۃ﴾ دفاعی طاقت، قوت مدافعت۔ ﴿التزام﴾ اپنے ذمے لینا۔ ﴿حرمان﴾ محروم ہونا۔ ﴿قرابۃ﴾ رشتہ داری۔

باغیوں کے ساتھ جنگ میں قاتل ومقتول کا وارث بننا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عادل نے کسی باغی کو قتل کر دیا تو بھی عادل قاتل اس باغی مقتول کا وارث ہوگا، اس کے برخلاف

اگر باغی نے کسی عادل کو قتل کر دیا اور یوں کہا کہ میں قبل از قتل بھی حق پر تھا اور اب بھی حق پر ہوں تو وہ باغی بھی مقتول عادل کا وارث ہوگا، لیکن اگر قاتل نے کہا کہ مجھے معلوم تھا کہ میں حق پر نہیں ہوں پھر بھی میں نے اسے قتل کر دیا تو قاتل اس مقتول کا وارث نہیں ہوگا، یہ حکم حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں باغی قاتل عادل مقتول کا وارث ہی نہیں ہوگا خواہ وہ أنا علی الحق کہے یا إني أعلم أنا علی الباطل کہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ اگر عادل کسی باغی کا نفس اور اس کا مال ہلاک کر دے تو نہ تو عادل پر ضمان ہوگا اور نہ ہی وہ گناہ گار ہوگا، کیونکہ عادل شخص کو بغاۃ کا شر دور کرنے کے لیے ان کے قتل پر مامور کیا گیا ہے، اسی طرح اگر باغی کسی عادل کو قتل کر دے تو ہمارے یہاں اس پر ضمان تو نہیں ہوگا تاہم وہ گناہ گار ضرور ہوگا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم یہ ہے کہ باغی ضامن ہوگا، کیونکہ وہ محترم اور معصوم جان کو ہلاک کرنے والا ہے۔ اسی طرح اگر کسی مرتد نے بحالت ارتداد کسی جان یا مال کو ہلاک کر دیا تھا پھر اس نے توبہ کر لی تو ہمارے یہاں وہ جنایتِ سابقہ کا ضامن نہیں ہوگا جب کہ شوافع کے یہاں اس پر ضمان ہوگا۔

صورت مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ باغی نے عادل کو قتل کر کے درحقیقت محترم اور معصوم نفس کو قتل کیا ہے اور اگر وہ طاقت وقوت کے حصول سے پہلے کسی نفس معصومہ کو قتل کرتا تو اس پر ضمان واجب ہوتا لہٰذا بعد حصول المنعۃ یعنی صورت مسئلہ کے قتل سے بھی اس پر ضمان واجب ہوگا۔

عدم وجوب ضمان پر ہماری نقلی دلیل حضرات صحابہ کا اجماع ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ سلیمان بن ہشام نے امام زہری کو ایک مکتوب لکھا کہ ایک عورت اپنے شوہر کے پاس سے بھاگ کر خوارج سے جا ملی اور کہنے لگی کہ میری قوم مشرک ہے چنانچہ اس نے وہاں نکاح کر لیا پھر تائب ہو کر لوٹ آئی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس پر امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں یہ حکم نامہ تحریر فرمایا:

أما بعد فإن الفتنة الأولیٰ ثارت وأصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ممن شهد بدرا كثیر فاجتمع رأیهم علی أن لایقیموا علی أحد حدا في فرج استحلوه بالقران ولاقصاص في دم استحلوه بتاویل القرآن الخ (بنایہ: ۶/ ۷۴۸)

یعنی جس وقت خوارج کا پہلا فتنہ برپا ہوا اس وقت بہت سے بدری صحابہ کرام موجود تھے اس وقت ان کی متفقہ رائے سے یہ فیصلہ طے ہوا کہ اگر خوارج قرآنی تاویل سے کسی عورت کو حلال کر لیں تو ان پر حد نہیں جاری ہوگی اسی طرح اگر قرآنی تاویل سے وہ کسی شخص کو حلال سمجھ کر قتل کر دیں تو ان پر قصاص نہیں ہوگا اور صورت مسئلہ کی پہلی شق میں چوں کہ باغی نے **قد کنت علی حق وأنا الآن علی الحق** کی تاویل سے قتل کو انجام دیا ہے اسی لیے ہمارے یہاں اس پر قصاص اور ضمان نہیں ہے اور وہ مستحق میراث بھی ہے۔ اور باغی کی تاویل اگرچہ فاسد ہے، لیکن طاقت وقوت کے وقت دفع ضمان میں یہ تاویل تاویلِ صحیح کے ساتھ ملحق ہے جیسے اگر جنگ کے دوران حربی مسلمانوں کو قتل کر دیں یا ان کے اموال لوٹ لیں پھر وہ بھی مسلمان ہو جائیں تو ان پر قصاص یا ضمان نہیں ہے اسی طرح باغیوں پر بھی ہمارے یہاں ضمان نہیں ہے۔ اور ان پر اس وجہ سے بھی ضمان نہیں ہے کہ ضمان احکام شرعیہ میں سے ایک حکم ہے اور احکام شرع کے لیے امام کی طرف سے الزام یا بخوشی اس کا التزام ضروری ہے اور باغی کے حق میں الزام اور التزام دونوں چیزیں معدوم ہیں۔ الزام تو اس وجہ سے معدوم ہے کہ وہ باغی طاقت وقوت کے ساتھ امام کی ولایت سے خارج ہے۔ اور التزام اس وجہ سے معدوم ہے کہ وہ بیجا تاویل سے مسلمان اور عادل کے مال وجان کو مباح سمجھتا ہے اور وہ تاویل یہ ہے کہ خارج اور باغی قرآن کریم کی

آیت ومن يعص الله ورسوله فإن له جهنم خالدين فيها الآية۔ کے پیش نظر ہر عادل کو عاصی سمجھتا ہے اور یہ تاویل کرتا ہے کہ عادل موجب کتاب پر عمل نہیں کرتا اس لیے وہ مباح الدم ہے۔

والولاية الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بعد المنعۃ والے قتلِ باغی کو قبل المنعۃ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ قبل المنعۃ وہ امام کی ولایت میں ہوتا ہے اور اس پر الزام متحقق ہوتا ہے، اس لیے قبل المنعۃ والے قتل پر اس کو ضمان دینا پڑے گا لیکن بعد المنع قتل کی صورت میں اس پر ضمان یا قصاص نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر اس کی طرف سے تاویل نہ کی گئی ہو یا باطل تاویل کی گئی ہو تو بھی اس پر ضمان ہوگا، کیونکہ اس صورت میں اعتقاداً اس پر التزام ثابت ہوگا اور اس پر ضمان ہو یا نہ ہو بہر صورت گناہ سے وہ بچ نہیں سکے گا اور گناہ ہر حال میں ہوگا، کیونکہ گناہ شریعت کا حق ہے اور شریعت کے معاملے میں منعۃ یا عدم منعۃ کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

ان تمام تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عادل کا باغی کو قتل کرنا برحق ہے اسی لیے قتل کے بعد بھی عادل باغی مقتول کی میراث پاتا ہے، کیونکہ قتل ناحق حرمانِ میراث کا سبب ہے نہ کہ قتل برحق۔

اگر باغی عادل کو قتل کردے تو امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قاتل خواہ تاویل کرے نہ کرے بہر صورت وہ مقتول کی میراث نہیں پاتا کیونکہ تاویل فاسد دفع ضمان کے حق میں تو معتبر ہے، لیکن اثبات ارث میں معتبر نہیں ہے اور یہاں قاتل کے حق میں میراث کے استحقاق اور اثبات کی ضرورت ہے اس لیے اس کی تاویل یہاں معتبر اور مؤثر نہیں ہوگی۔ اس سلسلے میں حضرات طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ بھائی اس کی تاویل یہاں بھی دافع ہے اور وہ دافعِ حرمان ہے یعنی قاتل قرابت کی وجہ سے اپنے مورث کی میراث کا مستحق ہے لیکن قتل دافع ارث ہے لہٰذا اس کی تاویل کو دافع حرمان قرار دے کر اسے میراث دلوادی جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنی تاویل پر مصر اور قائم ہو اسی لیے ہم نے متن میں قد کنت علی حق کے بعد وأنا الآن علی حق کی شرط لگادی ہے اور اگر اس نے وأنا أعلم أني على الباطل کہہ دیا تو اس کے حق میں دافع حرمان نہیں پایا جائے گا اور وہ میراث سے محروم تو ہوگا ہی ساتھ ہی ساتھ اسے مقتول کا ضمان بھی دینا پڑے گا۔

قَالَ وَيُكْرَهُ بَيْعُ السَّلَاحِ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ وَفِيْ عَسَاكِرِهِمْ، لِأَنَّهُ إِعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ وَلَيْسَ بَيْعُهُ بِالْكُوْفَةِ مِنْ أَهْلِ الْكُوْفَةِ وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ لَابَأْسَ، لِأَنَّ الْغَلَبَةَ فِي الْأَمْصَارِ لِأَهْلِ السَّلَاحِ وَإِنَّمَا يُكْرَهُ بَيْعُ نَفْسِ السَّلَاحِ لَابَيْعَ مَا لَايُقَاتِلُ بِهِ إِلَّا بِصُنْعَةٍ، أَلَا تَرٰى أَنَّهُ يُكْرَهُ بَيْعُ الْمَعَازِفِ وَلَايُكْرَهُ بَيْعُ الْخَشَبِ، وَعَلٰى هٰذَا الْخَمْرِ مَعَ الْعِنَبِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اہل فتنہ سے اور ان کے لشکروں سے ہتھیار فروخت کرنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ معصیت پر اعانت ہے، ہاں کوفہ میں اہل کوفہ سے اور جسے اہل فتنہ میں سے نہ جانتا ہو اس سے ہتھیار بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ شہروں میں تو بہت سے ہتھیار والے ہوتے ہیں اور ہتھیار ہی کی فروختگی مکروہ ہے اس چیز کو فروخت کرنا مکروہ نہیں ہے جس سے کاری گری کے بغیر قتال ممکن نہ ہو، کیا دیکھتا نہیں کہ طنبور کو بیچنا مکروہ ہے لیکن اس کی لکڑی فروخت کرنا مکروہ نہیں ہے اسی حکم پر شراب اور انگور کی بھی بیع ہے۔

اللغات:

﴿سلاح﴾ ہتھیار۔ ﴿عساکر﴾ واحد عسکر؛ جنگی پڑاؤ۔ ﴿إعانة﴾ امداد، مدد کرنا۔ ﴿صنعة﴾ کاری گری۔ ﴿معازف﴾ آلاتِ موسیقی۔ ﴿خشب﴾ لکڑی۔ ﴿خمر﴾ شراب۔ ﴿عنب﴾ انگور۔

اہل فتنہ کو ہتھیار فروخت کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ خوارج یا ان کے لشکروں سے کسی مسلمان کا ہتھیار فروخت کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ اعانت علی المعصیت ہے جب کہ قرآن کریم نے ہمیں اعانت علی الاطاعت کا حکم دیا ہے: تعاونوا علی البر والتقویٰ اور اعانت علی المعصیۃ سے منع کیا ہے ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان۔ اگر کوئی کوفہ میں اہل کوفہ سے کوئی مسلمان ہتھیار بیچتا ہے یا کسی ایسے شخص سے بیچتا ہے جس کو وہ باغی اور خارجی نہ جانتا ہو تو اس بیع میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ شہروں میں بے شمار ''ہتھیار دار'' ہوتے ہیں اور ہر کوئی ہتھیار والا خارجی یا باغی نہیں ہوتا، اسی طرح خارجی اور باغی نمایاں ہوتا ہے لہٰذا ایسے لوگوں سے ہتھیار بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور کراہت کا تعلق نفس ہتھیار سے ہے ان چیزوں سے نہیں ہے جن سے ہتھیار بنایا جاتا ہے جیسے لوہا اور سریا وغیرہ، کیونکہ لوہے وغیرہ میں کاری گری کے بغیر ان سے قتال نہیں کیا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ ستار اور طنبور کی بیع مکروہ ہے لیکن جس لکڑی سے یہ بنتے ہیں ان کی بیع درست ہے اسی طرح انگور کی بیع جائز ہے لیکن شراب کی بیع حرام ہے، کیونکہ معصیت کا تعلق شراب اور ستار ہے نہ کہ انگور اور لکڑی سے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی معصیت نفسِ سلاح سے متعلق ہے نہ کہ لوہا اور سریا وغیرہ سے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اُتم

كِتَابُ اللَّقِيْطِ

یہ کتاب احکام لقیط کے بیان میں ہے

کتاب السیر کے معاً بعد کتاب اللقیط کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مجاہد کی طرح لقیط کی جان بھی ہتھیلی پر ہوتی ہے مگر چوں کہ جہاد کی مشروعیت اور فضیلت قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور اسے افضل الأعمال باعتبار الأحوال قرار دیا گیا ہے اس لیے اس کے بیان کو بیانِ لقیط سے مقدم کیا گیا ہے۔

لقیط کے لغوی معنی ہیں: زمین سے اٹھایا ہوا بچہ، اور اس کے شرعی معنی ہیں وہ بچہ جسے فقر وفاقہ کے ڈر سے یا زنا کی تہمت سے بچتے ہوئے اس کے ماں باپ نے سر راہ ڈال دیا ہو۔

اَللَّقِيْطُ سُمِّيَ بِهِ بِاعْتِبَارِ مَآلِهِ لِمَا أَنَّهُ يُلْقَطُ، وَالْإِلْتِقَاطُ مَنْدُوْبٌ إِلَيْهِ لِمَا فِيْهِ مِنْ إِحْيَائِهِ وَإِنْ غَلَبَ عَلٰى ظَنِّهِ ضِيَاعُهُ فَوَاجِبٌ، قَالَ اللَّقِيْطُ حُرٌّ، لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيْ بَنِيْ آدَمَ إِنَّمَا هُوَ الْحُرِّيَّةُ وَكَذَا الدَّارُ دَارُ الْأَحْرَارِ، وَلِأَنَّ الْحُكْمَ لِلْغَالِبِ، وَنَفَقَتُهُ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَلِأَنَّهُ مُسْلِمٌ عَاجِزٌ عَنِ التَّكَسُّبِ وَلَا مَالَ لَهُ وَلَا قَرَابَةَ فَأَشْبَهَ الْمُقْعَدَ الَّذِيْ لَا مَالَ لَهُ، وَلِأَنَّ مِيْرَاثَهُ لِبَيْتِ الْمَالِ وَالْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ وَلِهٰذَا كَانَتْ جِنَايَتُهُ فِيْهِ، وَالْمُلْتَقِطُ مُتَبَرِّعٌ فِي الْإِنْفَاقِ عَلَيْهِ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ إِلَّا أَنْ يَأْمُرَهُ الْقَاضِيْ بِهِ لِيَكُوْنَ دَيْنًا عَلَيْهِ لِعُمُوْمِ الْوِلَايَةِ.

ترجمہ: لقیط کو انجام کار کے اعتبار سے لقیط کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ اٹھالیا جاتا ہے، اور اٹھالینا مستحب ہے کیونکہ اس میں لقیط کا احیاء ہے، اور اگر دیکھنے والے کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ ضائع ہوجائے گا تو اسے اٹھالینا واجب ہے۔ فرماتے ہیں کہ لقیط آزاد ہوتا ہے، کیونکہ بنی آدم میں حریت اصل ہوتی ہے نیز دار الاسلام بھی آزاد لوگوں کا ملک ہے، اور اس لیے بھی کہ غالب پر حکم لگتا ہے اور لقیط کا

نفقہ بیت المال سے دیا جائے گا یہی حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اور اس لیے کہ لقیط مسلمان ہے جو کمائی کرنے سے عاجز ہے اور اس کے پاس کوئی مال بھی نہیں ہے اور اس کی کوئی قرابت بھی نہیں ہے تو لقیط اس اپاہج کی طرح ہو گیا جس کے پاس مال نہ ہو۔ اور اس لیے کہ لقیط کی میراث بیت المال کی ہے اور جو نفع لیتا ہے وہی ضمان بھی ادا کرتا ہے اسی لیے لقیط کی جنایت کا ضمان بھی بیت المال ہی میں واجب ہوتا ہے۔

اور لقیط پر خرچ کرنے میں ملتقط متبرع ہوتا ہے کیونکہ لقیط پر ملتقط کو ولایت نہیں ہوتی، الا یہ کہ اگر قاضی اسے اس پر انفاق کا حکم دیدے تا کہ یہ انفاق اس پر دین ہو جائے، کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہے۔

اللغات:

﴿لقیط﴾ اٹھایا جانے والا، ملنے والا۔ ﴿إحیاء﴾ زندہ کرنا۔ ﴿حر﴾ آزاد۔ ﴿نفقة﴾ خرچ، اخراجات۔ ﴿تکسّب﴾ کمائی کرنا۔ ﴿مقعد﴾ اپاہج، معذور۔ ﴿جنایة﴾ جرم۔ ﴿ملتقط﴾ گرے ہوئے کو اٹھانے والا۔ ﴿إنفاق﴾ خرچ کرنا۔

گرے پڑے بچے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ لقیط اصلاً تو طریح بمعنی مطروح ہوتا ہے لیکن چوں کہ عموماً وہ راستوں سے اٹھالیا جاتا ہے اسی لیے مآل کے اعتبار سے اسے لقیط کہا جاتا ہے، عام حالات میں التقاط مستحب ہے لیکن اگر بچے کی ہلاکت اور اس کے ضیاع کا خوف ہو تو واجب ہے، کیونکہ اس میں بچے کا احیاء ہے اور احیاء امر مستحسن ہے، قرآن میں **ومن أحیاھا فکأنما أحیا الناس جمیعا**۔

لقیط حر اور آزاد ہوتا ہے کیونکہ بنو آدم حر الأصل ہوتے ہیں اس لیے ہمارے ماں باپ یعنی حضرت آدم وحواء علیہما السلام بھی آزاد تھے۔ اور پھر دار الاسلام آزاد لوگوں کا ملک ہوتا ہے اور وہاں کے اکثر باشندے آزاد ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے تابع ہو کر لقیط بھی آزاد ہوگا، اور اگر لقیط کے پاس مال نہ ہو تو اس کا نفقہ بیت المال سے دیا جائے گا کیونکہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بیت المال سے لقیط کو خرچہ دینا ثابت اور منقول ہے، دوسری بات یہ ہے کہ لقیط بھی مسلم ہوتا ہے اور کمانے سے عاجز ہوتا ہے، لہٰذا جس طرح مسلم اپاہج کو بیت المال سے نفقہ دیا جاتا ہے اسی طرح لقیط کو بھی بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا، کیونکہ لقیط اگر مال چھوڑ کر مرجاتا ہے تو اس کی میراث بھی بیت المال ہی کو ملتی ہے، لہٰذا اس کا نفقہ بھی بیت المال دے گا، اس لیے کہ **الغرم بالغنم** کا ضابطہ اور فارمولہ بہت مشہور ہے، یہی وجہ ہے کہ لقیط کی جنایت کا ضمان بھی بیت المال ہی دیتا ہے، اور ملتقط لقیط کی پرورش میں جو مال خرچ کرتا ہے اس میں وہ متبرع اور محسن ہوتا ہے، کیونکہ ملتقط پر اسے کوئی ولایت نہیں ہوتی، ہاں اگر قاضی نے ملتقط کو لقیط پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہو اور یہ کہہ دیا ہو کہ اس کے بالغ ہونے کے بعد تم اس سے اپنا حساب پورا کر لینا تو ملتقط جو کچھ خرچ کرے گا وہ اس لقیط کے ذمے دین ہوگا اور بعد میں وہ لقیط سے اپنا مال وصول کرلے گا، کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہوتی ہے۔

قَالَ فَإِنِ الْتَقَطَ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ لِغَيْرِهٖ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ لِأَنَّهٗ ثَبَتَ حَقُّ الْحِفْظِ لَهٗ لِسَبْقِ يَدِهٖ، فَإِنِ ادَّعٰى مُدَّعٍ أَنَّهُ ابْنُهٗ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ مَعْنَاهُ إِذَا لَمْ يَدَّعِ الْمُلْتَقِطُ نَسَبَهٗ، وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يُقْبَلَ قَوْلُهٗ لِأَنَّهٗ يَتَضَمَّنُ إِبْطَالَ

حَقِّ الْمُلْتَقِطِ، وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّهُ إِقْرَارٌ لِلصَّبِيِّ بِمَا يَنْفَعُهُ، لِأَنَّهُ يَتَشَرَّفُ بِالنَّسَبِ وَيُعَيَّرُ بِعَدَمِهِ، ثُمَّ قِيْلَ يَصِحُّ فِيْ حَقِّهِ دُوْنَ إِبْطَالِ يَدِالْمُلْتَقِطِ، وَقِيْلَ يَبْتَنِيْ عَلَيْهِ بُطْلَانُ يَدِهِ، وَلَوِادَّعَاهُ الْمُلْتَقِطُ، قِيْلَ يَصِحُّ قِيَاسًا وَاسْتِحْسَانًا، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ عَلَى الْقِيَاسِ وَالْإِسْتِحْسَانُ وَقَدْ عُرِفَ فِي الْأَصْلِ، وَإِنِ ادَّعَاهُ اِثْنَانِ وَوَصَفَ أَحَدُهُمَا عَلَامَةً فِيْ جَسَدِهِ فَهُوَ أَوْلٰى بِهِ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ لِمُوَافَقَةِ الْعَلَامَةِ كَلَامَهُ، وَإِنْ لَمْ يَصِفْ أَحَدُهُمَا عَلَامَةً فَهُوَ ابْنُهُمَا لِاسْتِوَائِهِمَا فِي السَّبَبِ وَلَوْ سَبَقَتْ دَعْوَةُ أَحَدِهِمَا فَهُوَ ابْنُهُ لِأَنَّهُ ثَبَتَ حَقُّهُ فِيْ زَمَانٍ لَامُنَازِعَ لَهُ فِيْهِ إِلَّا إِذَا أَقَامَ الْآخَرُ الْبَيِّنَةَ، لِأَنَّ الْبَيِّنَةَ أَقْوٰى.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے لقیط کو اٹھالیا تو دوسرے کے لیے ملتقط سے اسے لینے کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ لینے میں پہل کرنے کی وجہ سے اسے حق حفاظت حاصل ہوگیا ہے، لیکن اگر کسی مدعی نے یہ دعویٰ کیا کہ لقیط میرا بیٹا ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا یعنی جب ملتقط نے اس لقیط سے اپنے نسب کا دعوی نہ کیا ہو۔ یہ استحسان ہے اور قیاس یہ ہے کہ مدعی کا دعوی مقبول نہ ہو، کیونکہ یہ دعویٰ ملتقط کے حق کو باطل کرنے پر متضمن ہے، استحسان کی دلیل یہ ہے کہ یہ بچے کے حق میں اس چیز کا اقرار ہے جو اس کے لیے نفع بخش ہے، کیونکہ نسب سے وہ شریف کہلاتا ہے اور نسب نہ ہونے سے اسے عار دلائی جاتی ہے۔ پھر کہا گیا کہ یہ دعویٰ صرف ثبوت نسب میں صحیح ہوگا اور ملتقط کا قبضہ باطل کرنے میں معتبر نہیں ہوگا دوسرا قول یہ ہے کہ ملتقط کے قبضہ کا بطلان بھی اس پر مبنی ہوگا اور اگر ملتقط اس کا دعویٰ کرے تو ایک قول یہ ہے کہ قیاس اور استحسان دونوں اعتبار سے صحیح ہوگا، لیکن اصح یہ ہے کہ یہ بھی استحساناً صحیح ہوگا اور قیاس کے اعتبار سے صحیح نہیں ہوگا اور مبسوط میں یہ جان لیا گیا ہے۔

اگر دو لوگ اس لقیط کا دعویٰ کریں اور ان میں سے ایک مدعی اس کے جس میں کوئی علامت بیان کردیا تو یہ شخص اس کا زیادہ حق دار ہوگا، کیونکہ ظاہر حال اس کے حق میں شاہد ہے اس لیے کہ علامت اس کی بات سے ہم آہنگ ہے، اور اگر ان میں سے کسی نے علامت نہیں بیان کی تو وہ لقیط ان دونوں کا لڑکا ہوگا کیونکہ سبب (دعوی) میں دونوں برابر ہیں۔ اور اگر ان میں سے کسی کا دعویٰ مقدم ہو تو وہ اسی کا بیٹا ہوگا اس لیے کہ اس کا حق ایسے زمانے میں ثابت ہوا ہے جس میں اس کا کوئی منازع نہیں ہے الا یہ کہ دوسرا شخص بینہ پیش کردے، اس لیے کہ بینہ زیادہ قوی ہوتا ہے۔

اللغات:

﴿التقط﴾ گرا ہوا پایا۔ ﴿سبق﴾ پہلے ہونا۔ ﴿لم یدّع﴾ دعویٰ نہیں کیا۔ ﴿یتشرّف﴾ معزز ہوگا۔ ﴿یُعَیّر﴾ شرم دلایا جائے گا۔ ﴿جسد﴾ جسم۔ ﴿اقام﴾ قائم کردے۔

لقیط کا زیادہ حقدار کون ہوگا:

عبارت کا مطلب ترجمہ سے واضح ہے البتہ ہر ہر جزء کو منطبق کرنے کی ضرورت ہے مثلاً ملتقط ہی لقیط کا زیادہ حق دار ہوگا، لیکن اگر کوئی شخص اس بچے سے اپنے نسب کا دعویٰ کرے اور ملتقط خاموش رہے یعنی وہ دعوی نہ کرے تو استحساناً مدعی کا دعویٰ معتبر ہوگا، کیونکہ

ثبوت نسب سے اسے شرف وعزت حاصل ہوگی اور معدوم النسب ہونے کی صورت میں عار اور ذلت ہوگی۔ باقی بات واضح ہے۔

اگر دو لوگوں نے لقیط کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ وہ میرا بیٹا ہے اور ان میں سے ایک نے اس کے بدن میں یہ علامت بتادی کہ دائیں طرف تل ہے اور یہ علامت صحیح ٹھہری تو علامت بتانے والے کا دعویٰ معتبر ہوگا، کیونکہ یہ علامت درحقیقت شہادت کی طرح ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ أن من ساعده الظاهر فالقول قوله یعنی ظاہر حال جس کے موافق ہوتا ہے اسی کی بات معتبر ہوتی ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی نے علامت نہ بتائی ہو تو دونوں اس لقیط کے حق دار ہوں گے لیکن اگر کسی کا دعویٰ پہلے ہو تو اسے ترجیح حاصل ہوگی، اسی طرح اگر دوسرے نے بعد میں دعویٰ کیا، لیکن ساتھ میں بینہ بھی پیش کر دیا تو اب بینہ کی وجہ سے وہ بازی جیت جائے گا اور اس کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا، کیونکہ بینہ کے آگے کسی کی ایک نہیں چلتی۔

وَإِذَا وُجِدَ فِيْ مِصْرٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِيْنَ أَوْ فِيْ قَرْيَةٍ مِنْ قُرَاهِمْ فَادَّعٰى ذِمِّيٌّ أَنَّهُ ابْنُهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَكَانَ مُسْلِمًا، وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ لِأَنَّ دَعْوَاهُ تَضَمَّنُ النَّسَبَ وَهُوَ نَافِعٌ لِلصَّغِيْرِ، وَإِبْطَالُ الْإِسْلَامِ الثَّابِتِ بِالدَّارِ وَهُوَ يَضُرُّهُ فَصَحَّتْ دَعْوَتُهُ فِيْمَا يَنْفَعُهُ دُوْنَ مَا يَضُرُّهُ، وَإِنْ وُجِدَ فِيْ قَرْيَةٍ مِنْ قُرٰى أَهْلِ الذِّمَّةِ أَوْفِيْ بَيْعَةٍ أَوْ كَنِيْسَةٍ كَانَ ذِمِّيًّا، وَهٰذَا الْجَوَابُ فِيْمَا إِذَا كَانَ الْوَاجِدُ ذِمِّيًّا رِوَايَةً وَاحِدَةً، وَإِنْ كَانَ الْوَاجِدُ مُسْلِمًا فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ أَوْذِمِّيًّا فِيْ مَكَانِ الْمُسْلِمِيْنَ اخْتَلَفَ الرِّوَايَةُ فَفِيْ رِوَايَةِ كِتَابِ اللَّقِيْطِ أُعْتُبِرَ الْمَكَانُ لِسَبْقِهٖ وَفِيْ كِتَابِ الدَّعْوٰى فِيْ بَعْضِ النُّسَخِ أُعْتُبِرَ الْوَاجِدُ وَهُوَ رِوَايَةُ ابْنِ سَمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ لِقُوَّةِ الْيَدِ، أَلَا تَرٰى أَنَّ تَبَعِيَّةَ الْأَبَوَيْنِ فَوْقَ تَبَعِيَّةِ الدَّارِ حَتّٰى إِذَا سُبِيَ مَعَ الصَّغِيْرِ أَحَدُهُمَا يُعْتَبَرُ كَافِرًا وَفِيْ بَعْضِ نُسَخِهٖ أُعْتُبِرَ الْإِسْلَامُ نَظَرًا لِلصَّغِيْرِ.

ترجمہ: اگر مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں یا دیہاتوں میں سے کسی دیہات میں کوئی لقیط پایا گیا اور ایک ذمی نے دعویٰ کیا یہ اس کا بیٹا ہے تو اس ذمی سے مذکورہ لقیط کا نسب ثابت ہو جائے گا اور وہ مسلمان ہوگا۔ یہ استحسان ہے۔ کیونکہ ذمی کا دعویٰ ثبوت نسب کو متضمن ہے اور یہ چیز اس بچہ کے لیے مفید ہے نیز یہ دعویٰ دار الاسلام کی وجہ سے ثابت ہونے والے لقیط کے اسلام کو باطل کرنے پر مشتمل ہے حالانکہ اسلام کا ابطال اس کے لیے نقصان دہ ہے، لہٰذا جو چیز بچے کے لیے نفع بخش ہے اس میں اس کا دعویٰ صحیح ہوگا اور جو چیز اس کے لیے مضر ہے اس میں صحیح نہیں ہوگا۔

اور اگر ذمیوں کے گاؤں میں سے کسی گاؤں میں یا بیعہ یا کنیسہ میں لقیط پایا جائے تو وہ ذمی ہوگا یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب پانے والا ذمی ہو۔ اور اگر ذمیوں کے علاقے میں کسی مسلمان نے اسے پایا یا مسلمانوں کے علاقوں میں کسی ذمی نے اسے پایا تو اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں، چنانچہ کتاب اللقیط کی روایت میں مکان کا اعتبار ہے کیونکہ مکان مقدم ہے اور مبسوط کے بعض نسخوں میں کتاب الدعویٰ کی روایت یہ ہے کہ پانے والے کا اعتبار ہوگا یہی امام محمد رالٹیلیہ سے محمد بن سماعہ کی روایت ہے، اس لیے کہ

قبضہ قوی ہوتا ہے کیا دکھتا نہیں کہ والدین کی تبعیت دار کی تبعیت سے فائق ہوتی ہے حتی کہ اگر بچے کے ساتھ والدین میں سے کوئی قید کیا گیا تو وہ بچہ کافر ہی شمار ہوتا ہے اور مبسوط والی کتاب الدعویٰ کے بعض نسخوں میں یہ ہے کہ بچہ پر شفقت کے پیش نظر اسلام کا اعتبار کیا گیا ہے۔

اللغاتُ:

﴿مصر﴾ شہر۔ ﴿قریة﴾ بستی۔ ﴿تضمن﴾ ضمناً شامل ہوتا ہے۔ ﴿یضرّہ﴾ اس کو نقصان دے گا۔ ﴿بیعة﴾ عیسائیوں کی عبادت گاہ۔ ﴿کنیسة﴾ یہودیوں کی عبادت گاہ، سینی گاگ۔ ﴿سبق﴾ پہلے ہونا۔ ﴿سبی﴾ قیدی کرلیا گیا۔

ذمی کا لقیط کے بارے میں دعوائے نسب:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلم شہر یا مسلم بستی اور دیہات میں کوئی لقیط ملا اور کسی ذمی نے یہ دعویٰ کردیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو استحساناً اس ذمی سے وہ لقیط ثابت النسب تو ہوگا لیکن ذمی نہیں ہوگا، بلکہ مسلمان ہوگا، اس لیے کہ اس ذمی کا دعویٰ دو چیزوں پر مشتمل ہے (۱) ثبوت نسب پر (۲) دار الاسلام میں اس کے پائے جانے کی وجہ سے اس بچے کے مسلمان ہونے کو باطل کرنے پر اور ان میں سے پہلی چیز یعنی نسب کا ثبوت اس لقیط کے حق میں مفید ہے لہٰذا اس سلسلے میں ذمی کا دعویٰ معتبر ہوگا اور دوسری چیز یعنی ابطال اسلام کے متعلق اس کا دعویٰ مقبول نہیں ہوگا اور وہ بچہ مسلمان رہے گا، کیونکہ ابطالِ اسلام کے حوالے سے دعوی کو معتبر ماننے میں بچے کا ضرر ہے۔

اس کے برخلاف اگر ذمیوں کے کسی گاؤں میں یا بیعہ یا کنیسہ میں کوئی لقیط ملا تو وہ ذمی ہوگا اسی طرح اگر اسے کوئی ذمی پائے تو بھی وہ ذمی ہوگا، اور اگر کسی مسلمان نے ذمیوں کے علاقے میں یا بیعہ اور کنیسہ میں کوئی لقیط پایا، یا کسی ذمی نے مسلمانوں کے علاقے میں کوئی لقیط پایا تو اس کے متعلق روایات مختلف ہیں چنانچہ مبسوط کی کتاب اللقیط میں ہے کہ جس جگہ پایا گیا ہو اس کا اعتبار ہوگا یعنی اگر ذمیوں کے علاقے میں ملا تو ذمی ہے خواہ واجد مسلم ہو اور اگر مسلم علاقے میں ملا تو وہ مسلم ہوگا اگر چہ واجد ذمی ہو۔ اور مبسوط کے کتاب الدعویٰ کے بعض نسخوں میں ہے کہ پانے والے کا اعتبار ہے چنانچہ اگر پانے والا مسلم ہے تو لقیط مسلم ہوگا اور اگر واجد ذمی ہو تو لقیط ذمی ہوگا یہی امام محمد سے محمد بن ساعد کی روایت ہے اور اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ پانے والا اس پر قابض ہوتا ہے اور اثباتِ احکام میں قبضہ کا عمل دخل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی بچہ اپنے والدین کے پاس ہو تو وہ انھی کے دین کا پیروکار مانا جائے گا خواہ دار الاسلام میں ہو یا دار الکفر میں اور اگر بچہ کے والدین میں سے اسی کے ساتھ کوئی قید ہوا ہو تو اس کے تابع ہوکر وہ بچہ بھی کافر ہی ہوگا بہر حال یہ بات ثابت ہوگئی کہ قبضے کا اعتبار ہوتا ہے۔

اور کتاب الدعویٰ کے بعض نسخوں میں ہے کہ ہر حال میں بچے کو مسلمان قرار دیا جائے گا خواہ وہ کہیں بھی پایا جائے اور کوئی بھی اسے پائے، کیونکہ اس کو مسلمان قرار دینے میں اس کے حق میں شفقت ہے اور ذمی بنانے میں مضرت ہے اور بچے کے حق میں صرف اور صرف مشفقانہ امور معتبر ہوتے ہیں، لہٰذا ہر حال میں اسے مسلمان ہی مانا جائے گا۔

وَمَنِ ادَّعٰی أَنَّ اللَّقِيْطَ عَبْدُهُ لَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ، لِأَنَّهُ حُرٌّ ظَاهِرًا إِلَّا أَنْ يُقِيْمَ الْبَيِّنَةَ أَنَّهُ عَبْدُهُ، فَإِنِ ادَّعٰی عَبْدٌ أَنَّهُ ابْنُهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ لِأَنَّهُ يَنْفَعُهُ وَكَانَ حُرًّا، لِأَنَّ الْمَمْلُوْكَ قَدْ تَلِدُ لَهُ الْحُرَّةُ فَلَا تَبْطُلُ الْحُرِّيَّةُ الظَّاهِرَةُ بِالشَّكِّ،

وَالْحُرُّ فِيْ دَعْوَتِهِ اللَّقِيْطَ أَوْلٰى مِنَ الْعَبْدِ، وَالْمُسْلِمُ أَوْلٰى مِنَ الذِّمِّيِّ تَرْجِيْحًا لِمَا هُوَ الْأَنْظَرُ فِيْ حَقِّهِ، وَإِنْ وُجِدَ مَعَ اللَّقِيْطِ مَالٌ مَشْدُوْدٌ عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُ اعْتِبَارًا لِلظَّاهِرِ وَكَذَا إِذَا كَانَ مَشْدُوْدًا عَلٰى دَابَّةٍ وَهُوَ عَلَيْهَا لِمَا ذَكَرْنَا ثُمَّ يَصْرِفُهُ الْوَاجِدُ إِلَيْهِ بِأَمْرِ الْقَاضِيْ، لِأَنَّهُ مَالٌ ضَائِعٌ، وَلِلْقَاضِيْ وِلَايَةُ صَرْفِ مِثْلِهِ إِلَيْهِ، وَقِيْلَ يَصْرِفُهُ بِغَيْرِ أَمْرِ الْقَاضِيْ لِأَنَّهُ لِلَّقِيْطِ ظَاهِرًا، وَلَهُ وِلَايَةُ الْإِنْفَاقِ وَشِرَاءُ مَا لَابُدَّ مِنْهُ كَالطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ، لِأَنَّهُ مِنَ الْإِنْفَاقِ لَهُ، وَلَايَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْمُلْتَقِطِ لِانْعِدَامِ سَبَبِ الْوِلَايَةِ مِنَ الْقَرَابَةِ وَالْمِلْكِ وَالسَّلْطَنَةِ.

ترجمہ: اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ لقیط اس کا غلام ہے تو اس کا دعویٰ مقبول نہیں ہوگا، کیونکہ ظاہر حال کے اعتبار سے وہ آزاد ہے الّا یہ کہ اس بات پر (مدعی) بینہ قائم کردے کہ لقیط اس کا غلام ہے۔ پھر اگر کسی غلام نے یہ دعویٰ کیا کہ لقیط اس کا بیٹا ہے تو اس غلام سے لقیط کا نسب ثابت ہوجائے گا، کیونکہ نسب کا ثبوت لقیط کے لیے نفع بخش ہے، اور وہ آزاد ہوگا اس لیے کہ آزاد عورت غلام کے لیے بھی بچہ پیدا کرتی ہے لہٰذا شک کی وجہ سے ظاہری حریت باطل نہیں ہوگی۔ اور لقیط کا دعویٰ کرنے میں غلام کی بہ نسبت آزاد اس کا زیادہ مستحق ہوگا اور مسلمان ذمی سے زیادہ اولیٰ ہوگا اس چیز کو ترجیح دیتے ہوئے جو بچے کے حق میں زیادہ باعث شفقت ہے، اور اگر لقیط کے ساتھ اس پر کچھ مال بندھا ہو تو ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے وہ مال بھی اسی کا ہوگا اسی طرح اگر مال کسی سواری پر ہو اور لقیط اس سواری پر ہو تو بھی وہ مال لقیط کا ہوگا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔ پھر پانے والا قاضی کے حکم سے وہ مال لقیط پر صرف کرے گا، اس لیے کہ یہ ضائع ہونے والا مال ہے اور قاضی کو لقیط پر اس جیسا مال صرف کرنے کی اجازت ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ واجد قاضی کے حکم کے بغیر وہ مال لقیط پر صرف کرسکتا ہے کیونکہ بہ ظاہر یہ لقیط ہی کا مال ہے۔

پانے والے کو لقیط پر خرچ کرنے اور اس کی ضروریات زندگی کی چیزیں خریدنے کا حق ہے جیسے کھانا اور کپڑا، کیونکہ یہ اس کے اخراجات میں سے ہیں۔ اور ملتقط کے لیے لقیط کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ سبب ولایت یعنی قرابت، ملکیت اور حاکمیت (ملتقط کے حق میں) معدوم ہے۔

اللغاتُ:

﴿حرّ﴾ آزاد۔ ﴿تلد﴾ بچہ جنتی ہے۔ ﴿انظر﴾ زیادہ مصلحت والا۔ ﴿مشدود﴾ بندھا ہوا۔ ﴿دابّۃ﴾ سواری۔ ﴿صرف﴾ خرچ کرنا۔ ﴿کسوۃ﴾ کپڑے، لباس ملبوسات۔ ﴿انفاق﴾ خرچ کرنا۔

لقیط کے بارے میں اپنا غلام ہونے کا دعویٰ کرنا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ لقیط میرا غلام ہے تو محض دعوے سے لقیط اس کا غلام نہیں ہوگا، کیونکہ لقیط حرالاصل ہے کیونکہ وہ بھی بنوآدم میں داخل ہے اور تمام بنوآدم میں حریت اصل ہے ہاں اگر مدعی اپنے دعوے پر بینہ پیش کردے تو اس کا دعویٰ معتبر ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی غلام یہ دعوی کردے کہ یہ لقیط میرا بیٹا ہے تو اس غلام سے لقیط کا نسب ثابت ہوجائے گا، کیونکہ ثبوت نسب سے لقیط کا نفع وابستہ ہے اس لیے لقیط اس سے ثابت النسب ہوگا لیکن آزاد ہوگا اس لیے کہ آزاد عورت غلام کی بیوی بن کر

اس کے لیے بچہ جن سکتی ہے اور حریت میں بچہ آزاد ہی کے تابع ہوتا ہے لہٰذا اس کی ظاہری حریت جو اسے حاصل ہے وہ اس شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوگی کہ ہوسکتا ہے اس کی ماں بھی مملوک ہو۔

والحر في دعوته الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر آزاد بھی لقیط کے نسب کا دعوی کرے اور غلام بھی کرے یا مسلمان اور ذمی دونوں کریں تو آزاد اور مسلمان غلام اور ذمی سے احق اور اولیٰ ہوں گے، کیونکہ حریت اور اسلام لقیط کے حق میں عبدیت اور ذمیت سے بہتر اور انفع ہیں اور ان میں اس کے لیے شفقت زیادہ ہے۔

وإن وجد مع اللقيط الخ فرماتے ہیں کہ اگر لقیط کے ساتھ اس کے بدن وغیرہ سے لگا کر بندھا ہوا مال موجود ہو یا کسی سواری پر مال ہو اور لقیط اس پر بیٹھا ہو تو وہ مال اسی کا ہوگا، کیونکہ جب وہ مال اس کے ساتھ ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر لقیط ہی کا قبضہ ہے اور قبضہ ملکیت کی دلیل ہے اس لیے لقیط اس کا مالک ہوگا پھر جو شخص لقیط کو پائے گا وہ قاضی کے حکم اور اس کی اجازت سے مذکورہ مال اس کی ضروریات میں صرف کرے گا، کیونکہ لقیط ہی کی طرح یہ مال بھی ضیاع اور ہلاکت کے قریب ہے اور جان سے مال پر خطرہ ہوتا ہے اور قاضی کو چوں کہ اس طرح کے لوگوں پر اس طرح کے اموال صرف کی ولایت حاصل ہے لہٰذا وہ واجد کو صرف کرنے کا حکم دے کر اس مال کو ضیاع سے بچالے گا۔

بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ قاضی کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر بھی واجد وہ مال لقیط پر صرف اور خرچ کر سکتا ہے، کیونکہ وہ لقیط ہی کا مال ہے اور اپنی ضروریات میں صرف کے لیے لقیط کو اس کی حاجت بھی ہے، لیکن چوں کہ وہ خود صرف کرنے اور اپنی ضروریات کی چیزیں مثلاً کھانا اور کپڑا وغیرہ خریدنے پر قادر نہیں ہے لہٰذا اس کی طرف سے ملتقط یہ امور انجام دے گا البتہ ملتقط کے لیے لقیط کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نکاح کے لیے ولایت ضروری ہے اور ولایت کا مدار قرابت، ملکیت اور حاکمیت پر ہے حالانکہ ملتقط کے حکم میں یہ چیزیں معدوم ہیں، اس لیے ملتقط کو ولایت تزویج حاصل نہیں ہوگی اور اس کے لیے لقیط کا نکاح کرنا درست نہیں ہوگا۔

وَلَاتَصَرُّفُهُ فِيْ مَالِ الْمُلْتَقِطِ اعْتِبَارًا بِالْأُمِّ، وَهٰذَا لِأَنَّ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ لِتَثْمِيْرِ الْمَالِ وَذٰلِكَ يَتَحَقَّقُ بِالرَّأْيِ الْكَامِلِ وَالشَّفْقَةِ الْوَافِرَةِ، وَالْمَوْجُوْدُ فِيْ كُلٍّ مِنْهُمَا أَحَدُهُمَا، قَالَ وَيَجُوْزُ أَنْ يَقْبِضَ لَهُ الْهِبَةَ لِأَنَّهُ نَفْعٌ مَحْضٌ وَلِهٰذَا يَمْلِكُهُ الصَّغِيْرُ بِنَفْسِهِ وَتَمْلِكُهُ الْأُمُّ وَوَصِيُّهَا، قَالَ وَيُسْلِمُهُ فِيْ صَنَاعَةٍ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ تَثْقِيْفِهِ وَحِفْظُ حَالِهِ، قَالَ وَيُوَاجِرُهُ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ هٰذِهِ رِوَايَةُ الْقُدُوْرِيِّ فِيْ مُخْتَصَرِهِ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ لَايَجُوْزُ أَنْ يُوَاجِرَهُ، ذَكَرَهُ فِي الْكَرَاهِيَةِ وَهُوَ الْأَصَحُّ، وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ يَرْجِعُ إِلٰى تَثْقِيْفِهِ، وَوَجْهُ الثَّانِيْ أَنَّهُ لَايَمْلِكُ إِتْلَافَ مَنَافِعِهِ فَأَشْبَهَ الْعَمَّ، بِخِلَافِ الْأُمِّ لِأَنَّهَا تَمْلِكُهُ عَلٰى مَا نَذْكُرُهُ فِي الْكَرَاهِيَةِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور واجد کے لیے اٹھائے ہوئے بچے کے مال میں (تجارتی) تصرف کرنا جائز نہیں ہے اس کی ماں پر قیاس کرتے ہوئے، یہ اس وجہ سے کہ تصرف کی ولایت مال بڑھانے کے لیے ہوتی ہے اور تثمیر رائے کامل اور شفقت تامہ سے متحقق ہوتی ہے جب کہ واجد

اور ام دونوں میں سے ہر ایک کو ایک ہی ایک چیز حاصل ہے۔

اور واجد کا لقیط کے لیے ہبہ پر قبضہ کرنا جائز ہے کیونکہ ہبہ صرف نفع ہے اسی لیے اگر صغیر عاقل ہو تو وہ بذات خود ہبہ پر قبضہ کرنے کا مالک ہے اور اس کی ماں اور ماں کا وصی بھی اس کے مالک ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ملتقط کے لیے لقیط کو کوئی ہنر سیکھنے میں لگانا جائز ہے، کیونکہ یہ اس کو بہتر بنانے اور اس کی حالت کی حفاظت کرنے سے متعلق ہے۔ اور ملتقط اسے اجرت بھی دے سکتا ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ مختصر القدوری میں امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے اور جامع صغیر میں ہے کہ ملتقط کے لیے لقیط کو اجرت پر دینا جائز نہیں ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کتاب الکراهیة میں بیان کیا ہے اور یہی اصح بھی ہے۔ پہلے کی دلیل یہ ہے کہ اجرت پر دینے سے بھی اس کے حق میں بہتر ہی ہے۔ جامع صغیر کی دلیل یہ ہے کہ ملتقط اس کے منافع ضائع کرنے کا مالک نہیں ہے اور اس حوالے سے وہ صغیر کے چچا کے مشابہ ہے۔ برخلاف ماں کے، کیونکہ ماں اس چیز کی مالک ہوتی ہے جیسا کہ کتاب الکراهیة میں ان شاء اللہ ہم اسے بیان کریں گے۔

اللغاتُ:

﴿تثمیر﴾ اضافہ کرنا، بڑھانا۔ ﴿وافرة﴾ بھرپور، پوری۔ ﴿تثقیف﴾ بہتر بنانا۔ ﴿یسلمهٗ﴾ اسے سپرد کر دے، لگا دے۔ ﴿صناعة﴾ کاری گری۔ ﴿یو اجرهٗ﴾ اس کو اجرت پر دینا۔ ﴿إتلاف﴾ ہلاک کرنا۔ ﴿عمّ﴾ چچا۔

لقیط کے تصرفات مالیہ کا اختیار:

عبارت میں کل چار مسئلے مذکور ہیں (۱) واجد اور ملتقط لقیط کے مال میں تجارتی تصرفات نہیں کر سکتا جیسا کہ لقیط کی ماں نہیں کر سکتی، کیونکہ یہ تصرف مال میں اضافہ کرنے کی نیت سے ہوتا ہے اور مال کامل رائے اور مکمل شفقت سے بڑھتا ہے حالانکہ ملتقط اور ماں دونوں میں سے ہر ایک میں صرف ایک ہی چیز موجود ہے چنانچہ ملتقط کی رائے کامل ہے تو شفقت ناقص ہے اور ماں کی شفقت تام ہے تو رائے ناقص ہے جب کہ تجارتی تصرفات کے لیے کامل الرائے اور تام الشفقت ہونا ضروری ہے اور وہ ان میں معدوم ہے اس لیے انھیں اس تصرف کا اختیار نہیں ہوگا۔

(۲) ملتقط کے لیے لقیط کے نام سے ملنے والے ہدایا اور تحائف قبول کرنا اور ان پر قبضہ کرنا جائز ہے، کیونکہ اس میں اس کا نفع ہی نفع ہے اور ملتقط کو لقیط کے متعلق ہر نفع بخش کام کرنے کا اختیار اور جواز حاصل ہے، اسی لیے تو اگر بچہ باشعور ہو تو وہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نفع بخش چیز لینے کا مالک ہے اور اس کی ماں اور اس کی ماں کے وصی کو بھی یہ اختیار ہے لہٰذا ملتقط کو بھی یہ اختیار ملے گا۔ (۳) ملتقط کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ بچے کو ہنر اور کام دھندا سیکھنے میں لگا دے، کیونکہ اس میں بھی اس کے حق میں بھلائی ہے اور اس کا تابناک مستقبل پوشیدہ ہے۔

(۴) امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کے ملتقط لقیط کو اجرت اور مزدوری پر لگا سکتا ہے لیکن جامع صغیر کی کتاب الکراہیت کی صراحت کے مطابق ملتقط کے لیے یہ جائز نہیں ہے، امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہی ہے جو ہنر سکھانے کے متعلق اس کی بھلائی اور بہتری کے حوالے سے مذکور ہے۔ اور جامع صغیر والے قول کی دلیل یہ ہے کہ لقیط سے محنت اور مزدوری کرانے سے اس کی صلاحیت اور قوت ختم

ہو جائے گی اور ملتقط کو اس کی صلاحیت اور اس کے منافع ختم کرنے کا حق نہیں ہے، لہذا اسے لقیط سے محنت اور مزدوی کرانے کا بھی حق نہیں ہوگا جیسا کہ ایک چچا کو اپنے بھتیجے سے محنت ومزدوری کرانے کا حق نہیں ہے اسی طرح ملتقط کو بھی یہ حق نہیں ہے، اس کے برخلاف ماں کو اپنے چھوٹے بچے سے محنت مزدوری کرانے اور اسے اجرت پر لگانے کا حق ہے اور جامع صغیر والا قول ہی اصح ہے۔ اور قول قدوری اور ان کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مزدوری اور اجارہ کو صناعت اور کاری گری پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ واللّٰہ أعلم وعلمه أتم.

كِتَابُ اللُّقَطَةِ

یہ کتاب احکام لقطہ کے بیان میں ہے

اس سے پہلے لقیط کے احکام بیان کئے گئے ہیں اور اب لقطہ کے احکام بیان کئے جارہے ہیں چوں کہ لقیط کا تعلق انسان سے ہے، لہٰذا اس کی کرامت کے پیش نظر اسے لقطہ المتعلقۃ بالمال سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔
واضح رہے کہ لقطہ بروزن لقمہ اس مال کو کہتے ہیں جو راستے میں پڑا ہو اور کوئی شخص بہ نیت حفاظت اسے اٹھالے۔ (بنایہ:۶/۷۶۵)

قَالَ اللُّقَطَةُ أَمَانَةٌ إِذَا أَشْهَدَ الْمُلْتَقِطُ أَنَّهُ يَأْخُذُهَا لِيَحْفَظَهَا يَرُدُّهَا عَلَى صَاحِبِهَا لِأَنَّ الْأَخْذَ عَلَى هٰذَا الْوَجْهِ مَاذُوْنٌ فِيْهِ شَرْعًا بَلْ هُوَ الْأَفْضَلُ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ، وَهُوَ الْوَاجِبُ إِذَا خَافَ الضِّيَاعَ عَلٰى مَا قَالُوْا، وَإِذَا كَانَ كَذٰلِكَ لَاتَكُوْنُ مَضْمُوْنَةً عَلَيْهِ وَكَذَا إِذَا تَصَادَقَا أَنَّهُ أَخَذَهَا لِلْمَالِكِ، لِأَنَّ تَصَادُقَهُمَا حُجَّةٌ فِيْ حَقِّهِمَا فَصَارَ كَالْبَيِّنَةِ، وَلَوْ أَقَرَّ أَنَّهُ أَخَذَهُ لِنَفْسِهِ يَضْمَنُ بِالْإِجْمَاعِ، لِأَنَّهُ أَخَذَ مَالَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ وَبِغَيْرِ إِذْنِ الشَّرْعِ، وَإِنْ لَمْ يَشْهَدِ الشُّهُوْدُ عَلَيْهِ وَقَالَ الْآخِذُ أَخَذْتُهُ لِلْمَالِكِ وَكَذَّبَهُ الْمَالِكُ يَضْمَنُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ لَايَضْمَنُ، وَالْقَوْلُ قَوْلُهُ لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ لِاخْتِيَارِهِ الْحِسْبَةَ دُوْنَ الْمَعْصِيَةِ، وَلَهُمَا أَنَّهُ أَقَرَّ بِسَبَبِ الضَّمَانِ وَهُوَ أَخْذُ مَالِ الْغَيْرِ وَادَّعٰى مَايُبْرِئُهُ وَهُوَ الْأَخْذُ لِمَالِكِهِ وَفِيْهِ وَقَعَ الشَّكُّ فَلَايَبْرَأُ، وَمَا ذُكِرَ مِنَ الظَّاهِرِ يُعَارِضُهُ مِثْلُهُ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنْ يَكُوْنَ الْمُتَصَرِّفُ عَامِلًا لِنَفْسِهِ وَيَكْفِيْهِ فِي الْإِشْهَادِ أَنْ يَقُوْلَ مَنْ سَمِعْتُمُوْهُ يَنْشُدُ لُقَطَةً فَدُلُّوْهُ عَلَيَّ وَاحِدَةً كَانَتِ اللُّقَطَةُ أَوْ أَكْثَرَ لِأَنَّهُ اسْمُ جِنْسٍ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ لقطہ ملتقط کے پاس امانت ہوتا ہے بشرطیکہ ملتقط اس بات پر گواہ بنالے کہ وہ اس کی حفاظت کرنے اور

اسے اس کے مالک کو واپس کرنے کی غرض سے اٹھا رہا ہے، کیونکہ اس نیت سے لینا شرعاً ماذون ہے، بلکہ اکثر علماء کے یہاں یہ افضل ہے اور اگر اس مال کے ہلاک ہونے کا خوف ہو تو اسے اٹھانا واجب ہے جیسا کہ مشائخ نے فرمایا ہے اور جب یہ صورت حال ہے تو لقطہ ملتقط پر مضمون ہوگا ایسے ہی اگر مالک اور ملتقط نے اس بات پر اتفاق کرلیا ہو کہ اس نے مالک کے لیے وہ لقطہ اٹھایا تھا، کیونکہ ان کا اتفاق کرلینا ان کے حق میں حجت ہے تو یہ بینہ کی طرح ہوگیا۔

اور اگر ملتقط نے یہ اقرار کیا کہ اس نے اپنے لیے وہ لقطہ اٹھایا تھا تو بالاتفاق وہ ضامن ہوگا، کیونکہ اس نے دوسرے کا مال اس کی اور شریعت کی اجازت کے بغیر لیا ہے۔ اور اگر ملتقط نے بوقت اخذ اس پر گواہ نہیں بنایا تھا اور پھر کہتا ہے کہ میں نے مالک کے لیے اسے لیا تھا اور مالک نے اس کی تکذیب کردی تو حضرات طرفینؒ کے یہاں وہ ضامن ہوگا امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضامن نہیں ہوگا۔ اور ملتقط ہی کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ ظاہر حال اس کے حق میں شاہد ہے، اس لیے کہ اس نے نیک کام کیا ہے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ حضرات طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے خود سبب ضمان کا اقرار کرلیا اور وہ دوسرے کا مال لینا ہے اور اس نے ایسا دعویٰ بھی کردیا جو اسے ضمان سے بری کردے یعنی صاحب مال کے لیے مال لینا اس لیے اس کی بات میں شک ہوگیا لہٰذا وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جو ظاہر حال ذکر کیا ہے اسی کے مثل ظاہر اس کے معارض ہے، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ انسان اپنی ذات ہی کے لیے کام کرتا ہے۔

اور ملتقط کے اشہاد کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ یوں کہے تم لوگ جسے اپنا لقطہ (تلاش کرنے کے لیے) اعلان کرتے ہوئے سنو اسے میرا نام بتادینا، خواہ لقطہ ایک ہو یا زیادہ، کیونکہ وہ اسم جنس ہے۔

اللغات:

﴿أشهد﴾ گواہ بنالے۔ ﴿یردها﴾ اس کو واپس کردے گا۔ ﴿ماذون﴾ اجازت دی گئی ہے۔ ﴿تصادقا﴾ دونوں نے تصدیق کی۔ ﴿حسبة﴾ نیکی کا کام۔ ﴿ما یبرئه﴾ جو اس کو بری کردے گا۔ ﴿ینشد﴾ اعلان کرتا ہو۔ ﴿دلوهٗ﴾ میری طرف بھیجو۔

لقطہ کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ لقطہ اٹھانے والے کے ہاتھ میں امانت ہوتا ہے لیکن اس صورت میں امانت ہوگا جب ملتقط اٹھاتے وقت اس بات پر گواہ بنالے کہ میں بہ نیت حفاظت اسے اٹھا رہا ہوں اور اسے اس کے مالک کے حوالے کردوں گا، اس طرح اس نیت سے اٹھانا شریعت میں ممدوح اور مستحسن ہے حدیث شریف میں ہے من أصاب لقطة فلیشهد ذوي عدل یعنی جو شخص کوئی لقطہ پائے اس پر دو عادل لوگوں کو گواہ بنادے، اسی لیے اکثر علماء کے یہاں لقطہ کو اٹھانا افضل ہے اور لقیط ہی کی طرح خوف ہلاکت کی صورت میں اسے اٹھانا واجب ہے، اور حفاظت اور واپس کرنے کی نیت سے اٹھانے والا بصورت ہلاکت اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

اگر مالک اور ملتقط نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ ملتقط نے مالک کو دینے ہی کے لیے اسے اٹھایا تھا تو اس صورت میں بھی ملتقط ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ مالک اور ملتقط کی چیز اس کے حق میں حجت ہے اور جس طرح اگر ملتقط بوقت اخذ مالک کو واپس کرنے

پر بینہ قائم کردے تو وہ لقطہ اس پر مضمون نہیں ہوتا اسی طرح اتفاق کر لینے کی صورت میں بھی لقطہ اس پر مضمون نہیں ہوگا، ہاں اگر ملتقط یہ اقرار کرلے کہ میں نے اپنے لیے اس لقطہ کو اٹھایا تھا تو بالاتفاق وہ اس کا ضامن ہوگا، کیونکہ اس نے دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر لیا ہے اور شریعت کی اجازت بھی معدوم ہے اور دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کا مال لینا حرام ہے اس لیے ملتقط اس مال کا ضامن ہوگا۔

وإن لم يشهد الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر لیتے وقت ملتقط نے اس بات پر گواہ نہ بنایا کہ میں اسے مالک کے لیے لے رہا ہوں اور بعد میں کہتا ہے کہ میں نے اسے مالک کے لیے لیا ہے اور مالک کہنے لگا کہ نہیں ملتقط اپنے لیے لیا ہے تو حضرات طرفینؒ کے یہاں ملتقط ضامن ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ضامن نہیں ہوگا بلکہ ملتقط ہی کا قول معتبر ہوگا، کیونکہ ملتقط نے مالک کے لیے اٹھا کر ثواب کا کام کیا ہے، گناہ نہیں کیا ہے، اس لیے ظاہر حال اس کے حق میں شاہد ہے، لہٰذا اسی کی بات معتبر ہوگی۔

حضرات طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں ملتقط نے دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کا مال لے کر خود ہی سبب ضمان کا اقرار کرلیا ہے اور پھر مالک کے لیے لینے کی بات کہہ کر وہ اپنے آپ کو اس ضمان سے بری کررہا ہے اس لیے اس کی بات میں شک ہے لہٰذا شک کی وجہ سے وہ بری نہیں ہوگا، بلکہ اس کا دوسرے کے مال کو لینا اس بات کی دلیل ہوگی کہ اس نے اپنے لیے ہی لیا ہے، کیونکہ عموماً انسان اپنے لیے ہی کام کرتا ہے نہ کہ دوسرے کے لیے۔

ويكفيه في الإشهاد الخ فرماتے ہیں کہ ملتقط کے لیے اشہاد کی صورت یہ ہے کہ یوں کہے جس شخص کو آپ لوگ اپنی گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے دیکھیں یا سنیں اسے میرا نام اور پتہ بتادو'' بس اتنا کہنا اشہاد کے لیے کافی ہے خواہ لقطہ ایک ہو یا کئی لقطے ہوں۔

قَالَ فَإِنْ كَانَتْ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ عَرَّفَهَا أَيَّامًا وَإِنْ كَانَتْ عَشَرَةً فَصَاعِدًا عَرَّفَهَا حَوْلًا، قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ وَهٰذِهِ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَقَوْلُهُ أَيَّامًا مَعْنَاهُ عَلٰى حَسْبِ مَايَرَى الْإِمَامُ، وَقَدَّرَهُ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الْأَصْلِ بِالْحَوْلِ مِنْ غَيْرِ تَفْصِيْلٍ بَيْنَ الْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ عَلَيْهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنِ الْتَقَطَ شَيْئًا فَلْيُعَرِّفْهُ سَنَةً، مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ، وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ التَّقْدِيْرَ بِالْحَوْلِ وَرَدَ فِيْ لُقْطَةٍ كَانَتْ مِائَةَ دِيْنَارٍ تُسَاوِيْ أَلْفَ دِرْهَمٍ، وَالْعَشَرَةُ وَمَافَوْقَهَا فِيْ مَعْنَى الْأَلْفِ فِيْ تَعَلُّقِ الْقَطْعِ بِهِ فِي السَّرِقَةِ وَتَعَلُّقِ اسْتِحْلَالِ الْفَرْجِ بِهِ وَلَيْسَتْ فِيْ مَعْنَاهَا فِيْ حَقِّ تَعَلُّقِ الزَّكَاةِ فَأَوْجَبْنَا التَّعْرِيْفَ بِالْحَوْلِ احْتِيَاطًا، وَمَادُوْنَ الْعَشَرِ لَيْسَ فِيْ مَعْنَى الْأَلْفِ بِوَجْهٍ مَّا فَفَوَّضْنَا إِلٰى رَأْيِ الْمُبْتَلٰى بِهِ، وَقِيْلَ الصَّحِيْحُ أَنَّ شَيْئًا مِنْ هٰذِهِ الْمَقَادِيْرِ لَيْسَ بِلَازِمٍ وَيُفَوَّضُ إِلٰى رَأْيِ الْمُلْتَقِطِ يُعَرِّفُهَا إِلٰى أَنْ يَغْلِبَ عَلٰى ظَنِّهِ أَنَّ صَاحِبَهَا لَايَطْلُبُهَا بَعْدَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ بِهِ، وَإِنْ كَانَتِ اللُّقْطَةُ شَيْئًا لَايَبْقٰى عَرَّفَهُ حَتّٰى إِذَا خَافَ أَنْ يَفْسُدَ تَصَدَّقَ بِهِ، وَيَنْبَغِيْ أَنْ يُعَرِّفَهَا فِيْ

الْمَوْضِعِ الَّذِي أَصَابَهَا، وَفِي الْجَامِعِ فَإِنَّ ذٰلِكَ أَقْرَبُ إِلَى الْوُصُوْلِ إِلٰى صَاحِبِهَا وَإِنْ كَانَتْ شَيْئاً يُعْلَمُ أَنَّ صَاحِبَهَا لَايَطْلُبُهَا كَالنَّوَاةِ وَقُشُوْرِ الرُّمَّانِ يَكُوْنُ إِلْقَاؤُهُ إِبَاحَةً حَتّٰى جَازَ الْإِنْتِفَاعُ بِهٖ مِنْ غَيْرِ تَعْرِيْفٍ، وَلٰكِنَّهُ يَبْقٰى عَلٰى مِلْكِ مَالِكِهٖ، لِأَنَّ التَّمْلِيْكَ مِنَ الْمَجْهُوْلِ لَايَصِحُّ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر لقطہ دس دراہم سے کم کی مالیت کا ہو تو ملتقط چند دنوں تک اس کی تشہیر کردے اور اگر دس دراہم یا اس سے زائد (کی مالیت) کا ہو تو سال بھر تشہیر کرے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ امام اعظم رالٹیلیہ سے ایک روایت ہے اور امام قدوری رالٹیلیہ کے قول ایاماً کا مطلب یہ ہے کہ امام کی رائے کے مطابق ملتقط تشہیر کرے، اور امام محمد رالٹیلیہ نے مبسوط میں ایک سال سے اس کا اندازہ کیا ہے اور قلیل وکثیر میں کوئی فرق نہیں کیا ہے یہی امام مالک اور امام شافعی رالٹیلیہ کا بھی قول ہے، اس لیے کہ آپ صَلَّاللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کا ارشاد گرامی ہے ''جو شخص کوئی چیز اٹھائے اسے چاہئے کہ ایک سال تک اس کی تشہیر کرے'' یہ فرمان گرامی بغیر کسی تفصیل کے وارد ہے۔ قول اول کی دلیل یہ ہے کہ ایک سال کی تقدیر اس لقطہ کے متعلق وارد ہے جو سو دینار برابر ایک ہزار درہم تھا، اور عشرۃ دراہم اور اس سے زیادہ اس وجہ سے الف کے معنی میں ہیں کہ چوری کی صورت میں اس سے قطع ید متعلق ہوتا ہے اور اس سے عورت کی شرم گاہ کو حلال کیا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ عشرۃ دراہم و مافوقہا وجوب زکوۃ کے حق میں الف دراہم کے معنی میں نہیں ہیں، لہٰذا ہم نے احتیاطاً ایک سال تک شناخت کرنے کو واجب قرار دیدیا۔

اور دس سے کم کسی بھی صورت میں الف کے معنی میں نہیں ہے لہٰذا ہم نے اسے مبتلیٰ بہ کی رائے کے حوالے کر دیا، ایک قول یہ ہے کہ ان مقادیر میں سے کوئی بھی مقدار لازم اور ضروری نہیں ہے اور اسے ملتقط کی رائے کے سپرد کر دیا جائے وہ اتنے دنوں تک اس کی شناخت کرے کہ اس کا غالب گمان یہ ہو جائے کہ اس کے بعد صاحب لقطہ اسے تلاش نہیں کرے گا پھر ملتقط اسے صدقہ کر دے۔

اور اگر لقطہ پائیدار چیز نہ ہو تو ملتقط اس کی تشہیر کرتا رہے اور جب اسے یہ اندیشہ ہو کہ اب یہ چیز خراب ہو جائے گی تو اسے صدقہ کر دے۔ اور جس جگہ اسے پایا ہے اسی جگہ تشہیر کرنا مناسب ہے اسی طرح لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ بھی تشہیر کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے مالک کو لقطہ مل جانا زیادہ ممکن ہوگا۔ اور اگر لقطہ ایسی معمولی چیز ہو جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ اس کا مالک اسے تلاش نہیں کرے گا جیسے کھجور کی گٹھلی اور انار کے چھلکے تو اس کا القاء اباحت کا سبب ہوگا حتی کہ بدون تشہیر اس سے نفع اٹھانا جائز ہوگا لیکن یہ چیز اپنے مالک کی ملکیت پر قائم رہے گی، کیونکہ نامعلوم شخص کی طرف سے تملیک درست نہیں ہے۔

اللغات:

﴿عرّفها﴾ اس کی تشہیر کرے۔ ﴿حول﴾ سال۔ ﴿استحلال﴾ حلال کرنا۔ ﴿یتصدق﴾ صدقہ کر دے۔ ﴿أصابها﴾ وہ ملی ہے۔ ﴿وصول﴾ پہنچنا۔ ﴿نواۃ﴾ گٹھلی۔ ﴿قشور﴾ واحد قشرۃ؛ چھلکے۔ ﴿رمّان﴾ انار۔ ﴿إلقاء﴾ گرا دینا۔

تخریج:

❶ اخرجہ دارقطنی فی سننہ ۱۸۲/٤، رقم: ۳۵،
و بخاری فی کتاب الخصومات باب ضالۃ الابل، حدیث: ۲٤۲۷.

لقطہ کے لیے تشہیر کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر لقطہ دس دراہم سے کم کی مالیت اور قیمت کا ہو تو امام کی صواب دید کے مطابق ملتقط چند دنوں تک اس کی تشہیر اور اس کا اعلان کرتا رہے۔ اور اگر دس دراہم یا اس سے زیادہ کی مالیت کا ہو تو ملتقط ایک سال تک اس کی تشہیر کرے، یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے۔

ظاہر الروایہ یہ ہے کہ لقطہ خواہ دس درہم سے کم کا ہو یا زیادہ کا بہر صورت ملتقط ایک سال تک اس کی تشہیر کرے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مبسوط میں یہی بیان کیا ہے اور امام مالک واحمد وشافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس قول کی دلیل یہ حدیث پاک ہے من التقط شیأ فلیعرفہ سنۃ اور اس حدیث مبارک سے وجہ استدلال اس طرح سے ہے کہ اس میں لقطہ کے متعلق سال بھر تک تشہیر کرنے کا وجوبی حکم وارد ہے اور قلیل وکثیر کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی گئی ہے، لہٰذا علی الاطلاق سال بھر تک لقطہ کی تشہیر ضروری ہے خواہ وہ دس درہم سے کم کا ہو یا زیادہ کا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی روایت کی دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سال بھر تک کی تشہیر کا فرمان مروی ہے وہ اس لقطہ کے متعلق ہے جس کی مالیت سو دینا برابر ایک ہزار درہم تھی، کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال أخذت صرۃ مائۃ دینار فأتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال عرّفھا حولا الخ فرماتے ہیں کہ سو دینار سے بھری ہوئی ایک تھیلی مجھے ملی تو میں اسے لے کر حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا ایک سال تک اس کی تشہیر کرو، اس سے معلوم ہوا کہ تقدیر بالحول مقید ہے مطلق نہیں ہے، لہٰذا ائمہ ثلاثہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس سے علی الاطلاق سال بھر کی تشہیر کو واجب قرار دینا درست نہیں ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ عشرۃ ومافوقہا الف کے معنی میں کیوں ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ عشرۃ ومافوقہا کو اس لیے الف کے معنی میں لیا گیا ہے کیونکہ جس طرح الف دراہم کی چوری موجب قطع ید ہے اسی طرح دس دراہم کی چوری پر بھی قطع ید ہوتا ہے اور جس طرح ایک ہزار دراہم پر نکاح ہوتا ہے اور عورت کی شرمگاہ حلال ہوتی ہے اسی طرح دس یا اس سے زائد دراہم سے بھی عورت کی شرم گاہ حلال ہو جاتی ہے، لیکن جس طرح الف دراہم میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اس طرح عشرۃ دراہم میں زکوۃ کا وجوب نہیں ہے، تو گویا عشرۃ دراہم کی دو حیثیتیں ہوئیں (۱) قطع ید اور استحلال فرج کے حوالے سے وہ الف دراہم کی طرح ہے (۲) وجوب زکوۃ کے متعلق وہ الف کی طرح نہیں ہے، لہٰذا ہم نے عشرۃ کی پہلی حیثیت کا اعتبار کرتے ہوئے احتیاطاً اس میں سال بھر تک تشہیر کو واجب کر دیا اور عشرۃ سے کم مقدار کسی بھی صورت میں الف کے معنی نہیں ہے، اس لیے ہم نے اس صورت کو مبتلیٰ بہ کی رائے پر موقوف کر دیا ہے۔

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ تشہیر کے لیے کوئی بھی مدت لازم اور ضروری نہیں ہے، بلکہ یہ ملتقط کی رائے پر موقوف ہے اور ملتقط لقطہ کی تشہیر کرتا رہے حتی کہ جب اس کا غالب گمان یہ ہو جائے کہ صاحب لقطہ اب اس کو تلاش نہیں کرے گا تو ملتقط تشہیر ختم کر کے اسے صدقہ کر دے۔ اسی طرح اگر لقطہ جلدی خراب ہونے والی چیز ہو تو جب ملتقط کو اس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو اس وقت صدقہ کر دے۔

وینبغي الخ فرماتے ہیں کہ لقطہ کی تشہیر کے لیے بازار اور جامع مسجد وغیرہ جیسے بھیڑ بھاڑ والے علاقے زیادہ بہتر ہیں تا کہ اچھی طرح اعلان ہوجائے اور صاحب لقطہ کو اس کا مال مل جائے، اور اگر لقطہ معمولی چیز ہو جیسے کھجور کی گٹھلی اور پھل وغیرہ کے چھلکے تو اسے گھر سے باہر پھینک دینا ہی اس کی طرف سے بے توجہی کی دلیل ہوگی اور جو اسے اٹھالے گا اس کے لے اس کا استعمال مباح ہوگا، لیکن اٹھانے والا اس کا مالک نہیں ہوگا، کیونکہ اس چیز کا مالک مجہول اور نامعلوم ہے اور نامعلوم کی طرف سے تملیک صحیح نہیں ہوتی۔

فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا إِيْصَالًا لِلْحَقِّ إِلَى الْمُسْتَحِقِّ وَهُوَ وَاجِبٌ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ وَذٰلِكَ بِإِيْصَالِ عَيْنِهَا عِنْدَ الظَّفْرِ بِصَاحِبِهَا وَإِيْصَالِ الْعِوَضِ وَهُوَ الثَّوَابُ عَلَى اعْتِبَارِ إِجَازَتِهِ التَّصَدُّقَ بِهَا، وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا رَجَاءَ الظَّفْرِ بِصَاحِبِهَا، قَالَ إِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا يَعْنِي بَعْدَ مَا تَصَدَّقَ بِهَا فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَمْضَى الصَّدَقَةَ وَلَهُ ثَوَابُهَا، لِأَنَّ التَّصَدُّقَ وَإِنْ حَصَلَ بِإِذْنِ الشَّرْعِ لَمْ يَحْصُلْ بِإِذْنِهِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى إِجَازَتِهِ، وَالْمِلْكُ يَثْبُتُ لِلْفَقِيْرِ قَبْلَ الْإِجَازَةِ فَلَايَتَوَقَّفُ عَلَى قِيَامِ الْمَحَلِّ، بِخِلَافِ بَيْعِ الْفُضُوْلِيِّ لِثُبُوْتِهِ بَعْدَ الْإِجَازَةِ فِيْهِ. وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْمُلْتَقِطَ، لِأَنَّهُ سَلَّمَ مَالَهُ إِلَى غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ إِلَّا أَنَّهُ بِإِبَاحَةٍ مِنْ جِهَةِ الشَّرْعِ وَهٰذَا لَايُنَافِي الضَّمَانَ حَقًّا لِلْعَبْدِ كَمَا فِيْ تَنَاوُلِ مَالِ الْغَيْرِ حَالَةَ الْمَخْمَصَةِ، وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْمِسْكِيْنَ إِذَا هَلَكَ فِيْ يَدِهِ لِأَنَّهُ قَبَضَ مَالَهُ بِغَيْرِ إِذْنِهِ، وَإِنْ كَانَ قَائِمًا أَخَذَهُ لِأَنَّهُ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر لقطہ کا مالک آجائے تو ٹھیک ورنہ اسے صدقہ کردے تا کہ حق اس کے مستحق تک پہنچ جائے اور یہ کام بقدر امکان واجب ہے یعنی جب اس کا مالک مل جائے تو اسے عین لقطہ دیدیا جائے اور (اگر مالک نہ ملے تو) عوض یعنی ثواب پہنچا دیا جائے اس امید پر کہ مالک اس کے صدقہ کرنے کی اجازت دیدے گا اور اگر ملتقط چاہے تو مالک کے آنے کی امید میں اسے روکے رکھے۔ پھر اگر صدقہ کرنے کے بعد مالک لقطہ آئے تو اسے اختیار ہے اگر چاہے تو صدقہ نافذ کردے اور اس کا ثواب لے لے، کیونکہ اگر چہ صدقہ شریعت کی اجازت سے ہوا ہے، لیکن اس میں اس کی اجازت شامل نہیں ہے، لہٰذا اس کا نفاذ اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اور اس کی اجازت سے پہلے فقیر کی ملکیت ثابت ہوجائے گی اور ملکیت کا ثبوت محل صدقہ کے قیام پر موقوف نہیں رہے گا۔ برخلاف بیع فضولی کے، اس لیے کہ اس میں اجازت کے بعد ہی ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر مالک چاہے تو ملتقط کو ضامن بنائے، کیونکہ ملتقط نے اس کی اجازت کے بغیر اس کا مال دوسرے کو دیدیا ہے اور اگر چہ شریعت کی طرف سے اسے اباحت ملی ہے لیکن یہ اباحت حق العبد میں ضمان کے منافی نہیں ہے جیسے مخمصہ کی حالت میں دوسرے کا مال کھانا منافیٔ ضمان نہیں ہے۔

اور اگر مالک چاہے تو مسکین کو اس کا ضامن بنائے بشرطیکہ لقطہ اس کے پاس ہلاک ہوگیا ہو، اس لیے کہ مسکین نے مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال پر قبضہ کیا ہے، اور اگر وہ موجود ہو تو مالک اسے لے لے، کیونکہ اسے بعینہ اس کا مال مل گیا ہے۔

اللغات:

﴿تصدق﴾ صدقہ کردے۔ ﴿ایصال﴾ پہنچانا۔ ﴿ظفر﴾ کامیابی۔ ﴿أمسکها﴾ اُس کو روکے رکھے۔ ﴿رجاء﴾ اُمید۔ ﴿أمضی﴾ جاری کردے۔ ﴿ضمّن﴾ ضامن بنادے۔ ﴿سلّم﴾ سپرد کردیا ہے۔ ﴿مخمصة﴾ فاقہ کشی۔

لقطہ کے لیے تشہیر کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ملتقط لقطہ کی مالی حیثیت کے اعتبار سے اس کی تشہیر کرتا ہے اور اگر اس کا مالک آجائے تو اسے سونپ دے اور اگر مالک نہ آئے اور اس کے آنے کی امید نہ ہو تو اسے صدقہ کردے، کیونکہ یہ ایک حق ہے جسے اس کے مستحق تک پہنچانا ضروری ہے اور مستحق تک پہنچانے کی یہی دو صورتیں ہیں، یعنی مالک آجائے تو اسے دیدے ورنہ صدقہ کردے۔ اور اگر لقطہ کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو مالک کے آنے کی امید میں ملتقط اسے اپنے پاس بھی رکھ سکتا ہے۔

اور اگر ملتقط کے لقطہ کو صدقہ کرنے کے بعد مالک آئے تو اسے تین اختیارات ملیں گے (۱) اگر چاہے تو صدقہ کو نافذ کرکے اس کا ثواب لے لے، کیونکہ اگرچہ صدقہ شریعت کی اجازت سے ہوا ہے لیکن چوں کہ یہ مال اسی شخص کا مملوک ہے اس لیے نفاذِ صدقہ کے لیے اس کی اجازت ضروری ہوگی اور اجازت اور مصدق علیہ کے لیے ثبوت ملک کی خاطر محل صدقہ کا قیام اور وجود ضروری نہیں ہوگا، کیونکہ اجازت سے پہلے بھی فقیر اور مصدق علیہ کے لیے ملکیت ثابت ہوجاتی ہے۔

(۲) مالک کو دوسرا اختیار یہ ملے گا کہ وہ ملتقط کو ضامن بنا سکتا ہے، اس لیے کہ ملتقط ہی نے مالک کی اجازت کے بغیر اس کا مال دوسرے کو دیا ہے اور اگرچہ اس نے شریعت کی اجازت سے دیا ہے لیکن چوں کہ یہ حق العبد ہے اور شریعت کی اجازت حق العبد میں وجوب ضمان سے مانع نہیں ہے جیسے اگر مخمصہ اور جاں کنی کی حالت میں کوئی شخص دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کا مال استعمال کرلے تو یہ استعمال اگرچہ من جانب الشرع مباح ہے تاہم موجب ضمان ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں لقطہ کا صدقہ بھی موجب ضمان ہوگا۔

(۳) مالک کو تیسرا اختیار یہ ملے گا کہ اگر لقطہ مسکین کے قبضے میں ہلاک ہوجائے تو مالک اس سے بھی ضمان لے گا، کیونکہ اس نے مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال پر قبضہ کیا ہے تو یہ غاصب الغاصب کی طرح ہوگیا اور غاصب الغاصب مغصوب کا ضامن ہوتا ہے اس لیے یہ بھی ملتقط کا ضامن ہوگا، اور اگر وہ لقطہ مسکین کے پاس موجود ہو تو مالک چپ چاپ اسے لے لے اور چلتا بنے، کیونکہ اسے اس کا مال مل گیا ہے فھو أحق به۔

قَالَ وَيَجُوْزُ الْإِلْتِقَاطُ فِي الشَّاةِ وَالْبَقَرِ وَالْبَعِيْرِ، وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ إِذَا وَجَدَ الْبَعِيْرَ وَالْبَقَرَ فِي الصَّحْرَاءِ فَالتَّرْكُ أَفْضَلُ وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ الْفَرَسُ، لَهُمَا أَنَّ الْأَصْلَ فِي أَخْذِ مَالِ الْغَيْرِ الْحُرْمَةُ، وَالْإِبَاحَةُ مَخَافَةُ الضِّيَاعِ وَإِذَا كَانَ مَعَهَا مَايَدْفَعُ عَنْ نَفْسِهَا يَقِلُّ الضِّيَاعُ وَلٰكِنَّهُ يَتَوَهَّمُ فَيُقْضٰى بِالْكَرَاهَةِ وَالنَّدْبِ إِلَى التَّرْكِ، وَلَنَا أَنَّهَا لُقَطَةٌ يَتَوَهَّمُ ضَيَاعُهَا فَيُسْتَحَبُّ أَخْذُهَا وَتَعْرِيْفُهَا صِيَانَةً لِأَمْوَالِ النَّاسِ كَمَا فِي الشَّاةِ، فَإِنْ

أَنْفَقَ الْمُلْتَقِطُ عَلَيْهَا بِغَيْرِ إِذْنِ الْحَاكِمِ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ لِقُصُوْرِ وِلَايَتِهِ عَنْ ذِمَّةِ الْمَالِكِ، وَإِنْ أَنْفَقَ بِأَمْرِهِ كَانَ ذٰلِكَ دَيْنًا عَلٰى صَاحِبِهَا، لِأَنَّ لِلْقَاضِيْ وِلَايَةً فِيْ مَالِ الْغَائِبِ نَظْرًا لَهُ وَقَدْ يَكُوْنُ النَّظْرُ فِي الْإِنْفَاقِ عَلٰى مَانُبَيِّنُ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ بکری، گائے اور اونٹ کو بھی بطور لقطہ اٹھانا جائز ہے، امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اونٹ اور گائے جنگل میں پائے تو نہ اٹھانا افضل ہے اور گھوڑا بھی اسی اختلاف پر ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کا مال لینے میں حرمت اصل ہے اور ضیاع کے خوف سے اباحت ثابت ہوتی ہے اور جب خود ہی لقطہ کے پاس اتنی قوت ہو کہ وہ اپنی ذات سے مدافعت کرسکتا ہو تو ضیاع کا خدشہ کم ہوتا ہے لیکن ضیاع کا وہم تو ہوتا ہی ہے تو اسے پکڑنے کو مکروہ قرار دیا جائے گا اور نہ پکڑنا اولیٰ ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اونٹ اور گائے بھی لقطہ ہیں اور ان کے ضیاع کا خطرہ برقرار ہے، لہٰذا لوگوں کے اموال کو بچانے کے پیش نظر ان میں سے ہر ایک کو پکڑنا اور تشہیر کرنا مستحب ہوگا۔ جیسے بکری میں یہی حکم ہے۔ پھر اگر ملتقط نے قاضی کے حکم کے بغیر لقطہ پر کچھ خرچ کیا تو وہ متبرع ہوگا، کیونکہ مالک پر اسے کوئی ولایت نہیں حاصل ہے اور اگر ملتقط نے قاضی کے حکم سے خرچ کیا ہو تو وہ صرفہ صاحب لقطہ پر دین ہوگا، کیونکہ قاضی کو برنائے شفقت غائب کے مال میں ولایت حاصل ہے اور کبھی خرچ کرنے میں ہی شفقت پنہاں ہوتی ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

اللغات:

﴿شاة﴾ بکری۔ ﴿بقر﴾ گائے۔ ﴿بعیر﴾ اونٹ۔ ﴿صحراء﴾ جنگل، بے آباد جگہ۔ ﴿فرس﴾ گھوڑا۔ ﴿یقضی﴾ فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ﴿انفق﴾ خرچ کیا۔ ﴿قصور﴾ کم ہونا، کوتاہی۔ ﴿نظر﴾ مصلحت۔

جانوروں کا لقطہ:

مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح اموال لقطہ ملیں تو انہیں اٹھانا جائز اور مستحسن ہے اسی طرح ہمارے یہاں جانور بھی اگر لقطہ ملیں تو انہیں بھی اٹھانا درست اور جائز ہے خواہ بکری ہو یا گائے اور اونٹ ہوں اور خواہ جنگل میں ملیں یا آبادی میں بہر صورت انھیں اٹھانا جائز ہے، امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اونٹ اور گائے جنگل میں ملیں تو انھیں نہ اٹھانا اولیٰ ہے اور اٹھانا مکروہ ہے، گھوڑا بھی اسی اختلاف پر ہے یعنی ہمارے یہاں ہر جگہ اٹھانا جائز ہے اور ان حضرات کے یہاں جنگل میں ترک بہتر ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کا مال اس کی اجازت کے بغیر لینے میں حرمت اصل ہے اور اباحت اس وقت عارضی طور پر ثابت ہوتی جب اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور چوں کہ گائے، اونٹ اور گھوڑا یہ سب اپنی طاقت وقوت کے بل پر مدافعت کرنے پر قادر ہوتے ہیں اور آسانی سے کسی کے ہاتھ نہیں آتے اس لیے ان میں ضیاع اور ہلاکت کا خطرہ کم ہوتا ہے لہٰذا انہیں جنگل میں نہ پکڑنا ہی اولیٰ اور افضل ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر یہ جانور اپنے مالک سے بچھڑ جائیں تو لقطہ بن جائیں گے اور ان کے ضائع ہونے کا امکان پیدا ہوجائے گا اس لیے انہیں پکڑنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہوگا تاکہ لوگوں کے اموال ضیاع سے محفوظ کیے جاسکیں۔ اور جس طرح بکری وغیرہ کو لقطہ کی شکل میں پکڑنا جائز ہے اسی طرح اونٹ اور گائے وغیرہ بھی اگر لقطہ بن جائیں تو انھیں پکڑنا درست اور جائز ہوگا۔

فإن أنفق الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ملتقط نے لقطہ جانوروں کو گھاس بھوسا اور چارہ دینے میں کچھ رقم خرچ کی ہے اور قاضی کی اجازت سے خرچ کی ہے تب تو صاحب لقطہ سے وہ رقم واپس لینے کا حق دار ہوگا اور اگر قاضی کی اجازت اور اس کے حکم کے بغیر اپنی مرضی سے خرچ کیا ہو تو وہ متبرع ہوگا اور مالک سے اسے واپس لینے کا حق نہیں ہوگا کیوں کہ اسے مالک پر کوئی ولایت نہیں ہے۔

وَإِذَا رَفَعَ ذٰلِكَ إِلَى الْحَاكِمِ نَظَرَ فِيْهِ فَإِنْ كَانَ لِلْبَهِيْمَةِ مَنْفَعَةٌ اٰجَرَهَا وَأَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ أُجْرَتِهَا، لِأَنَّ فِيْهِ إِبْقَاءَ الْعَيْنِ عَلٰى مِلْكِهِ مِنْ غَيْرِ إِلْزَامِ الدَّيْنِ عَلَيْهِ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُ بِالْعَبْدِ الْاٰبِقِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا مَنْفَعَةٌ وَخَافَ أَنْ تَسْتَغْرِقَ النَّفَقَةُ قِيْمَتَهَا بَاعَهَا وَأَمَرَ بِحِفْظِ ثَمَنِهَا إِبْقَاءً لَهُ مَعْنًى عِنْدَ تَعَذُّرِ إِبْقَائِهِ صُوْرَةً، وَإِنْ كَانَ الْأَصْلَحُ الْإِنْفَاقَ عَلَيْهَا أَذِنَ فِيْ ذٰلِكَ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلٰى مَالِكِهَا، لِأَنَّهُ نَصَبَ نَاظِرًا وَفِيْ هٰذَا نَظَرٌ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، قَالُوْا إِنَّمَا يَأْمُرُ بِالْإِنْفَاقِ يَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ عَلٰى قَدْرِ مَايُرٰى رَجَاءَ أَنْ يَظْهَرَ مَالِكُهَا، فَإِذَا لَمْ يَظْهَرْ يَأْمُرُ بِبَيْعِهَا، لِأَنَّ دَارَّةَ النَّفَقَةِ مُسْتَاصَلَةٌ فَلَانَظَرَ فِي الْإِنْفَاقِ مُدَّةً مَدِيْدَةً، قَالَ وَفِي الْأَصْلِ شَرَطَ إِقَامَةَ الْبَيِّنَةِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُوْنَ غَصْبًا فِيْ يَدِهِ وَلَايَأْمُرُ فِيْهِ بِالْإِنْفَاقِ وَإِنَّمَا يَأْمُرُ بِهِ فِي الْوَدِيْعَةِ فَلَابُدَّ مِنَ الْبَيِّنَةِ لِكَشْفِ الْحَالِ، وَلَيْسَتِ الْبَيِّنَةُ تَقَامُ لِلْقَضَاءِ، وَإِنْ قَالَ لَابَيِّنَةَ لِيْ يَقُوْلُ الْقَاضِيْ لَهُ أَنْفِقْ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فِيْمَا قُلْتَ حَتّٰى تَرْجِعَ عَلَى الْمَالِكِ إِنْ كَانَ صَادِقًا وَلَايَرْجِعُ إِنْ كَانَ غَاصِبًا، وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ وَجُعِلَ النَّفَقَةُ دَيْنًا عَلٰى صَاحِبِهَا إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّهُ إِنَّمَا يَرْجِعُ عَلَى الْمَالِكِ بَعْدَ مَا حَضَرَ وَلَمْ تَبِعِ اللُّقْطَةَ إِذَا شَرَطَ الْقَاضِي الرُّجُوْعَ إِلَى الْمَالِكِ وَهٰذِهِ رِوَايَةٌ وَهُوَ الْأَصَحُّ.

ترجمہ: اور جب یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو قاضی اس میں غور کرے اور اگر اس جانور سے کوئی آمدنی ہوسکتی ہو تو قاضی اسے اجرت پر دیدے اور اس کی اجرت سے اس پر خرچ کرے، کیونکہ ایسا کرنے میں مالک پر دَین لازم کئے بغیر اس کی ملکیت پر عین کو باقی رکھنا ہے ایسے ہی بھاگے ہوئے غلام کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔ اور اگر جانور سے آمدنی نہ ہو سکے اور یہ ڈر ہو کہ نفقہ اس کی قیمت کو محیط ہو جائے تو قاضی اسے فروخت کرکے اس کے ثمن کی حفاظت کا آڈر دیدے تاکہ صورتاً اس کی ابقاء متعذر ہونے کی وجہ سے معناً اس کو باقی رکھا جاسکے۔ اور اگر جانور پر خرچ کرنا اس کے حق میں زیادہ بہتر ہو تو قاضی انفاق کی اجازت دیدے اور نفقہ کو اس کے مالک پر دَین بنادے، کیونکہ قاضی مشفق مقرر کیا گیا ہے اور ایسا کرنے میں دونوں طرف شفقت ہے۔

حضرات مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قاضی دو یا تین دنوں تک ہی انفاق کا حکم دے گا اس امید پر کہ اس کا مالک ظاہر ہو جائے، لیکن اگر اس کا مالک ظاہر نہ ہو تو قاضی اسے فروخت کرنے کا حکم دیدے، کیونکہ مستقل خرچہ دینے میں جانور کا استیصال ہوگا لہٰذا لمبی مدت تک خرچہ دینے میں کوئی شفقت نہیں ہے۔

فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں گواہ پیش کرنے کی شرط لگائی ہے یہی صحیح ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ لقطہ ملتقط کے قبضہ میں غصب ہو اور غصب میں قاضی انفاق کا حکم نہیں دے گا، یہ حکم تو قاضی ودیعت میں دیتا ہے، لہٰذا صورت حال کی وضاحت کے لیے گواہ کا ہونا ضروری ہے اور قضائے قاضی کے لیے بینہ نہیں پیش کیا جائے گا۔ اور اگر یہ کہہ دیا کہ میرے پاس بینہ نہیں ہے تو قاضی اس سے کہے اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو اسے چارہ دیا کرو تا کہ مالک سے واپس لے سکو اور اگر ملتقط غاصب ہوگا تو مالک سے واپس نہیں لے سکے گا۔

اور قدوری میں امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول وجعل النفقة دینا علی صاحبها اس بات کا اشارہ ہے کہ ملتقط مالک کے آنے کے بعد اسی وقت اس سے نفقہ کی رقم واپس لے گا جب لقطہ فروخت نہ کیا گیا ہو اور قاضی نے مالک سے واپس لینے کی شرط لگائی ہو یہی روایت اصح ہے۔

اللغات:

﴿بهیمة﴾ جانور، چوپایہ۔ ﴿أجرها﴾ اس کو کرائے پر دے دے۔ ﴿أنفق﴾ خرچ کر دے۔ ﴿إبقاء﴾ باقی رکھنا۔ ﴿إلزام﴾ ذمے لگانا۔ ﴿ابق﴾ بھگوڑا غلام۔ ﴿تستغرق﴾ غرق ہو جائے گا، گھر جائے گا۔ ﴿أذن﴾ اجازت دے دے۔ ﴿ناظر﴾ مصلحت کی رعایت رکھنے والا۔ ﴿رجاء﴾ اُمید۔ ﴿مستاصلة﴾ تباہی ہوگی۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿ودیعة﴾ امانت۔

لقطہ جانور کے اخراجات:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر لقطہ جانور کا معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش کیا گیا تو قاضی اس میں غور وفکر کرے اور اگر وہ جانور سواری یا بار برداری کے قابل ہو تو اسے اجرت پر لگا دے اور اس کی کمائی سے اس کا خرچہ چلایا جائے، کیونکہ ایسا کرنے سے مالک کی ملکیت بھی صحیح سالم اس کی ملکیت پر باقی رہے گی اور اس پر قرض بھی نہیں لدے گا، لیکن اگر اس جانور سے آمدنی اور کمائی کی کوئی امید نہ ہو اور یہ ڈر ہو کہ اسے نفقہ دینے سے نفقہ کی رقم اس کی قیمت سے بڑھ جائے گی تو قاضی اسے فروخت کر دے اور اس کا ثمن باقی رکھنے کا حکم دیدے، کیونکہ اس صورت میں صورتاً اسے باقی رکھنا ناممکن ہے لہٰذا اس کا ثمن محفوظ رکھ کر معناً اسے باقی رکھا جائے گا۔

اور اگر اس جانور پر خرچ کرنا ہی اس کے لیے اصلح اور انفع ہو تو قاضی ملتقط کو اس پر خرچ کرنے کا حکم دیدے اور اس نفقہ کا مالک جانور پر قرض قرار دیدے لیکن دو یا تین دن تک ہی خرچ کرنے کا حکم دے اور اس سے زائد دنوں کے لیے یہ حکم نہ دے اس لیے کہ زیادہ دنوں تک خرچ کرانے سے نفقہ جانور کی قیمت سے بڑھ جائے گا اور ''لینے کے دینے'' پڑیں گے۔

قال في الأصل الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں یہ شرط لگائی ہے کہ جب ملتقط لقطہ اٹھائے تو اسی وقت اس بات پر گواہ بنالے کہ میں اسے حفاظت کے لیے اٹھا رہا ہوں تا کہ اس کے غصب کے لیے لینے کا امکان ختم ہو جائے یہ امانت ہو جائے اور قاضی کے لیے بھی اسے انفاق کا حکم دینے میں سہولت ہو، کیونکہ قاضی ودیعت اور امانت ہی میں انفاق کا حکم دے سکتا ہے، غصب میں نہیں دے سکتا۔

اور اگر ملتقط یہ کہہ دے کہ بوقت التقاط میرے پاس گواہ نہیں تھے اور اب بھی نہیں ہیں تو قاضی اس سے یہ کہے کہ تم اس پر خرچ

کرتے رہو اگر تمہارا امین اور ملتقط ہونا ثابت ہوا تو تمہیں مالک سے نفقہ کی رقم واپس لینے کا اختیار ہوگا اور اگر تم غاصب ٹھہرے تو لقطہ واپس کرنا ہوگا، اور ملتقط اسی وقت مالک سے نفقہ کی رقم واپس لینے کا مستحق اور مجاز ہوگا جب لقطہ موجود ہو اور قاضی نے یہ کہہ دیا ہو کہ تم مالک سے واپس لے لینا، لیکن اگر قاضی نے صرف انفاق کا حکم دیا ہو اور واپس لینے کے لیے نہ کہا ہو تو اسے نفقہ کی رقم واپس لینے کا حق نہیں ہوگا، یہی اصح ہے۔

قَالَ فَإِذَا حَضَرَ يَعْنِي الْمَالِكَ فَلِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يَمْنَعَهَا مِنْهُ حَتّٰى يَحْضُرَ النَّفَقَةَ لِأَنَّهُ يَحْيِيْ بِنَفْقَتِهٖ فَصَارَ كَأَنَّهُ اسْتَفَادَ الْمَالِكُ مِنْ جِهَتِهٖ فَأَشْبَهَ الْمَبِيْعَ، وَأَقْرَبَ مِنْ ذٰلِكَ رَادَّ الْآبِقِ فَإِنَّ لَهُ الْحَبْسَ لِاسْتِيْفَاءِ الْجُعْلِ لِمَا ذَكَرْنَا ثُمَّ لَايَسْقُطُ دَيْنُ النَّفَقَةِ بِهِلَاكِهٖ فِيْ يَدِ الْمُلْتَقِطِ قَبْلَ الْحَبْسِ وَيَسْقُطُ إِذَا هَلَكَ بَعْدَ الْحَبْسِ لِأَنَّهُ يَصِيْرُ بِالْحَبْسِ شَبِيْهُ الرَّهْنِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ پھر اگر مالک آیا تو ملتقط کو یہ حق ہے کہ وہ لقطہ جانور مالک کو دینے سے منع کر دے یہاں تک کہ مالک نفقہ کی رقم اسے دیدے، اس لیے کہ ملتقط ہی کے نفقہ سے وہ جانور زندہ رہا ہے تو یہ ایسا ہوگیا گویا کہ ملتقط مالک کی طرف سے ملکیت کا مالک ہوگیا ہے اور یہ مبیع کے مشابہ ہے اور بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لانے والا بھی اسی کے قریب ہے چنانچہ اسے بھی اپنا خرچہ وصول کرنے تک حق حبس حاصل ہوگا، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ پھر حبس سے پہلے ملتقط کے قبضہ میں جانور کے ہلاک ہونے سے دین نفقہ ساقط نہیں ہوگا اور اگر حبس کے بعد جانور ہلاک ہوا ہے تو دین ساقط ہو جائے گا، کیونکہ حبس کی وجہ سے یہ رہن کے مشابہ ہوگیا ہے۔

اللغات:

﴿حضر﴾ موجود ہوا، آ گیا۔ ﴿یمنعھا﴾ اس کو روک لے۔ ﴿یحیي﴾ زندہ رہنا۔ ﴿راد﴾ لوٹانے والا، واپس لانے والا۔ ﴿ابق﴾ بھگوڑا غلام۔ ﴿حبس﴾ قید کرنا۔ ﴿نفقة﴾ خرچ اخراجات۔ ﴿حبس﴾ قید کرنا، روکنا۔

لقطہ جانور کے اخراجات:

مسئلہ یہ ہے کہ ملتقط نے قاضی کے حکم سے جب لقطہ پر خرچ کیا تو جب مالک لقطہ آئے اس وقت ملتقط کو یہ حق ہوگا کہ اپنا نفقہ واپس لینے تک لقطہ کو روک لے اور مالک کے سپرد نہ کرے، کیونکہ اسی کے نان ونفقے اور خرچے سے لقطہ کو زندگی ملی ہے، لہٰذا لقطہ مبیع کے مشابہ ہوگیا اور جس طرح استیفائے ثمن کے لیے بائع کو حبسِ مبیع کا حق ہے اسی طرح استیفائے نفقہ کے لیے ملتقط کو لقطہ روکنے کا حق ہے، اسی طرح بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ کر لانے والے شخص نے اگر اس پر کچھ رقم خرچ کی ہو تو اسے بھی استیفائے نفقہ کے لیے حبس آبق کا حق ہوگا۔

ملتقط نے لقطہ پر کچھ رقم خرچ کی لیکن حبسِ لقطہ سے پہلے وہ ملتقط کے پاس ہلاک ہوگیا تو چوں کہ لقطہ اس کے قبضے میں امانت تھا اور امانت مضمون نہیں ہوتی اس لیے ملتقط پر اس کا ضمان نہیں ہوگا اور وہ مالک سے اپنا نفقہ لینے کا حق دار ہوگا، لیکن اگر حبس

کے بعد لقطہ ہلاک ہوا ہو تو اسے اپنا نفقہ لینے کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ حبس کے بعد لقطہ ملتقط کے قبضہ میں ایسا ہے جیسے مُرتہن کے پاس شئ مرہون اور شئ مرہون کی ہلاکت سے راہن پر اس کا نفقہ نہیں ہوتا یعنی اگر مرتہن شئ مرہون پر کچھ خرچہ کئے ہوئے ہو تو اس کی ہلاکت سے مرتہن کا حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح بعد الحبس لقطہ ہلاک ہونے سے ملتقط کا حق رجوع بھی ختم ہو جائے گا۔

قَالَ وَلُقْطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ سَوَاءٌ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ يَجِبُ التَّعْرِيْفُ فِي لُقْطَةِ الْحَرَمِ إِلَى أَنْ يَجِيْءَ صَاحِبُهَا لِقَوْلِهِ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِي الْحَرَمِ وَلَايَحِلُّ لُقْطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدِهَا، وَلَنَا قَوْلُهُ ① عَلَیْہِ السَّلَامُ إِعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَائَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ، وَلِأَنَّهَا لُقْطَةٌ وَفِي التَّصَدُّقِ بَعْدَ مُدَّةِ التَّعْرِيْفِ إِبْقَاءُ مِلْكِ الْمَالِكِ مِنْ وَجْهٍ فَيَمْلِكُهُ كَمَا فِي سَائِرِهَا، وَتَأْوِيْلُ مَارُوِيَ أَنَّهُ لَايَحِلُّ الْإِلْتِقَاطُ إِلَّا لِلتَّعْرِيْفِ، وَالتَّخْصِيْصُ بِالْحَرَمِ لِبَيَانِ أَنَّهُ لَايَسْقُطُ التَّعْرِيْفُ فِيْهِ لِمَكَانِ أَنَّهُ لِلْغُرَبَاءِ ظَاهِرًا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ حل اور حرم دونوں جگہوں کا لقطہ برابر ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حرم کے لقطہ کی تشہیر کرنا واجب ہے یہاں تک کہ اس کا مالک آجائے، اس لیے کہ حرم محترم کے متعلق حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے حرم کا لقطہ اسی شخص کے لیے حلال ہے جو اس کا اعلان کرے، ہماری دلیل حضرت نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے تم اس کے برتن اور بندھن کو محفوظ کرلو پھر سال بھر اس کی تشہیر کرو، یہ فرمانِ مقدس کسی تفصیل کے بغیر مروی ہے۔ اور اس لیے کہ وہ بھی لقطہ ہے اور مدتِ تشہیر کے بعد اس کا صدقہ کرنے میں من وجہ مالک کی ملکیت کا ابقاء ہے لہٰذا دوسرے لقطوں کی طرح ملتقط اس کا بھی مالک ہو جائے گا۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث کی تاویل یہ ہے تشہیر کرنے کے لیے ہی حرم شریف کا لقطہ اٹھانا حلال ہے اور حرم محترم کی تخصیص اس وجہ سے ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ وہاں کے لقطہ میں بھی تشہیر ساقط نہیں ہے اس وجہ سے کہ حرم بہ ظاہر مسافروں کی جگہ ہے۔

اللغات:

﴿لقطة﴾ گری پڑی ملنے والی چیز۔ ﴿حلّ﴾ غیر حرم۔ ﴿تعریف﴾ تشہیر کرنا، اعلان کرنا۔ ﴿منشد﴾ اعلان کرنے والا۔ ﴿عفاص﴾ برتن۔ ﴿وکاء﴾ رسی، بندھن۔ ﴿غرباء﴾ واحد غریب۔

تخریج:

① اخرجہ بخاری فی کتاب الخصومات، باب اذا لم یوجد صاحب اللقطة.

حل اور حرم کا لقطہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں حل اور حرم محترم دونوں مقامات کے لقطوں کا حکم ایک اور یکساں ہے اور دونوں کے لیے ایک مدت تک تشہیر واجب ہے، اس کے برخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حرم محترم کے لقطے میں اس وقت تک تشہیر ضروری ہے جب تک کہ اس کا مالک آنہ جائے، ان کی دلیل یہ حدیث پاک ہے لایحل لقطتها إلا لمنشدها کہ حرم شریف کا لقطہ اسی شخص کے

لیے حلال ہے جو اس کی تشہیر کرنے والا ہو۔ ہماری دلیل لقطہ کے متعلق ایک سوال کرنے والے سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ لقطہ کے برتن اور بندھن کو اچھی طرح جان لو اور پھر سال بھر تک اس کی تشہیر کرتے رہو، چوں کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان گرامی مطلق ہے اور حل اور حرم کی تفصیل سے خالی ہے، اس لیے اس کا حکم بھی مطلق ہوگا اور حل اور حرم دونوں جگہ کے لقطوں کی تشہیر ایک خاص مدت تک کے لیے ہوگی، نیز مدت تعریف کے بعد لقطہ کو صدقہ کرنے سے بھی تحصیل ثواب کے حق میں مالک کی ملکیت باقی رہتی ہے لہٰذا جس طرح غیر حرم کے لقطوں کی سال بھر تشہیر کے بعد ملتقط اس کے صدقہ کرنے کا مالک ہے اسی طرح حرم محترم کے لقطہ کی بھی سال بھر تشہیر کے بعد ملتقط اس کے صدقے کا مالک ہوگا اور مالک کے آنے تک اس پر تشہیر کرنا لازم نہیں ہوگا۔

رہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ حدیث پاک تو اس کی تاویل یہ ہے کہ مال غیر کو اس کی اجازت کے بغیر لینا حرام ہے اور صرف تشہیر کی نیت سے ہی لینا حلال ہے اور حدیث پاک میں حرم محترم کی تخصیص اس وہم کو دور کرنے کے لیے ہے کہ حرم محترم مسافروں کی جگہ ہے اور لوگ حج میں آنے کے بعد اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں اس لیے تشہیر کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ چناں چہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے عام یہ اعلان فرمادیا کہ حرم محترم کے لقطہ میں بھی تشہیر واجب ہے اور ساقط نہیں ہے۔

وَإِذَا حَضَرَ رَجُلٌ فَادَّعَى اللُّقْطَةَ لَمْ تُدْفَعْ إِلَيْهِ حَتَّى يُقِيْمَ الْبَيِّنَةَ فَإِنْ أَعْطَى عَلَامَتَهَا حَلَّ لِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يَدْفَعَهَا إِلَيْهِ، وَلَا يُجْبَرُ عَلَى ذٰلِكَ فِي الْقَضَاءِ، وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُجْبَرُ، وَالْعَلَامَةُ مِثْلُ أَنْ يُسَمِّيَ وَزْنَ الدَّرَاهِمِ وَعَدَدَهَا وَوِكَاءَهَا وَوِعَاءَهَا، لَهُمَا أَنَّ صَاحِبَ الْيَدِ يُنَازِعُهُ فِي الْيَدِ وَلَا يُنَازِعُهُ فِي الْمِلْكِ فَيُشْتَرَطُ الْوَصْفُ لِوُجُوْدِ الْمُنَازَعَةِ مِنْ وَجْهٍ وَلَا تُشْتَرَطُ إِقَامَةُ الْبَيِّنَةِ لِعَدَمِ الْمُنَازَعَةِ مِنْ وَجْهٍ، وَلَنَا أَنَّ الْيَدَ حَقٌّ مَقْصُوْدٌ كَالْمِلْكِ فَلَا يَسْتَحِقُّ إِلَّا بِحُجَّةٍ وَهُوَ الْبَيِّنَةُ اِعْتِبَارًا بِالْمِلْكِ إِلَّا أَنَّهُ تَحِلُّ لَهُ الدَّفْعُ عِنْدَ إِصَابَةِ الْعَلَامَةِ لِقَوْلِهِ[1] عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَعَرَّفَ عِفَاصَهَا وَعَدَدَهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ، وَهٰذَا لِلْإِبَاحَةِ عَمَلًا بِالْمَشْهُوْرِ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي الْحَدِيْثُ، وَيَأْخُذُ مِنْهُ كَفِيْلًا إِذَا كَانَ يَدْفَعُهَا إِلَيْهِ اِسْتِيْثَاقًا، وَهٰذَا بِلَا خِلَافٍ لِأَنَّهُ يَأْخُذُ الْكَفِيْلَ لِنَفْسِهِ، بِخِلَافِ التَّكْفِيْلِ لِوَارِثٍ غَائِبٍ عِنْدَهُ، وَإِذَا صَدَّقَهُ قِيْلَ لَا يُجْبَرُ عَلَى الدَّفْعِ كَالْوَكِيْلِ بِقَبْضِ الْوَدِيْعَةِ إِذَا صَدَّقَهُ، وَقِيْلَ يُجْبَرُ، لِأَنَّ الْمَالِكَ هٰهُنَا غَيْرُ ظَاهِرٍ وَالْمُوْدَعُ مَالِكٌ ظَاهِرًا، وَلَا يَتَصَدَّقُ بِاللُّقْطَةِ عَلَى غَنِيٍّ، لِأَنَّ الْمَأْمُوْرَ بِهِ هُوَ التَّصَدُّقُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنْ لَمْ يَأْتِ يَعْنِيْ صَاحِبُهَا فَلْيَتَصَدَّقْ بِهِ، وَالصَّدَقَةُ لَا يَكُوْنُ عَلَى غَنِيٍّ فَأَشْبَهُ الصَّدَقَةَ الْمَفْرُوْضَةَ.

ترجمہ: اگر کوئی شخص حاکم کے پاس گیا اور اس نے لقطہ کا دعویٰ کیا تو جب تک وہ گواہ نہ پیش کردے اس وقت تک لقطہ اس کے حوالے نہیں کیا جائے گا، پھر اگر وہ کوئی علامت بیان کردے تو ملتقط کے لیے اسے لقطہ دینا حلال ہے، لیکن قضاءً ملتقط کو اس پر مجبور

نہیں کیا جائے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجبور کیا جائے گا۔ اور علامت یہ ہے کہ مثلاً وہ دراہم کا وزن، ان کی تعداد اس کا بندھن اور اس کا برتن بیان کردے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ملتقط قبضہ کے متعلق مالک سے منازعات کررہا ہے لیکن ملکیت کے متعلق منازعات نہیں کررہا ہے لہٰذا لقطہ کا وصف بیان کرنا شرط ہوگا، کیونکہ من وجہ منازعت موجود ہے اور بینہ پیش کرنا شرط نہیں ہوگا اس لیے کہ من وجہ منازعت معدوم ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ملکیت کی طرح قبضہ بھی حق مقصود ہے لہٰذا ملکیت پر قیاس کرتے ہوئے بدون حجت یعنی بینہ پیش کیے بغیر وہ اس کا مستحق نہیں ہوگا تاہم علامت بیان کرنے کی صورت میں ملتقط کے لیے دینا حلال ہوگا، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اگر اس کا مالک آجائے اور وہ لقطہ کی تھیلی اور اس کی تعداد بیان کردے تو ملتقط وہ لقطہ مالک کے حوالے کردے، یہ حکم اباحت کے لیے ہے حدیث مشہور پر عمل کرتے ہوئے اور وہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے مدعی پر بینہ پیش کرنا لازم ہے۔ اور ملتقط جب مالک کو لقطہ دینے لگے تو بہ طور ضمان اس سے ایک کفیل لے لے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ ملتقط اپنی ذات کے لیے کفیل مانگ رہا ہے، برخلاف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غائب وارث کے لیے کفیل لینے کے (کہ یہ صحیح نہیں ہے) اور اگر ملتقط نے مالک کی تصدیق کردی تو ایک قول یہ ہے کہ اسے مالک کو دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا جیسے وکیل بقبض الودیعت کی اگر مودع تصدیق کردے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اسے دفع پر مجبور کیا جائے گا، کیونکہ یہاں مالک ظاہر نہیں ہے جب کہ امانت کا مالک ظاہر ہوتا ہے۔

اور ملتقط مالدار شخص پر لقطہ صدقہ نہ کرے، کیونکہ صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''پھر اگر مالک لقطہ نہ آئے تو ملتقط کو چاہئے کہ اس کا صدقہ کردے اور مالدار پر صدقہ نہیں کیا جاتا چنانچہ یہ صدقۂ مفروضہ (زکوۃ) کے مشابہ ہوگیا۔

اللغات:

﴿لم تدفع﴾ نہیں دیا جائے گا۔ ﴿لا یجبر﴾ مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ﴿وکاء﴾ بندھن۔ ﴿وعاء﴾ تھیلی، برتن، حفاظتی کور، کیس وغیرہ۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔ ﴿حجّۃ﴾ دلیل۔ ﴿استیثاق﴾ اطمینان پیدا کرنا، یقین بنانا۔ ﴿ودیعۃ﴾ امانت۔

تخریج:

① اخرجہ مسلم فی کتاب اللقطۃ باب معرفۃ العفاص و الوکاء، حدیث: ٥.

لقطہ کے مالک ہونے کا دعویٰ کرنے کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاضی کے پاس کوئی شخص آئے اور یہ دعویٰ کرے کہ فلاں ملتقط کے پاس جو لقطہ ہے وہ میرا ہے تو قاضی محض اس کے دعوے پر ملتقط کو لقطہ واپس کرنے کا حکم نہ دے بلکہ اس سے گواہ طلب کرے یا کوئی علامت مثلاً اگر اس میں دراہم ہوں تو ان کی تعداد اور ان کا وزن معلوم کرے یا لقطہ کا تھیلا اور بندھن معلوم کرے چنانچہ اگر وہ علامت بتادے تو قاضی ملتقط سے کہے کہ بھائی اس کی امانت اس کے حوالے کردو لیکن ہمارے یہاں قاضی ملتقط پر جبر نہ کرے اور زور وزبردستی سے نہ دلوائے، جب کہ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے یہاں مدعی کی طرف سے بیان علامت کے بعد دفع لقطہ کے حوالے سے قاضی ملتقط پر جبر کرسکتا ہے۔ ان

حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ملتقط اور مدعی کا نزاع قبضہ میں ہے، ملکیت میں نہیں ہے اور قبضہ کا نزاع بیان اوصاف سے زائل ہوجاتا ہے اس لیے وصف بیان کرنے کے بعد مدعی لقطہ کا مستحق ہوجائے گا اور اس پر بینہ پیش کرنا ضروری نہیں ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ملکیت کی طرح قبضہ بھی حق مقصود ہے لہٰذا جس طرح بدون بینہ ملکیت کے لیے جبر جائز نہیں ہے اسی طرح بدون بینہ قبضہ کے لیے بھی جبر درست نہیں ہے تاہم علامت اور وصف بیان کرنے کی صورت میں ملتقط کے لیے مدعی کو لقطہ دیدینا جائز ہے، کیونکہ حدیث پاک میں اس کا حکم وارد ہے فإن جاء صاحبها وعرّف عفاصها وعددها فادفعها إليه، اور اس حدیث پاک میں دفع کا حکم اباحت کے لیے ہے کیونکہ البينة على المدعي والی حدیث مشہور سے مدعی پر بینہ لازم کردیا گیا ہے اور اگر ہم فادفعها إليه کو بھی وجوب پر محمول کریں گے تو البينة على المدعي سے ٹکراؤ ہوگا، کیونکہ اس میں مدعی پر بینہ پیش کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے اس لیے ٹکراؤ سے بچتے ہوئے ہم نے فادفعها کو اباحت اور جواز پر محمول کردیا ہے۔

ویأخذ منه الخ فرماتے ہیں کہ اگر ملتقط چاہے تو لقطہ مدعی کے حوالے کرتے وقت اس سے اس بات کی ضمان لے لے کہ میں نے یہ لقطہ تمہارے حوالے کردیا ہے تاکہ بعد میں اس پر کسی طرح کا کوئی الزام عائد نہ ہو اور احتیاطاً ایسا کرنا درست اور جائز ہے لیکن غائب وارث کے لیے امام اعظم رالٹیلیہ کے یہاں کفیل لینا درست نہیں ہے یعنی اگر کسی شخص کی میراث قرض خواہوں اور وارثوں میں تقسیم کی جارہی ہو تو امام اعظم رالٹیلیہ کے یہاں کسی بھی قرض خواہ اور وارث سے کفیل نہیں لیا جائے گا کہ اگر دوسرا کوئی قرض خواہ یا کفیل ظاہر ہوا تو تمہیں اپنے اپنے حصوں میں سے دینا ہوگا، کیونکہ کسی دوسرے کا وارث بن کر سامنے آنا موہوم ہے اور امر موہم پر کفالت نہیں لی جاتی۔ اگر ملتقط مدعی کی تصدیق کردے کہ ہاں تم ہی اس لقطہ کے مالک ہو تو ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی اسے دفع لقطہ پر مجبور نہیں کیا جائے گا جیسے اگر مودَع مودِع کے وکیل بقبض الودیعت کی تصدیق کردے تو اسے بھی دفع امانت پر مجبور نہیں کیا جاتا ہے اسی طرح اسے بھی مجبور نہیں کیا جائے گا دوسرا قول یہ ہے کہ مجبور کیا جائے گا، کیونکہ یہاں لقطہ کا مالک ظاہر اور معلوم نہیں ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ مدعی ہی اس کا مالک ہو اور اس کی تصدیق سے بات اور پختہ ہوگئی ہو جب کہ ودیعت کا مالک معلوم ہوتا ہے۔

ولایتصدق الخ فرماتے ہیں کہ اگر تشہیر واعلان کے بعد بھی لقطہ کا مالک نہ آئے تو ملتقط کو چاہیے کہ وہ لقطہ کسی غریب کو صدقہ کردے، امیر اور مالدار کو صدقہ نہ کرے، کیونکہ اس کا صدقہ مامور بہ ہے اور اس حوالے سے وہ زکوۃ کے مشابہ ہے اور زکوۃ کے مستحق غرباء ہیں، لہٰذا اس کے مستحق بھی غرباء ہی ہوں گے۔

وَإِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ غَنِيًّا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ يَجُوزُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ حَدِيْثِ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ وَإِلَّا فَانْتَفِعْ بِهَا وَكَانَ مِنَ الْمَيَاسِيْرِ، وَلِأَنَّهُ إِنَّمَا يُبَاحُ لِلْفَقِيْرِ حَمْلًا لَهُ عَلَى رَفْعِهَا صِيَانَةً لَهَا وَالْغَنِيُّ يُشَارِكُهُ فِيْهِ، وَلَنَا أَنَّهُ مَالُ الْغَيْرِ فَلَايُبَاحُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ إِلَّا بِرِضَاهُ لِإِطْلَاقِ النُّصُوْصِ، وَالْإِبَاحَةُ لِلْفَقِيْرِ لِمَا رَوَيْنَا أَوْ بِالْإِجْمَاعِ فَيَبْقَى مَارَوَاهُ عَلَى الْأَصْلِ، وَالْغَنِيُّ مَحْمُوْلٌ عَلَى

الْأَخذِ لِاحْتِمَالِ افْتِقَارِهِ فِي مُدَّةِ التَّعْرِيفِ، وَالْفَقِيرُ قَدْ يَتَوَانٰى لِاحْتِمَالِ اسْتِغْنَائِهِ فِيهَا، وَانْتِفَاعُ أُبَيٍّ رضی اللہ عنہ كَانَ بِإِذْنِ الْإِمَامِ وَهُوَ جَائِزٌ بِإِذْنِهِ، وَإِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ فَقِيرًا فَلَابَأْسَ بِأَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا لِمَا فِيهِ مِنْ تَحْقِيقِ النَّظْرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَلِهٰذَا جَازَ الدَّفْعُ إِلٰى فَقِيرٍ غَيْرِهِ وَكَذَا إِذَا كَانَ الْفَقِيرُ أَبَاهُ أَوْ اِبْنَهُ أَوْ زَوْجَتَهُ وَإِنْ كَانَ هُوَ غَنِيًّا لِمَا ذَكَرْنَا. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمه: اور اگر ملتقط مالدار ہو تو اس کے لیے لقطہ سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے اس لیے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''اگر مالک لقطہ آجائے تو اسے لقطہ دیدو ورنہ خود ہی اس سے نفع اٹھالو'' اور حضرت ابی مالداروں میں سے تھے، اور اس لیے کہ فقیر کے لیے اسی وجہ سے لقطہ مباح ہوتا ہے کہ وہ اسے لے کر اس کی حفاظت کرے اور اس معنی میں غنی اس کا شریک ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ دوسرے کا مال ہے لہٰذا اس کی رضامندی کے بغیر اس سے انتفاع جائز نہیں ہے، کیونکہ نصوص مطلق ہیں۔ اور فقیر کے لیے اس کی اباحت اس حدیث کی وجہ سے ہے جو ہم روایت کر چکے ہیں یا اجماع کی وجہ سے ہے لہٰذا اس کے علاوہ کا حکم اصل (ممانعت پر) پر باقی رہے گا۔

اور غنی کو اسے اٹھانے پر آمادہ کیا گیا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے مدت تعریف میں وہ محتاج ہو جائے اور کبھی فقیر حفاظت سے سستی کرتا ہے کہ شاید وہ اس مدت میں مالدار ہو جائے اور حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا انتفاع امام کی اجازت سے تھا اور امام کی اجازت سے انتفاع جائز ہے۔

اور اگر ملتقط فقیر ہو تو اس کے لیے لقطہ سے نفع اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس میں جانبین سے شفقت ملحوظ ہے، اسی لیے ملتقط کے علاوہ دوسرے فقیر کو لقطہ دینا جائز ہے۔ ایسے ہی اگر ملتقط کا باپ یا بیٹا یا اس کی بیوی فقیر ہو تو بھی ان کے لیے لقطہ سے انتفاع جائز ہے اگر چہ ملتقط مالدار ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اللغاتُ:

﴿ملتقط﴾ گری ہوئی چیز کو اٹھانے والا۔ ﴿میاسیر﴾ مالدار۔ ﴿صیانة﴾ حفاظت۔ ﴿لایباح﴾ حلال نہیں ہوگا۔ ﴿افتقار﴾ محتاج ہونا۔ ﴿تعریف﴾ تشہیر کرنا۔

مالدار کے لیے لقطہ سے فائدہ اٹھانا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر ملتقط مالدار اور غنی ہو تو ہمارے یہاں اسے لقطہ سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو لقطہ سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیا تھا حالانکہ حضرت ابی بن کعبؓ مالدار تھے۔ ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ فقیر کے لیے اسی مقصد سے انتفاع جائز ہے تاکہ وہ اسے اٹھا کر اس کی حفاظت بھی کر سکے اور یہ مقصد غنی سے بھی متحقق ہوسکتا ہے، لہٰذا حکم انتفاع میں فقیر وغنی دونوں برابر ہوں گے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ بھائی لقطہ دوسرے کا مال ہے اور دوسرے کے مال سے اس کی رضامندی کے بغیر نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ قرآن کریم نے ولاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل اور ولاتعتدوا جیسے فرمان سے علی الاطلاق دوسروں کے اموال کو استعمال کرنے کی پابندی عائدی کردی ہے، لہٰذا اس پابندی میں امیر وغریب دونوں برابر ہوں گے، لیکن چوں کہ صدقہ کرنے والی حدیث کے پیش نظر یا فقیر کے لیے جواز صدقہ کی وجہ سے فقیر کے لیے اس کا استعمال مباح قرار دیا گیا ہے، لہٰذا یہ اباحت صرف فقیر کے حق میں ثابت ہوگی اور غنی کے لیے ممانعت کا حکم اپنی اصل پر برقرار رہے گا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ مقصد رفع میں امیر وغریب دونوں برابر ہیں۔ صحیح نہیں ہے، کیونکہ غنی اس لیے اسے اٹھاتا ہے کہ شاید مدت تعریف میں وہ محتاج ہوجائے اور اسے اس مال کی ضرورت ہوجائے یا فقیر کبھی لقطہ کی حفاظت میں سستی کرتا ہے اس وجہ سے کہ شاید مدت تعریف میں وہ مالدار ہوجائے، لہٰذا لقطہ اٹھانے میں تو دونوں برابر ہوں گے، لیکن اس سے فائدہ اٹھانا صرف فقیر کے ساتھ خاص ہوگا۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابی کے لیے انتفاع کا جواز امام کی اجازت سے تھا اور ان کے ساتھ خاص تھا اور امام کی اجازت سے تو جوازِ انتفاع کے ہم بھی قائل ہیں۔ لیکن اس سے علی الاطلاق انتفاع کو جائز قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اگر ملتقط فقیر ہو تو اس کے لیے لقطہ سے انتفاع جائز ہے. کیونکہ اس میں اس ملتقط فقیر کا بھی فائدہ ہے اور مالک کا بھی فائدہ ہے کہ اسے ثواب مل رہا ہے، اسی لیے تو ملتقط کے علاوہ دوسرے فقیر کے لیے لقطہ سے انتفاع جائز ہے اسی طرح اگر ملتقط کا باپ یا بیٹا یا اس کی بیوی فقیر ہو تو ان کے لیے بھی لقطہ سے نفع اٹھانا جائز ہے اگرچہ ملتقط مالدار ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس میں دونوں طرف سے شفقت موجود ہے۔ واللہ أعلم وعلمہ أتم.

إباق باب ض سے أَبَقَ يأْبِقُ کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں بھاگنا، اور شریعت میں ابق وہ غلام کہلاتا ہے جو اپنے مولیٰ سے سرکشی کر کے قصداً بھاگ جائے۔

اَلْاٰبِقُ أَخْذُهٗ أَفْضَلُ فِي حَقِّ مَنْ يَقْوِيْ عَلَيْهِ لِمَا فِيْهِ مِنْ إِحْيَائِهٖ، وَأَمَّا الضَّالُّ فَقَدْ قِيْلَ كَذٰلِكَ، وَقَدْ قِيْلَ تَرْكُهٗ أَفْضَلُ لِأَنَّهٗ لَايَبْرَحُ مَكَانَهٗ فَيَجِدُهُ الْمَالِكُ وَلَاكَذٰلِكَ الْاٰبِقُ ثُمَّ اٰخِذُ الْاٰبِقِ يَأْتِيْ بِهٖ إِلَى السُّلْطَانِ لِأَنَّهٗ لَايَقْدِرُ عَلٰى حِفْظِهٖ بِنَفْسِهٖ، بِخِلَافِ اللُّقْطَةِ، ثُمَّ إِذَا رُفِعَ الْاٰبِقُ إِلَيْهِ يَحْبِسُهٗ، وَلَوْ رَفَعَ الضَّالُّ لَايَحْبِسُهٗ لِأَنَّهٗ لَايُؤْمَنُ عَلَى الْاٰبِقِ الْإِبَاقُ ثَانِيًا، بِخِلَافِ الضَّالِّ، قَالَ وَمَنْ رَدَّ اٰبِقًا عَلٰى مَوْلَاهُ مِنْ مَسِيْرَةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا فَلَهٗ عَلَيْهِ جُعْلُهٗ أَرْبَعُوْنَ دِرْهَمًا، وَإِنْ رَدَّهٗ لِأَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ فَبِحِسَابِهٖ وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ، وَالْقِيَاسُ أَنْ لَايَكُوْنَ لَهٗ شَيْءٌ إِلَّا بِالشَّرْطِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ لِأَنَّهٗ مُتَبَرِّعٌ بِمَنَافِعِهٖ فَأَشْبَهَ الْعَبْدَ الضَّالَّ، وَلَنَا أَنَّ الصَّحَابَةَ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ اتَّفَقُوْا عَلٰى وُجُوْبِ أَصْلِ الْجُعْلِ إِلَّا أَنَّ مِنْهُمْ مَنْ أَوْجَبَ أَرْبَعِيْنَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَوْجَبَ مَادُوْنَهَا فَأَوْجَبْنَا الْأَرْبَعِيْنَ فِيْ مَسِيْرَةِ السَّفَرِ وَمَادُوْنَهَا فِيْمَا دُوْنَهٗ تَوْفِيْقًا وَتَلْفِيْقًا بَيْنَهُمَا، وَلِأَنَّ إِيْجَابَ الْجُعْلِ أَصْلُهٗ حَامِلٌ عَلَى الرَّدِّ، إِذَا الْحِسْبَةُ نَادِرَةٌ فَتَحْصُلُ صِيَانَةُ الْاٰبِقِ، لِأَنَّهٗ لَايَتَوَارِيْ، وَالْاٰبِقُ يَخْتَفِيْ، وَيَقْدِرُ الرَّضْخُ فِي الرَّدِّ عَمَّادُوْنَ السَّفَرِ بِاصْطِلَاحِهِمَا أَوْ يُفَوَّضُ إِلٰى رَأْيِ الْقَاضِيْ، وَقِيْلَ يُقَسَّمُ الْأَرْبَعُوْنَ عَلَى الْأَيَّامِ الثَّلَاثَةِ إِذْ هِيَ أَقَلُّ مُدَّةِ السَّفَرِ.

ترجمہ: بھاگے ہوئے غلام کو پکڑنا اس شخص کے حق میں بہتر ہے جو اس کی حفاظت پر قادر ہو، کیونکہ ایسا کرنے میں مولی کے حق کا احیاء ہے۔ ایک قول کے مطابق بھٹکے ہوئے غلام کا بھی یہی حکم ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ضال کو نہ پکڑنا افضل ہے اس لیے کہ وہ اپنی جگہ سے زیادہ دور نہیں جائے گا اور مالک (بہ آسانی) اسے پکڑ لے گا اور آبق کا یہ حال نہیں ہے، پھر آبق کو پکڑنے والا اسے بادشاہ کے پاس لے آئے، کیونکہ آخذ بذات خود اس کی حفاظت پر قادر نہیں ہے۔ برخلاف لقطہ کے۔ پھر جب سلطان کے پاس آبق کو لایا جائے تو وہ اسے قید کردے اور اگر بھٹکے ہوئے کو لایا جائے تو سلطان اسے قید نہ کرے، کیونکہ آبق کے دوبارہ بھاگنے کا ڈر رہتا ہے برخلاف ضال کے۔

فرماتے ہیں کہ جو شخص تین دن یا اس سے زائد کی مسافت سے پکڑ کر آبق کو اس کے مولی کے پاس لائے تو لانے والے کے لیے مولی پر ۴۰/ دراہم مختنانہ واجب ہیں اور اگر اس سے کم مسافت سے لائے تو اس کے حساب سے جعل واجب ہے یہ حکم بر بنائے استحسان ہے۔ قیاس یہ ہے کہ شرط کے بغیر لانے والے کو کچھ نہ ملے یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، کیونکہ لانے والا اس کے منافع کے ساتھ احسان کرنے والا ہے تو یہ بھٹکے ہوئے غلام کو لانے والے کی طرح ہوگیا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرات صحابہ اصل خرچ کے وجوب پر متفق ہیں لیکن ان میں سے بعض حضرات نے چالیس دراہم واجب قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے اس سے کم واجب قرار دیا ہے، لہٰذا دونوں میں موافقت پیدا کرنے کے لیے مسیرت سفر میں تو ہم نے چالیس واجب کردیا اور اس سے کم میں کم واجب کیا۔

اور اس لیے کہ ایجاب جعل کا اصل مقصد انسان کو لانے پر آمادہ کرنا ہے، کیونکہ بنیت ثواب ایسا کرنا شاذ ونادر ہے، لہٰذا (جعل سے) لوگوں کے اموال کی حفاظت ہوگی۔ اور مال کی تقدیر سماعت پر موقوف ہے لیکن ضال کے متعلق کوئی سماعت نہیں ہے لہٰذا ضال میں یہ تقدیر ممتنع ہے۔ اور اس لیے کہ آبق کی صیانت کے بالمقابل ضال کی صیانت آسان ہے، کیونکہ ضال چھپتا نہیں جب کہ آبق چھپ جاتا ہے۔

اور مدت سفر سے کم کی دوری سے واپس لانے پر مالک اور راد کے اتفاق سے عطیہ متعین ہوگا یا یہ تعیین قاضی کی رائے کے سپرد ہوگی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ چالیس دراہم کو تین دنوں پر تقسیم کردیا جائے گا، کیونکہ ثلاثۃ ایام اقل مدت سفر ہے۔

اللغات:

﴿ابق﴾ بھگوڑا غلام۔ ﴿أخذ﴾ پکڑ لینا۔ ﴿إحیاء﴾ زندہ کرنا۔ ﴿ضالّ﴾ بھٹکا ہوا، راستہ بھولا ہوا۔ ﴿لایبرح﴾ نہیں چھوڑتا۔ ﴿یحبسہٗ﴾ اس کو قید کرلے۔ ﴿مسیرۃ﴾ مسافت۔ ﴿جُعل﴾ بھاگے ہوئے غلام کو واپس لانے کا معاوضہ، اجرت۔ ﴿حسبۃ﴾ ثواب کی اُمید رکھنا۔ ﴿صیانۃ﴾ حفاظت۔ ﴿لایتواری﴾ نہیں روپوش ہوتا۔

آبق اور ضال کی تعریف اور احکام:

آبق کی تعریف آپ کو معلوم ہے اور ضال کی تعریف یہ ہے کہ وہ غلام جو اپنے گھر کا راستہ بھول گیا ہو، آبق کو پکڑ کر اس کے مولی کے حوالے کرنا افضل ہے اور ضال کو پکڑنے کے متعلق دو قول ہیں (۱) اس کو بھی پکڑنا افضل ہے (۲) اسے نہ پکڑنا افضل ہے کیونکہ وہ تو خود ہی منزل کی تلاش میں رہتا ہے اور اس کے بھاگنے کا امکان بھی نہیں رہتا ہے جب کہ آبق اور بھگوڑے کے بھاگنے کا ہمہ وقت امکان رہتا ہے۔

قال ومن ردّ الخ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تین دن یا اس سے زائد کی مسافت سفر سے پکڑ کر کسی بھگوڑے غلام کو اس کے

مولیٰ کے پاس لائے تو لانے والے کو چالیس دراہم خرچ کے دیئے جائیں جو غلام کے مولیٰ سے لئے جائیں اور اگر اس سے کم مسافت سے لائے تو اسی حساب سے اس کا محنتانہ دیا جائے یہ حکم استحسانی ہے، قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر آبق کے مولیٰ نے اس غلام کو پکڑ کر لانے والے کو انعام وغیرہ دینے کی شرط لگادی ہو تب تو اسے محنتانہ ملے گا اور اس کو مولیٰ کی طرف سے ایسی کوئی شرط نہ ہو تو لانے والا متبرع ہوگا اور اسے کچھ نہیں ملے گا جیسے عبدِ ضال کو لانے والا کچھ نہیں پاتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرات صحابہ واپس لانے والے کے لیے اصل جعل کے وجوب پر متفق ہیں لیکن مقدار جعل میں ان کا اختلاف ہے چناں چہ حضرت عمر، حضرت معاویہ اور حضرت بن مسعود رضی اللہ عنہم نے چالیس درہم جعل واجب قرار دیا ہے اور حضرت علی اور حضرت عمرو بن دینار رضی اللہ عنہما سے دس دراہم کا ایجاب مروی ہے اور ہم نے دونوں فریق کے قولوں میں تطبیق دیتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ مدت سفر یا اس سے زائد دوری سے لانے والے کو چالیس دراہم بطور جعل دیئے جائیں اور اس سے کم فاصلہ سے لانے والے کو کم دیا جائے۔

ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ اس زمانے میں بنیتِ ثواب آبق وغیرہ کو لانا انتہائی شاذ ونادر ہے اسی لیے لانے والے کو انعام اور محنتانہ دینا بہتر ہے تاکہ لوگ اس کام میں دل چسپی لیں اور اموال ضیاع سے بچ جائیں۔

والتقدیر بالسمع الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا آبق کو ضال پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ آبق کے متعلق اربعون درہم کا اندازہ اور تخمینہ سماع سے ثابت ہوا ہے اور ضال کے متعلق کوئی سماع نہیں مروی ہے، اس لیے آبق کو ضال پر قیاس کرنا درست نہیں ہے اور اس لیے بھی درست نہیں ہے کہ آبق کی حفاظت ضال کی بہ نسبت زیادہ ضروری ہے، کیوں کہ آبق چھپتا رہتا ہے اور پکڑ میں نہیں آتا جب کہ ضال چھپتا نہیں ہے لہٰذا اس حوالے سے بھی ایک کو دوسرے کے مشابہ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

ویقدر الرضخ الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مدت سفر سے کم دوری سے کوئی شخص آبق کو پکڑ کر لایا ہو تو اس کا جعل اور محنتانہ مالک اور راد کے آپسی اتفاق سے طے ہوگا یا پھر قاضی اپنی صواب دید کے مطابق طے کرے گا۔ یا پھر **أربعون درهما** کو تین دنوں پر تقسیم کیا جائے گا اور ہر ہر دن کی مسافت کے مقابلہ ۳۰ و ۱۳ دراہم ہوں گے۔

قَالَ وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِينَ يُقْضٰى لَهُ بِقِيمَتِهِ إِلَّا دِرْهَمًا، قَالَ وَهٰذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَهُ أَرْبَعُوْنَ دِرْهَمًا، لِأَنَّ التَّقْدِيْرَ بِهَا ثَبَتَ بِالنَّصِّ فَلَايَنْقُصُ عَنْهَا، وَلِهٰذَا لَايَجُوْزُ الصُّلْحُ عَلَى الزِّيَادَةِ، بِخِلَافِ الصُّلْحِ عَلَى الْأَقَلِّ، لِأَنَّهُ حَطٌّ مِنْهُ، وَلِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ الْمَقْصُوْدَ حَمْلُ الْغَيْرِ عَلَى الرَّدِّ لِيَحْيٰ مَالُ الْمَالِكِ فَيَنْقُصُ دِرْهَمٌ لِيُسَلَّمَ لَهُ شَيْءٌ تَحْقِيْقًا لِلْفَائِدَةِ، وَأَمَّا الْوَلَدُ وَالْمُدَبَّرُ فِيْ هٰذَا بِمَنْزِلَةِ الْقِنِّ إِذَا كَانَ الرَّدُّ فِيْ حَيَاةِ الْمَوْلٰى لِمَا فِيْهِ مِنْ إِحْيَاءِ مِلْكِهِ، وَلَوْرُدَّ بَعْدَ مَمَاتِهِ لَاجُعْلَ فِيْهِمَا لِأَنَّهُمَا يَعْتِقَانِ بِالْمَوْتِ، بِخِلَافِ الْقِنِّ، وَلَوْكَانَ الرَّادُّ أَبَا الْمَوْلٰى أَوِابْنَهُ وَهُوَ فِيْ عِيَالِهِ أَوْ أَحَدَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْآخَرِ فَلَاجُعْلَ، لِأَنَّ هٰؤُلَاءِ مُتَبَرِّعُوْنَ بِالرَّدِّ عَادَةً وَلَايَتَنَاوَلُهُمْ إِطْلَاقُ الْكِتَابِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر اس غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہو تو واپس لانے والے کے لیے ۳۹/ دراہم ہی ملیں گے، فرماتے ہیں کہ یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے چالیس درہم دیئے جائیں گے، کیونکہ أربعون کی تقدیر نص سے ثابت ہوئی ہے، لہٰذا اس سے کم نہیں کیا جائے گا اسی لیے أربعون سے زائد پر صلح جائز نہیں ہے۔ برخلاف کم پر صلح کرنے کے اس لیے یہ راد کی طرف سے کم کرنا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جعل کا مقصود دوسرے کو رد پر ابھارنا ہے تا کہ مالک کا مال باقی رہے اس لیے ایک درہم کم کر دیا جائے تا کہ مالک کو بھی کچھ فائدہ مل جائے۔ اور ام ولد اور مدبر اس حکم میں غلام کے درجے میں ہیں بشرطیکہ رد مولیٰ کی زندگی میں ہو کیونکہ اس رد میں اس کی ملکیت کا احیاء ہے۔ اور اگر مولیٰ کی موت کے بعد آبق واپس کیا گیا تو مدبر اور ام ولد میں جعل نہیں ہوگا، کیونکہ مولیٰ کی موت سے وہ دونوں آزاد ہو جاتے ہیں۔ برخلاف خالص غلام کے۔

اور اگر واپس لانے والا مولیٰ کا باپ یا اس کا بیٹا ہو اور وہ اسی مولیٰ کی ماتحتی میں ہو یا شوہر یا بیوی میں سے کوئی ایک راد ہو تو بھی جعل نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ عموماً رد میں تبرع کرتے ہیں اور کتاب کا اطلاق انھیں شامل نہیں ہے۔

اللغاتُ:

﴿یقضٰی﴾ فیصلہ کیا جائے گا۔ ﴿حطّ﴾ کمی کرنا، گرانا۔ ﴿ردّ﴾ لوٹانا، واپس کرنا۔ ﴿لیحیی﴾ تا کہ زندہ رہے۔ ﴿ینقص﴾ کم کیا جائے گا۔ ﴿قنّ﴾ خالص غلام، مملوک محض۔ ﴿جعل﴾ بھگوڑا غلام واپس کرنے کا معاوضہ۔ ﴿لایتناولھم﴾ ان کو شامل نہیں ہوگا۔

واپس لانے والے کی اُجرت:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر واپس لائے گئے غلام کی قیمت چالیس دراہم سے کم ہو تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں راد کو ۳۹ دراہم ملیں گے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پورے چالیس ملیں گے، کیونکہ أربعون کی تقدیر نص سے ثابت ہے، لہٰذا اس میں کمی نہیں ہوگی اور نہ ہی زیادتی ہوگی چنانچہ اگر مالک اور راد چالیس دراہم سے زیادہ کے لین دین پر صلح کر لیں تو زیادتی معتبر نہیں ہوگی ہاں اس سے کم پر صلح کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ صاحب حق یعنی راد کی طرف سے حط اور کمی ہے اور جب صاحب حق خود ہی اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہے تو کیا کرے قاضی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جعل دینے سے مقصد یہ ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس میں دل چسپی لیں تا کہ اموال کی حفاظت ہوتی رہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ چالیس میں سے ایک درہم کم کر دیا جائے تا کہ مالک کو بھی کچھ مل جائے اور دونوں طرف شفقت متحقق ہو جائے۔

و أما أم الولد الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ام ولد یا مدبر بھاگے ہوں اور انھیں مولیٰ کی زندگی میں واپس کیا گیا ہو تو وہ قن اور غلام کے حکم میں ہوں گے، اس لیے کہ اس میں مولیٰ کی ملکیت کا احیاء ہے، لیکن اگر مولیٰ کی موت کے بعد انھیں واپس کیا جائے تو ان میں جُعل نہیں ہوگا اور لانے والے کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ مولیٰ کی موت سے وہ دونوں آزاد ہو جائیں گے اور اس کی ملکیت پر مملوک نہیں رہیں گے۔ اور اگر غلام کے مولیٰ کے باپ یا بیٹے نے اسے واپس کیا ہو اور وہ راد اسی مولیٰ کی تربیت میں ہو یا میاں بیوی میں سے کسی نے دوسرے کے آبق غلام کو واپس کیا ہو تو ان میں سے کسی کو بھی جعل نہیں ملے گا، کیونکہ عموماً یہ لوگ احسان کے طور پر رد کرتے ہیں اور

انھیں اس کے صلے اور بدلے کی پرواہ نہیں ہوتی اسی لیے علیه جعله أربعون الخ کے اطلاق میں یہ شامل اور داخل نہیں ہوں گے۔

قَالَ وَإِنْ أَبَقَ مِنَ الَّذِيْ رَدَّهُ فَلَاشَيْءَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ فِيْ يَدِهِ، لٰكِنْ هٰذَا إِذَا أَشْهَدَ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي اللُّقْطَةِ، قَالَ وَذَكَرَ فِيْ بَعْضِ النُّسَخِ أَنَّهُ لَاشَيْءَ لَهُ وَهُوَ صَحِيْحٌ أَيْضًا، لِأَنَّهُ فِيْ مَعْنَى الْبَائِعِ مِنَ الْمَالِكِ وَلِهٰذَا كَانَ لَهُ أَنْ يَحْبِسَ الْأَبِقَ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الْجُعْلَ بِمَنْزِلَةِ الْبَائِعِ يَحْبِسُ الْمَبِيْعَ لِاسْتِيْفَاءِ الثَّمَنِ، وَكَذٰلِكَ إِذَا مَاتَ فِيْ يَدِهِ لَاشَيْءَ عَلَيْهِ لِمَا قُلْنَا، قَالَ وَلَوْ أَعْتَقَهُ الْمَوْلٰى كَمَا لَقِيَهُ صَارَ قَابِضًا بِالْإِعْتَاقِ كَمَا فِيْ عَبْدِ الْمُشْتَرِيْ وَكَذَا إِذَا بَاعَهُ مِنَ الرَّادِّ لِسَلَامَةِ الْبَدَلِ، وَالرَّدُّ وَإِنْ كَانَ لَهُ حُكْمُ الْبَيْعِ لٰكِنَّهُ بَيْعٌ مِنْ وَجْهٍ فَلَايَدْخُلُ تَحْتَ النَّهْيِ الْوَارِدِ عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يُقْبَضْ فَجَازَ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر غلام لانے والے کے پاس سے بھاگ جائے تو راد پر کچھ ضمان نہیں ہے، کیونکہ عبد آبق اس کے قبضے میں امانت ہے، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب راد نے گواہ بنالیا ہو۔ اور کتاب اللقطہ میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قدوری کے بعض نسخوں میں جو یہ مذکور ہے کہ راد کو بھی کچھ نہیں ملے گا یہ بھی صحیح ہے کیونکہ راد مالک کے ہاتھ فروخت کرنے والے کے معنی میں ہے اسی لیے جعل وصول کرنے سے پہلے اسے حبس آبق کا حق ہے جیسے بائع استیفائے ثمن کے لیے مبیع کو روک سکتا ہے۔ نیز اگر غلام راد کے قبضہ میں مرجائے تو بھی راد پر ضمان نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ اگر مولیٰ دیکھتے ہی عبد آبق کو آزاد کردے تو اعتاق کی وجہ سے وہ قابض شمار ہوگا جیسے مشتری کے غلام میں ہوتا ہے اسی طرح جب مولیٰ راد سے اس غلام کو فروخت کردے، کیونکہ اس کے پاس بدل محفوظ ہے، اور واپس کرنا اگرچہ بیع کے حکم میں ہے لیکن یہ من وجہ ہی بیع ہے لہٰذا یہ اس نہی کے تحت داخل نہیں ہوگا جو کسی چیز پر قبضہ کئے بغیر اس کی فروختگی کی ممانعت کے متعلق وارد ہے۔ اس لیے یہ صورت جائز ہوگی۔

اللغات:

﴿ابق﴾ بھاگ گیا۔ ﴿اشھد﴾ گواہ بنالے۔ ﴿یحبس﴾ روکے رکھے، قید کرے۔ ﴿یستوفی﴾ وصول کرلے۔
﴿راد﴾ واپس لانے والا، لوٹانے والا۔

واپس لانے والے کی شرعی حیثیت:

صورت مسئلہ تو آسان ہے کہ عبد آبق راد کے قبضہ میں امانت ہوتا ہے اور امانت میں اگر تعدی نہ پائی جائے تو اس کی ہلاکت مودَع پر مضمون نہیں ہوتی اسی لیے اگر عبد آبق راد کے پاس سے بھاگ جائے یا اس کے قبضہ میں مرجائے تو اس پر ضمان نہیں ہوگا بشرطیکہ راد نے اسے پکڑتے وقت اس بات پر گواہ بنالیا ہو کہ وہ اسے مالک کو واپس کرنے کی نیت سے پکڑ رہا ہے۔ اور پکڑنے اور لانے کا جو خرچ ہوا ہوگا وہ بھی راد کو نہیں ملے گا، کیونکہ راد کی حیثیت غلام کے مولیٰ سے بائع کی ہے اور بائع جب تک مبیع نہیں دیتا اس وقت تک مستحقِ ثمن نہیں ہوتا اسی طرح راد بھی جب تک عبد آبق کو اس کے مولیٰ کے حوالے نہیں کردے گا وہ بھی مستحق جعل نہیں ہوگا۔

قال الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مولیٰ راد کے ہاتھ میں غلام دیکھ کر اسے آزاد کر دے تو اس عتاق سے وہ قابض شمار ہوگا اور اس پر راد کا جعل واجب ہوگا جیسے اگر مشتری کوئی غلام خرید کر قبضہ سے پہلے اسے آزاد کر دے تو اعتاق کی وجہ سے وہ بھی قابض شمار ہوگا اور اس پر مذکورہ غلام کا ثمن واجب ہوگا۔ اور اگر غلام کا مولیٰ راد کے ہاتھ اسے فروخت کر دے تو بھی جائز ہے، کیونکہ راد جس جعل کا مستحق ہے وہ غلام کے مولیٰ ہی کے پاس ہے لہٰذا اسے ثمن قرار دے کر بیع کو ok کر دیا جائے گا۔ اور رد اگر چہ بیع کے معنی میں ہے، لیکن چوں کہ یہ من وجہ ہی بیع کے معنی میں ہے اس لیے قبل القبض بیع سے جو ممانعت وارد ہے اس ممانعت میں یہ صورت داخل نہیں ہوگی، کیونکہ ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے جو من کل وجہ بیع کے معنی میں ہو۔

قَالَ وَيَنْبَغِيْ إِذَا أَخَذَهُ أَنْ يُشْهِدَ أَنَّهُ يَأْخُذُهُ لِيَرُدَّهُ فَالْإِشْهَادُ حَتْمٌ فِيْهِ عَلَيْهِ عَلٰى قَوْلِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ حَتّٰى لَوْ رَدَّهُ مَنْ لَمْ يُشْهِدْ وَقْتَ الْأَخْذِ لَا جُعْلَ لَهُ عِنْدَهُمَا، لِأَنَّ تَرْكَ الْإِشْهَادِ أَمَارَةٌ أَنَّهُ أَخَذَهُ لِنَفْسِهٖ وَصَارَ كَمَا إِذَا اشْتَرَاهُ مِنَ الْاٰخِذِ أَوْ اتَّهَبَهُ أَوْ وَرِثَهُ فَرَدَّهُ عَلٰى مَوْلَاهُ لَا جُعْلَ لَهُ، لِأَنَّهُ رَدَّهُ لِنَفْسِهٖ إِلَّا إِذَا أَشْهَدَ أَنَّهُ اشْتَرَاهُ لِيَرُدَّهُ فَيَكُوْنُ لَهُ الْجُعْلُ وَهُوَ مُتَبَرِّعٌ فِيْ أَدَاءِ الثَّمَنِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص عبد آبق کو پکڑے تو اسے اس بات پر گواہ بنالینا چاہئے کہ وہ اسے واپس کرنے کے لیے ہی پکڑ رہا ہے چنانچہ حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں آخذ کے لیے اشہاد لازم اور ضروری ہے حتی کہ اگر کوئی ایسا شخص واپس کرے جس نے بوقت اخذ گواہ نہ بنایا ہو تو حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں وہ مستحق جعل نہیں ہے، کیونکہ گواہ نہ بنانا اس امر کی دلیل ہے کہ اس نے اپنے لیے اسے پکڑا ہے اور یہ ایسا ہو گیا جیسے اس شخص نے آخذ سے وہ غلام خریدا یا ہبہ میں یا وراثت میں پایا پھر اس کے مالک کو واپس کر دیا تو اسے جعل نہیں ملے گا، اس لیے کہ اس نے اپنے لیے لے کر واپس کیا ہے، لیکن اگر مشتری نے اس بات پر گواہ بنالیا کہ اس نے مالک کو واپس کرنے کے لیے اس غلام کو خریدا ہے تو اسے جعل ملے گا اور ادائیگیٔ ثمن میں وہ متبرع ہوگا۔

اللغات:

﴿یشهد﴾ گواہ بنالے۔ ﴿حتم﴾ ضروری ہے۔ ﴿أمارة﴾ علامت، نشانی۔ ﴿اتهبهٗ﴾ اس کو وراثت میں لیا ہے۔ ﴿جُعل﴾ معاوضہ۔

غلام کو پکڑتے وقت گواہ نہ بنانا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر عبد آبق کو پکڑنے والا بوقت اخذ اس بات پر گواہ نہ بنالے کہ وہ غلام کو اس کے مولی کے حوالے کرنے کے لیے پکڑ رہا ہے تو حضرات طرفینؒ کے یہاں وہ مستحق جُعل نہیں ہوگا کیونکہ ترکِ اشہاد اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے مَن میں چوری چھپی ہے اور وہ اپنے لیے اس غلام کو پکڑ رہا ہے۔ جیسے اگر کوئی شخص آخذ سے اس غلام کو خرید لے ہبہ یا وراثت میں پائے اور پھر اسے اس کے مولیٰ کو واپس کرے تو اسے بھی جعل نہیں ملتا، کیونکہ یہ شخص مالک کو دینے کے لیے نہیں واپس کر رہا ہے، بلکہ یا تو مالک سے خود لینے کے لیے اسے دے رہا ہے یا اس غلام کو خریدنے سے اس پر جو ضمان واجب ہوا ہے اسے دور کرنے کے لیے مالک کو یہ بتا رہا ہے

کہ بھائی آپ کا غلام میں نے لے لیا ہے۔ ہاں اگر خریدتے وقت یہ شخص بھی گواہ بنالے کہ میں مالک کو دینے کے لیے یہ غلام خرید رہا ہوں تو اب یہ بھی واپسی کے وقت مستحق جعل ہوگا لیکن شراء میں اس نے جو ثمن دیا ہے وہ نہیں پائے گا اور اس ثمن کے متعلق اسے متبرع اور محسن قرار دے دیا جائے گا۔

فَإِنْ كَانَ الْآبِقُ رَهْنًا فَالْجُعْلُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ لِأَنَّهُ أَحْيَا مَالِيَّتَهُ بِالرَّدِّ وَهِيَ حَقُّهُ إِذِ الْإِسْتِيْفَاءُ مِنْهَا، وَالْجُعْلُ بِمُقَابَلَةِ إِحْيَاءِ الْمَالِيَّةِ فَيَكُوْنُ عَلَيْهِ، وَالرَّدُّ فِيْ حَيَاةِ الرَّاهِنِ وَبَعْدَهُ سَوَاءٌ، لِأَنَّ الرَّهْنَ لَايَبْطُلُ بِالْمَوْتِ، وَهٰذَا إِذَا كَانَتْ قِيْمَتُهُ مِثْلَ الدَّيْنِ أَوْ أَقَلَّ مِنْهُ، فَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ فَبِقَدْرِ الدَّيْنِ عَلَيْهِ وَالْبَاقِيْ عَلَى الرَّاهِنِ، لِأَنَّ حَقَّهُ بِالْقَدْرِ الْمَضْمُوْنِ فَصَارَ كَثَمَنِ الدَّوَاءِ وَتَخْلِيْصُهُ عَنِ الْجِنَايَةِ بِالْفِدَاءِ، وَإِنْ كَانَ مَدْيُوْنًا فَعَلَى الْمَوْلٰى إِنِ اخْتَارَ قَضَاءَ الدَّيْنِ، وَإِنْ بِيْعَ بُدِئَ بِالْجُعْلِ وَالْبَاقِيْ لِلْغُرَمَاءِ لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ الْمِلْكِ وَالْمِلْكُ فِيْهِ كَالْمَوْقُوْفِ فَيَجِبُ عَلٰى مَنْ يَسْتَقِرُّ لَهُ، وَإِنْ كَانَ جَانِيًا فَعَلَى الْمَوْلٰى إِنِ اخْتَارَ الْفِدَاءَ لِعَوْدِ الْمَنْفَعَةِ إِلَيْهِ، وَعَلَى الْأَوْلِيَاءِ إِنِ اخْتَارَ الدَّفْعَ لِعَوْدِهَا إِلَيْهِمْ، وَإِنْ كَانَ مَوْهُوْبًا فَعَلَى الْمَوْهُوْبِ لَهُ وَإِنْ رَجَعَ الْوَاهِبُ فِيْ هِبَتِهِ بَعْدَ الرَّدِّ، لِأَنَّ الْمَنْفَعَةَ لِلْوَاهِبِ مَا حَصَلَتْ بِالرَّدِّ بَلْ بِتَرْكِ الْمَوْهُوْبِ لَهُ التَّصَرُّفَ فِيْهِ بَعْدَ الرَّدِّ، وَإِنْ كَانَ لِصَبِيٍّ فَالْجُعْلُ فِيْ مَالِهِ، لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ مِلْكِهِ، وَإِنْ رَدَّهُ وَصِيُّهُ فَلَاجُعْلَ لَهُ، لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِيْ يَتَوَلَّى الرَّدَّ فِيْهِ.

ترجمہ: اگر عبد آبق رہن ہو تو جعل مرتہن پر ہوگا، کیونکہ راد نے واپس کرکے مرتہن ہی کی مالیت کو زندہ کیا ہے اور وہ مالیت مرتہن کا حق ہے، اس لیے کہ اسی مالیت سے مرتہن کا حق دیا جائے گا اور جعل احیائے مالیت ہی کے مقابلے میں ہوتا ہے لہٰذا یہ جعل مرتہن پر ہوگا۔ اور راہن کی زندگی اور اس کے بعد دونوں میں واپس کرنا برابر ہے، کیونکہ راہن کی موت سے رہن باطل نہیں ہوتا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب عبد مرہون کی قیمت دین کے برابر یا اس سے کم ہو اور اگر اس کی قیمت دین سے زائد ہو تو دین کے بقدر جعل مرتہن پر ہوگا اور باقی راہن پر ہوگا، کیونکہ مرتہن کا حق بقدر مضمون ہوتا ہے تو یہ ایسا ہوگیا جیسے دوا کا ثمن اور اسے جنایت سے پاک کرنے کا فدیہ۔ اور اگر وہ غلام مدیون ہو اور مولیٰ ادائیگی دین پر راضی ہو تو اسی پر جعل ہوگا۔ اور اگر غلام کو فروخت کیا گیا تو پہلے جعل ادا کیا جائے گا اور باقی بچا ہوا ثمن قرض خواہوں کو ملے گا، اس لیے کہ جعل ملکیت کا صرف ہے اور اس غلام میں ملکیت موقوف ہے لہٰذا جس کے لیے ملکیت پختہ ہوگی اسی پر جعل بھی واجب ہوگا۔

اور اگر عبد آبق نے جنایت کی تو مولیٰ پر جعل ہوگا اگر وہ فدیہ دینے کو اختیار کرے کیونکہ منفعت رد اسی کی طرف لوٹے گی۔ اور اگر مولیٰ نے جنایت میں غلام دینا اختیار تو اولیائے مقتول پر جعل ہوگا، کیونکہ اب منفعت ان کی طرف عود کر رہی ہے۔ اور اگر عبد آبق ہبہ کردیا گیا ہو تو موہوب لہ پر اس کا جعل ہوگا اگرچہ رد کے بعد واہب نے اپنا ہبہ واپس لے لیا ہو اس لیے کہ رد سے واہب کو کوئی فائدہ نہیں ملا بلکہ اسے فائدہ اس وقت ہوگا جب موہوب لہ واپسی کے بعد اس میں تصرف چھوڑ دے۔ اور اگر عبد آبق کسی بچے کا ہو تو اس

بچے کے مال میں جعل ہوگا، کیونکہ جعل اسی کی ملکیت کا صرفہ ہے اور اگر بچے کا وصی اسے واپس کرے تو وصی کو جعل نہیں ملے گا، کیونکہ غلام کو واپس لانا وصی ہی کی ذمے داری ہے۔

اللغات:

﴿ابق﴾ بھگوڑا غلام۔ ﴿جُعل﴾ اجرت، معاوضہ۔ ﴿أحیا﴾ زندہ کیا ہے۔ ﴿ردّ﴾ لوٹا کر، واپس کر کے۔ ﴿استیفاء﴾ وصول کرنا۔ ﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿تخلیص﴾ چھڑانا، چھٹکارا دلانا۔ ﴿جنایة﴾ جرم۔ ﴿فداء﴾ فدیہ، تاوان۔ ﴿مؤنة﴾ مشقت، خرچ۔

واپس لانے والے کی اجرت کس پر ہوگی:

عبارت میں کئی مسئلے بیان کئے گئے ہیں اور سب ترجمے سے واضح ہیں۔ مثلاً اگر عبد آبق مرہون ہو تو اسے واپس لانے والے کا جعل مرتہن پر ہوگا، کیونکہ ابی غلام سے مرتہن کا حق وابستہ ہے اور وہ اس کی مالیت کا حق ہے لہٰذا جعل بھی اسی پر ہوگا، خواہ غلام راہن کی زندگی میں واپس کیا جائے یا اس کے مرنے کے بعد واپس کیا جائے، بہر صورت اس کا جعل مرتہن پر ہوگا۔ بشرطیکہ غلام کی قیمت مرتہن کے دین کے برابر ہو یا اس سے کم ہو، لیکن اگر اس کی قیمت مرتہن کے دین سے زائد ہو مثلاً دین تیس دراہم ہو اور غلام کی قیمت چالیس دراہم یا اس سے زائد ہو تو دین کے اعتبار سے مرتہن پر جعل ہوگا اور باقی جعل راہن پر ہوگا، کیونکہ مرتہن کا حق مرہون میں اس کے حق اور حصے کے بقدر مضمون ہے لہٰذا ایسا ہو گیا جیسے اگر عبد مرہون مرتہن کے پاس بیمار ہو گیا یا اس نے کوئی جنایت کی تو اس کی بیماری میں اور جنایت سے اسے چھڑانے میں جو صرفہ آئے گا وہ بھی مرتہن کے دین اور اس کے حصے کے بقدر اس پر واجب ہوگا باقی راہن پر واجب ہوگا اسی طرح صورت مسئلہ میں جعل بھی مرتہن کے حصے کے بقدر ہی اس پر واجب ہوگا۔

وإن كان مديونا الخ فرماتے ہیں کہ اگر عبد آبق مدیون ہو اور مولیٰ اس کا دین ادا کرنا چاہے تو مولیٰ پر جعل واجب ہوگا اور اگر مولیٰ ادائے دین سے انکار کر دے اور غلام کو فروخت کرنے کی نوبت آئے تو اس کے ثمن سے پہلے جعل ادا کیا جائے پھر باقی رقم غرماء کو دیدی جائے اس لیے کہ جعل ملکیت کا صرفہ ہے اور اس غلام کی ملکیت ابھی موقوف ہے مولیٰ کی بھی ہو سکتی ہے اور اگر مولیٰ اس کا دین نہ دینا چاہے تو غرماء کی بھی ہو سکتی ہے لہٰذا جس کو ملکیت ملے گی اسی پر جعل بھی ہوگا۔

اور اگر عبد آبق جنایت کرے اور مولیٰ اِس کا فدیہ دینا چاہے تو مولیٰ پر جعل ہوگا اور اگر جنایت میں غلام دینا چاہے تو اولیائے مقتول پر جعل ہوگا، کیونکہ پہلی صورت میں اس کی منفعت مولیٰ کو ملے گی اور دوسری صورت میں اس کی منفعت اولیائے مقتول کو ملے گی۔ اسی طرح اگر عبدِ آبق کسی کو ہبہ کر دیا گیا ہو تو اس کے راد کا جُعل واہب پر نہیں ہوگا بلکہ موہوب لہ پر ہوگا اگر چہ رد اور واپسی کے بعد واہب اپنا ہبہ واپس لے لے، اس لیے کہ بوقت رد یہ غلام موہوب لہ کے قبضہ میں تھا اور رد سے واہب کا کوئی فائدہ نہیں ہوا ہے تو گویا یہ جعل موہوب لہ کی ملکیت کا صرفہ ہوا فلذا ایجب علیه۔

اگر عبد آبق کا مالک کوئی نابالغ بچہ ہو تو اسی بچے کے مال میں جعل ہوگا، کیونکہ یہ اسی کی ملکیت کا صرفہ ہے، ہاں اگر راد بچے کا وصی ہی ہو تو اس وصی کو کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ اس غلام کو ڈھونڈ کر بچے کے حوالے کرنا وصی کی ذمے داری ہے، لہٰذا وصی نے اس غلام کو واپس کر کے اپنا فریضہ ادا کیا ہے کوئی تیر نہیں مارا ہے کہ اسے اس پر انعام دیا جائے۔ **فقط واللہ أعلم**

مفقود وہ شخص کہلاتا ہے جس کی حیات اور موت کا کوئی پتہ نہ ہو۔

إِذَا غَابَ الرَّجُلُ فَلَمْ يُعْرَفْ لَهُ مَوْضِعٌ وَلَايُعْلَمُ أَحَيٌّ هُوَ أَمْ مَيِّتٌ نَصَبَ الْقَاضِيْ مَنْ يَحْفَظُ مَالَهُ وَيَقُوْمُ عَلَيْهِ وَيَسْتَوْفِيْ حَقَّهُ، لِأَنَّ الْقَاضِيْ نُصِبَ نَاظِرًا لِكُلِّ عَاجِزٍ عَنِ النَّظْرِ لِنَفْسِهِ، وَالْمَفْقُوْدُ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ وَصَارَ كَالصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ، وَفِيْ نَصْبِ الْحَافِظِ لِمَالِهِ وَالْقَائِمِ عَلَيْهِ نَظْرٌ لَهُ، وَقَوْلُهُ يَسْتَوْفِيْ حَقَّهُ لِإِخْفَاءِ أَنَّهُ يَقْبِضُ غَلَّاتِهِ وَالدَّيْنَ الَّذِيْ أَقَرَّ بِهِ غَرِيْمٌ مِنْ غُرَمَائِهِ، لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ وَيُخَاصِمُ فِيْ دَيْنٍ وَجَبَ بِعَقْدِهِ لِأَنَّهُ أَصِيْلٌ فِيْ حُقُوْقِهِ وَلَايُخَاصِمُ فِي الَّذِيْ تَوَلَّاهُ الْمَفْقُوْدُ وَلَافِيْ نَصِيْبٍ لَهُ فِيْ عِقَارٍ أَوْ عُرُوْضٍ فِيْ يَدِ رَجُلٍ، لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالِكٍ وَلَا نَائِبَ عَنْهُ إِنَّمَا هُوَ وَكِيْلٌ بِالْقَبْضِ مِنْ جِهَةِ الْقَاضِيْ وَأَنَّهُ لَايَمْلِكُ الْخُصُوْمَةَ بِلَا خِلَافٍ، إِنَّمَا الْخِلَافُ فِي الْوَكِيْلِ بِالْقَبْضِ مِنْ جِهَةِ الْمَالِكِ فِي الدَّيْنِ، وَإِذَا كَانَ كَذٰلِكَ يَتَضَمَّنُ الْحُكْمَ بِهِ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ وَأَنَّهُ لَايَجُوْزُ إِذَا رَاٰهُ الْقَاضِيْ وَقَضٰى بِهِ لِأَنَّهُ مُجْتَهَدٌ فِيْهِ، ثُمَّ مَا كَانَ يُخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادُ يَبِيْعُهُ الْقَاضِيْ لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ حِفْظُ صُوْرَتِهِ فَيَنْظُرُ لَهُ بِحِفْظِ الْمَعْنٰى، وَلَايَبِيْعُ مَالَا يُخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادُ فِيْ نَفَقَةٍ وَلَاغَيْرِهَا، لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَى الْغَائِبِ إِلَّا فِيْ حِفْظِ مَالِهِ فَلَايَسُوْغُ لَهُ تَرْكُ حِفْظِ الصُّوْرَةِ وَهُوَ مُمْكِنٌ.

ترجمہ: اگر کوئی شخص غائب ہو جائے اور اس کا کوئی ٹھکانہ معلوم نہ ہو اور یہ بھی نہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے تو قاضی ایک شخص کو متعین کر دے جو اس کے مال کی حفاظت کرے، اس کی دیکھ ریکھ کرے اور اس کا حق وصول کرے، کیونکہ قاضی کو ہر اس شخص

کے لیے نگراں بنایا گیا ہے جو اپنی ضروریات کی دیکھ بھال سے بے بس ہو اور مفقود میں یہ باتیں موجود ہیں اور مفقود بچے اور مجنون کی طرح ہو گیا۔ اور اس کے مال کے لیے محافظ اور متولی مقرر کرنے میں اس پر شفقت ہے۔ اور ماتن کا قول یستوفي حقه اس بات کی وضاحت کے لیے ہے کہ وہ ناظر مفقود کے غلوں پر قبضہ کرے اور اس دَین پر قبضہ کرے، جس کا مفقود کے قرض خواہوں میں سے کوئی اقرار کرے، اس لیے یہ بھی حفاظت میں داخل ہے۔ اور یہ ناظر ایسے دین کے متعلق بھی مخاصمت کرے گا جو خود اس کے عقد سے واجب ہوا ہو، کیونکہ ناظر اپنے حقوق اصل ذمہ دار ہوتا ہے اور اس دین میں مخاصمت نہیں کرسکتا جو مفقود کے ذریعے پیدا ہوا ہو اور ناظرین زمین میں مفقود کے حصے میں یا کسی شخص کے پاس موجود اس کے سامان کے متعلق بھی مخاصمت نہیں کرسکتا، کیونکہ ناظر نہ تو اس کا مالک ہے اور نہ ہی مفقود کی طرف سے نائب ہے وہ تو قاضی کی طرف سے وکیل بالقبض ہے اور قاضی کا وکیل بالقبض بلا اختلاف خصومت کا مالک نہیں ہوتا۔

اختلاف تو اس وکیل کے بارے میں ہے جو مالک کی طرف سے دین پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے۔ اور جب معاملہ ایسا ہے تو اس کا حکم قضاء علی الغائب کو شامل ہوگا حالانکہ قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے، لیکن اگر قاضی کی رائے میں یہ بات صحیح معلوم ہو اور قاضی اس کا حکم دیدے تو صحیح ہے، کیونکہ یہ مجتہد فیہ ہے۔

پھر وہ چیزیں جن کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو انھیں قاضی فروخت کردے، کیونکہ صورتاً اس کی حفاظت متعذر ہے لہٰذا معناً اس کی حفاظت کی جائے گی۔ اور جس چیز کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو اسے نفقہ وغیرہ میں فروخت نہیں کیا جائے گا، کیونکہ غائب پر اس کے مال کی حفاظت کے حوالے سے ہی قاضی کو ولایت حاصل ہے لہٰذا اس کے لیے حفاظت کا ترک جائز نہیں ہوگا، کیونکہ حفاظت کرنا ممکن ہے۔

اللغات:

﴿حیّ﴾ زندہ۔ ﴿یستوفي﴾ وصول کرے۔ ﴿ناظر﴾ مصلحت کی رعایت رکھنے والا۔ ﴿مفقود﴾ گم۔ ﴿صبي﴾ بچہ۔ ﴿غلّات﴾ آمدنیاں۔ ﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿غریم﴾ قرضدار۔ ﴿یخاصم﴾ جھگڑا کرے گا۔ ﴿عقار﴾ جائیداد، زمین وغیرہ۔ ﴿عروض﴾ ساز وسامان۔ ﴿لایسوغ﴾ جائز نہیں ہوگا۔

مفقود الخبر کے احکام:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر مفقود کا کوئی پتا ٹھکانہ معلوم نہ ہو اور اس کی حیات وموت کا کوئی علم نہ ہو تو قاضی اس مفقود کے اموال کی حفاظت اور نگہداشت کے لیے کوئی نگراں مقرر کردے جو اس کے حقوق کی وصولیابی بھی کیا کرے جیسے قاضی بچے اور مجنون کے مال میں اس طرح کا محافظ اور نگراں متعین کرتا ہے۔ یہ نگراں مفقود کی پیداوار اور دیگر حاصلات پر قبضہ کرتا ہے اور مفقود کے غرماء میں سے جو شخص اپنے اوپر اس کے دین کا اقرار کرتا ہے اس پر قبضہ کرتا ہے اور مفقود کے عق اور لین دین سے جو دین واجب ہو اس کے متعلق تو وہ مخاصمت کرسکتا ہے، لیکن مفقود کے لین دین اور معاملات سے جو دین واجب ہو اسی طرح مفقود کی زمین وجائداد سے متعلق جو معاملہ ہو ان کے متعلق وہ مخاصمت نہیں کرسکتا، کیونکہ مخاصمت کے لیے ملکیت یا نیابت ضروری ہے اور ناظر ونگراں میں یہ دونوں باتیں

معدوم ہیں اور ناظر تو صرف قاضی کی طرف سے وکیل بالقبض ہوتا ہے اس لیے اسے اس کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ وکیل بالقبض من جہۃ الما لک مخاصمت کا مالک نہیں ہوتا اور اگر ہم اسے مخاصمت کا مالک قرار دیں گے تو یہ قضاء علی الغائب ہوگا اور قضا علی الغائب جائز نہیں ہے، ہاں اگر قاضی اس میں مصلحت سمجھے تو اسے نافذ کرسکتا ہے کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔

ثم ما کان الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مفقود کے اموال میں خراب ہونے والی چیزیں مثلاً پھل وغیرہ ہوں تو قاضی انھیں فروخت کر کے ان کا ثمن محفوظ کرلے، کیونکہ جب صورتاً ان کی حفاظت متعذر ہے تو ثمن محفوظ کر کے معناً اس کی حفاظت کی جائے۔ لیکن جن چیزوں کے خراب ہونے کا خوف نہ ہو قاضی انھیں فروخت نہیں کرسکتا، کیونکہ اب باقی رکھنے میں شفقت ہے اور فروخت کرنے میں کوئی شفقت نہیں ہے۔

قَالَ وَيُنْفِقُ عَلٰى زَوْجَتِهٖ وَأَوْلَادِهٖ مِنْ مَالِهٖ وَلَيْسَ هٰذَا الْحُكْمُ مَقْصُوْرًا عَلَى الْأَوْلَادِ بَلْ يَعُمُّ جَمِيْعَ قَرَابَةِ الْوِلَادِ، وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَنْ يَسْتَحِقُّ النَّفَقَةَ فِيْ مَالِهٖ حَالَ حَضْرَتِهٖ بِغَيْرِ قَضَاءِ الْقَاضِيْ يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهٖ عِنْدَ غَيْبَتِهٖ، لِأَنَّ الْقَضَاءَ حِيْنَئِذٍ يَكُوْنُ إِعَانَةً، وَكُلُّ مَنْ لَا يَسْتَحِقُّهَا فِيْ حَضْرَتِهٖ إِلَّا بِالْقَضَاءِ لَايُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهٖ فِيْ غَيْبَتِهٖ، لِأَنَّ النَّفَقَةَ حِيْنَئِذٍ تَجِبُ بِالْقَضَاءِ وَالْقَضَاءُ عَلَى الْغَائِبِ مُمْتَنِعٌ، فَمِنَ الْأَوَّلِ الْأَوْلَادُ الصِّغَارُ وَالْإِنَاثُ مِنَ الْكِبَارِ وَالزَّمْنٰى مِنَ الذُّكُوْرِ الْكِبَارِ، وَمِنَ الثَّانِي الْأَخُ وَالْأُخْتُ وَالْخَالُ وَالْخَالَةُ، وَقَوْلُهٗ مِنْ مَالِهٖ مُرَادُهُ الدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيْرُ، لِأَنَّ حَقَّهُمْ فِي الْمَطْعُوْمِ وَالْمَلْبُوْسِ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ فِيْ مَالِهٖ يَحْتَاجُ إِلَى الْقَضَاءِ بِالْقِيْمَةِ وَهِيَ النَّقْدَانُ، وَالتِّبْرُ بِمَنْزِلَتِهِمَا فِيْ هٰذَا الْحُكْمِ لِأَنَّهٗ يَصْلَحُ قِيْمَةً كَالْمَضْرُوْبِ وَهٰذَا إِذَا كَانَتْ فِيْ يَدِالْقَاضِيْ، فَإِنْ كَانَتْ وَدِيْعَةً أَوْدَيْنًا يُنْفِقُ عَلَيْهِمْ مِنْهُمْ إِذَا كَانَ الْمُوْدَعُ وَالْمَدْيُوْنُ مُقِرَّيْنَ بِالدَّيْنِ وَالْوَدِيْعَةِ وَالنِّكَاحِ وَالنَّسَبِ، وَهٰذَا إِذَا لَمْ يَكُوْنَا ظَاهِرَيْنِ عِنْدَالْقَاضِيْ فَإِنْ كَانَ ظَاهِرَيْنِ فَلَاحَاجَةَ إِلَى الْإِقْرَارِ، وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا ظَاهِرًا يُشْتَرَطُ الْإِقْرَارُ بِمَا لَيْسَ بِظَاهِرٍ هٰذَا هُوَ الصَّحِيْحُ، فَإِنْ دَفَعَ الْمُوْدَعُ بِنَفْسِهٖ أَوْ مَنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بِغَيْرِ أَمْرِالْقَاضِيْ يَضْمَنُ الْمُوْدَعُ وَلَايَبْرَأُ الْمَدْيُوْنُ لِأَنَّهٗ مَا أَدّٰى إِلٰى صَاحِبِ الْحَقِّ وَلَا إِلٰى نَائِبِهٖ، بِخِلَافِ مَا إِذَا دَفَعَ بِأَمْرِ الْقَاضِيْ، لِأَنَّ الْقَاضِيْ نَائِبٌ عَنْهُ، وَإِنْ كَانَ الْمُوْدَعُ وَالْمَدْيُوْنُ جَاحِدَيْنِ أَصْلًا أَوْكَانَا جَاحِدَيْنِ الزَّوْجِيَةَ وَالنَّسَبَ لَمْ يَنْتَصِبْ أَحَدٌ مِنْ مُسْتَحِقِّي النَّفَقَةِ خَصْمًا فِيْ ذٰلِكَ لِأَنَّهٗ مَا يَدَّعِيْهِ لِلْغَائِبِ لَمْ يَتَعَيَّنْ سَبَبًا لِثُبُوْتِ حَقِّهٖ وَهُوَ النَّفَقَةُ، لِأَنَّهَا كَمَا تَجِبُ فِيْ هٰذَا الْمَالِ تَجِبُ فِيْ مَالٍ اٰخَرَ لِلْمَفْقُوْدِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ناظر مفقود کے مال سے اس کی بیوی اور بچوں کا نفقہ دے اور یہ حکم اولاد ہی پر منحصر نہیں ہے، بلکہ تمام

پیدائشی قرابت داروں کو عام ہے۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو مفقود کی موجودگی میں قضائے قاضی کے بغیر اس کے مال میں نفقہ کا مستحق ہے اس پر اس مفقود کی غیوبت میں بھی مفقود کے مال سے خرچ کیا جائے گا، اس لیے کہ اس صورت میں قاضی کا فیصلہ صرف اعانت کے لیے ہوگا۔ اور جو لوگ مفقود کی موجودگی میں بدون قضائے قاضی مستحق نہیں ہیں یہ ناظر مفقود کی عدم موجودگی میں انھیں نفقہ نہیں دے گا، کیونکہ اس وقت نفقہ قضاء قاضی سے واجب ہوگا حالانکہ قضاء علی الغائب ممنوع ہے۔

پہلی قسم میں سے نابالغ بچے ہیں، بالغہ لڑکیاں ہیں اور بالغ اپاہج لڑکے ہیں۔ اور دوسری قسم میں سے بھائی، بہن، ماموں اور خالہ ہیں۔ اور امام قدوری کے قول من مالہ سے دراہم ودنانیر مراد ہیں، کیونکہ مستحقین کا حق کھانے اور کپڑے میں ہے اور جب مفقود کے مال میں مطعوم اور ملبوس نہ ہو تو قضاء بالقیمت کی ضرورت ہوگی اور قیمت دراہم ودنانیر ہیں۔ اور بغیر ڈھلا ہوا سکہ اس حکم میں دراہم ودنانیر کے درجے میں ہے کیونکہ ڈھلے ہوئے سکے کی طرح وہ بھی قیمت بن سکتا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب یہ مال قاضی کے پاس ہو، لیکن اگر مفقود کا مال ودیعت ہو یا کسی کے پاس بطور قرض ہو تو اگر مودَع اور مقروض ودیعت دین کے مقر ہوں اور مفقود کی بیوی اور اس کے بچوں کے نکاح اور نسب کا اقرار کر رہے ہوں تو مذکورہ دونوں مالوں سے انھیں نفقہ دیا جائے گا، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب ودیعت اور نکاح وغیرہ قاضی کے پاس ظاہر نہ ہوں اور اگر ظاہر ہوں تو ان کے اقرار کی چنداں ضرورت نہیں ہے اور اگر ان میں سے ایک ظاہر ہو تو غیر ظاہر کے متعلق اقرار شرط ہوگا یہی صحیح ہے۔ چنانچہ اگر مودع یا مدیون نے حکم قاضی کے بغیر انھیں مال دیدیا تو مودَع ضامن ہوگا اور مدیون دین سے بری نہیں ہوگا کیونکہ اس نے نہ تو صاحب حق کو دین ادا کیا ہے اور نہ ہی اس کے نائب کو۔ برخلاف اس صورت کے جب اس نے قاضی کے حکم سے دیا ہو کیونکہ قاضی مفقود کا نائب ہے۔

اور اگر مودَع اور مدیون دین اور ودیعت کے منکر ہوں یا وہ زوجیت اور نسب کے منکر ہوں تو مستحقین نفقہ میں سے کوئی شخص اس سلسلے میں خصم نہیں ہوسکتا، کیونکہ خصم غائب کے لیے جس چیز کا دعوی کرے گا وہ اس کا یعنی نفقہ کا حق ثابت ہونے کے لیے سبب نہیں ہوگا، کیونکہ جس طرح اس مال میں (دین اور ودیعت میں) نفقہ واجب ہوسکتا ہے اس طرح دوسرے مال میں بھی واجب ہوسکتا ہے۔

اللغات:

﴿ینفق﴾ خرچ کرے۔ ﴿مقصور﴾ منحصر، محدود۔ ﴿حضرۃ﴾ موجودگی۔ ﴿غیبۃ﴾ غیر موجودگی۔ ﴿إعانۃ﴾ مدد کرنا۔ ﴿ممتنع﴾ ممنوع/ ناممکن۔ ﴿زمن﴾ اپاہج، معذور۔ ﴿خال﴾ ماموں۔ ﴿مطعوم﴾ کھانے کا سامان۔ ﴿تبر﴾ خالص سونا چاندی، بے ڈھلا سونا، چاندی، ڈلی۔ ﴿ودیعۃ﴾ امانت۔ ﴿دین﴾ قرضہ۔ ﴿جاحدین﴾ انکار کرنے والے۔

مفقود کے مستحق نفقہ متعلقین کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ جو لوگ مفقود کی موجودگی میں قضائے قاضی کے بغیر ولادی اور پیدائشی رشتے کی وجہ سے ان کے مال سے نفقہ پانے کا مستحق تھے مثلاً اس کے نابالغ بچے، بالغہ لڑکیاں اور بالغ معذورین وہ اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کے مال سے مستحق نفقہ ہوں گے اور قاضی کی طرف سے مقرر کردہ ناظر انھیں مفقود کے مال سے نفقہ دے گا۔ اور جو لوگ اس کی موجودگی میں قضائے قاضی

کے بغیر مستحقِ نفقہ نہیں تھے جیسے بھائی، بہن اور خالہ ماموں وغیرہ وہ اس کی عدم موجودگی میں بھی مستحق نفقہ نہیں ہوں گے۔ کیونکہ اگر قاضی ان پر نفقہ کا حکم دے گا تو یہ قضاء علی الغائب ہوگا حالانکہ قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے۔

نفقہ میں کھانا اور کپڑا داخل ہے اگر مفقود کے مال میں مطعوم وملبوس ہو تو ٹھیک ہے یعنی وہی دیا جائے اور اگر نہ ہو تو ان کی قیمت یعنی دراہم ودنانیر دیے جائیں بشرطیکہ مفقود کے یہ اموال قاضی کے قبضے میں ہوں اور اگر یہ اموال کسی کے پاس ودیعت یا قرض کے طور پر ہوں اور قاضی کو یہ معلوم ہو کہ مفقود کے اموال فلاں فلاں کے پاس موجود ہیں تو انھی اموال سے مستحقین کو نفقہ دیا جائے اور اس صورت میں مودَع اور مدیون میں سے کسی کے اقرار کی ضرورت نہیں ہوگی، ہاں اگر یہ بات قاضی کے علم میں نہ ہو تو مودَع اور مدیون کے اقرار کی ضرورت ہوگی چنانچہ اگر یہ دونوں یہ اقرار کریں کہ ہمارے پاس مفقود کا مال ہے اور فلاں عورت اس کی بیوی ہے اور یہ اس کے بچے ہیں تو اس مال سے انھیں نفقہ دیا جائے گا اور اگر ان دونوں یعنی مال اور مستحقین میں سے کوئی چیز قاضی کے علم میں نہ ہو تو اس کے لیے بھی مودَع اور مدیون کے اقرار کی ضرورت ہوگی اور ان کے اقرار کے بعد ہی اس پر فیصلہ کیا جائے گا۔

فإن دفع المودَع الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مودَع یا مدیون نے قاضی کے حکم کے بغیر مدیون کی بیوی اور اس کے بچوں کو نفقہ دیدیا تو مودَع اتنے مال کا ضامن ہوگا اور مدیون دین سے بری نہیں ہوگا، کیونکہ ان لوگوں نے نہ تو صاحب حق یعنی مفقود کو اس کا حق دیا ہے اور نہ ہی اس کے نائب کو دیا ہے اور ایک طرح سے دوسرے کے مال میں تصرف کیا ہے جو موجبِ ضمان ہے ہاں اگر قاضی کے حکم سے دیا ہو تو ضمان نہیں ہوگا، کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہے اور وہ مفقود کا نائب ہے۔

اگر مودع یا مدیون اصل یعنی ودیعت اور دین کے منکر ہوں یا مفقود کی بیوی اور بچوں کو اس کی بیوی بچے ماننے کے لیے تیار نہ ہوں تو ان لوگوں میں سے کوئی بھی مودَع یا مدیون کا خصم نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر کوئی خصم بنے گا تو وہ غائب پر نفقہ ہی کا دعویٰ کرے گا حالانکہ یہ دعوی معتبر نہیں ہے، کیونکہ جس طرح ودیعت اور دین میں نفقہ واجب ہے اسی طرح دوسرے مال میں بھی واجب ہے اور یہ وجوب صرف ودیعت اور دین میں منحصر نہیں ہے، للہذا جج کا فیصلہ یہ ہوگا کہ جہاں انکار نہیں ہے وہاں جا کر نفقہ لو اور یہاں انکار اور جھنجھٹ ہے اس لیے یہاں نفقہ چھوڑ دو۔

قَالَ وَلَايُفَرَّقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ وَقَالَ مَالِكٌ إِذَا مَضٰى أَرْبَعُ سِنِيْنَ يُفَرِّقُ الْقَاضِيْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ وَتَعْتَدُّ عِدَّةَ الْوَفَاةِ ثُمَّ تَزَوَّجَ مَنْ شَاءَتْ، لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ هٰكَذَا قَضٰى فِي الَّذِي اسْتَهْوَاهُ الْجِنُّ بِالْمَدِيْنَةِ وَكَفٰى بِهِ إِمَامًا، وَلِأَنَّهُ مَنَعَ حَقَّهَا بِالْغَيْبَةِ فَيُفَرِّقُ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا بَعْدَ مَا مَضٰى مُدَّةٌ اِعْتِبَارًا بِالْإِيْلَاءِ وَالْعُنَّةِ، وَبَعْدَ هٰذَا الْإِعْتِبَارِ أَخَذَ الْمِقْدَارَ مِنْهُمَا الْأَرْبَعُ مِنَ الْإِيْلَاءِ وَالسِّنِيْنَ مِنَ الْعُنَّةِ عَمَلًا بِالشَّبْهَيْنِ، وَلَنَا قَوْلُهُ[1] صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي امْرَأَةِ الْمَفْقُوْدِ أَنَّهَا امْرَأَتُهُ حَتّٰى يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ، وَقَوْلُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِيْهَا هِيَ امْرَأَةٌ ابْتُلِيَتْ فَلْتَصْبِرْ حَتّٰى يَسْتَبِيْنَ مَوْتٌ أَوْطَلَاقٌ، خَرَجَ بَيَانًا لِلْبَيَانِ الْمَذْكُوْرِ فِي الْمَرْفُوْعِ، وَلِأَنَّ النِّكَاحَ عُرِفَ ثُبُوْتُهُ، وَالْغَيْبَةُ لَاتُوْجِبُ الْفُرْقَةَ

وَالْمَوْتُ فِيْ حَيِّزِ الْإِحْتِمَالِ فَلَايَزَالُ النِّكَاحُ بِالشَّكِّ، وَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَجَعَ إِلٰى قَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْإِيْلَاءِ، لِأَنَّهُ كَانَ طَلَاقًا مُعَجَّلًا فَاعْتُبِرَ فِي الشَّرْعِ مُؤَجَّلًا فَكَانَ مُوْجِبًا لِلْفُرْقَةِ، وَلَا بِالْعُنَّةِ لِأَنَّ الْغَيْبَةَ تَعْقُبُ الْأَوْبَةَ، وَالْعُنَّةَ وَقَلَّمَا تَنْحَلُّ بَعْدَ اسْتِمْرَارِهَا سَنَةً.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مفقود کے اور اس کی بیوی کے مابین تفریق نہ کی جائے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب چار سال گذر جائیں تو قاضی ان میں تفریق کردے اور وہ عورت عدت وفات گذار کر جس سے چاہے نکاح کرلے، اس لیے کہ مدینہ منورہ میں جس شخص کو جن اٹھالے گئے تھے اس کے متعلق حضرت فاروق اعظمؓ نے یہی فیصلہ کیا تھا اور ان کا پیشوا ہونا کافی ہے۔ اور اس لیے کہ مفقود نے غائب ہوکر بیوی کا حق روک دیا ہے لہٰذا ایک مدت گذرنے کے بعد قاضی ان کے مابین تفریق کردے گا جیسے ایلاء اور عنین میں ہوتا ہے۔ اور اس قیاس کے بعد مولی اور عنین سے یہ مقدار اخذ کی گئی چنانچہ ایلاء سے چار لیا گیا اور عنین سے سال اور یہ چار سال کی مدت ہوئی تا کہ دونوں مشابہتوں پر عمل ہوجائے۔

ہماری دلیل مفقود کی بیوی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ جب تک کوئی تحقیق نہیں ہوجاتی اس وقت تک یہ عورت مفقود کی بیوی رہے گی۔ اور امرأۃ مفقود کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد یہ ہے کہ یہ ایک عورت ہے جو مصیبت میں مبتلا کردی گئی ہے اسے چاہئے کہ صبر کرے یہاں تک کہ اس کے شوہر کی موت یا اس کی طرف سے طلاق واضح ہوجائے۔ حضرت علی کا یہ فرمان حدیث مرفوع میں جو حکم مذکور ہوا ہے اس کے لیے بیان صادر ہوا ہے۔ اور اس لیے کہ نکاح یقینی طور پر ثابت ہے اور غیوبت موجب فرقت نہیں ہے اور مفقود کا مرنا محتمل ہے لہٰذا شک کی وجہ سے نکاح زائل نہیں ہوگا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کے قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا۔ اور ایلاء پر اسے قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ایلاء طلاق معجّل تھا لیکن شریعت نے اسے مؤجل کردیا لہٰذا ایلاء موجب فرقت ہوگا۔ اور اسے عنین پر بھی نہیں قیاس کیا جاسکتا اس لیے کہ غیوبت میں رجعت اور واپسی کی امید رہتی ہے جب کہ عنین بیماری اگر سال بھر رہ گئی تو اس کے ٹھیک ہونے کی امید ختم ہوجاتی ہے۔

اللغات:

﴿لایفرّق﴾ نہیں جدائی کرائی جائے گی۔ ﴿مضٰی﴾ گزر گئے۔ ﴿استھواہ﴾ اس کو اٹھا کے لے گئے تھے۔ ﴿عنة﴾ نامردی۔ ﴿اتبلیت﴾ آزمائش میں مبتلا کی گئی ہے۔ ﴿أوبة﴾ واپسی۔

تخریج:

❶ اخرجہ دارقطنی فی سننہ ۳/۳۱۲.

مفقود کی بیوی کے احکام:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب تک مفقود کی موت واضح نہ ہوجائے یا یہ کلیئر نہ ہوجائے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا ہے

اس وقت ہمارے یہاں مفقود اور اس کی بیوی میں تفریق نہیں کی جائے گی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مفقود کو غائب ہوئے چار سال کا عرصہ گذر جائے تو قاضی اس کے اور اس کی بیوی کے مابین تفریق کردے اور بیوی عدت وفات گذار کر جس مرد سے چاہے نکاح کر لے، اس لیے کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص کو جن اٹھالے گئے تھے اور اس کی بیوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ معاملہ لے کر آئی تب حضرت عمر نے اس سے کہا چار سال بعد آنا، چار سال بعد وہ پھر آئی حضرت فاروق اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی قوم سے معاملہ کی انکوائری کرائی اور ان کی تصدیق کے بعد اسے عدت وفات گذارنے اور دوسری جگہ شادی کرنے کا حکم دیا (ہدایہ، ص:۶۶۲، حاشیہ:۲ پر اس کی مفصل وضاحت موجود ہے وھکذا فی البنایۃ : ۶ / ۸۱۲) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ حجت اور دلیل کے لیے کافی ہے۔ اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ مفقود نے غائب ہو کر اپنی بیوی کی حق تلفی کی ہے، لہٰذا جس طرح ایلا کرنے والے اور عنین اور ان کی بیوی کے مابین ایک مدت کے بعد تفریق کردی جاتی ہے اسی طرح مفقود اور اس کی بیوی کے مابین بھی ایک مدت یعنی چار سال بعد تفریق کردی جائے۔ اور چار سال کی مقدار مُولی اور عنین دونوں کے مجموعے سے لی جائے گی چنانچہ مُولی کے چار ماہ سے چار کو لیا جائے گا اور عنین کے سنہ سے سال کو لیا جائے گا، اور اس طرح دونوں مشابہتوں پر عمل کرتے ہوئے چار سال کے بعد مفقود اور اس کی بیوی میں تفریق کردی جائے گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مفقود کی بیوی کے متعلق حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ وہ مفقود کی بیوی ہے یہاں تک کہ اس کی تحقیق ہوجائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے کہ مفقود کی بیوی مصیبت میں مبتلیٰ کی گئی ہے اور اسے صبر کرنا چاہئے حتی کہ اس کی موت کا پتہ چل جائے یا اس کی طرف سے طلاق دینا ثابت ہوجائے۔ لہٰذا جب تک مفقود کا کوئی معاملہ واضح نہ ہوجائے اس وقت تک اس کے اور اس کی بیوی میں تفریق نہیں کی جائے گی۔ اور اس لیے کہ نکاح یقینی طور پر ثابت ہے اور غیوبت موجب فرقت نہیں ہے نیز مفقود کا مرنا بھی کوئی یقینی نہیں ہے، بلکہ احتمال ہے اور یقین سے ثابت شدہ چیز شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتی فقہ کا یہ مشہور ضابطہ ہے **الیقین لایزول بالشك**۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عمر کے فرمانِ گرامی سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کے قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا اور ایلاء اور عنین پر بھی اسے قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایلاء زمانۂ جاہلیت میں طلاق معجّل تھا تو شریعت نے اسے بھی طلاق ہی قرار دیا لیکن معجّل کو چار مہینے کی تاجیل سے مؤجل کردیا اور طلاق موجبِ فرقت ہے جب کہ مفقود کی غیوبت موجب فرقت نہیں ہے اور اس کی طرف سے طلاق بھی نہیں واقع کی گئی ہے۔

اور عنت کا معاملہ ہے تو اگر ایک سال تک کوئی عنین اس مرض میں مبتلا رہے تو اس کے صحیح ہونے کا امکان معدوم ہوجاتا ہے جب کہ مفقود اور غائب کے واپس آنے کا امکان باقی رہتا ہے لہٰذا غیر متوقع کو امرِ متوقع پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا۔

قَالَ وَإِذَا تَمَّ لَهُ مِائَةٌ وَعِشْرُوْنَ سَنَةً مِنْ يَوْمِ وُلِدَ حَكَمْنَا بِمَوْتِهِ، قَالَ وَهٰذِهِ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَفِيْ ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ يُقَدَّرُ بِمَوْتِ الْأَقْرَانِ، وَفِي الْمَرْوِيِّ عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِمِائَةِ سَنَةٍ، وَقَدَّرَهُ بَعْضُهُمْ بِتِسْعِيْنَ وَالْأَقْيَسُ أَنْ لَايُقَدَّرَ بِشَيْءٍ وَالْأَرْفَقُ أَنْ يُقَدَّرَ بِتِسْعِيْنَ، وَإِذَا حَكَمَ بِمَوْتِهِ اعْتَدَّتْ امْرَأَتُهُ

عِدَّةَ الْوَفَاتِ مِنْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ، وَقُسِّمَ مَالُهُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ الْمَوْجُوْدِيْنَ فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ كَأَنَّهُ مَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ مُعَايَنَةً، إِذَا الْحُكْمِيُّ مُعْتَبَرٌ بِالْحَقِيْقِيِّ، وَمَنْ مَاتَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَمْ يَرِثْ مِنْهُ لِأَنَّهُ لَمْ يُحْكَمْ بِمَوْتِهِ فِيْهَا فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَتْ حَيَاتُهُ مَعْلُوْمَةً، وَلَايَرِثُ الْمَفْقُوْدُ أَحَدًا مَاتَ فِيْ حَالِ فَقْدِهِ، لِأَنَّ بَقَاءَهُ حَيًّا فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ بِاسْتِصْحَابِ الْحَالِ وَهُوَ لَايَصْلَحُ حُجَّةً فِي الْإِسْتِحْقَاقِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر یوم پیدائش سے لے کر مفقود ۱۲۰ سال کا ہو جائے تو ہم اس کی موت کا فیصلہ کر دیں گے، فرماتے ہیں کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسن کی روایت ہے اور ظاہر مذہب میں اس کے ہم عمر لوگوں سے اس کی موت کا اندازہ لگایا جائے گا، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے سو سال کی تقدیر مروی ہے بعض لوگوں ۹۰ سال سے اندازہ لگایا ہے۔ بہتر قیاس یہ ہے کہ کسی بھی مدت سے اندازہ نہ لگایا جائے (اور اگر تقدیر ضروری ہو تو آسانی اس میں ہے کہ نوے برس سے اندازہ لگایا جائے)۔ اور جب مفقود کی موت کا فیصلہ کر دیا جائے تو اس کی بیوی اسی وقت سے عدت وفات گذارے اور اس کے وقت مفقود کے جو ورثاء موجود ہوں ان کے مابین اس کا مال تقسیم کر دیا جائے گویا کہ وہ مفقود اسی وقت ان کی آنکھوں کے سامنے مرا ہے، اس لیے کہ موت حکمی کو حقیقی موت پر قیاس کیا جاتا ہے۔ اور جو شخص اس وقت سے پہلے مر چکا ہو وہ مفقود کا وارث نہیں ہوگا، کیونکہ مدت فقدان میں مفقود کی موت کا فیصلہ نہیں کیا گیا تھا تو یہ ایسا ہو گیا جیسے اس کی زندگی معلوم ہو۔ اور مفقود بھی اپنے ایسے مورث کا وارث نہیں ہوگا جو اس کے گم ہونے کی حالت میں مرا ہو، اس لیے کہ استصحابِ حال کی وجہ سے مفقود فی الحال زندہ ہے اور استصحاب استحقاق کے لیے حجت نہیں بن سکتا۔

اللغاتُ:

﴿تم﴾ پورے ہو جائیں۔ ﴿یقدّر﴾ اندازہ لگایا جائے گا۔ ﴿اقران﴾ ہم عمر لوگ۔ ﴿اقیس﴾ قیاس کے زیادہ مطابق۔ ﴿أرفق﴾ زیادہ نرمی والا۔ ﴿قسّم﴾ تقسیم کر دیا جائے۔ ﴿حجّة﴾ دلیل۔

مفقود کا انتظار کب تک کیا جائے گا:

سوال یہ ہے کہ اگر مفقود کا کوئی پتا ٹھکانہ معلوم نہ ہو تو کب تک اس کا انتظار کیا جائے اور اس کی حیات وموت کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلے میں تین روایات ہیں (۱) پہلی روایت جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت حسن بن زیاد کی ہے وہ یہ ہے کہ مفقود کی پیدائش سے لے کر جس دن اس کی عمر ایک سو بیس سال ہو جائے اس دن اس کی موت کا فیصلہ کر دیا جائے (۲) ظاہر المذہب یہ ہے کہ اس مفقود کے ہم عصروں اور ہم عمروں کی عمروں کا اندازہ کر کے اس کی موت کا فیصلہ کیا جائے (۳) تیسری روایت یہ ہے کہ نوے سال کی عمر پر اس کی موت کا فیصلہ کر دیا جائے یہی تیسری مقدار اصح اور ارفق للناس ہے اور اسی پر فتوی بھی ہے (بنایہ: ۶/ ۸۱۷) اور جب مفقود کی موت کا فیصلہ کیا جائے اسی دن سے اس کی عورت عدتِ وفات گذار لے اور اس وقت مفقود کے جو ورثاء موجود ہوں ان کے مابین اس کے اموال تقسیم کر دیئے جائیں جیسا کہ حقیقی موت میں بھی یہی صورت اختیار کی جاتی ہے۔

و من مات الخ فرماتے ہیں کہ مفقود کی موت کا فیصلہ کئے جانے سے پہلے اس کے ورثاء میں سے جو مر چکے ہوں وہ اب اس کے وارث نہیں ہوں گے اور مفقود بھی ان کا وارث نہیں ہوگا، وہ لوگ اس لیے وارث نہیں ہوں گے کہ اس کی گم شدگی کے دوران اس کی موت کا فیصلہ نہیں ہوا تھا اور وہ زندہ تھا لیکن چوں کہ اس کی زندگی کا فیصلہ استصحاب حال کی وجہ سے ہے اور استصحاب حال ہمارے یہاں دفع کے لیے حجت بن سکتا ہے، لیکن استحقاق کے لیے حجت نہیں بن سکتا اور وہی ہم نے یہاں کیا کہ مفقود کی موت کے حکم سے پہلے مرنے والے اس کے ورثاء کا حق اس کی میراث سے دفع کر دیا اور ان لوگوں کی میراث سے اس کا استحقاق ختم کر دیا۔

وَكَذٰلِكَ لَوْ أُوْصِيَ لِلْمَفْقُوْدِ وَمَاتَ الْمُوْصِيَ، ثُمَّ الْأَصْلُ أَنَّهُ لَوْ كَانَ مَعَ الْمَفْقُوْدِ وَارِثٌ لَايُحْجَبُ بِهِ وَلٰكِنَّهُ يَنْتَقِصُ حَقُّهُ بِهِ يُعْطٰى أَقَلَّ النَّصِيْبَيْنِ وَيُوْقَفُ الْبَاقِيْ وَإِنْ كَانَ مَعَهُ وَارِثٌ يُحْجَبُ بِهِ لَايُعْطٰى أَصْلًا، بَيَانُهُ رَجُلٌ مَاتَ عَنِ ابْنَتَيْنِ وَابْنٍ مَفْقُوْدٍ وَابْنِ ابْنٍ وَبِنْتِ ابْنٍ وَالْمَالُ فِيْ يَدِ الْأَجْنَبِيِّ وَتَصَادَقُوْا عَلٰى فَقْدِ الْإِبْنِ وَطَلَبَتِ الْإِبْنَتَانِ الْمِيْرَاثَ تُعْطَيَانِ النِّصْفَ، لِأَنَّهُ مُتَيَقَّنٌ بِهِ وَيَقِفُ النِّصْفُ الْاٰخَرُ، وَلَايُعْطٰى وَلَدُ الْإِبْنِ لِأَنَّهُمْ يُحْجَبُوْنَ بِالْمَفْقُوْدِ وَلَوْ كَانَ حَيًّا فَلَايَسْتَحِقُّوْنَ الْمِيْرَاثَ بِالشَّكِّ، وَلَايُنْزَعُ مِنْ يَدِ الْأَجْنَبِيِّ إِلَّا إِذَا ظَهَرَتْ مِنْهُ خِيَانَةٌ، وَنَظِيْرُ هٰذَا الْحَمْلُ فَإِنَّهُ تُوْقَفُ لَهُ مِيْرَاثُ ابْنٍ وَاحِدٍ عَلٰى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوٰى، وَلَوْ كَانَ مَعَهُ وَارِثٌ اٰخَرُ إِنْ كَانَ لَايَسْقُطُ بِحَالٍ وَلَايَتَغَيَّرُ بِالْحَمْلِ يُعْطٰى كُلَّ نَصِيْبِهِ، وَإِنْ كَانَ مِمَّنْ تَسْقُطُ بِالْحَمْلِ لَايُعْطٰى وَإِنْ كَانَ مِمَّنْ يَتَغَيَّرُ بِهِ يُعْطَى الْأَقَلَّ لِلتَّيَقُّنِ بِهِ كَمَا فِي الْمَفْقُوْدِ، وَقَدْ شَرَحْنَاهُ فِيْ كِفَايَةِ الْمُنْتَهِيْ بِأَتَمِّ مِنْ هٰذَا.

ترجمہ: ایسے ہی اگر مفقود کے لیے کچھ وصیت کی گئی ہو اور موصی مر گیا ہو تو وصیت صحیح نہیں ہوگی۔ پھر ضابطہ یہ ہے کہ اگر مفقود کے ساتھ کوئی ایسا وارث ہو تو مفقود کی وجہ سے وراثت سے محروم نہ ہوتا ہو لیکن اس کی وجہ سے اس کا حصہ کم ہو جاتا ہو (جیسے اس کی بہن) تو اس وارث کو اقل النصیبین دیا جائے گا اور باقی رکھ لیا جائے گا اور اگر مفقود کے ساتھ ایسا وارث ہو جو اس کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہو (جیسے اس کا بیٹا اور اس کی بیٹی) تو اس وارث کو وراثت ہی نہیں دی جائے گی۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایک شخص دو بیٹیاں (۱) ابن مفقود (۲) پوتا اور ایک (۱) پوتی چھوڑ کر مرا اور اس کا مال کسی اجنبی کے پاس ہو اور ان لوگوں نے بھی میت کے لڑکے کی گم شدگی پر اتفاق کر لیا اور اس کی دونوں لڑکیوں نے میراث کا مطالبہ کیا تو انہیں پورے مال کا نصف دیا جائے گا، کیونکہ نصف متیقن ہے اور نصف آخر روک لیا جائے گا اور مفقود کے بچوں کو کچھ نہیں دیا جائے گا اس لیے کہ مفقود کی وجہ سے یہ محروم ہو جاتے ہیں، اگر مفقود زندہ ہوتا، لہٰذا شک کی وجہ سے یہ میراث کے مستحق نہیں ہوں گے۔ اور وہ مال اجنبی کے پاس سے نہیں لیا جائے گا الا یہ کہ اس کی طرف سے خیانت کا ظہور ہو۔ اور مفقود کی نظیر "حمل" ہے چنانچہ حمل کے لیے بھی ایک لڑکے کی میراث روک لی جاتی ہے جیسا کہ اسی پر فتوی ہے اور اگر حمل کے ساتھ دوسرا وارث بھی ہو جو کسی بھی حال میں ساقط نہ ہوتا ہو اور حمل کی وجہ سے اس کے حصے میں تغیر وتبدل نہ ہوتا ہو تو اسے اس کا پورا حصہ دیا جائے گا اور اگر حمل کے ساتھ دوسرا وارث بھی ہو تو

اسے اس کا پورا حصہ دیا جائے گا اور اگر حمل کے ساتھ کوئی ایسا وارث ہو جس کا حصہ حمل کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہو تو اسے کچھ نہیں دیا جائے گا اور اگر ایسا وارث ہو جس کا حصہ حمل کی وجہ سے کم زیادہ ہوتا ہو تو اسے اقل دیا جائے گا، کیونکہ اقل متیقن ہوتا ہے جیسے مفقود میں ایسا ہی ہوتا ہے اور کفایۃ المنتہی میں ہم نے اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ اسے بیان کر دیا ہے۔

اللغات:

﴿أوصى﴾ وصیت کی گئی۔ ﴿لا یحجب﴾ نہیں روکا جائے گا۔ ﴿ینتقص﴾ کم ہو جاتا ہے۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿تصادقوا﴾ ایک دوسرے کی تصدیق کی۔ ﴿حیّ﴾ زندہ۔ ﴿لا ینزع﴾ نہیں کھینچا جائے گا۔

مفقود کی وصیت کا موقوف ہونا:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح مفقود کی حیات وموت کا فیصلہ ہونے سے پہلے اس کی وراثت کا حکم موقوف رہتا ہے اسی طرح اس کی وصیت کا حکم بھی موقوف رہتا ہے، کیونکہ وصیت میراث کی بہن ہے چنانچہ اگر کسی نے مفقود کے لیے کچھ وصیت کی تھی لیکن مفقود کا حال ظاہر ہونے سے پہلے وہ شخص مرگیا تو وصیت موقوف رہے گی اور جب اس کا حال ظاہر ہوگا اس وقت اس پر عمل در آمد ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مفقود کے وارث ہونے کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی قوی اور مضبوط وارث ہو جو اس مفقود کی وجہ سے محروم نہ ہوتا ہو جیسے اس کی بہنیں اس کے ساتھ باپ کی وراثت میں شریک ہوں اور مفقود کی حالت معلوم نہ ہو تو اس طرح کے وارث کو اقل النصیبین یعنی دو حصوں میں سے ان کا جو کم مقدار والا حصہ بنتا ہو وہ دیا جائے اور اگر کوئی ایسا وارث ہو جو مفقود کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہو جیسے مفقود کے ساتھ اس کے باپ کی وراثت میں اس کا لڑکا اور لڑکی بھی ہو تو انھیں کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ بیٹے کی موجودگی میں پوتا پوتی کچھ نہیں پاتے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ زید کا انتقال ہوا اس نے دو بیٹیاں ایک مفقود لڑکا ایک پوتا ایک پوتی چھوڑی اور اس کا مال کسی اجنبی کے پاس تھا چنانچہ اس اجنبی نے اور میت کے دوسرے ورثاء نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ میت کا لڑکا مفقود ہے تو بیٹیوں کے مطالبۂ میراث پر قاضی انھیں کل ترکے کا نصف دے گا کیونکہ نصف اقل ہے اور متعین ہے، اس لیے کہ اگر مفقود کو مردہ مان لیں تو ان بیٹیوں کا حصہ دوثلث ہوگا اور اگر اس کو زندہ مان لیں تو انھیں نصف ملے گا اور چوں کہ نصف دوثلث سے کم ہے، اس لیے متیقن ہونے کی وجہ سے یہی ملے گا اور باقی نصف محفوظ کر لیا جائے گا اور اس میں سے میت کے پوتے اور پوتی کو نہیں ملے گا کیونکہ اگر مفقود نہ ہوتا تو وہ اس نصف کا مستحق تھا اور اس کی وجہ سے یہ محروم ہو جاتے اور چوں کہ اس کا کوئی پتا ٹھکانہ معلوم نہیں ہے اور موت وحیات کا علم بھی نہیں ہے لہٰذا اس کے بچوں کے مستحق میراث ہونے میں شک ہے اور شک سے استحقاق ثابت نہیں ہوتا لہٰذا یہ لوگ اپنے باپ کی وجہ سے اپنے مرحوم دادا کی میراث سے محروم رہیں گے۔

اور جو نصف مال بچا ہے وہ اجنبی ہی کے پاس رہے گا، کیونکہ میت نے اسے امین سمجھ کر اس پر اعتماد کیا تھا لہٰذا جب تک اس کی طرف سے کوئی خیانت ظاہر نہ ہو وہ مال اس سے واپس نہ لیا جائے، ماقبل والے مسئلے میں **جو والمال في يد الأجنبي** اور **تصادقوا**

علی فقد الابن کی قید لگائی گئی ہے، اس میں سے پہلی قید **و المال في يد الأجنبي** کا فائدہ یہ ہے کہ اگر مال اجنبی کے پاس نہ ہو بلکہ مرحوم کی لڑکیوں کے پاس ہو تو قاضی اس میں سے انہیں کا حصہ دینے کے بعد اور باقی مال انہی کے پاس چھوڑ دے اور ان سے لے کر خود نہ رکھے اور نہ ہی کسی کے پاس رکھوائے، اور **تصادقوا** کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر اجنبی اور ورثاء فقد ابن پر متفق نہ ہو بلکہ اجنبی یہ اقرار کرے کہ مفقود اپنے کے مرنے سے پہلے ہی مر چکا ہے تو اب مرحوم کی لڑکیوں کو نصف کے بجائے دو ثلث ملیں گے۔ (بنایہ: ۶/۸۲۰)

ونظير هذا الحمل الخ فرماتے ہیں کہ جس طرح مفقود کی وجہ نصف ترکہ روک لیا جاتا ہے اسی طرح حمل کی وجہ سے بھی ایک لڑکے کی میراث روک لی جاتی ہے یعنی اگر کوئی شخص مرا اور اس کی بیوی حاملہ ہو تو حمل کی وجہ سے مفتیٰ بہ قول کے مطابق ایک لڑکے کی میراث موقوف کر دی جائے گی۔ اور اگر حمل کے ساتھ کوئی وارث ہو اور وہ حمل کی وجہ سے محروم اور ساقط ہونے والا نہ ہو جیسے بیٹا اور دادا تو مفقود کی بہنوں کی طرح اسے بھی میراث سے اس کا حصہ دیا جائے گا۔ اور اگر وہ وارث حمل کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہو جیسے میت کا ابن الابن اور میت کا بھائی تو اسے کچھ نہیں ملے گا اور اگر اس کا حصہ حمل کی وجہ سے کم زیادہ ہوتا ہو جیسے ماں کہ حمل کے مردہ ہونے کی صورت میں وہ مستحق ثلث ہے اور اس کے زندہ ہونے کی صورت میں وہ مستحق سدس ہے تو اسے اقل یعنی سدس دیا جائے گا، کیونکہ وہ متیقن ہوتا ہے، اس کی مزید تشریح کفایۃ المنتہی میں مذکور ہے۔ فقط واللہ اعلم

كِتَابُ الشِّرْكَةِ

یہ کتاب احکام شرکت کے بیان میں ہے

اس سے پہلے کتاب المفقود کو بیان کیا ہے اور اب کتاب الشرکت کو بیان کر رہے ہیں ان دونوں کو ایک ساتھ بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مفقود کا مال حاضرین کے پاس امانت ہوتا ہے ایسے ہی مالِ شرکت بھی دونوں شریکوں اور پارٹنروں کے مابین امانت ہوتا ہے اور عام اموال کی طرح مالِ مفقود میں بھی اشتراک ہوتا ہے۔

اَلشِّرْكَةُ جَائِزَةٌ، لِأَنَّهُ ﷺ بُعِثَ وَالنَّاسُ يَتَعَامَلُوْنَ بِهَا فَقَرَّرَهُمْ عَلَيْهِ.

ترجمہ: عقد شرکت جائز ہے کیونکہ جس وقت آپ ﷺ کی بعثت ہوئی اس وقت لوگ شرکت کا معاملہ کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے انھیں اسی پر باقی رکھا۔

قَالَ الشِّرْكَةُ ضَرْبَانِ شِرْكَةُ أَمْلَاكٍ وَشِرْكَةُ عُقُوْدٍ فَشِرْكَةُ الْأَمْلَاكِ الْعَيْنِ يَرِثُهَا رَجُلَانِ أَوْ يَشْتَرِيَانِهَا فَلَايَجُوْزُ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتَصَرَّفَ فِيْ نَصِيْبِ الْآخَرِ إِلَّا بِإِذْنِهِ، وَكُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِيْ نَصِيْبِ صَاحِبِهِ كَالْأَجْنَبِيِّ، وَهٰذِهِ الشِّرْكَةُ يَتَحَقَّقُ فِيْ غَيْرِ الْمَذْكُوْرِ فِي الْكِتَابِ كَمَا إِذَا اتَّهَبَ رَجُلَانِ عَيْنًا أَوْمَلَكَاهَا بِالْإِسْتِيْلَاءِ أَوِاخْتَلَطَ مَالُهُمَا مِنْ غَيْرِ صُنْعِ أَحَدِهِمَا أَوْ بِخَلْطِهِمَا خَلْطًا يَمْنَعُ التَّمْيِيْزَ رَأْسًا أَوْ إِلَّا بِحَرَجٍ، وَيَجُوْزُ بَيْعُ أَحَدِهِمَا نَصِيْبَهُ مِنْ شَرِيْكِهِ فِيْ جَمِيْعِ الصُّوَرِ وَمِنْ غَيْرِ شَرِيْكِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ إِلَّا فِيْ صُوْرَةِ الْخَلْطِ وَالْإِخْتِلَاطِ فَإِنَّهُ لَايَجُوْزُ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَقَدْ بَيَّنَّا الْفَرْقَ فِيْ كِفَايَةِ الْمُنْتَهِيْ، وَالضَّرْبُ الثَّانِيْ شِرْكَةُ الْعُقُوْدِ وَرُكْنُهَا الْإِيْجَابُ وَالْقُبُوْلُ وَهُوَ أَنْ يَقُوْلَ أَحَدُهُمَا شَارَكْتُكَ فِيْ كَذَا وَكَذَا وَيَقُوْلُ الْآخَرُ قَبِلْتُ، وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُوْنَ التَّصَرُّفُ

الْمَعْقُوْدُ عَلَیْهِ عَقْدَ الشِّرْكَةِ قَابِلًا لِلْوَكَالَةِ لِیَكُوْنَ مَایُسْتَفَادُ بِالتَّصَرُّفِ مُشْتَرَكًا بَیْنَهُمَا فَیَتَحَقَّقُ حُكْمُهُ الْمَطْلُوْبُ مِنْهُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ شرکت کی دو قسمیں ہیں (۱) شرکت املاک (۲) شرکت عقود۔ چنانچہ شرکتِ املاک ایسے مال متعین میں ہوتی ہے جس کے دو لوگ وارث ہوں یا دونوں اسے خریدیں لہٰذا دونوں میں سے کسی ایک کے لیے دوسرے کے حصے میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے حصے میں اجنبی کی طرح ہے اور یہ شرکت قدوری میں بیان کردہ مال کے علاوہ میں بھی متحقق ہوتی ہے جیسے اگر دو لوگوں نے کسی عین کا ہبہ قبول کیا یا وہ دونوں بزور طاقت کسی عین کے مالک ہوئے یا ان میں سے کسی کے تصرف کے بغیر ان کا مال مل گیا یا ان دونوں نے اپنے مال کو اس طرح خلط ملط کر دیا کہ یا تو اسے علیحدہ کرنا ناممکن ہو یا ممکن تو ہو لیکن پریشانی کے بعد۔

اور تمام صورتوں میں شریکین میں سے ہر ایک کے لیے دوسرے شریک سے بھی اپنا حصہ فروخت کرنا جائز ہے اور شریک کی اجازت کے بغیر اس کے علاوہ سے بھی جائز ہے، لیکن خلط اور اختلاط والی صورت میں شریک کی اجازت ہی سے جائز ہے اور کفایۃ المنتہی میں ہم نے فرق بیان کر دیا ہے۔

دوسری قسم شرکتِ عقود ہے جس کا رکن ایجاب وقبول ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک شخص کہے میں نے تم سے فلاں فلاں چیزیں شرکت کر لی اور دوسرا کہے میں نے قبول کیا اور اس کی شرط یہ ہے کہ جس چیز پر عقدِ شرکت منعقد ہوا ہو وہ وکالت کے قابل ہو، تاکہ تصرف سے حاصل کیا جانے والا مال ان کے مابین مشترک ہو اور عقد شرکت کا مقصد حاصل ہو جائے۔

اللغاتُ:

﴿ضرب﴾ قسم۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿اتّهب﴾ ہبہ وصول کیا۔ ﴿استیلاء﴾ قبضہ، غلبہ۔ ﴿صنع﴾ کاری گری۔

شرکت کی دو بنیادی قسمیں اور ان کی تعریفات:

مسئلہ یہ ہے کہ شرکت کی دو قسمیں ہیں (۱) شرکت املاک (۲) شرکت عقود۔ شرکت املاک کا حاصل یہ ہے کہ دو بھائی مثلاً کسی چیز کے مشترکہ طور پر وارث ہوئے یا دو لوگوں نے مل کر کوئی چیز خریدی یا کسی نے دو آدمیوں کو مشترکہ طور پر کوئی چیز ہدیہ اور ہبہ کیا یا قہراً کفار سے دو لوگوں نے کوئی چیز چھین لیا اور مشترکہ طور پر اس پر قابض ہو گئے یا دو لوگوں کا مال اس طرح آپس میں مل گیا کہ امتیاز مشکل ہو گیا، مثلاً ایک کا گیہوں دوسرے کے گندم سے مل گیا یا ایک کا گندم دوسرے کے جو سے مل گیا اور بڑی مشکل سے دونوں کو الگ کیا گیا تو یہ تمام صورتیں شرکتِ املاک میں داخل اور شامل ہیں، ان کا حکم یہ ہے کہ ایک ساتھی دوسرے ساتھی کی اجازت اور مرضی کے بغیر مال مشترک میں تصرف نہیں کر سکتا البتہ ایک شریک دوسرے شریک سے اپنا حصہ فروخت کر سکتا ہے اور شریک کے علاوہ تیسرے آدمی سے بھی اپنا حصہ فروخت کر سکتا ہے خواہ اپنے شریک سے پوچھے یا نہ پوچھے، البتہ خلط خلط ہو جانے کی صورت میں ایک شریک اپنے شریک کی اجازت کے بغیر کسی تیسرے سے اپنا حصہ فروخت نہیں کر سکتا، کیونکہ اختلاط اور خلط والی صورت میں ہر ہر شریک مال کے ہر ہر دانے کا مالک ہے اور ظاہر ہے کہ بائع جب کسی تیسرے کے ہاتھ اپنا حصہ فروخت کرے گا تو وہ اپنے شریک کے حصے اور اس کی ملکیت

کو بھی مشتری کے حوالے کرنے والا ہوگا حالانکہ دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں تصرف جائز نہیں ہے، اسی لیے ہم خلط والی صورت میں شریک ثانی کی رضامندی کو ضروری قرار دیا ہے۔

اس کے برخلاف اگر شراء یا وراثت یا ہبہ وغیرہ سے کوئی مال مشترکہ طور پر انھیں ملا ہو تو وہ مال ابتداء سے ہی ان میں مشترک ہوگا اور بیچنے والا اپنا حصہ ہی بیچے گا، کیونکہ اس کا حصہ جس طرح بیچے ہوئے میں ہے اسی طرح نہ بیچے ہوئے میں بھی ہے اور اگر بیچ کردہ شریک ثانی کے مشترک حصے میں تصرف کررہا ہے تو شریک ثانی کا حصہ چھوڑ کر اپنا مشترک مال اسے دے بھی رہا ہے لہٰذا دونوں حصے برابر ہیں اور کسی کو کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، یہی وہ فرق ہے جو کفایۃ المنتہی میں مذکور ہے۔ (شارح عفی عنہ)

(۲) شرکت کی دوسری قسم شرکتِ عقود ہے یعنی عقد اور معاملہ کرکے اس میں دو یا چند لوگوں کو شریک کرنا یہ قسم ایجاب اور قبول سے منعقد ہو جاتی ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ جس چیز پر عقد واقع ہوا ہے وہ وکالت کے لائق ہو، تاکہ عقد سے ہونے والا نفع ان کے مابین مشترک ہو سکے۔ صاحب کتاب نے قابل للوکالۃ کی شرط لگا کر لکڑیاں چننے اور شکار کرنے کے عقود سے احتراز کیا ہے، کیونکہ ان صورتوں میں فاعل اور مباشر ہی کی ملکیت ثابت ہوتی ہے اور اس میں اشتراک نہیں ہوتا۔ (بنایہ)

ثُمَّ هِيَ أَرْبَعَةُ أَوْجُهٍ مُفَاوَضَةٌ وَعِنَانٌ وَشِرْكَةُ الصَّنَائِعِ وَشِرْكَةُ الْوُجُوْهِ فَأَمَّا شِرْكَةُ الْمُفَاوَضَةِ فَهِيَ أَنْ يَشْتَرِكَ الرَّجُلَانِ فَيَتَسَاوَيَا فِيْ مَالِهِمَا وَتَصَرُّفِهِمَا لِأَنَّهَا شِرْكَةٌ عَامَّةٌ فِيْ جَمِيْعِ التِّجَارَاتِ يُفَوِّضُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَمْرَ الشِّرْكَةِ إِلٰى صَاحِبِهِ عَلَى الْإِطْلَاقِ إِذْ هِيَ مِنَ الْمُسَاوَاتِ، قَالَ قَائِلُهُمْ شِعْرٌ: لَايَصْلُحُ النَّاسُ فَوْضًا لَاسُرَاةَ لَهُمْ: وَلَاسُرَاةَ إِذْ جُهَّالُهُمْ سَادُوْا، أَيْ مُتَسَاوِيِيْنَ فَلَابُدَّ مِنْ تَحْقِيْقِ الْمُسَاوَاةِ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَذٰلِكَ فِي الْمَالِ، وَالْمُرَادُ بِهِ مَا تَصِحُّ الشِّرْكَةُ فِيْهِ، وَلَايُعْتَبَرُ التَّفَاضُلُ فِيْمَا لَايَصِحُّ الشِّرْكَةُ فِيْهِ وَكَذَا فِي التَّصَرُّفِ، لِأَنَّهُ لَوْ مَلَكَ أَحَدُهُمَا تَصَرُّفًا لَايَمْلِكُ الْآخَرُ لَفَاتَ التَّسَاوِيْ، وَكَذٰلِكَ فِي الدَّيْنِ لِمَا نُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَهٰذِهِ الشِّرْكَةُ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا اسْتِحْسَانًا، وَفِي الْقِيَاسِ لَايَجُوْزُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَہُ اللّٰہُ، وَقَالَ مَالِكٌ لَا أَعْرِفُ مَاالْمُفَاوَضَةُ، وَجْهُ الْقِيَاسِ أَنَّهَا تَضَمَّنَتِ الْوَكَالَةَ بِمَجْهُوْلِ الْجِنْسِ وَالْكَفَالَةَ بِمَجْهُوْلٍ وَكُلُّ ذٰلِكَ بِانْفِرَادِهِ فَاسِدٌ، وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ قَوْلُهُ ﷺ ((فَاوِضُوْا فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ)) وَكَذَا النَّاسُ يُعَامِلُوْنَهَا مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ وَبِهِ يُتْرَكُ الْقِيَاسُ، وَالْجَهَالَةُ مُتَحَمَّلَةٌ تَبَعًا كَمَا فِي الْمُضَارَبَةِ وَلَاتَنْعَقِدُ إِلَّا بِلَفْظَةِ الْمُفَاوَضَةِ لِبُعْدِ شَرَائِطِهَا عَنْ عِلْمِ الْعَوَامِ حَتّٰى لَوْبَيَّنَا جَمِيْعَ مَا يَقْتَضِيْهِ يَجُوْزُ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ هُوَ الْمَعْنٰى.

ترجمہ: پھر شرکت عقود کی چار قسمیں ہیں (۱) شرکت مفاوضہ (۲) شرکت عنان (۳) شرکت صنائع (۴) شرکت وجوہ۔ شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دو لوگ آپس میں شرکت کو قبول کریں اور وہ دونوں مال میں تصرف میں اور دَین میں برابر ہوں، کیونکہ یہ شرکت جملہ تجارات میں عام ہے اور ہر ہر شریک علی الاطلاق شرکت کا معاملہ اپنے ساتھی شریک کے حوالے کر دیتا ہے اس لیے کہ مفاوضہ مساوات

کے معنی میں ہے، ایک شاعر کہتا ہے اگر لوگوں کا کوئی سردار نہ ہو اور وہ سب برابر اور مساوی رہیں اور اگر جاہل لوگ سردار ہو جائیں تو کوئی حقیقی سردار نہیں ہوگا فوضاً سے مساوی ہونا مراد ہے لہٰذا ابتداءً اور انتہاءً دونوں میں مساوات کا ہونا ضروری ہے اور یہ مساوات ایسے مال میں ہوگی جس میں شرکت صحیح ہوتی ہے اور جس مال میں شرکت صحیح نہ ہوتی ہو اس میں تفاضل کا اعتبار نہیں ہوتا، نیز تصرف میں بھی مساوات ضروری ہے، کیونکہ اگر کوئی شریک ایسے تصرف کا مالک ہوگا جس کا دوسرا مالک نہ ہو تو مساوات فوت ہو جائے گی۔ ایسے ہی قرض کے لین دین میں بھی مساوات ضروری ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ان شاء اللہ ہم بیان کریں گے، یہ شرکت استحساناً جائز ہے قیاساً جائز نہیں ہے یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مفاوضہ کو جانتا ہی نہیں۔

قیاس کی دلیل یہ ہے کہ یہ عقدِ شرکت مجہول الجنس وکالت اور مجہول کفالت دونوں کو متضمن ہے حالانکہ اس طرح کی وکالت اور کفالت انفرادی طور پر فاسد ہے۔

استحسان کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ گرامی ہے عقدِ مفاوضہ کیا کرو، کیونکہ اس میں برکت ہے نیز بلا روک ٹوک کے لوگ عقد مفاوضہ کرتے رہے ہیں اور اس طرح کے تعامل سے قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے اور وکالت وکفالت والی جہالت تابع کر کے برداشت کر لی جاتی ہے جیسے مضاربت میں برداشت کی جاتی ہے اور شرکت مفاوضہ لفظ مفاوضہ ہی سے منعقد ہوتی ہے، اس لیے کہ اس کی شرطیں عوام کی فہم سے پرے ہوتی ہیں اور اگر ضروری شرطوں کی وضاحت کر دی جائے تو جائز ہے اس لیے کہ معنی ہی کا اعتبار ہے۔

اللغات:

﴿اوجه﴾ صورتیں۔ ﴿یتساویا﴾ دونوں برابر ہو جائیں۔ ﴿سراة﴾ واحد سری؛ نواب، شریف، سردار۔ ﴿سادوا﴾ سرداری کرنے لگیں۔ ﴿تفاضل﴾ آپس میں بڑھوتری، ایک دوسرے سے زیادہ ہونا۔ ﴿بعد﴾ دور ہونا۔

تخریج:

● اخرجہ ابن ماجہ فی کتاب التجارات باب الشرکۃ والمضاربۃ، حدیث رقم: ۲۲۸۹.

شرکت عقود کی اقسام اور شرکت مفاوضہ کی تعریف:

اس عبارت میں شرکت عقود کی اقسام اربعہ کا بیان ہے مفاوضہ، عنان، شرکت الصنائع اور شرکت وجوہ۔ ان میں سے پہلے شرکت مفاوضہ کو بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے ذریعے دو لوگ آپس میں اس طرح عقد شرکت کریں کہ وہ دونوں مال میں بھی مساوی ہوں اور تصرف ودَین میں بھی برابر ہوں، کیونکہ شرکت مفاوضہ عام ہے اور تجارت کی تمام صورتوں کو شامل اور داخل ہے اور دونوں شریکوں میں سے ہر ہر شریک علی الاطلاق بدون قید اپنے ساتھی کو پورا اختیار دے دیتا ہے اس لیے کہ مفاوضہ کے معنی ہی ہیں مساوات اور برابری کے اور برابری اسی تحقق ہوگی جب کسی پر کوئی قید اور پابندی نہ ہو اور ہر کوئی تصرف میں آزاد ہو، مفاوضہ کو مساوات کے معنی میں افوی اودی شاعر نے بھی استعمال کیا ہے اور شرکت مفاوضہ کے وقوع اور تحقق کے لیے مال کا شرکت کے قابل ہونا ضروری ہے یعنی جس مال میں عقد مفاوضہ کیا جائے وہ دراہم ودنانیر ہوں اور عروض وعقار نہ ہوں، کیونکہ عروض وعقار میں شرکت صحیح نہیں ہوتی اس لیے کہ اس میں کمی بیشی سے عقد فاسد ہو جاتا ہے۔

عقد مفاوضہ کی صحت کے لیے دونوں شریک میں تصرف کی اہلیت ولیاقت ہونا بھی ضروری ہے اور قرض وغیرہ کے لین دین

میں بھی برابری ضروری ہے اور اس شرکت کا جواز استحساناً ہے، قیاس اس کے جواز کا منکر ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی قیاس کے ساتھ ہیں اور امام مالک نے تو شرکت مفاوضہ کے وجود ہی کا انکار کردیا ہے، بہر حال قیاس کی دلیل یہ ہے کہ شرکت مفاوضہ مجہول الجنس کی وکالت اور مجہول کی کفالت کو متضمن ہوتا ہے حالانکہ انفرادی طور پر مجہول کی وکالت بھی فاسد ہے اور کفالت بھی فاسد ہے، لہٰذا جب انفرادی طور پر یہ فاسد ہیں تو عقد مفاوضہ کے ضمن میں بھی فاسد ہوں گے اور ان کی وجہ سے عقد مفاوضہ بھی فاسد ہوگا، اس لیے کہ جو چیز فاسد کو متضمن ہوتی ہے وہ بھی فاسد ہوتی ہے۔

استحسان کی دلیل یہ حدیث ہے ''فَاوِضُوا فَإِنَّهُ أعظم للبر كة'' یعنی تم لوگ عقد مفاوضہ کیا کرو، کیونکہ اس میں بڑی برکت ہے، اس سے صاف طور پر یہ واضح ہے کہ عقدِ مفاوضہ درست اور جائز ہے، فتح القدیر اور بنایہ میں ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس مضمون کے ساتھ نہیں ملی ہے البتہ ابن ماجہ میں صالح بن صہیب کے حوالے سے یہ حدیث مذکور ہے ''ثلاث فيهن البر كة البيع إلى أجل والمفاوضة واختلاط البر للشعير للبيت لا للبيع'' تین چیزوں میں برکت ہے میعادی بیع میں۔ عقد مفاوضہ میں اور گھر کے لیے گندم کے ساتھ جو ملانے میں، لیکن فروخت کرنے کے لیے نہیں (بنایہ) اس کے جواز کی دوسری دلیل یہ ہے کہ لوگوں میں عقد مفاوضہ کا تعامل جاری تھا اگر اس سے ممانعت ہوتی تو امت کے اس جواز کو ہرگز برداشت نہ کرتی اور اس طرح کے تعامل سے قیاس کو ترک کردیا جاتا ہے۔ اور اس میں وکالت بالمجہول اور کفالت بالمجہول کے حوالے سے جو جہالت ہوتی ہے وہ تبعاً ہوتی ہے قصداً نہیں ہوتی اور ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک چیز قصداً صحیح نہ ہو لیکن تبعاً صحیح ہو جیسے عقد مضاربت اگرچہ شئ مجہول کی خریداری کے لیے وکیل بنانے پر متضمن ہوتا ہے لیکن یہ تضمن تبعاً ہوتا ہے اس لیے صحیح ہے حالانکہ قصداً اور اصلاً توکیل بشراء المجہول الفاسد ہے، اسی طرح عقد مفاوضہ بھی تبعاً وکالت بالمجہول کے متضمن ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔

ولاتنعقد الخ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگ چوں کہ مفاوضہ کے احکام ومسائل سے ناواقف ہوتے ہیں اس لیے یہ عقد لفظِ مفاوضہ سے ہی صحیح ہوگا، ہاں اگر متفاوضان اس کے معانی اور مفہوم کو لوگوں کے سامنے واضح کردیں تو پھر دوسرے لفظ سے بھی یہ عقد منعقد ہوجائے گا۔

قَالَ فَيَجُوْزُ بَيْنَ الْحُرَّيْنِ الْكَبِيْرَيْنِ مُسْلِمَيْنِ أَوْ ذِمِّيَّيْنِ لِتَحَقُّقِ التَّسَاوِيْ وَإِنْ كَانَ أَحَدُهَا كِتَابِيًّا وَالْآخَرُ مَجُوْسِيًّا يَجُوْزُ أَيْضًا لِمَا قُلْنَا، وَلَايَجُوْزُ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ وَلَابَيْنَ الصَّبِيِّ وَالْبَالِغِ لِإِنْعِدَامِ الْمُسَاوَاةِ لِأَنَّ الْحُرَّ وَالْبَالِغَ يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ وَالْكَفَالَةَ وَالْمَمْلُوْكُ لَايَمْلِكُ وَاحِدًا مِنْهُمَا إِلَّا بِإِذْنِ الْمَوْلٰى وَالصَّبِيُّ لَايَمْلِكُ الْكَفَالَةَ وَلَايَمْلِكُ التَّصَرُّفَ إِلَّا بِإِذْنِ الْمَوْلٰى، قَالَ وَلَابَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ وَهٰذَا قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَجُوْزُ لِلتَّسَاوِيْ بَيْنَهُمَا فِي الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ وَلَامُعْتَبَرَ بِزِيَادَةِ تَصَرُّفٍ يَمْلِكُهُ أَحَدُهُمَا كَالْمُفَاوَضَةِ بَيْنَ الشَّفْعَوِيِّ وَالْحَنَفِيِّ فَإِنَّهَا جَائِزَةٌ وَيَتَفَاوَتَانِ فِي التَّصَرُّفِ فِيْ مَتْرُوْكِ التَّسْمِيَةِ إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ، لِأَنَّ الذِّمِّيَّ لَايَهْتَدِيْ إِلَى الْجَائِزِ مِنَ الْعُقُوْدِ، وَلَهُمَا أَنَّهُ لَاتَسَاوِيْ فِي التَّصَرُّفِ فَإِنَّ

الذِّمِّيَّ لَوِاشْتَرٰى بِرَأْسِ الْمَالِ خُمُوْرًا أَوْخَنَازِيْرَ صَحِيْحٌ، وَلَوِاشْتَرَهَا مُسْلِمٌ لَايَصِحُّ، وَلَايَجُوْزُ بَيْنَ الْعَبْدَيْنِ وَلَابَيْنَ الصَّبِيَّيْنِ وَلَابَيْنَ الْمُكَاتَبَيْنِ لِانْعِدَامِ صِحَّةِ الْكَفَالَةِ وَفِيْ كُلِّ مَوْضِعٍ لَمْ تَصِحَّ الْمُفَاوَضَةُ لِفَقْدِ شَرْطِهَا وَلَايُشْتَرَطُ ذٰلِكَ فِي الْعِنَانِ كَانَ عِنَانًا لِاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِ الْعِنَانِ إِذْ هُوَ قَدْ يَكُوْنُ خَاصًّا وَقَدْ يَكُوْنُ عَامًّا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ عقد مفاوضہ دو بالغ، آزاد مسلمان یا ذمیوں میں جائز ہے، کیونکہ مساوات موجود ہے اور اگر ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی تو بھی جائز ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ آزاد اور غلام میں اور بچے اور بالغ میں عقد مفاوضہ جائز نہیں ہے، کیونکہ مساوات معدوم ہے اس لیے کہ آزاد اور بالغ تصرف اور کفالت کا مالک ہے اور مملوک اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر ان میں سے کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہے۔ اور بچہ بھی نہ تو کفالت کا مالک ہے اور ولی کی اجازت کے بغیر نہ تو تصرف کا مالک ہے۔

فرماتے ہیں کہ مسلمان اور کافر کے مابین بھی عقد مفاوضہ جائز نہیں ہے، یہ حضرات طرفینؒ کا قول ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے، کیونکہ ان کے مابین وکالت اور کفالہ میں مساوات ہوتی ہے اور اس زیادتیِ تصرف کا کوئی اعتبار نہیں ہے جس کا ان میں سے ایک مالک ہو جیسے حنفی اور شافعی کے مابین مفاوضہ جائز ہے اگر چہ تصرف فی متروک التسمیہ میں ان کا اختلاف ہے، لیکن یہ مکروہ ہے، کیونکہ ذمی کو جائز عقود کی راہ نہیں ملتی۔

حضرات طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ تصرف میں تساوی ضروری نہیں ہے چنانچہ اگر ذمی نے اصل مال سے شراب یا خنزیر خریدا تو صحیح ہے اور اگر کوئی مسلم خریدے تو صحیح نہیں ہے۔ دو غلاموں، دو بچوں اور دو مکاتبوں کے مابین عقدِ مفاوضہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان میں کفالہ کی صحت معدوم ہے اور ہر وہ جگہ جہاں فقدان شرط کی وجہ سے مفاوضہ صحیح نہ ہو اور وہ شرط عنان میں مشروط نہ ہو تو عقد عنان بن جائے گا، اس لیے کہ اس میں عنان کی شرائط جمع ہیں، کیونکہ شرکت عنان کبھی خاص ہوتی ہے اور کبھی عام ہوتی ہے۔

اللغات:

﴿التساوی﴾ آپس کی مساوات، ایک دوسرے کے برابر ہونا۔ ﴿حرّ﴾ آزاد۔ ﴿إذن﴾ اجازت۔ ﴿صبیّ﴾ بچہ۔
﴿خمور﴾ واحد خمر: شرابیں۔

شرکت مفاوضہ اور شریکین کا مذہب:

مسئلہ یہ ہے کہ دو آزاد، بالغ مسلمان اور ذمیوں کے مابین عقد مفاوضہ جائز ہے، کیونکہ ان سب میں مساوات موجود ہے اسی طرح اگر ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو ان میں بھی عقد مفاوضہ جائز ہے کیونکہ کفر ملتِ واحدہ ہے اور مجوسی اور کتابی میں مساوات موجود ہے۔ ہاں آزاد اور مملوک میں اور نابالغ اور بالغ میں عقد مفاوضہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان میں مساوات معدوم ہے، کیونکہ آزاد اور بالغ تصرف اور کفالہ دونوں کے مالک ہیں اور مملوک مولیٰ کی اجازت سے کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہے، لہٰذا ان حوالوں سے مساوات معدوم ہے اور جب مساوات معدوم ہے تو ظاہر ہے کہ مفاوضہ بھی معدوم ہوگا، کیونکہ مفاوضہ ہی مساوات ہے۔

حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں مسلمان اور کافر کے مابین عقد مفاوضہ صحیح نہیں ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صحیح ہے، کیونکہ کفالہ اور وکالۃ میں مسلمان اور کافر میں مساوات ہے اور تصرف میں اگر چہ شافعی حنفی سے فائق ہے، لیکن اس فوقیت کا کوئی اعتبار

نہیں ہے، مثلاً اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ذبیحہ پر تسمیہ نہ پڑھے تو شافعی کے یہاں وہ ذبیحہ حلال ہے، لیکن حنفی کے یہاں حلال نہیں ہے بہر حال جس طرح حنفی اور شافعی میں عقد مفاوضہ جائز ہے اسی طرح مسلم اور کافر کے مابین بھی جائز ہے لیکن مکروہ ہے، کیونکہ ذمی جائز عقود کی کوشش نہیں کرتا اور اس کے مال میں حرام کی آمیزش ہوتی ہے۔

حضرات طرفین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مسلم اور کافر کے تصرف میں مساوات نہیں ہے، کیونکہ اگر ذمی رأس المال اور اصل مال سے شراب اور خنزیر خرید لے تو صحیح ہے، لیکن مسلمان کے لیے ان کی خریداری صحیح نہیں ہے، الحاصل صحت مفاوضہ کے لیے مساوات فی التصرف ضروری ہے حالانکہ مسلم اور کافر میں تصرف کے حوالے سے مساوات معدوم ہے اس لیے یہ عقد جائز نہیں ہے۔

ولایجوز الخ فرماتے ہیں کہ دو غلاموں، دو بچوں اور دو مکاتبوں میں عقد مفاوضہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ عقد مفاوضہ کفالت کو متضمن ہوتا ہے حالانکہ غلام، بچے اور مکاتب سے کفالہ صحیح نہیں ہوتا اور اگر یہ لوگ شرط کفالہ کے بغیر عقد مفاوضہ کریں تو یہ عقد مفاوضہ سے عنان بن جائے گا، کیونکہ عقد عنان کبھی خاص ہوتا ہے اور کبھی عام ہوتا ہے جب کہ عقد مفاوضہ عام ہی عام ہوتا ہے۔

قَالَ وَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ أَمَّا الْوَكَالَةُ فَلِتَحَقُّقِ الْمَقْصُوْدِ وَهُوَ الشِّرْكَةُ فِي الْمَالِ عَلَى مَابَيَّنَّاهُ، وَأَمَّا الْكَفَالَةُ فَلِتَحَقُّقِ الْمُسَاوَاتِ فِيْمَا هُوَ مِنْ مَوَاجِبِ التِّجَارَاتِ وَهُوَ تَوَجُّهُ الْمُطَالَبَةِ نَحْوَهُمَا جَمِيْعًا، قَالَ وَمَايَشْتَرِيْهِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَكُوْنُ عَلَى الشِّرْكَةِ إِلَّا طَعَامَ أَهْلِهِ وَكِسْوَتَهُمْ وَكَذَا كِسْوَتُهُ وَكَذَا الْإِدَامُ، لِأَنَّ مُقْتَضَى الْعَقْدِ الْمُسَاوَاتُ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا قَائِمٌ مَقَامَ صَاحِبِهِ فِي التَّصَرُّفِ وَكَانَ شِرَاءُ أَحَدِهِمَا كَشِرَائِهِمَا إِلَّا مَا اسْتَثْنَاهُ فِي الْكِتَابِ وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ، لِأَنَّهُ مُسْتَثْنًى عَنِ الْمُفَاوَضَةِ لِلضَّرُوْرَةِ، فَإِنَّ الْحَاجَةَ الرَّاتِبَةَ مَعْلُوْمَةُ الْوُقُوْعِ وَلَايُمْكِنُ إِيْجَابُهُ عَلَى صَاحِبِهِ وَلَا الصَّرْفُ مِنْ مَالِهِ وَلَا بُدَّ مِنَ الشِّرَاءِ فَيَخْتَصُّ بِهِ ضَرُوْرَةً، وَالْقِيَاسُ أَنْ يَكُوْنَ عَلَى الشِّرْكَةِ لِمَا بَيَّنَّا، وَلِلْبَائِعِ أَنْ يُطَالِبَ بِأَخْذِ الثَّمَنِ أَيُّهُمَا شَاءَ، الْمُشْتَرِيْ بِالْإِصَالَةِ وَصَاحِبُهُ بِالْكَفَالَةِ وَيَرْجِعُ الْكَفِيْلُ عَلَى الْمُشْتَرِيْ بِحِصَّتِهِ بِمَا أَدّٰى، لِأَنَّهُ قَضٰى دَيْنًا عَلَيْهِ مِنْ مَالٍ مُشْتَرَكٍ بَيْنَهُمَا. قَالَ وَمَا يَلْزَمُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الدُّيُوْنِ بَدَلًا عَمَّا يَصِحُّ فِيْهِ الْاِشْتِرَاكُ فَالْآخَرُ ضَامِنٌ لَهُ تَحْقِيْقًا لِلْمُسَاوَاتِ فَمَا يَصِحُّ فِيْهِ الْاِشْتِرَاكُ الشِّرَاءُ وَالْبَيْعُ وَالْاِسْتِيْجَارُ، وَمِنَ الْقِسْمِ الْآخَرِ الْجِنَايَةُ وَالنِّكَاحُ وَالْخُلْعُ وَالصُّلْحُ عَنْ دَمِ الْعَمَدِ وَعَنِ النَّفَقَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ وکالت اور کفالت پر عقد مفاوضہ منعقد ہو جاتا ہے، وکالت پر اس لیے منعقد ہوتا ہے کہ وکالت سے اس کا مقصد یعنی شرکت فی المال حاصل ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور کفالہ سے اس لیے یہ عقد منعقد ہوتا ہے تا کہ تجارات کے لوازمات میں مساوات ثابت ہو جائے اور ان دونوں سے یکساں طور پر مطالبہ ہو۔

فرماتے ہیں کہ شریکین میں سے ہر ایک جو بھی چیز خریدے گا وہ ان کے مابین مشترک ہوگی سوائے اس کے گھر والوں کے

کھانے، ان کے کپڑے اپنے کھانے اور سالن کے، کیونکہ عقد مساوات کا متقاضی ہے اور شریکین میں سے ہر ایک تصرف میں اپنے ساتھی کے قائم مقام ہے اور ایک کا شراء دونوں کے شراء کے قائم مقام ہے سوائے ان چیزوں کے جنہیں کتاب میں مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ استحسان ہے کیونکہ یہ چیزیں بر بنائے ضرورت مفاوضہ سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہیں، کیونکہ روزمرہ کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اور اسے ساتھی شریک پر لازم کرنا اور اس کے مال سے پوری کرنا ممکن نہیں ہے اور چوں کہ ان کا شراء ضروری ہے لہٰذا ضرورتاً وہ خاص ہوگی۔ اور قیاس یہ ہے کہ یہ بھی مشترک ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور بائع کو یہ حق ہے کہ ان میں سے جس سے چاہے ثمن کا مطالبہ کرے مشتری سے اصیل ہونے کی وجہ سے اور بائع سے کفیل ہونے کی وجہ سے اور کفیل مشتری کی طرف سے دی ہوئی قیمت اس کے حصے کے بقدر وصول کرلے، کیونکہ کفیل نے مال مشترک سے مشتری کا دین (ثمن) ادا کیا ہے فرماتے ہیں کہ جس مال میں شرکت صحیح ہو اس کے عوض ان میں سے ہر ایک پر جو قرض لازم ہوگا دوسرا ساتھی اس کا ضامن ہوگا تاکہ مساوات متحقق ہو جائے۔ وہ عقود جن میں شرکت صحیح ہے یہ ہیں شراء، بیع، استیجار اور دوسری قسم میں سے جنایت ہے، نکاح ہے خلع ہے دم عمد اور نفقہ سے صلح ہے۔

اللغات:

﴿مواجب﴾ واحد موجب؛ سبب، وجہ لازم۔ ﴿کسوۃ﴾ کپڑے، ملبوسات۔ ﴿إدام﴾ سالن۔ ﴿راتبة﴾ روزمرہ کی، معمول کی۔ ﴿ایجاب﴾ واجب کرنا۔ ﴿استیجار﴾ اجرت پر لینا۔ ﴿جنایة﴾ جرم۔

عقدِ مفاوضہ کے شرکاء کی شرعی حیثیت:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ عقد مفاوضہ کے دونوں شریکوں میں سے ہر ہر شریک دوسرے کی طرف سے وکیل بھی ہوگا اور کفیل بھی ہوگا، وکیل ہونا اس لیے ضروری ہے تاکہ شرکت فی المال متحقق ہونے کے بعد شرکت فی الربح بھی متحقق ہو جائے اور کفیل ہونا اس لیے ضروری ہے تاکہ اگر اس تجارت میں نقصان یا دَین ہو تو دونوں پر لازم ہو اور دونوں سے یکساں طور پر اس کا مطالبہ ہو سکے۔

قال ومایشتریه الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ شریکین میں سے ہر ہر شریک تجارت کی نیت سے جو چیز خریدے گا وہ ان کے مابین مشترک ہوگی، لیکن ضروریات زندگی اور روز مرہ کی چیزیں مشترک نہیں ہوں گی چناں چہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے کھانے اور پہننے کی چیزیں جو شریک خریدے گا وہ مشترک نہیں ہوں گی، کیونکہ ضرورتاً انھیں مفاوضہ سے مستثنیٰ قرار دیدیا گیا ہے اور ان کی ضرورت روز پیش آتی ہے اور واضح ہوتی ہے لہٰذا مشتری ان کے ساتھ خاص ہوگا اور دوسرا اس میں شریک نہیں ہوگا یہ حکم بر بنائے استحسان ہے۔ ورنہ قیاس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہ چیزیں بھی مشترک ہوں کیونکہ عقد مفاوضہ مساوات کا متقاضی ہوتا ہے اور مساوات اسی صورت میں متحقق ہوگی جب شرکت پائی جائے۔

وللبائع الخ فرماتے ہیں کہ اگر چہ استحساناً ضروریات زندگی کی چیزیں متقاوضان میں مشترک نہیں ہوں گی لیکن دوسرا شریک مشتری کی طرف سے کفیل ہوگا اور بائع کو اختیار ہوگا چاہے تو مشتری یعنی اصیل سے ثمن وصول کرے اور چاہے تو شریک آخر یعنی کفیل سے وصول کرے اور اگر کفیل دے تو وہ مشتری سے اس کے حصے کے بقدر ادا کردہ ثمن وصول کرلے، کیونکہ اس کفیل نے مشتری کے دین (ثمن) کو مال مشترک سے ادا کیا ہے حالانکہ مبیع مشترک نہیں ہے۔ یہی حال اس قرض کا بھی ہے جو ان میں سے کسی پر لازم ہو اور ایسے مال کے عوض میں لازم ہو جس اشتراک صحیح جیسے بیع وشراء اور استیجار وغیرہ تو یہ دین دونوں پر لازم ہوگا تاکہ مساوات ثابت ہو جائے۔ لیکن جن عقود

میں اشتراک صحیح نہیں ہے جیسے جنایت کا جرمانہ، نکاح کرنے کا مہر اور بدل خلع وصلح وغیرہ تو اس میں دوسرا شریک مباشر کا شریک نہیں ہوگا۔

قَالَ وَلَوْ كَفَّلَ أَحَدُهُمَا بِمَالٍ عَنْ أَجْنَبِيٍّ لَزِمَ صَاحِبَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَقَالَا لَا يَلْزَمُهُ، لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ وَلِهٰذَا لَايَصِحُّ مِنَ الصَّبِيِّ وَالْعَبْدِ الْمَأْذُوْنِ وَالْمُكَاتَبِ، وَلَوْ صَدَرَ مِنَ الْمَرِيْضِ يَصِحُّ مِنَ الثُّلُثِ وَصَارَ كَالْإِقْرَاضِ وَالْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ، وَلِأَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ أَنَّهُ تَبَرُّعٌ اِبْتِدَاءً وَمُعَاوَضَةٌ بَقَاءً لِأَنَّهُ يَسْتَوْجِبُ الضَّمَانَ بِمَا يُؤَدِّيْ عَلَى الْمَكْفُوْلِ عَنْهُ إِذَا كَانَتِ الْكَفَالَةُ بِأَمْرِهِ فَبِالنَّظْرِ إِلَى الْبَقَاءِ يَتَضَمَّنُهُ الْمُفَاوَضَةُ، وَبِالنَّظْرِ إِلَى الْاِبْتِدَاءِ لَمْ تَصِحَّ مِمَّنْ ذَكَرَهُ وَيَصِحُّ مِنَ الثُّلُثِ مِنَ الْمَرِيْضِ، بِخِلَافِ الْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ، لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ اِبْتِدَاءً وَانْتِهَاءً، وَأَمَّا الْإِقْرَاضُ فَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ أَنَّهُ يَلْزَمُ صَاحِبَهُ وَلَوْ سُلِّمَ فَهُوَ إِعَارَةٌ فَيَكُوْنُ لِمِثْلِهَا حُكْمُ عَيْنِهَا لَا حُكْمُ الْبَدَلِ حَتّٰى لَايَصِحُّ فِيْهِ الْأَجَلُ فَلَايَتَحَقَّقُ مُعَاوَضَةٌ وَلَوْ كَانَتْ بِغَيْرِ أَمْرِهِ لَمْ تَلْزَمْ صَاحِبَهُ فِي الصَّحِيْحِ لِانْعِدَامِ مَعْنَى الْمُفَاوَضَةِ، وَمُطْلَقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ مَحْمُوْلٌ عَلَى الْمُقَيَّدِ، وَضَمَانُ الْغَصَبِ وَالْاِسْتِهْلَاكِ بِمَنْزِلَةِ الْكَفَالَةِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ، لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ اِنْتِهَاءً.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر احد الشریکین نے کسی اجنبی کی طرف سے مال کی کفالت کرلی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کے ساتھی پر بھی وہ مال لازم ہوگا حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ ساتھی پر نہیں لازم ہوگا، کیونکہ یہ تبرع ہے اسی لیے اجنبی عبد ماذون اور مکاتب کی طرف سے کفالہ صحیح نہیں ہے اور اگر مریض (مرض الموت) نے کفالہ کیا تو تہائی مال سے صحیح ہوگا اور یہ قرض دینے اور نفس کا کفالہ قبول کرنے کی طرح ہوگیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کفالت ابتداء تبرع ہے اور بقاءً معاوضہ ہے، اس لیے کہ اگر کفالہ مکفول عنہ کے حکم سے ہو تو مکفول عنہ پر اس کی طرف سے ادا کردہ رقم کے ضمان کی موجب ہوگی، لہٰذا بقاء کی طرف نظر کرتے ہوئے اسے مفاوضہ شامل ہوگا اور ابتداء (یعنی تبرع) کی طرف نظر کرتے ہوئے بچے اور غلام وغیرہ کی طرف سے یہ صحیح نہیں ہوگا اور مریض کے تہائی مال سے صحیح ہوگا۔ برخلاف کفالہ بالنفس کے، کیونکہ وہ ابتداء میں بھی تبرع ہے اور انتہاء میں بھی تبرع ہے۔

اور رہا قرض ادا کرنا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ بھی دوسرے ساتھی پر لازم ہوگا اور اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ دوسرے ساتھی پر لازم نہیں ہوگا تو یہ اعارہ ہوگا اور اس کے مثل کو عین کا حکم حاصل ہوگا نہ کہ بدل کا حتی کہ اس میں میعاد صحیح نہیں ہوگی اور معاوضہ متحقق نہیں ہوگا۔

اور اگر یہ کفالہ مکفول عنہ (اجنبی) کے حکم کے بغیر ہو تو صحیح قول کے مطابق کفیل کے ساتھ پر لازم نہیں ہوگا کیونکہ مفاوضہ کا معنی معدوم ہے اور جامع صغیر کا مطلق حکم مقید پر محمول ہے اور غصب اور استہلاک کا ضمان امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کفالہ کے درجے میں ہے، کیونکہ وہ انتہاءً معاوضہ ہے۔

اللغات:

﴿کفل﴾ ضمانت لے لی۔ ﴿ماذون﴾ جس کو (تجارت کی) اجازت دی گئی ہو۔ ﴿ثلث﴾ تہائی، تیسرا حصہ۔
﴿إعارة﴾ عاریت پر دینا۔

مفاوضہ میں ایک شریک کا کفالہ قبول کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر عقد معاوضہ کے دونوں پارٹنروں میں سے کسی ایک پارٹنر نے کسی ایسے اجنبی کی طرف سے کفالہ بالمال قبول کرلیا جو ان کے ساتھ کاروبار میں شریک نہیں ہے تو امام اعظم رالٹھیلہ کے یہاں دوسرے شریک پر بھی یہ کفالہ لازم ہوگا، لیکن حضرات صاحبین عِیسَیا کے یہاں لازم نہیں ہوگا، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ عقد تبرع ہے اور احسان ہے اسی لیے بچے غلام اور مکاتب کی طرف سے اس کی قبولیت صحیح نہیں ہے اور اگر کوئی مریض قبول کرے تو اس کے تہائی مال ہی سے معتبر ہوتا ہے اس لیے جو شریک اسے قبول کرے گا یہ کفالہ اسی کی ذات تک محدود رہے گا اور اس سے شریک ثانی کی طرف متعدی نہیں ہوگا، اور جیسے اگر کوئی شریک کسی اجنبی کا قرض ادا کردے یا کفالہ بالنفس قبول کرلے تو دوسرا شریک اس میں شریک نہیں ہوتا اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی مذکورہ کفالہ شریک ثانی پر لازم نہیں ہوگا۔

ولأبي حنيفة رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ **الخ** حضرت امام اعظم رالٹھیلہ کی دلیل یہ ہے کہ اس کفالہ کی دو حیثیتیں ہیں (۱) یہ ابتداءً تبرع ہے کیونکہ ایک ہی شریک اسے قبول کرتا ہے (۲) لیکن انتہاءً یہ معاوضہ اور مفاوضہ ہے اس لیے کہ جب ہم دوسرے شریک کو اس میں شریک کردیں گے تو وہ اور کفیل شریک مکفول عنہ سے اتنی رقم واپس لے لیں گے جو انہوں نے مکفول کو دی ہے بشرطیکہ کفالہ مکفول عنہ کے حکم سے ہو۔ اب ابتداء کی طرف دیکھو تو یہ تبرع ہے اور انتہاء کی طرف دیکھو تو معاوضہ ہے اور مفاوضہ ہے، **لہٰذا الاعتبار بالخواتیم** پر عمل کرتے ہوئے ہم نے اسے معاوضہ قرار دے کر شریک ثانی پر اسے لازم کردیا ہے۔ اس کے برخلاف کفالہ بالنفس کا مسئلہ ہے تو وہ ابتداءً اور انتہاءً دونوں حالتوں میں تبرع ہے اور اس میں کفیل مکفول عنہ سے کوئی چیز واپس نہیں لے سکتا اس لیے یہ کفالہ شریک ثانی پر لازم نہیں ہوگا۔ اور رہا قرض کا مسئلہ تو امام اعظم رالٹھیلہ سے حسن بن زیاد کی روایت میں یہ بھی شریک ثانی پر لازم ہوگا، اس لیے کہ ان دونوں مسئلوں سے ان کے خلاف استشہاد کرنا درست نہیں ہے۔

اور اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ قرض کی ادائیگی دوسرے شریک پر لازم نہیں ہے تب بھی یہ مفاوضہ نہیں ہوگا بلکہ اعارہ ہوگا اور مکفول عنہ کفیل کو جو رقم واپس کرے گا وہ عین ہوگی بدل نہیں ہوگی اور اس میں میعاد صحیح نہیں ہوگی، اسی لیے اس میں معاوضہ کے معنی متحقق نہیں ہوں گے اور ظاہر ہے کہ جب معاوضہ کے معنی نہیں ہوں گے تو شرکت بھی ثابت نہیں ہوگی۔

اور اگر یہ کفالہ مکفول عنہ کے حکم سے نہ ہو تب تو احسان ہی احسان ہوگا اور کسی کے یہاں بھی شریک ثانی پر لازم نہیں ہوگا کیونکہ اب دور دور تک اس میں مفاوضہ کے معنی معدوم ہیں اور جامع صغیر کے متن میں جو لزم صاحبہ کا حکم ہے وہ لزوم امر مکفول عنہ کے ساتھ مقید ہے۔

وضمان الغصب الخ اگر کسی نے دوسرے کا مال غصب کیا یا ہلاک کردیا اور احد الشریکین نے اس کی ذمہ داری قبول کرکے اس کا ضمان دیدیا تو امام اعظم رالٹھیلہ کے یہاں یہ بھی کفالت کے حکم میں ہوگی اور دوسرے شریک پر لازم ہوگی، کیونکہ اگرچہ یہ ابتداءً

تبرع ہے، لیکن انتہاءً معاوضہ ہے، اور ماقبل میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے انتہاء کا اعتبار کیا ہے لہٰذا یہاں بھی انتہاء کا اعتبار ہوگا۔

قَالَ فَإِنْ وَرِثَ أَحَدُهُمَا مَالَا يَصِحُّ فِيهِ الشِّرْكَةُ أَوْ وُهِبَ لَهُ وَوَصَلَ إِلٰى يَدِهٖ بَطَلَتِ الْمُفَاوَضَةُ وَصَارَتْ عِنَانًا لِفَوَاتِ الْمُسَاوَاتِ فِيمَا يَصْلَحُ رَأْسَ الْمَالِ إِذْ هِيَ شَرْطٌ فِيهِ ابْتِدَاءً وَبَقَاءً وَهٰذَا لِأَنَّ الْاٰخَرَ لَايُشَارِكُهٗ فِيمَا أَصَابَهٗ لِانْعِدَامِ السَّبَبِ فِي حَقِّهٖ إِلَّا أَنَّهَا تَنْقَلِبُ عِنَانًا لِلْإِمْكَانِ فَإِنَّ الْمُسَاوَاتِ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ فِيهِ وَلِدَوَامِهٖ حُكْمُ الْاِبْتِدَاءِ لِكَوْنِهٖ غَيْرَ لَازِمٍ، فَإِنْ وَرِثَ أَحَدُهُمَا عَرَضًا فَهُوَ لَهٗ وَلَاتَفْسُدُ الْمُفَاوَضَةُ وَكَذَا الْعِقَارُ، لِأَنَّهٗ لَايَصِحُّ فِيهِ الشِّرْكَةُ فَلَايُشْتَرَطُ الْمُسَاوَاةُ فِيهِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر مفاوضین میں سے کسی کو ایسا مال ملا جس میں شرکت صحیح ہوتی ہو یا کسی کو مال ہبہ کیا گیا اور اس کے پاس وہ مال پہنچ گیا تو مفاوضہ باطل ہوجائے گی اور یہ شرکت عنان بن جائے گی، کیونکہ راس المال میں مساوات فوت ہوگئی حالانکہ اس عقد میں ابتداء اور بقاءً مساوات ضروری ہے۔ اور اس بطلان کی ایک وجہ یہ ہے بھی کہ جس شریک کو یہ مال ملا ہے اس میں دوسرا شریک، شریک نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے حق میں سبب شرکت معدوم ہے تاہم یہ شرکت شرکت عنان بن جائے گی، کیونکہ عنان میں مساوات شرط نہیں ہے اور اس کے دوام کو ابتداء کا حکم حاصل ہے کیونکہ عنان عقد غیر لازم ہے۔ اگر شریکین میں سے کوئی کسی سامان کا وارث ہوا تو وہ اسی کا ہوگا اور عقد مفاوضہ فاسد نہیں ہوگا یہی حکم عقار کا بھی ہے، کیونکہ اس میں شرکت صحیح نہیں ہے لہٰذا اس میں مساوات بھی شرط نہیں ہوگی۔

اللغات:

﴿وصل﴾ پہنچ گیا۔ ﴿صارت﴾ ہوگئی۔ ﴿عقار﴾ غیر منقولہ املاک، زمین وغیرہ۔ ﴿عرض﴾ غیر نقد ساز وسامان۔

مفاوضین میں سے ایک کے مال میں اضافہ ہونا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر عقد مفاوضہ کے دونوں شریکوں میں سے کسی ایک کو وراثت میں کوئی ایسا مال ملا جس میں شرکت صحیح ہو یا کوئی مال اسے ہدیہ کیا گیا اور وہ اس پر قابض بھی ہوگیا تو ان کے مابین جو عقد مفاوضہ تھا وہ باطل ہوجائے گا اور یہ شرکت شرکتِ عنان میں تبدیل ہوجائے گی، کیونکہ رأس المال میں مساوات فوت ہوگئی ہے حالانکہ اس عقد میں ابتداء اور بقاء دونوں اعتبار سے مساوات ضروری تھی اور وہ معدوم ہوچکی ہے نیز جس شریک کو وراثت ملی ہے یا جسے ہبہ کیا گیا ہے وہ تنہا اس کا مالک ہے اور دوسرے شریک کا اس میں کوئی حق نہیں ہے، کیوں اس کے حق میں سببِ شرکت مفقود ہے، اس لیے اس حوالے سے بھی وارث یا موہوب لہ ہی اس نئے حاصل شدہ مال کے ساتھ خاص ہوگا اور مساوات نہیں ہوگی اس لیے شرکتِ مفاوضہ باطل ہوگی لیکن یہ عنان بن جائے گی، کیونکہ عنان میں مساوات ضروری نہیں ہے اور عنان چوں کہ عقد غیر لازم ہے اور اس کی بقاء اور ابتداء کا حکم یکساں ہے اس لیے اس میں ابتداءً مساوات ہو یا نہ ہو شرکت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اگر کوئی شریک کسی سامان کا یا غیر منقول جائداد کا وارث ہوا اور اس میں شرکت صحیح نہ ہو تو وہ چیز اسی کی مملوک ہوگی اور اس کی وجہ سے عقد مفاوضہ فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ جب اس مال میں شرکت صحیح نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ مساوات بھی شرط نہیں ہوگی اور جب مساوات شرط نہیں ہوگی تو اس کے نہ ہونے سے صحت عقد پر کوئی اثر بھی نہیں ہوگا۔

وَلَايَنْعَقِدُالشِّرْكَةِ إِلَّا بِالدِّرْهَمِ وَالدَّنَانِيْرِ وَالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ، وَقَالَ مَالِكٌ يَجُوْزُ بِالْعُرُوْضِ وَالْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ إِذَا كَانَ الْجِنْسُ وَاحِدًا، لِأَنَّهَا عَقَدَتْ عَلٰى رَأْسِ مَالٍ مَعْلُوْمٍ فَأَشْبَهَ النُّقُوْدَ، بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ، لِأَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَاهَا لِمَا فِيْهَا مِنْ رِبْحِ مَا لَمْ يَضْمَنْ فَتَقْتَصِرُ عَلٰى مَوْرِدِ الشَّرْعِ، وَلَنَا أَنَّهٗ يُؤَدِّيْ إِلٰى رِبْحِ مَالَمْ يَضْمَنْ لِأَنَّهٗ إِذَا بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رَأْسَ مَالِهٖ وَتَفَاضَلَ الثَّمَنَانِ فَمَا يَسْتَحِقُّهٗ أَحَدُهُمَا مِنَ الزِّيَادَةِ فِيْ مَالِ صَاحِبِهٖ رِبْحُ مَالَمْ يَمْلِكْ وَمَا لَمْ يَضْمَنْ، بِخِلَافِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ، لِأَنَّ ثَمَنَ مَايَشْتَرِيْهِ فِيْ ذِمَّتِهٖ إِذْ هِيَ لَايَتَعَيَّنُ فَكَانَ رِبْحُ مَا ضَمِنَ، وَلِأَنَّ أَوَّلَ التَّصَرُّفِ فِي الْعُرُوْضِ الْبَيْعُ وَفِي النُّقُوْدِ الشِّرَاءُ، وَبَيْعُ أَحَدِهِمَا مَالَهٗ عَلٰى أَنْ يَكُوْنَ الْآخَرُ شَرِيْكًا فِيْ ثَمَنِهٖ لَايَجُوْزُ، وَشِرَاءُ أَحَدِهِمَا شَيْأً بِمَالِهٖ عَلٰى أَنْ يَكُوْنَ الْمَبِيْعُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ غَيْرِهٖ جَائِزٌ، وَأَمَّا الْفُلُوْسُ النَّافِقَةُ تَرُوْجُ رَوَاجَ الْأَثْمَانِ فَأُلْحِقَتْ بِهَا، قَالُوْا هٰذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لِأَنَّهَا مُلْحَقَةٌ بِالنُّقُوْدِ عِنْدَهٗ حَتّٰى لَاتَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِيْنِ وَلَايَجُوْزُ بَيْعُ اثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ بِأَعْيَانِهَا عَلٰى مَا عُرِفَ، أَمَّا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَأَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَايَجُوْزُ الشِّرْكَةُ وَالْمُضَارَبَةُ بِهَا، لِأَنَّ ثَمَنِيَّتَهَا تَتَبَدَّلُ سَاعَةً فَسَاعَةً وَتَصِيْرُ سِلْعًا، وَيُرْوٰي عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ مِثْلُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَالْأَوَّلُ أَقْيَسُ وَأَظْهَرُ وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ صِحَّةُ الْمُضَارَبَةِ بِهَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ شرکت مفاوضہ دراہم و دنانیر اور رائج الوقت سکوں سے ہی منعقد ہوتی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سامان اور مکیلی و موزونی اشیاء اگر ایک جنس کی ہوں تو ان سے بھی شرکت مفاوضہ منعقد ہوجاتی ہے، کیوں کہ یہ شرکت بھی معلوم اور متعین رأس المال پر منعقد ہوئی ہے لہٰذا یہ چیزیں بھی نقود کے مشابہ ہوگئیں۔ برخلاف مضاربت کے کیونکہ قیاس اس کا منکر ہے،

اس لیے کہ اس میں ایسے مال سے نفع لیا جاتا ہے جو مضمون نہیں ہوتا لہٰذا مضاربت کا جواز مورد شرع تک منحصر رہے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ سامان پر عقد شرکت کا جواز ایسے مال سے نفع حاصل کرنے کا سبب ہے جو مضمون نہیں ہے اس لیے کہ جب شریکین میں سے ہر شخص اپنا رأس المال فروخت کردے اور دونوں کے ثمن میں کمی زیادتی ہو تو ان میں سے ایک شریک اپنے ساتھی شریک کے مال میں جس زیادتی کا مستحق ہوگا وہ ایسے مال کا نفع ہوگا جو نہ مملوک ہے اور نہ ہی مضمون ہے۔ برخلاف دراہم اور دنانیر کے، کیونکہ خریدی ہوئی چیز کا ثمن مشتری کے ذمہ ہوگا اس لیے کہ اثمان متعین نہیں ہوتے لہٰذا یہ ایسے مال کا نفع ہوگا جو مضمون ہے۔ اور اس لیے کہ سامان میں پہلا تصرف بیع ہے اور نقود میں پہلا تصرف شراء ہے اور احد الشریکین کا اس شرط پر اپنا مال فروخت کرنا کہ دوسرا شریک ثمن میں اس کا شریک ہو جائز نہیں ہے جب کہ ان میں سے ایک شریک کا اپنے مال سے اس شرط پر کوئی چیز خریدنا کہ مبیع اس کے اور اس کے ساتھ کے درمیان مشترک ہوگی جائز ہے۔ اور رائج سکے اثمان ہی کی طرح چلتے ہیں لہٰذا انھیں اثمان کے ساتھ لاحق کردیا گیا۔

حضرات مشائخ نے فرمایا کہ یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، کیونکہ ان کے یہاں فلوس نقدی کے ساتھ لاحق کردیئے گئے ہیں حتی کہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے اور ان میں سے دو معین کو ایک معین کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ لحہ بہ لحہ ان کی ثمنیت بدلتی رہتی ہے اور یہ سامان بن جاتے ہیں، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح مروی ہے مگر پہلا قول زیادہ ظاہر اور قیاس کے زیادہ موافق ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ فلوس کے عوض مضاربت صحیح ہے۔

اللغاتُ:

﴿فلوس﴾ روپے پیسے۔ ﴿نافقة﴾ رائج الوقت۔ ﴿عروض﴾ واحد عرض؛ غیر نقد ساز وسامان۔ ﴿يأباها﴾ اس کا انکار کرتا ہے۔ ﴿ربح﴾ منافع۔ ﴿يقتصر﴾ منحصر رہے گا۔ ﴿سلع﴾ ساز وسامان، عروض۔ ﴿أقيس﴾ قیاس کے زیادہ مطابق۔

شرکت مفاوضہ کے اموال:

مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں دراہم، دنانیر اور رائج سکوں کے عوض ہی شرکت مفاوضہ صحیح ہے جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان کے علاوہ سامان اور مکیل وموزونی چیزوں سے بھی شرکتِ مفاوضہ منعقد ہو جائے گی، بشرطیکہ یہ سب ایک جنس کے ہوں، کیونکہ نقود کی طرح یہ بھی معلوم اور متعین رأس المال ہیں اور معلوم رأس المال پر شرکت مفاوضہ صحیح ہوتی ہے لہٰذا عروض اور مکیلی وموزونی اشیاء پر بھی صحیح ہوگی، لیکن عروض یا مکیل اور موزونی اشیاء پر عقد مضاربت صحیح نہیں ہوگا، اس لیے کہ عقد مضاربت کی صحت دراہم اور دنانیر کے ساتھ خاص ہے اور قیاس عروض وغیرہ سے جواز مضاربت کا منکر ہے، کیونکہ مضاربت میں جو مال ہوتا ہے وہ مضارب کے قبضہ میں امانت ہوتا ہے مضمون نہیں ہوتا اور اس سے حاصل ہونے والا نفع مالِ غیر مضمون کا نفع ہے لہٰذا رب المال کے لیے اس کا لینا درست نہیں ہے، لیکن شریعت نے نقود یعنی دراہم اور دنانیر کے عوض مضاربت کو جائز قرار دیدیا ہے اس لیے یہ جواز دراہم ودنانیر کے ساتھ ہی خاص ہوگا اور عروض وغیرہ کی طرف متعدی نہیں ہوگا۔

ولنا أنه يؤدي الخ ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر ہم عروض اور مکیلی وموزونی اشیاء پر عقد شرکت کو جائز قرار دیدیں تو یہ غیر مضمون

مال سے حصول نفع کو متضمن ہوگا بایں طور کہ جب دونوں شریک اپنا راس المال زائد قیمت میں فروخت کریں اور ایک کا ثمن دوسرے کے ثمن سے زیادہ ہو تو زیادہ پانے والا شرکت کے مال سے ایسی زیادتی کا مستحق ہوگا جس کا نہ تو وہ مالک ہے اور نہ ہی وہ مال اس پر مضمون ہے اور ربح مالم یضمن جائز نہیں ہے، اسی لیے عروض پر عقد شرکت کا انعقاد بھی جائز نہیں ہے۔ ہاں دراہم ودنانیر پر جائز ہے، کیونکہ اثمان متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، لہٰذا ان میں سے ہر ہر شریک کا ثمن اس کے ذمہ ہوگا اور ماوجب فی الذمہ مضمون ہوتا ہے، لہٰذا اس صورت میں حاصل ہونے والا ماضمن کے قبیل سے ہوگا اور صحیح ہوگا۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عروض اور سامان میں پہلا تصرف بیع کا ہوتا ہے جب کہ نقود میں پہلا تصرف شراء ہوتا ہے اور اگر احد الشریکین اس شرط پر اپنا مال فروخت کرے کہ دوسرا شریک ثمن میں اس کا شریک ہوگا تو جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ شرکت وکالت کی مقتضی ہے اور عروض میں اس طرح کی توکیل جائز نہیں ہے جو شرکت کو متضمن ہو اور جب عروض میں شرکت نہیں ہوگی تو ظاہر ہے کہ ثمن میں بھی شرکت نہیں ہوگی اور شرکت نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وکیل بالبیع امین ہوتا ہے، اب اگر یہ وکیل اپنے لیے کسی نفع کی شرط لگالے تو یہ ربح مالم یضمن ہوگا (کیونکہ مبیع امین پر مضمون نہیں ہوتی) اور ربح مالم یضمن جائز نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شریک اپنے مال سے کوئی چیز خرید کر اپنے ساتھی کو مبیع میں شریک کرلے تو درست ہے، کیونکہ وکیل بالشراء ثمن کا ضامن ہوتا ہے اور اس لیے کہ مبیع سے نفع لینے کی شرط لگانا صحیح ہے کیونکہ یہ نفع ربح ماضمن کے قبیل سے ہوگا اور صحیح ہوگا۔

وأما الفلوس النافقة الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دراہم ودنانیر کی طرح فلوس رائجہ سے بھی عقد مفاوضہ اور مضاربہ درست ہے اور یہ فلوس ان کے یہاں نقود کے ساتھ ملحق ہیں، اسی لیے درہم ودنانیر کی طرح متعین کرنے سے یہ بھی متعین نہیں ہوتے اور ایک متعین فلوس کو دو متعین فلوس کے عوض فروخت کرنا صحیح نہیں ہے، لیکن حضرات شیخینؒ کے یہاں فلوس کے عوض شرکت ومضاربت صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان کی ثمنیت حتمی اور یقینی نہیں ہے اور وقتاً فوقتاً ان میں ترمیم ہوتی رہتی ہے حتی کہ بعض اوقات ان کی ثمنیت بالکل ختم ہوجاتی ہے اور وہ سامان بن جاتے ہیں اور سامان پر مفاوضہ اور مضاربت ہمارے یہاں صحیح نہیں ہے لہٰذا فلوس پر بھی یہ عقود صحیح نہیں ہوں گے۔

امام ابویوسف سے ایک روایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مثل جواز کی مروی ہے، لیکن ان کا قول اول جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مذکور ہوا ہے وہی اصح اور اظہر ہے۔

قَالَ وَلَايَجُوْزُ الشِّرْكَةُ بِمَا سِوٰى ذٰلِكَ إِلَّا أَنْ يَتَعَامَلَ النَّاسُ بِالتِّبْرِ وَالنُّقْرَةِ فَتَصِحُّ الشِّرْكَةُ بِهِمَا هٰكَذَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ وَلَايَكُوْنُ الْمُفَاوَضَةُ بِمَثَاقِيْلَ ذَهَبٍ أَوْفِضَّةٍ، مُرَادُهُ التِّبْرُ فَعَلٰى هٰذِهِ الرِّوَايَةِ التِّبْرُ سِلْعَةٌ يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِيْنِ فَلَايَصِحُّ رَأْسُ الْمَالِ فِي الْمُضَارَبَاتِ وَالشِّرْكَاتِ، وَذَكَرَ فِي كِتَابِ الصَّرْفِ أَنَّ النُّقْرَةَ لَايَتَعَيَّنُ حَتّٰى لَايَنْفَسِخُ الْعَقْدُ بِهَلَاكِهِ قَبْلَ التَّسْلِيْمِ فَعَلٰى تِلْكَ الرِّوَايَةِ يَصْلُحُ رَأْسَ الْمَالِ فِيْهِمَا، وَهٰذَا لِمَا عُرِفَ أَنَّهُمَا خُلِقَا ثَمَنَيْنِ فِي الْأَصْلِ إِلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ أَصَحُّ لِأَنَّهَا وَإِنْ خُلِقَتْ لِلتِّجَارَةِ فِي الْأَصْلِ لٰكِنَّ

الثَّمَنِيَّةَ تَخْتَصُّ بِالضَّرْبِ الْمَخْصُوْصِ، لِأَنَّ عِنْدَ ذٰلِكَ لَايُصْرَفُ إِلٰى شَيْءٍ اٰخَرَ ظَاهِرًا إِلَّا أَنْ يَجْرِيَ التَّعَامُلُ بِاسْتِعْمَالِهِمَا ثَمَنًا فَيَنْزِلُ التَّعَامُلُ بِمَنْزِلَةِ الضَّرْبِ فَيَكُوْنُ ثَمَنًا وَيَصْلَحُ رَأْسَ الْمَالِ، ثُمَّ قَوْلُهُ وَلَايَجُوْزُ بِمَا سِوٰى ذٰلِكَ يَتَنَاوَلُ الْمَكِيْلَ وَالْمَوْزُوْنَ وَالْعَدَدِيَّ الْمُتَقَارِبَ، وَلَاخِلَافَ فِيْهِ بَيْنَنَا قَبْلَ الْخَلْطِ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رِبْحُ مَتَاعِهِ وَعَلَيْهِ وَضِيْعَتُهُ، وَإِنْ خَلَطَا ثُمَّ اشْتَرَكَا فَكَذٰلِكَ فِيْ قَوْلِ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَالشِّرْكَةُ شِرْكَةُ مِلْكٍ لَاشِرْكَةُ عَقْدٍ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَصِحُّ شِرْكَةُ الْعَقْدِ، وَثَمَرَةُ الْخِلَافِ تَظْهَرُ عِنْدَ التَّسَاوِيْ فِي الْمَالَيْنِ وَاشْتِرَاطُ التَّفَاضُلِ فِي الرِّبْحِ، فَظَاهِرُ الرِّوَايَةِ مَا قَالَهُ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِأَنَّهُ تَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِيْنِ بَعْدَ الْخَلْطِ كَمَا يَتَعَيَّنُ قَبْلَهُ، وَلِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهَا ثَمَنٌ مِنْ وَجْهٍ حَتّٰى جَازَ الْبَيْعُ بِهَا دَيْنًا فِي الذِّمَّةِ وَبَيْعٌ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِيْنِ فَعَمِلْنَا بِالشَّبْهَيْنِ بِالْإِضَافَةِ إِلَى الْحَالَيْنِ، بِخِلَافِ الْعُرُوْضِ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ ثَمَنًا بِحَالٍ، وَلَوِاخْتَلَفَا جِنْسًا كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالزَّيْتِ وَالسَّمَنِ فَخَلَطَ لَايَنْعَقِدُ الشِّرْكَةُ بِهَا بِالْإِتِّفَاقِ، وَالْفَرْقُ لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ الْمَخْلُوْطَ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ وَمِنْ جِنْسَيْنِ مِنْ ذَوَاتِ الْقِيَمِ فَتَمَكَّنَ الْجِهَالَةُ كَمَا فِي الْعُرُوْضِ وَإِذَا لَمْ تَصِحَّ الشِّرْكَةُ فَحُكْمُ الْخَلْطِ قَدْ بَيَّنَّاهُ فِيْ كِتَابِ الْقَضَاءِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ان اموال کے علاوہ سے شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے الا یہ کہ لوگ بغیر پگھلائے ہوئے سونے کے ڈلے اور اور پگھلائی ہوئی چاندی کے ٹکڑے سے (شرکت کا) معاملہ کرتے ہوں تو ان دونوں سے بھی شرکت صحیح ہوگی قدوری میں ایسا ہی مذکور ہے۔ جامع صغیر میں ہے کہ سونے اور چاندی کے مثقالوں سے شرکت مفاوضہ نہیں منعقد ہوتی اور امام محمد رحمہ اللہ کی مراد تبر ہے چنانچہ اس رویت کے مطابق تبر ایک سامان ہے جو متعین کرنے سے متعین ہوجاتا ہے اور عقد شرکت ومضاربت میں راس المال بننے کے لائق نہیں ہے۔ جامع صغیر کی کتاب الصرف میں یہ مذکور ہے کہ نقرہ متعین نہیں ہوتا حتی سپردگی سے پہلے اس کے ہلاک ہونے سے عقد فسخ نہیں ہوتا تو اس روایت کے مطابق نقرہ اور تبر شرکت ومضاربت میں راس المال بن سکتے ہیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ سونا اور چاندی اصل میں ثمن پیدا کئے گئے ہیں لیکن جامع صغیر کی پہلی روایت اصح ہے اس لیے کہ اگرچہ سونا اور چاندی اصل میں تجارت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں لیکن مخصوص طور پر ان کی ڈھلائی سے ان میں ثمنیت مخصوص ہوجاتی ہے، کیونکہ اس وقت یہ ظاہر کسی دوسری چیز کی طرف انہیں پھیرا جاسکتا لیکن اگر غیر مضروب ہونے کی حالت میں بطور ثمن ان کے استعمال کا تعامل ہوجائے تو تعامل کو ڈھلائی کے قائم مقام قرار دیدیا جائے گا لہٰذا یہ ثمن بن جائیں گے اور راس المال بننے کے قابل ہوجائیں گے۔

پھر امام قدوری رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ان کے سواء سے شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے یہ قول مکیلی، موزونی اور عددی متقارب کو شامل ہے اور ملانے سے پہلے اس میں ہمارے مابین اختلاف نہیں ہے اور شرکاء میں سے ہر ایک کے لیے اسی کے سامان کا نفع ہوگا اور اسی پر

نقصان بھی منحصر ہوگا۔ اور اگر دونوں نے مال کو خلط ملط کرنے کے بعد عقد شرکت کیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہی حکم ہے اور یہ شرکت شرکتِ ملک ہوگی، شرکت عقد نہیں ہوگی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں شرکت عقد صحیح ہوگی اور اختلاف کا ثمرہ دونوں مالوں میں برابری کے وقت اور نفع میں کمی زیادتی کی شرط لگانے کی صورت میں ظاہر ہوگا تو ظاہر الروایہ وہ ہے جو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، کیونکہ ملانے کے بعد بھی یہ مال متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے جیسے ملانے سے پہلے متعین ہو جاتا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مکیل وموزون من وجہ ثمن ہیں حتی کہ اس کے عوض ذمہ میں قرض رکھ کر بیع کرنا جائز ہے اور یہ چیزیں من وجہ مبیع بھی ہیں اس حیثیت سے کہ تعیین سے یہ متعین ہو جاتی ہیں لہٰذا دونوں حالتوں کی طرف اضافت کرتے ہوئے ہم نے دونوں مشابہتوں پر عمل کیا۔ برخلاف عروض کے اس لیے کہ وہ کسی بھی حالت میں اثمان نہیں ہیں۔

اور مکیلی وموزونی چیزیں مختلف الجنس ہوں جیسے گندم اور جو، روغن زیتون اور گھی پھر دونوں نے انہیں ملا دیا تو ان سے بالاتفاق عقد شرکت منعقد نہیں ہوگی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے لیے وجہِ فرق یہ ہے کہ ایک ہی جنس کی ملی ہوئی چیزیں ذوات الامثال میں سے ہیں اور دو جنس کی مخلوط چیزیں ذوات القیم میں سے ہوتی ہیں لہٰذا سامان کی طرح اس میں بھی جہالت پیدا ہوگئی اور جب شرکت صحیح نہیں ہوئی تو خلط کا حکم کتاب القضاء میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

اللغاتُ:

﴿تبر﴾ بے ڈھلا سونا، ڈلی۔ ﴿نقرة﴾ بے ڈھلی چاندی، ڈلی۔ ﴿سلعة﴾ ساز وسامان۔ ﴿ضرب﴾ ڈھال، ٹکسال۔ ﴿ربح﴾ منافع۔ ﴿وضیعة﴾ نقصان۔ ﴿دین﴾ ادھار۔ ﴿حنطة﴾ گندم۔ ﴿شعیر﴾ جو۔ ﴿زیت﴾ زیتون کا تیل۔ ﴿سمن﴾ گھی۔

مذکورہ بالا مسئلہ سے استثناء:

مسئلہ یہ ہے کہ دراہم ودنانیر کے علاوہ سونے کے غیر مضروب ڈلے یا چاندی کے پگھلائے ہوئے ڈلے سے عقد مفاوضہ جائز نہیں ہے لیکن اگر کسی شہر اور علاقے میں تبر اور نقرہ کو ثمن کی حیثیت حاصل ہو اور وہاں کے لوگ ان سے بھی لین دین کرتے ہوں تو اس جگہ ان چیزوں سے بھی عقد مفاوضہ جائز ہوگا یہ مختصر القدوری کا مضمون ہے۔ جامع صغیر کی روایت کے مطابق تبر اور نقرہ سامان ہوگی اور عروض کی طرح مضاربت اور مفاوضہ میں رأس المال بننے کے لائق نہیں ہوں گے۔ لیکن جامع صغیر کی کتاب الصرف میں یہ حکم مذکور ہے کہ نقرہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اور اگر اسے ثمن دیا جائے اور سپردگیٔ مبیع سے پہلے یہ ہلاک ہو جائے تو اس کے ہلاک ہونے سے عقد بھی فسخ نہیں ہوتا اس روایت کے پیش نظر تو نقرہ شرکت ومضاربت میں رأس المال بن سکتا ہے ان دونوں روایتوں میں پہلی روایت اصح اور مستند ہے، کیونکہ نقرہ اور تبر اگر چہ تجارت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں تاہم ان میں ثمنیت اسی وقت آتی ہے جب انھیں مخصوص طریقے پر ڈھالا جائے اور تراش خراش کر ثمن ہونے کے قابل بنایا جائے اور اگر یہ غیر مضروب ہوں تو پھر عروض کے حکم میں ہوں گے اور عروض کی طرح ان پر بھی عقد شرکت ومضاربت نہیں ہوگی۔ ہاں اگر کسی جگہ غیر مضروب تبر اور نقرہ کی ثمن بنانے کا رواج ہو تو اس رواج کی وجہ سے یہ مضروب کے قائم مقام ہو کر ثمن بن جائیں گے اور ان پر مفاوضہ اور مضاربت منعقد ہو جائے گی۔

ثم قوله ولا یجوز الخ فرماتے ہیں کہ متن میں امام قدوری نے جو ولا یجوز بما سوی ذلک فرمایا ہے اس میں تبر اور نقرہ کے ساتھ ساتھ مکیلی اور موزنی اشیاء اور عددیٔ متقارب اشیاء سب داخل ہیں اور اگر دو لوگوں کے یہ مال باہم ملے ہوئے نہ ہوں تو ہمارے یہاں بالاتفاق ان پر شرکت و مضاربت جائز نہیں ہے اور ہر ہر شریک اپنے اپنے مال کے نفع نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ اور اگر دونوں شریکوں نے اپنا اپنا مال خلط ملط کر دیا اور پھر عقد شرکت کیا تو بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ عقد مفاوضہ نہیں ہوگا اور ہر ہر شریک اپنے اپنے مال کے نفع اور نقصان کا ذمہ دار ہوگا اور یہ شرکت صرف شرکت ملک کہلائے گی کہ ان کی ملکیت مخلوط ہے لیکن ان کا نفع مخلوط نہیں ہوگا۔ جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ شرکت شرکتِ عقد ہوگی اور اگر احد الشریکین کے لیے زیادہ نفع کی شرط لگائی گئی تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز ہوگی لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز نہیں ہے، اس لیے کہ مکیلی اور موزنی چیز جس طرح قبل الخلط متعین ہو جاتی ہے اسی طرح بعد الخلط بھی متعین ہو جاتی ہے اور متعین ہونے والی چیز شرکت و مضاربت کا رأس المال نہیں ہو سکتی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مکیلی و موزونی اشیاء کی دو حیثیتیں ہیں (۱) یہ من وجہٍ ثمن ہیں اور اگر کسی شخص نے مرغی کے انڈے یا گیہوں یا لوہے یعنی عدد متقارب مکیلی اور موزونی چیزوں میں سے کسی چیز کو اپنے ذمہ قرض بتا کر کوئی چیز خریدی یہ ان اشیائے ثلاثہ میں سے ہر ہر چیز ذمے میں دین بن کر ثمن بن جائے گی۔ (۲) اور یہ چیزیں من وجہٍ مبیع ہیں، کیونکہ بیع میں متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہیں، لہٰذا ہم نے قبل الخلط و بعد الخلط دونوں حالتوں کا اعتبار کیا اور قبل الخلط انھیں عروض کے مشابہ قرار دے کر ان کے عوض عقد شرکت کو باطل قرار دیا اور بعد الخلط والی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے انھیں اثمان کے مشابہ قرار دے کر ان کے عوض شرکت و مضاربت کو درست قرار دیدیا۔

ولو اختلفا الخ فرماتے ہیں کہ اگر مکیلی و موزونی چیزیں مختلف الجنس ہوں مثلاً ایک شریک کا گندم ہو اور دوسرے کا جو ہو یا ایک کا روغن زیتون ہوں اور دوسرے کا گھی ہو اور پھر دونوں اپنا اپنا سامان ایک دوسرے کے سامان سے مخلوط کر دیں تو ان سے بالاتفاق شرکت منعقد اور متحقق نہیں ہوگی۔ یہ عدم انعقاد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو ظاہر ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس میں اور مخلوط من جنس واحد میں فرق یہ ہے کہ مخلوط من جنس واحد ذوات الامثال میں سے ہوتی ہے اور اگر کوئی اسے ضائع اور ہلاک کر دے تو اس پر اس کا مثل واجب ہوتا ہے اور مخلوط من جنسین ذوات القیم میں سے ہوتی ہے اور شریکین میں سے ہر ایک کو بوقت تقسیم رأس المال سے اس کا حق نہیں مل پاتا ہے اور اس میں جہالت آ جاتی ہے اور مساوات ختم ہو جاتی ہے اسی لیے مخلوط من جنسین سے عقد شرکت و مضاربت کا تحقق نہیں ہوتا اور یہ صورت خلط کہلاتی ہے اور خلط مخلوط کا حکم ہم نے کتاب القضاء میں بیان کر دیا ہے اور اس کتاب القضاء سے جامع صغیر یا کفایۃ المنتہی کی کتاب القضاء مراد ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ (بنایہ: ۶/۸۵۲)

قَالَ وَإِذَا أَرَادَ الشِّرْكَةَ بِالْعُرُوْضِ بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفَ مَالِهِ بِنِصْفِ مَالِ الْآخَرِ ثُمَّ عَقَدَ الشِّرْكَةَ، قَالَ وَهٰذِهِ شِرْكَةُ مِلْكٍ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْعُرُوْضَ لَاتَصِحُّ رَأْسَ مَالِ الشِّرْكَةِ وَتَأْوِيْلُهُ إِذَا كَانَتْ قِيْمَةُ مَتَاعِهِمَا عَلَى السَّوَاءِ، وَلَوْ كَانَتْ بَيْنَهُمَا تَفَاوُتٌ بَاعَ صَاحِبُ الْأَقَلِّ بِقَدْرِ مَا يَثْبُتُ بِهِ الشِّرْكَةُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شرکت بالعروض کا معاملہ کرنا چاہے تو ہر شخص اپنا نصف مال دوسرے کے نصف مال سے

فروخت کردے پھر عقد شرکت کرے، فرماتے ہیں کہ یہ شرکت ملک ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ عروض شرکت کا راس المال نہیں ہو سکتے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب ان کے سامان کی قیمت برابر ہو اور اگر قیمت میں کمی بیشی ہو تو کم والا اس مقدار میں اپنا سامان فروخت کرے جس سے شرکت ثابت ہو جائے۔

اللغاث:

﴿عروض﴾ ساز وسامان۔ ﴿متاع﴾ سامان۔ ﴿تفاوت﴾ فرق۔

سامان وعروض میں شرکتِ مفاوضہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اسباب اور سامان میں عقد شرکت درست نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص کرنا چاہے تو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ہر شریک اپنا نصف سامان دوسرے کے نصف سامان کے عوض فروخت کردے تا کہ ہر ایک کا نصف سامان دوسرے پر مضمون ہو جائے اور دونوں کو ربح ما ضمن حاصل ہو، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب دونوں کے سامان کی قیمت برابر ہو اور اگر دونوں کے سامان کی قیمت برابر نہ ہو اور اس میں کمی بیشی ہو مثلاً ایک کے سامان کی قیمت ۴۰۰/ چار سو روپے ہو اور دوسرے کے سامان کی قیمت صرف ۱۰۰/ روپے ہو تو سو روپے والا شخص اپنے سامان کے پانچ حصے کر کے ۴۰۰/ روپے والے کے ایک حصے کے عوض اپنے چار حصے فروخت کردے، تا کہ کل مال کے پانچ حصے ہو جائیں اور اسی تناسب سے انہیں نفع ملتا رہے۔

قَالَ وَأَمَّا شِرْكَةُ الْعِنَانِ فَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ دُوْنَ الْكَفَالَةِ وَهِيَ أَنْ يَشْتَرِكَ اثْنَانِ فِي نَوْعِ بَزٍّ أَوْطَعَامٍ أَوْيَشْتَرِكَ فِيْ عُمُوْمِ التَّجَارَاتِ، وَلَا يَذْكُرَانِ الْكَفَالَةَ، وَانْعِقَادُهُ عَلَى الْوَكَالَةِ لِتَحَقُّقِ مَقْصُوْدِهِ كَمَا بَيَّنَّاهُ، وَلَا يَنْعَقِدُ عَلَى الْكَفَالَةِ، لِأَنَّ اللَّفْظَ مُشْتَقٌّ مِنَ الْإِعْرَاضِ، يُقَالُ عَنَّ لَهُ أَيْ أَعْرَضَ وَهٰذَا لَايُنْبِئُ عَنِ الْكَفَالَةِ وَحُكْمُ التَّصَرُّفِ لَايَثْبُتُ، بِخِلَافِ مُقْتَضَى اللَّفْظِ، وَيَصِحُّ التَّفَاضُلُ فِي الْمَالِ لِحَاجَةٍ إِلَيْهِ وَلَيْسَ مِنْ قَضِيَّةِ اللَّفْظِ الْمُسَاوَاةُ.

ترجمہ: رہی شرکت عنان تو وہ وکالت پر منعقد ہوتی ہے، کفالت پر منعقد نہیں ہوتی اس کی صورت یہ ہے کہ دو لوگ کسی قسم کے کپڑے یا غلے میں شرکت کریں یا عموم تجارات میں شرکت کریں اور کفالہ کا ذکر نہ کریں اور یہ قسم وکالت پر اس لیے منعقد ہوتی ہے تا کہ اس کا مقصود حاصل ہو جائے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ شرکت کفالہ پر منعقد نہیں ہوتی، کیونکہ لفظ عنان اعراض سے مشتق ہے چنانچہ کہا جاتا ہے عنّ لہ اس نے اعراض کر لیا اور یہ معنی کفالت سے ظاہر نہیں ہوں گے اور مقتضائے لفظ کے خلاف حکم ثابت نہیں ہوتا۔ اور کسی شریک کے مال میں کمی زیادتی ہونا صحیح ہے، کیونکہ اس کی ضرورت ہے اور مساوات لفظ عنان کا تقاضہ نہیں ہے۔

اللغاث:

﴿بزّ﴾ کپڑا۔ ﴿إعراض﴾ منہ پھیرنا، توجہ نہ کرنا۔ ﴿لاینبئ﴾ خبر نہیں دیتا۔ ﴿قضیّة﴾ مقتضٰی، تقاضا۔

شرکت عنان کی تعریف:

یہاں سے شرکت عقود کی دوسری قسم یعنی شرکت عنان کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شرکت عنان وکالت پر منعقد ہوتی ہے کفالت پر نہیں یعنی دونوں شریک ایک دوسرے کے وکیل تو ہوتے ہیں کیونکہ اس میں مال غیر میں تصرف کرنا ہوتا ہے جو بدون وکالت متحقق نہیں ہوگا، لیکن دونوں ایک دوسرے کے وکیل نہیں ہوتے اس لیے کہ شرکت عنان اعراض سے مشتق ہے اور کفالت میں اعراض کا معنی نہیں پایا جاتا اور یہ ضابطہ مقرر ہے کہ مقتضائے لفظ کے خلاف اس کا حکم ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا اس حوالے سے بھی شرکت عنان کفالہ سے خالی اور عاری ہوگی۔ اور اگر شرکت عنان کے شریکین میں سے کسی شریک کا مال دوسرے سے زیادہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور اس تفاضل سے صحت عنان پر آنچ نہیں آئے گی، کیونکہ عنان میں رأس المال میں مساوات شرط نہیں ہے۔

وَيَصِحُّ أَنْ يَتَسَاوَيَا فِي الْمَالِ وَيَتَفَاضَلَا فِي الرِّبْحِ، وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَايَجُوزُ، لِأَنَّ التَّفَاضُلَ فِيهِ يُؤَدِّي إِلَى رِبْحِ مَالَمْ يَضْمَنْ فَإِنَّ الْمَالَ إِذَا كَانَ نِصْفَيْنِ وَالرِّبْحُ أَثْلَاثًا فَصَاحِبُ الزِّيَادَةِ يَسْتَحِقُّهَا بِلَاضَمَانٍ، إِذَا الضَّمَانُ بِقَدْرِ رَأْسِ الْمَالِ، وَلِأَنَّ الشِّرْكَةَ عِنْدَهُمَا فِي الرِّبْحِ لِشِرْكَةٍ فِي الْأَصْلِ وَلِهٰذَا يَشْتَرِطَانِ الْخَلْطَ فَصَارَ رِبْحُ الْمَالِ بِمَنْزِلَةِ نَمَاءِ الْأَعْيَانِ فَيَسْتَحِقُّ بِقَدْرِ الْمِلْكِ فِي الْأَصْلِ، وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((الرِّبْحُ عَلٰى مَا شَرَطَا وَالْوَضِيعَةُ عَلٰى قَدْرِ الْمَالَيْنِ وَلَمْ يُفَصِّلْ))، وَلِأَنَّ الرِّبْحَ كَمَا يُسْتَحَقُّ بِالْمَالِ يُسْتَحَقُّ بِالْعَمَلِ كَمَا فِي الْمُضَارَبَةِ وَقَدْ يَكُونُ أَحَدُهُمَا أَحْذَقَ وَأَهْدٰى أَوْ أَكْثَرَ عَمَلًا وَأَقْوٰى فَلَايَرْضٰى بِالْمُسَاوَاتِ فَمَسَّتِ الْحَاجَةُ إِلَى التَّفَاضُلِ، بِخِلَافِ اشْتِرَاطِ جَمِيعِ الرِّبْحِ لِأَحَدِهِمَا، لِأَنَّهُ يَخْرُجُ الْعَقْدُ بِهِ مِنَ الشِّرْكَةِ وَمِنَ الْمُضَارَبَةِ أَيْضًا إِلٰى قَرْضٍ بِاشْتِرَاطِهِ لِلْعَامِلِ أَوْ إِلٰى بِضَاعَةٍ بِاشْتِرَاطِهِ لِرَبِّ الْمَالِ، وَهٰذَا الْعَقْدُ يُشْبِهُ الْمُضَارَبَةَ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ يَعْمَلُ فِي مَالِ الشَّرِيكِ وَيُشْبِهُ الشِّرْكَةَ اسْمًا وَعَمَلًا فَإِنَّهُمَا يَعْمَلَانِ فَعَمِلْنَا بِشِبْهِ الْمُضَارَبَةِ وَقُلْنَا يَصِحُّ اشْتِرَاطُ الرِّبْحِ مِنْ غَيْرِ ضَمَانٍ، وَبِشِبْهِ الشِّرْكَةِ حَتّٰى لَايَبْطُلُ بِاشْتِرَاطِ الْعَمَلِ عَلَيْهِمَا.

ترجمہ: یہ بھی صحیح ہے کہ دونوں شریک مال میں برابر ہوں اور نفع میں ان میں کمی بیشی ہو، امام زفر اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے، کیونکہ نفع میں تفاضل مفضی الی ربح مالم یضمن ہے چنانچہ اگر مال آدھا آدھا ہو اور نفع دو ثلث اور ایک ثلث ہو تو زیادہ والا بغیر ضمان کے اس زیادتی کا مستحق ہے حالانکہ رأس المال کے بقدر ہی ضمان واجب ہوتا ہے۔ اور اس لیے کہ امام زفر اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نفع کی شرکت اصل (رأس المال) کی شرکت سے ہوتی ہے، اسی لیے وہ دونوں حضرات خلط کی شرکت لگاتے ہیں تو مال کا نفع اصل کی زیادتی کی طرح ہوگیا لہٰذا ہر شریک اصل مال میں ملکیت کے بقدر مستحق نفع ہوگا۔

ہماری دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ نفع دونوں شریکوں کی شرط کے مطابق ہوگا اور نقصان بقدر مالین ہوگا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تساوی اور تفاضل میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ اور اس لیے کہ شریک جس طرح مال کی وجہ سے مستحق نفع ہوتا ہے اسی طرح کام سے بھی مستحق نفع ہوتا ہے جیسے مضاربت میں ہوتا ہے اور کبھی احد الشریکین کاروبار میں زیادہ ماہر اور ہوشیار ہوتا ہے اور کام میں زیادہ محنتی ہوتا ہے اس لیے وہ برابر نفع لینے پر راضی نہیں ہوتا، لہٰذا تفاضل کی ضرورت پڑتی ہے۔ برخلاف ایک کے لیے پورے نفع کی شرط لگانے میں، کیونکہ اس شرط کی وجہ سے عقد شرکت اور مضاربت ہونے سے خارج ہوجائے گا۔ اور اگر عامل کے لیے نفع کی شرط ہوتو یہ قرض ہوجائے گا اور اگر رب المال کے لیے پورے نفع کی شرط ہوتو یہ عقد پونجی اور سرمایہ ہوجائے گا۔

اور یہ عقد مضاربت کے مشابہ ہے اس حیثیت سے کہ ایک شریک دوسرے شریک کے مال میں کام کرتا ہے اور نام اور کام کے حوالے سے شرکت کے مشابہ ہے، کیونکہ دونوں کام آتے ہیں لہٰذا ہم نے مضاربت کی مشابہت پر عمل کرتے ہوئے کہا بغیر ضمان کے نفع کی شرط لگانا صحیح ہے اور شرکت کی مشابہت پر عمل کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ دونوں شریک پر عمل کی شرط لگانے سے یہ عقد باطل نہیں ہوگا۔

اللغاتُ:

﴿ربح﴾ منافع۔ ﴿خلط﴾ ملانا، مخلوط کرلینا۔ ﴿نماء﴾ اضافہ، افزائش، بڑھوتری۔ ﴿وضیعة﴾ نقصان۔ ﴿أحذق﴾ زیادہ ماہر۔ ﴿أهدیٰ﴾ راستوں سے زیادہ واقف۔ ﴿أقویٰ﴾ زیادہ طاقت ور۔

عنان میں ایک شریک کے لیے زیادہ نفع کی شرط لگانا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر دونوں شریک مال میں برابر ہوں لیکن نفع میں برابری نہ ہو بلکہ ان میں سے ایک کے لیے زیادہ نفع کی شرط ہوتو ہمارے یہاں صحیح ہے، لیکن امام زفر اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صحیح نہیں ہے، کیونکہ نفع کی زیادتی ربح مالم یضمن کو متضمن ہے اور ربح مالم یضمن جائز نہیں ہے، ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام زفرؒ کے یہاں اصل رأس المال کی شرکت کے تناسب سے نفع میں شرکت ہوتی ہے، اسی لیے ان کے یہاں دونوں شریکوں کے مال کا مخلوط ہونا شرط ہے اور مال کا نفع درحقیقت اعیان اور رأس المال کے اضافے کی طرح ہے، لہٰذا اصل میں جس کی جتنی ملکیت ہوگی اسی حساب سے اسے نفع بھی ملے گا۔

ہماری دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے الربح علی ما شرطا الخ کہ دونوں شریکوں کو نفع اسی اعتبار سے ملے گا جو انہوں نے شرط کیا ہوگا، البتہ ان کا نقصان ان کے رأس المال کے بقدر ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ نفع میں زیادتی کی شرط لگانا درست ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق علی ما شرطا کا حکم بیان کیا ہے اور تساوی اور تفاضل کی کوئی شرط نہیں لگائی ہے۔

ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ نفع کا استحقاق جس طرح مال سے ہوتا ہے اسی طرح عمل اور کام سے بھی ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شریکین میں سے کوئی ایک زیادہ ہوشیار اور تجارت میں زیادہ ماہر ہوتا ہے اور وہ برابر نفع لینے پر راضی نہیں ہوتا اور شرکت کو باقی رکھنے کے لیے تفاضل کے علاوہ کوئی دوسری راہ نہیں ہوتی لہٰذا اس حوالے سے بھی تفاضل جائز ہوگا۔ لیکن اگر کسی شریک کے لیے پورے نفع کی شرط لگا دی گئی تو جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے عقد نہ تو شرکت ہوگا اور نہ ہی مضاربت، کیونکہ ان میں سے کسی بھی میں

ایک ہی فرد کو پورا نفع نہیں ملتا بلکہ یہ نفع مشترک ہوتا ہے اب اگر ہم عامل کے لیے پورے نفع کی شرط لگادیں تو یہ عقد قرض بن جائے گا گویا کہ عامل شریک آخر سے قرض لے کر کام کرے گا اور پورا نفع خود لے گا اور اگر رب المال کے لیے پورے نفع کی شرط لگادی جائے تو یہ پونجی اور سرمایہ کاری ہوگی اور عقد شرکت کا قرض اور بضاعۃ میں تبدیل ہونا صحیح نہیں ہے، لہٰذا کسی ایک کے پورے نفع کی شرط لگانا بھی صحیح نہیں ہے۔ اب شرکت عنان کی دو حیثیتیں ہوئیں (۱) یہ مضاربت کے مشابہ ہے، کیونکہ اس میں احد الشریک دوسرے شریک کے مال میں کام کرتا ہے جیسا کہ مضارب رب المال کے مال میں کام کرتا ہے (۲) یہ شرکت مفاوضہ کے بھی مشابہ ہے کیونکہ اس کا نام شرکتِ عنان ہے اور مفاوضہ کی طرح اس کے دونوں شریک بھی کام کرتے ہیں۔ اور ہم نے ان دونوں مشابہتوں پر عمل کیا چنانچہ مضاربت کی مشابہت پر عمل کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ جس طرح مضارب ربح مالم یضمن کا مستحق ہوتا ہے اسی طرح عنان کا ایک شریک بھی تفاضل کی شرط سے ربح مالم یضمن کا مستحق ہوسکتا ہے اور شرکت مفاوضہ کی مشابہت پر عمل کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ جس طرح مفاوضہ میں دونوں شریک کام کرتے ہیں اسی طرح عنان کے دونوں شریک بھی کام کریں گے۔ اور دونوں کے کام کرنے کی شرط سے یہ شرکت باطل نہیں ہوگی۔

قَالَ وَيَجُوْزُ أَنْ يَعْقِدَهَا كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِبَعْضِ مَالِهِ دُوْنَ الْبَعْضِ، لِأَنَّ الْمُسَاوَاتِ فِي الْمَالِ لَيْسَ بِشَرْطٍ فِيْهِ إِذِ اللَّفْظُ لَايَقْتَضِيْهِ، وَلَايَصِحُّ إِلَّا بِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْمُفَاوَضَةَ تَصِحُّ بِهِ لِلْوَجْهِ الَّذِيْ ذَكَرْنَا، وَيَجُوْزُ أَنْ يَشْتَرِكَا وَمِنْ جِهَةِ أَحَدِهِمَا دَنَانِيْرُ وَمِنَ الْآخَرِ دَرَاهِمُ وَكَذَا مِنْ أَحَدِهِمَا دَرَاهِمُ بِيْضٌ وَمِنَ الْآخَرِ سُوْدٌ، وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَايَجُوْزُ، وَهٰذَا بِنَاءٌ عَلَى اشْتِرَاطِ الْخَلْطِ وَعَدَمِهِ فَإِنَّ عِنْدَهُمَا شَرْطٌ وَلَايَتَحَقَّقُ ذٰلِكَ فِيْ مُخْتَلَفِي الْجِنْسِ، وَسَنُبَيِّنُهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى، قَالَ وَمَا اشْتَرَاهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِشِرْكَةٍ طُوْلِبَ بِثَمَنِهِ دُوْنَ الْآخَرِ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ يَتَضَمَّنُ لِلْوَكَالَةِ دُوْنَ الْكَفَالَةِ وَالْوَكِيْلُ هُوَ الْأَصْلُ فِي الْحُقُوْقِ، قَالَ ثُمَّ يَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهِ بِحِصَّتِهِ مِنْهُ مَعْنَاهُ إِذَ أَدّٰى مِنْ مَالِ نَفْسِهِ، لِأَنَّهُ وَكِيْلٌ مِنْ جِهَتِهِ فِيْ حِصَّتِهِ فَإِذَا نَقَدَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ رَجَعَ عَلَيْهِ فَإِنْ كَانَ لَايُعْرَفُ ذٰلِكَ إِلَّا بِقَوْلِهِ فَعَلَيْهِ الْحُجَّةُ، لِأَنَّهُ يَدَّعِيْ وُجُوْبَ الْمَالِ فِيْ ذِمَّةِ الْآخَرِ وَهُوَ يُنْكِرُ وَالْقَوْلُ لِلْمُنْكِرِ مَعَ يَمِيْنِهِ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ ہر شریک کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنا کچھ مال شرکت میں لگائے اور کچھ نہ لگائے کیونکہ عنان میں مساوات فی المال شرط نہیں ہے، اس لیے کہ لفظ عنان مساوات کا تقاضہ نہیں کرتا اور شرکت عنان انھی چیزوں سے صحیح ہوگی جن سے مفاوضہ صحیح ہوتی ہے اس دلیل سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ شرکت عنان میں یہ بھی جائز ہے کہ ایک شریک کی طرف سے دنانیر ہوں اور دوسرے کی طرف سے دراہم ہوں نیز یہ بھی صحیح ہے کہ ان میں سے ایک کی طرف سے مفید دراہم ہوں اور دوسرے کی طرف سے سیاہ دراہم ہوں۔ امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے یہ اختلاف مال ملانے کے شروط ہونے یا نہ ہونے پر ہے

چنانچہ ان حضرات کے یہاں خلط شرط ہے جب کہ مختلف الجنس میں خلط متحقق نہیں ہوتا۔ اور بعد میں ان شاء اللہ ہم اسے بیان کریں گے۔

شریکین میں سے ہر ایک شرکت کے لیے جو چیز خریدے گا اسی سے اس کے ثمن کا مطالبہ کیا جائے گا، دوسرے سے مطالبہ نہیں ہوگا، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ عقد صرف وکالت کو متضمن ہے کفالت کو نہیں اور حقوق مطالبہ میں وکیل ہی اصل ہوتا ہے۔ پھر مشتری دوسری شریک سے اس کے حصے کے بقدر ثمن واپس لے گا یعنی جب اس نے اپنا مال ادا کیا ہو کیونکہ شریک ثانی کے حصے میں اس کی طرف سے وہ وکیل ہے لہٰذا جب اس نے اپنے مال سے (اس کی طرف سے) ادا کیا ہے تو اس سے واپس لے گا۔ اور اگر خریداری ایسی ہو کہ صرف مشتری ہی کی بات سے اس کا علم ہوتا ہو تو اس پر بینہ پیش کرنا لازم ہے، کیونکہ یہ مشتری دوسرے کے ذمے وجوب مال کا دعویٰ کر رہا ہے حالانکہ وہ انکار کر رہا ہے اور منکر کی قسم کے ساتھ اس کی بات معتبر ہوتی ہے۔

اللغاتُ:

﴿لایقتضیه﴾ اس کا تقاضا نہیں کرتا۔ ﴿بیض﴾ سفید۔ ﴿سود﴾ سیاہ۔ ﴿یتضمن﴾ ضمناً شامل ہوتی ہے۔

﴿حجة﴾ دلیل۔

سرمایہ کاری کے لیے شرکت عنان میں پائی جانے والی گنجائشیں:

عبارت میں تین مسئلے بیان کئے گئے ہیں:

(۱) مسئلہ یہ ہے کہ شرکت عنان کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر شریک اپنی پوری پونجی اس میں لگا دے، بلکہ اگر کچھ مال لگایا جائے اور کچھ رکھ لیا جائے تو یہ بھی درست اور جائز ہے اور ہر ہر شریک کے مال کا دوسرے کے مال کے برابر ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ شرکت عنان میں مساوات شرط نہیں ہے اور لفظ عنان مساوات کا تقاضہ بھی نہیں کرتا۔ اور جس طرح دراہم ودنانیر اور فلوس سے عقد مفاوضہ صحیح ہے اسی طرح دراہم ودنانیر سے شرکت عنان بھی صحیح ہے۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر شریکین میں سے ایک کا مال دنانیر ہوں اور دوسرے کا مال دراہم ہوں یا ایک نے سفید دراہم لگائے ہوں اور دوسرے نے سیاہ لگائے ہوں تو بھی درست اور جائز ہے لیکن شوافع اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کے یہاں صحت شرکت کے لیے مال کا مخلوط ہونا شرط ہے اور مختلف الجنس میں خلط ممکن نہیں ہے اس لیے ان کے یہاں دونوں شریکوں کے مال کا یکساں ہونا شرط ہے۔

(۳) اگر احد الشریکین میں سے کسی نے مشترکہ طور پر کوئی چیز خریدی تو بائع مشتری ہی سے ثمن کا مطالبہ کرے گا دوسرے عاقد سے نہیں کر سکتا، کیونکہ شرکت عنان صرف وکالت پر مشتمل ہوتا ہے کفالت پر مشتمل نہیں ہوتا لہٰذا ایک شریک وکیل بن کر دوسرے کی طرف سے خرید تو سکتا ہے، لیکن مشتری ہی سے ثمن کا مطالبہ ہوگا ہاں پھر یہ مشتری اپنے شریک سے اس کے حصے کا ثمن واپس لے لے گا۔ کیونکہ یہ اس کے حصے کی خریداری میں وکیل ہے اور وکیل کو موکل سے ثمن واپس لینے کا حق ہے۔

فإن كان لايعرف الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر خریداری صرف مشتری کے قول سے معلوم ہو مثلاً وہ یہ کہے کہ میں نے ایک ہزار میں ایک غلام خریدا تھا اور اپنے مال سے اس کا ثمن دیا تھا اور غلام مر چکا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ خریداری صرف مشتری

کی بات سے واضح ہو رہی ہے تو شریک ثانی سے ثمن لینے کے لیے مشتری پر حجت اور بینہ پیش کرنا لازم ہے اور اگر وہ بینہ نہ پیش کر سکے تو قسم کے ساتھ دوسرے ساتھی کی بات معتبر ہوگی، کیونکہ وہ مشتری کے دعوے کا منکر ہے اور منکر کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوتا ہے جیسا کہ البينة على المدعي واليمين على من أنكر۔

قَالَ وَإِذَا هَلَكَ مَالُ الشِّرْكَةِ أَوْ أَحَدُ الْمَالَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَشْتَرِيَا شَيْأً بَطَلَتِ الشِّرْكَةُ، لِأَنَّ الْمَعْقُوْدَ عَلَيْهِ فِيْ عَقْدِ الشِّرْكَةِ الْمَالُ فَإِنَّهُ يَتَعَيَّنُ فِيْهِ كَمَا فِي الْهِبَةِ وَالْوَصِيَّةِ، وَبِهَلَاكِ الْمَعْقُوْدِ عَلَيْهِ يَبْطُلُ الْعَقْدُ كَمَا فِي الْبَيْعِ، بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ وَالْوَكَالَةِ الْمُفْرَدَةِ، لِأَنَّهُ لَايَتَعَيَّنُ الثَّمَنَانِ فِيْهِمَا بِالتَّعْيِيْنِ وَإِنَّمَا يَتَعَيَّنَانِ بِالْقَبْضِ عَلَى مَاعُرِفَ، وَهٰذَا ظَاهِرٌ فِيْمَا إِذَا هَلَكَ الْمَالَانِ وَكَذَا إِذَا هَلَكَ أَحَدُهُمَا لِأَنَّهُ مَا رَضِيَ بِشِرْكَةِ صَاحِبِهِ فِيْ مَالِهِ إِلَّا لِيُشْرِكَهُ فِيْ مَالِهِ فَإِذَا مَاتَ لَمْ يَكُنْ رَاضِيًا بِشِرْكَتِهِ فَيَبْطُلُ الْعَقْدُ لِعَدَمِ فَائِدَتِهِ، وَأَيُّهُمَا هَلَكَ مِنْ مَالِ صَاحِبِهِ إِنْ هَلَكَ فِيْ يَدِهِ فَظَاهِرٌ وَكَذَا إِذَا كَانَ هَلَكَ فِيْ يَدِ الْاٰخَرِ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ فِيْ يَدَيْهِ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْخَلْطِ حَيْثُ يَهْلِكُ عَلَى الشِّرْكَةِ لِأَنَّهُ لَايَتَمَيَّزُ فَيُجْعَلُ الْهَلَاكُ مِنَ الْمَالَيْنِ، وَإِنِ اشْتَرٰى أَحَدُهُمَا بِمَالِهِ وَهَلَكَ مَالُ الْاٰخَرِ قَبْلَ الشِّرَاءِ فَالْمُشْتَرٰى بَيْنَهُمَا عَلٰى مَا شَرَطَا، لِأَنَّ الْمِلْكَ حِيْنَ وَقَعَ وَقَعَ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا لِقِيَامِ الشِّرْكَةِ وَقْتَ الشِّرَاءِ فَلَا يَتَغَيَّرُ الْحُكْمُ بِهَلَاكِ مَالِ الْاٰخَرِ بَعْدَ ذٰلِكَ، ثُمَّ الشِّرْكَةُ شِرْكَةُ عَقْدٍ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ خِلَافًا لِلْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ حَتّٰى أَنَّ أَيَّهُمَا بَاعَ جَازَ بَيْعُهُ، لِأَنَّ الشِّرْكَةَ قَدْ تَمَّتْ فِي الْمُشْتَرٰى فَلَايَنْتَقِضُ بِهَلَاكِ الْمَالِ بَعْدَ تَمَامِهَا.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر مال شرکت سے کوئی چیز خریدنے سے پہلے شرکت کا پورا مال ہلاک ہو جائے یا ایک شریک کا مال ہلاک ہو جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی، کیونکہ عقد شرکت میں مال معقود علیہ ہوتا ہے اور وہ مال اس عقد میں متعین ہوتا ہے جیسے ہبہ اور وصیت میں متعین ہوتا ہے اور معقود علیہ کے ہلاک ہونے سے عقد باطل ہو جاتا ہے جیسے بیع میں ہوتا ہے۔ برخلاف مضاربت کے اور وکالت منفردہ کے، کیونکہ ان دونوں میں متعین کرنے سے ثمن متعین نہیں ہوتے بلکہ قبضہ سے ثمن متعین ہوتے ہیں جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔

اور دونوں مال ہلاک ہونے کی صورت میں شرکت کا بطلان ظاہر ہے نیز ایک مال ہلاک ہونے سے بھی شرکت باطل ہو جائے گی، کیونکہ جس شریک کا مال ہلاک نہیں ہوا ہے وہ اپنے ساتھ شریک کو اسی اپنے مال میں شریک کرنے پر راضی ہوا ہے کہ وہ شریک اسے اپنے مال میں شریک کرلے، لیکن جب اس شریک کا مال فوت ہو گیا تو یہ شریک (اپنے مال میں) اس کی شرکت پر راضی نہیں ہوگا اس لیے عقد باطل ہو جائے گا، کیونکہ اس کی صحت میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اور دونوں میں سے جو بھی مال ہلاک ہوگا اگر مالک کے قبضہ میں ہلاک ہوا تو ظاہر ہے کہ مضمون نہیں ہوگا ایسے ہی اگر دوسرے

کے قبضے میں ہلاک ہوا تو بھی مضمون نہیں ہوگا، کیونکہ یہ مال اس کے پاس امانت ہے برخلاف خلط کے بعد کے، کیونکہ اس صورت میں ہلاک شرکت پر ہوگی، کیونکہ مخلوط ہونے کے بعد امتیاز ممکن نہیں رہتا لہٰذا ہلاکت دونوں مالوں سے معتبر ہوگی۔

اگر احد الشریکین نے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی اور دوسرے کے خریدنے سے پہلے اس کا مال ہلاک ہوگیا تو خریدی ہوئی چیز ان کے مابین ان کی شرطوں کے مطابق مشترک ہوگی، کیونکہ جس وقت مشتری میں ملکیت واقع ہوئی ہے شرکت باقی رہنے کی وجہ سے وہ مشترک واقع ہوئی ہے لہٰذا شراء کے بعد دوسرے کا مال ہلاک ہونے سے حکم نہیں بدلے گا۔ پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ شرکت شرکت عقد ہوگی، حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے حتی کہ اگر ان میں سے کسی نے مشتری کو فروخت کردیا تو جائز ہے، کیونکہ مشتری میں شرکت مکمل ہوچکی تھی لہٰذا تمامیتِ شرکت کے بعد مال ہلاک ہونے سے شرکت ختم نہیں ہوگی۔

اللغات:

﴿معقود علیه﴾ جس پر معاملہ کیا گیا ہے۔ ﴿أیهما﴾ ان دونوں میں سے جو بھی۔ ﴿لایتمیز﴾ علیحدہ نہیں ہوتا۔ ﴿لاینتقض﴾ نہیں ٹوٹے گی۔ ﴿تمام﴾ پورا ہوجانا۔

شریکین کے اموال کا ہلاک ہونا:

مسئلہ یہ ہے کہ شرکت کے مال سے کوئی چیز خریدنے سے پہلے اگر دونوں شریکوں کے مال یا احد الشریکین کا مال ہلاک ہوجائے تو عقد شرکت باطل ہوجائے گا، کیونکہ عقد شرکت میں معقود علیہ مال ہوتا ہے اور مال متعین کرنے سے متعین ہوجاتا ہے، اس لیے اس کے ہلاک ہونے سے عقد بھی باطل ہوجائے گا جیسے مال ہلاک ہونے سے بیع باطل ہوجاتی ہے۔ اس کے برخلاف مضاربت اور وکالت مفردہ کے یعنی وہ وکالت جو مستقل ہو اور عقد مفاوضہ وغیرہ کے ضمن میں ثابت نہ ہو ان میں مال کی ہلاکت سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ باطل نہیں ہوتیں، کیونکہ ان میں متعین کرنے سے ثمن متعین نہیں ہوتا بلکہ قبضہ کرنے سے متعین ہوتا ہے۔

وهذا ظاهر الخ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں شریکوں کا مال ہلاک ہوا ہو تو شرکت کا بطلان ظاہر وباہر ہے اور اگر ایک شریک کا مال ہلاک ہوا ہو تو بھی شرکت باطل ہوجائے گی، کیونکہ ہر ہر شریک اپنے مال میں دوسرے کو اسی لیے شریک کرتا ہے کہ دوسرے کے مال میں اس کی شرکت ہو، اب ظاہر ہے کہ جس کا مال ضائع اور ہلاک ہوگیا ہے اسے دوسرا شریک اپنے مال میں شریک نہیں کرے گا، کیونکہ یہ دوسرا اس کے مال میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے اسے اپنے مال میں شریک کرنے پر راضی نہیں ہوگا اور شرکت باطل ہوجائے گی۔ اور ہلاک ہونے والا مال اگر صاحب مال کے پاس ہلاک ہوگا تو ظاہر ہے کہ مضمون نہیں ہوگا، کیونکہ ہر شریک کے پاس دوسرے کا مال امانت ہوتا ہے اور مالِ امانت مضمون نہیں ہوتا، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب دونوں کے مال ملے ہوئے نہ ہوں اور اگر دونوں کے مال مخلوط ہوں تو مال کی ہلاکت مشترک ہوگی کیونکہ مخلوط ہونے کے بعد امتیاز پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے۔

وإن اشتری الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر احد الشریکین میں سے کسی نے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی اور دوسرے کے خریدنے سے پہلے اس کا مال ہلاک ہوگیا تو بھی خریدی ہوئی چیز ان کے مابین مشترک ہوگی، کیونکہ بوقتِ شراء خریدی ہوئی چیز مشترک تھی لہٰذا بعد میں دوسرے کا مال ہلاک ہونے سے ثابت شدہ شرکت اور اس کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے

یہاں یہ شرکت شرکتِ عقد ہوگی لیکن حسن بن زیاد کے یہاں یہ شرکتِ ملک ہوگی اور احد الشریکین کے لیے اسے فروخت کرنا جائز ہوگا۔

قَالَ وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِحِصَّتِهٖ مِنْ ثَمَنِهٖ لِأَنَّهٗ اشْتَرٰى نِصْفَهٗ بِوَكَالَتِهٖ وَنَقَدَ الثَّمَنَ مِنْ مَالِ نَفْسِهٖ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ، هٰذَا إِذَا اشْتَرٰى أَحَدُهُمَا بِأَحَدِ الْمَالَيْنِ أَوَّلًا ثُمَّ هَلَكَ مَالُ الْاٰخَرِ، أَمَّا إِذَا هَلَكَ مَالُ أَحَدِهِمَا ثُمَّ اشْتَرَى الْاٰخَرُ بِمَالِ الْاٰخَرِ إِنْ صَرَّحَا بِالْوَكَالَةِ فِيْ عَقْدِ الشِّرْكَةِ فَالْمُشْتَرٰى مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا عَلٰى مَا شَرَطَا، لِأَنَّ الشِّرْكَةَ إِنْ بَطَلَتْ فَالْوَكَالَةُ الْمُصَرَّحُ بِهَا قَائِمَةٌ فَكَانَ مُشْتَرَكًا بِحُكْمِ الْوَكَالَةِ وَيَكُوْنُ شِرْكَةُ مِلْكٍ وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِحِصَّتِهٖ مِنَ الثَّمَنِ لِمَا بَيَّنَّاهُ، وَإِنْ ذَكَرَا مُجَرَّدَ الشِّرْكَةِ وَلَمْ يَنُصَّا عَلَى الْوَكَالَةِ فِيْهَا كَانَ الْمُشْتَرٰى لِلَّذِيْ اشْتَرَاهُ خَاصَّةً، لِأَنَّ الْوُقُوْعَ عَلَى الشِّرْكَةِ حُكْمُ الْوَكَالَةِ الَّتِيْ تَضَمَّنَتْهَا الشِّرْكَةُ فَإِذَا بَطَلَتْ يَبْطُلُ مَا فِيْ ضِمْنِهَا، بِخِلَافِ مَا إِذَا صَرَّحَ بِالْوَكَالَةِ لِأَنَّهَا مَقْصُوْدَةٌ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مشتری اپنے شریک سے اس کے حصے کے بقدر ثمن واپس لے گا، کیونکہ اس نے شریک کی طرف سے وکیل ہو کر نصف مشتریٰ کو خریدا ہے اور اپنے مال سے نقد ثمن ادا کیا ہے۔ اور ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب احد الشریکین نے ایک مال سے پہلے کوئی چیز خریدی پھر دوسرے کا مال ہلاک ہوا ہو۔ لیکن اگر پہلے ان میں سے کسی کا مال ہلاک ہوگیا ہو پھر دوسرے شریک نے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی تو اگر ان دونوں نے عقدِ شرکت میں وکالت کی صراحت کردی تو خریدی ہوئی چیز ان کے مابین ان کی شرط کے مطابق ہوگی، کیونکہ اگر چہ شرکت باطل ہوگئی ہے لیکن ذکر کردہ وکالت تو موجود ہے اور یہ شرکتِ ملک ہوگی اور مشتری اپنے شریک سے اس کے حصے کا ثمن واپس لے گا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور اگر دونوں نے صرف شرکت کا ذکر کیا اور اس میں وکالت کی صرحت نہیں کی تو خریدی ہوئی چیز صرف مشتری کی ہوگی، کیونکہ مشتریٰ اسی صورت میں شرکت پر ہوتی ہے جب عقد شرکت وکالت کو متضمن ہو لیکن جب شرکت ہی باطل ہے تو جو چیز اس کے ضمن میں وہ بھی باطل ہوگی۔ برخلاف اس صورت کے جب وکالت کی صراحت کردی گئی ہو، کیونکہ یہ وکالت مقصود ہوتی ہے۔

اللغاتْ:

﴿صرّحا﴾ دونوں نے واضح لفظوں میں بیان کر دیا ہو۔ ﴿تضمّنت﴾ ضمناً مشتمل ہوتی ہے۔ ﴿مجرّد﴾ محض، خالی۔

ماقبل والے مسئلے میں خریدے ہوئے سامان کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ ماقبل والے مسئلے میں جب ایک شریک نے اپنے مال سے مشترکہ طور پر کوئی چیز خریدی اور پھر دوسرے کے خریدنے سے پہلے اس کا مال ہلاک ہوگیا تو مشتریٰ دونوں کے مابین مشترک ہوگی اور مشتری اپنے ساتھی شریک سے اس کے حصے کا ثمن واپس لے گا، لیکن اگر دونوں میں سے کسی کے شراء سے پہلے ہی احد الشریکین کا مال ہلاک ہوگیا اور پھر دوسرے نے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی تو یہ چیز اسی وقت ان کے مابین مشترک ہوگی جب ان لوگوں نے عقد شرکت میں وکالت کی صراحت کی ہو، کیونکہ

قبل الشراء احد الشریکین کا مال ہلاک ہونے سے شرکت تو باطل ہوگئی اور وکالت سے ہی مشتری ان کے مابین مشترک ہوگی اور اس صورت میں بھی مشتری دوسرے ساتھی سے اس کے حصے کے بقدر ثمن واپس لے گا۔ اور اگر دونوں نے عقد میں وکالت کی صراحت نہ کی ہو اور محض شرکت کا تذکرہ کیا ہو تو خریدی ہوئی چیز صرف مشتری کی ہوگی اور اس میں دوسرے شریک کی شرکت نہیں ہوگی، کیونکہ دوسرے کی شرکت اس صورت میں ہوتی جب عقد شرکت میں وکالت شامل ہوتی حالانکہ ان کے مابین پہلے ہی شرکت باطل ہو چکی ہے، لہٰذا وکالت بھی ثابت نہیں ہوگی اور مشتری مشتری کے لیے خاص ہوگی۔

قَالَ وَيَجُوْزُ الشِّرْكَةُ وَإِنْ لَمْ يَخْلِطَا الْمَالَ، وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَايَجُوْزُ، لِأَنَّ الرِّبْحَ فَرْعُ الْمَالِ وَلَايَقَعُ الْفَرْعُ عَلَى الشِّرْكَةِ إِلَّا بَعْدَ الشِّرْكَةِ فِي الْأَصْلِ وَأَنَّهُ بِالْخَلْطِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْمَحَلَّ هُوَ الْمَالُ وَلِهٰذَا يُضَافُ إِلَيْهِ، وَيُشْتَرَطُ تَعْيِيْنُ رَأْسِ الْمَالِ، بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ، لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِشِرْكَةٍ وَإِنَّمَا هُوَ يَعْمَلُ لِرَبِّ الْمَالِ فَيَسْتَحِقُّ الرِّبْحَ عَلٰى عَمَلِهِ، أَمَّا هٰهُنَا فَبِخِلَافِهِ، وَهٰذَا أَصْلٌ كَبِيْرٌ لَهُمَا حَتّٰى يُعْتَبَرَ اِتِّحَادُ الْجِنْسِ وَيُشْتَرَطُ الْخَلْطُ وَلَايَجُوْزُ التَّفَاضُلُ فِي الرِّبْحِ مَعَ التَّسَاوِيْ فِي الْمَالِ، وَلَايَجُوْزُ شِرْكَةُ التَّقَبُّلِ وَالْأَعْمَالِ لِانْعِدَامِ الْمَالِ، وَلَنَا أَنَّ الشِّرْكَةَ فِي الرِّبْحِ مُسْتَنِدَةٌ إِلَى الْعَقْدِ دُوْنَ الْمَالِ، لِأَنَّ الْعَقْدَ يُسَمّٰى شِرْكَةً فَلَابُدَّ مِنْ تَحْقِيْقِ مَعْنٰى هٰذَا الْإِسْمِ فِيْهِ فَلَمْ يَكُنِ الْخَلْطُ شَرْطًا، وَلِأَنَّ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيْرَ لَايَتَعَيَّنَانِ فَلَايُسْتَفَادُ الرِّبْحُ بِرَأْسِ الْمَالِ وَإِنَّمَا يُسْتَفَادُ بِالتَّصَرُّفِ، لِأَنَّهُ فِي النِّصْفِ أَصِيْلٌ وَفِي النِّصْفِ وَكِيْلٌ، وَإِذَا تَحَقَّقَتِ الشِّرْكَةُ فِي التَّصَرُّفِ بِدُوْنِ الْخَلْطِ تَحَقَّقَتْ فِي الْمُسْتَفَادِ بِهِ وَهُوَ الرِّبْحُ بِدُوْنِهِ، وَصَارَ كَالْمُضَارَبَةِ فَلَايُشْتَرَطُ اِتِّحَادُ الْجِنْسِ وَالتَّسَاوِيْ فِي الرِّبْحِ وَتَصِحُّ شِرْكَةُ التَّقَبُّلِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ شرکت جائز ہے اگر چہ شریکین نے مال کو مخلوط نہ کیا ہو لیکن امام زفرؒ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے یہاں (بدون خلط) جائز نہیں ہے، کیونکہ نفع مال کی فرع ہے اور اصل میں شرکت کے بغیر فرع مشترک نہیں ہوتی اور اصل میں شرکت خلط سے ہوتی ہے یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ مال ہی محل شرکت ہے، اسی لیے عقد کو مال کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور رأس المال کی تعیین شرط ہے، برخلاف مضاربت کے کیونکہ اس میں شرکت نہیں ہوتی اور مضارب رب المال کے لیے کام کرتا ہے پھر اپنے کام کی مزدوری پاتا ہے اور یہاں صورت حال اس کے برخلاف ہے۔ یہ ان حضرات کی مضبوط اصل ہے حتی کہ اتحاد جنس ضروری ہے اور خلط شرط ہے اور مال میں برابری ہوتے ہوئے نفع میں کمی بیشی جائز نہیں ہے اور مال معدوم ہونے کی وجہ سے شرکت تقبل اور اعمال جائز نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نفع کی شرکت عقد کی طرف منسوب ہے، مال کی طرف نہیں کیونکہ عقد ہی کو شرکت کہا جاتا ہے، لہٰذا عقد میں اس نام کا پایا جانا ضروری ہے اس لیے ملانا شرط نہیں ہوگا۔ اور اس لیے کہ دراہم ودنانیر متعین نہیں ہوتے لہٰذا رأس المال سے نفع نہیں حاصل کیا جا سکتا، نفع تو تصرف سے حاصل ہوتا ہے، کیونکہ ہر ہر شریک نصف مال میں اصیل ہوتا ہے اور نصف میں وکیل ہوتا

ہے۔ اور جب خلط کے بغیر تصرف میں شرکت پائی گئی تو خلط کے بغیر مستفاد بہ یعنی نفع میں بھی شرکت متحقق ہوگی اور یہ مضاربت کی طرح ہو گیا لہٰذا اتحاد جنس اور تساوی فی الربح شرط نہیں ہوگا اور شرکت تقبل صحیح ہوگی۔

اللغات:

﴿ربح﴾ منافع۔ ﴿فرع﴾ شاخ، مبنی۔ ﴿خلط﴾ مِلا لینا۔ ﴿تساوی﴾ باہمی مساوات۔ ﴿مستندة﴾ منسوب۔ ﴿لایستفاد﴾ نہیں حاصل ہوگا۔

شرکت کے لیے خلطِ مال کی شرط:

مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں مال مخلوط کیے بغیر بھی عقد شرکت درست اور جائز ہے، لیکن امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ کے یہاں بدون خلط شرکت جائز نہیں ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مشترکہ طور پر تجارت کرنے سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ مال کی فرع ہے اور یہ طے شدہ امر ہے کہ اگر اصل اور مال میں شرکت نہیں ہوگی تو فرع بھی مشترک نہیں ہوگی اور اصل میں اشتراک خلط ملانے سے ہوگا اسی لیے بدون خلط ہمارے (شوافع) یہاں شرکت صحیح نہیں ہے۔ اور نفع کے مال کی فرع ہونے کی دلیل یہ ہے کہ شرکت اور نفع کا محل مال ہے اسی لیے اس عقد کو مال کی طرف منسوب کر کے عقد شرکۃ المال کہا جاتا ہے، اس لیے حصول نفع اور جواز عقد کا مدار مال پر ہوگا اور صحت عقد کے لیے مال کا مشترک ہونا ضروری ہوگا۔ اس کے برخلاف مضاربت کا معاملہ تو مضاربت میں خلط شرط نہیں ہے اور بدون اختلاط بھی مضاربت جائز ہے، کیونکہ اس میں سرے سے شرکت ہی نہیں ہوتی اور مضارب رب المال کے لیے کام کر کے اپنی مزدوری لیتا ہے۔

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نفع کا مال کی فرع ہونا امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ کی قوی اصل ہے اسی لیے ان حضرات کے یہاں مال کا مخلوط ہونا اور ایک جنس کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ مختلف الجنس ہونے کی صورت میں خلط ممکن نہیں ہوگا اور ان حضرات کے یہاں اگر دونوں شریک کا مال برابر ہے تو نفع میں بھی مساوات شرط ہوگی۔ اور شرکت تقبل اور اعمال میں چوں کہ مال نہیں ہوتا، اس لیے ان کے یہاں شرکت کی یہ دونوں قسمیں صحیح نہیں ہیں۔

ولنا أن الشركة الخ اس سلسلے میں ہماری دلیل یہ ہے کہ شرکتِ نفع کا تعلق عقد سے ہے مال سے نہیں ہے، کیونکہ اس عقد کا نام ہی شرکت ہے، دوسری بات یہ ہے کہ دراہم ودنانیر عقود میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے لہٰذا ان سے تجارت کر کے حاصل ہونے والا نفع عقد سے متعلق ہوگا اور مال سے متعلق نہیں ہوگا اور عقد عقد شرکت ہے اس لیے عقد کی وجہ سے نفع میں بھی شرکت ہوگی اور چوں کہ عقدِ شرکت میں بدون مال ملائے بذریعہ تصرف دونوں فریق کی شرکت درست ہے لہٰذا نفع میں بھی دونوں کی شرکت صحیح ہوگی اور جب اصل یعنی عقد میں خلط کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی تو اس سے حاصل ہونے والے نفع میں بھی خلط کی چنداں ضرورت نہیں ہوگی اور بدون خلط شرکت میں بھی شرکت متحقق ہوگی اور نفع میں بھی۔

قَالَ وَلَايَجُوْزُ الشِّرْكَةُ إِذَا شُرِطَ لِأَحَدِهِمَا دَرَاهِمُ مُسَمَّاةٌ مِنَ الرِّبْحِ، لِأَنَّهُ شَرْطٌ يُوْجِبُ انْقِطَاعَ الشِّرْكَةِ فَعَسَاهُ لَايَخْرُجُ إِلَّا قَدْرَ الْمُسَمّٰى لِأَحَدِهِمَا، وَنَظِيْرُهُ فِي الْمُزَارَعَةِ، قَالَ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُفَاوِضَيْنِ

وَشَرِيكَيِ الْعِنَانِ أَنْ يُبْضِعَ الْمَالَ، لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ فِي عَقْدِ الشَّرِكَةِ، وَلِأَنَّ لَهُ أَنْ يَسْتَأْجِرَ عَلَى الْعَمَلِ وَالتَّحْصِيلِ بِغَيْرِ عِوَضٍ دُونَهُ فَيَمْلِكُهُ، وَكَذَا لَهُ أَنْ يُودِعَهُ لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ وَلَايَجِدُ التَّاجِرُ مِنْهُ بُدًّا، قَالَ وَيَدْفَعُهُ مُضَارَبَةً لِأَنَّهَا دُونَ الشَّرِكَةِ فَيَتَضَمَّنُهَا، وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحمۃ اللہ علیہ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ لِأَنَّهُ نَوْعُ شَرِكَةٍ، وَالْأَصَحُّ هُوَ الْأَوَّلُ وَهُوَ رِوَايَةُ الْأَصْلِ، لِأَنَّ الشَّرِكَةَ غَيْرُ مَقْصُودٍ وَإِنَّمَا الْمَقْصُودُ تَحْصِيلُ الرِّبْحِ كَمَا إِذَا اسْتَأْجَرَ بِأَجْرٍ بَلْ أَوْلَى، لِأَنَّهُ تَحْصِيلٌ بِدُونِ ضَمَانٍ فِي ذِمَّتِهِ، بِخِلَافِ الشَّرِكَةِ حَيْثُ لَايَمْلِكُهَا، لِأَنَّ الشَّيْءَ لَايَسْتَتْبِعُ مِثْلَهُ، قَالَ وَيُوَكِّلُ مَنْ يَتَصَرَّفُ فِيهِ، لِأَنَّ التَّوْكِيلَ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ مِنْ تَوَابِعِ التِّجَارَةِ وَالشَّرِكَةُ انْعَقَدَتْ لِلتِّجَارَةِ، بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِالشِّرَاءِ حَيْثُ لَايَمْلِكُ أَنْ يُوَكِّلَ غَيْرَهُ لِأَنَّهُ عَقْدٌ خَاصٌّ طُلِبَ مِنْهُ تَحْصِيلُ الْعَيْنِ فَلَايَسْتَتْبِعُ مِثْلَهُ، قَالَ وَيَدُهُ فِي الْمَالِ يَدُ أَمَانَةٍ لِأَنَّهُ قَبَضَ الْمَالَ بِإِذْنِ الْمَالِكِ لَاعَلَى وَجْهِ الْبَدَلِ وَالْوَثِيقَةِ فَصَارَ كَالْوَدِيعَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر احد الشریکین کے لیے نفع سے کچھ متعین اور مخصوص دراہم کی شرط لگا دی جائے تو عقد شرکت صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو شرکت کو ختم کر دیتی ہے اور ہوسکتا ہے کہ کبھی اتنے ہی دراہم کا نفع ہو جو ایک شریک کے لیے متعین کیے گئے ہوں۔ اور اس کی نظیر مزارعت میں موجود ہے۔ فرماتے ہیں کہ مفاوضہ اور شرکت عنان کرنے والے دونوں شریکوں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنا مال بضاعت پر دیدے، اس لیے کہ عقد شرکت میں بضاعت پر مال دینا معتاد ہے اور اس لیے کہ شریک کو یہ بھی اختیار ہے کہ کام کرنے کے لیے اجرت پر کوئی مزدور رکھ لے اور بغیر عوض کے عامل مل جانا اس سے بھی کم ہے لہٰذا شریک اس کا تو مالک ہوگا ہی نیز شریک کے مال امانت پر دینا بھی جائز ہے، کیونکہ یہ بھی معتاد ہے اور تاجر کو اس سے چھٹکارا نہیں حاصل ہے۔ اور شریک کو مضاربت پر مال دینے کا بھی حق ہے، کیونکہ مضاربت شرکت سے کم درجے کی ہے اور شرکت مضاربت کو شامل ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مضاربت پر دینے کا حق نہیں ہے، کیونکہ مضاربت بھی ایک طرح کی شرکت ہے اور قول اول اصح ہے یہ مبسوط کی روایت ہے، اس لیے کہ مضاربت سے شرکت مقصود نہیں ہوتی، بلکہ نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے اجرت پر مزدور رکھنا بلکہ مضاربت تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہے، کیونکہ یہ اپنے ذمہ کوئی چیز لازم کیے بغیر نفع حاصل کرنا ہے۔ برخلاف شرکت کے چنانچہ شریک اس کا مالک نہیں ہے، اس لیے کہ کوئی چیز اپنی جیسی چیز کے تابع ہو کر ثابت نہیں ہوتی۔

فرماتے ہیں کہ ہر شریک اپنے مال میں تصرف کرنے کے لیے وکیل بنا سکتا ہے، کیونکہ بیع وشراء کے لیے وکیل بنانا تجارت کے لوازمات سے ہے اور عقد شرکت تجارت ہی کے لیے منعقد ہوتا ہے۔ برخلاف وکیل بالشراء کے چنانچہ وہ دوسرے کو وکیل بنانے کا مالک نہیں ہے اس لیے کہ یہ عقد خاص ہے جس سے عین کی تحصیل مقصود ہے، لہٰذا اپنی جیسی چیز کے تابع ہو کر کوئی چیز ثابت نہیں ہوگی۔

فرماتے ہیں کہ ہر شریک کے قبضے میں دوسرے کا مال امانت ہوتا ہے، کیونکہ ایک شریک مالک کی اجازت سے بدون بدل اور بدون وثیقہ کے اس مال پر قبضہ کرتا ہے تو یہ ودیعت کی طرح ہوگیا۔

اللغات:

﴿مسماۃ﴾ مقرر، طے شدہ، متعین۔ ﴿انقطاع﴾ ٹوٹنا، کٹنا۔ ﴿نظیر﴾ مثل، مشابہہ۔ ﴿یبضع﴾ کسی کو تجارت کے لیے دے دے۔ ﴿ربح﴾ منافع۔ ﴿ید﴾ قبضہ۔

کسی شریک کے لیے متعین دراہم کی شرط لگانا:

عبارت میں کئی مسئلے بیان کئے گئے ہیں (۱) اگر احد الشریکین کے لیے نفع سے کچھ مخصوص دراہم کی شرط لگادی گئی تو شرکت باطل ہو جائے گی، کیونکہ ہوسکتا ہے کبھی صرف مخصوص کردہ دراہم ہی بطور نفع نکلیں اور دوسرا شریک بالکل محروم ہو جائے جیسا کہ مزارعت اور بٹائی پر کھیتی کرنے کی صورت میں مالک کے لیے اس طرح کی شرط لگانے سے مزارعت باطل ہو جاتی ہے۔

(۲) مفاوضہ اور عنان کے ہر ہر شریک کو بضاعت پر مال دینا جائز ہے، یعنی کسی کو کچھ مال دے کر کاروبار کرایا جائے پھر نفع اور جمع دونوں لے لیا جائے۔ کیونکہ عقد شرکت میں بضاعت کا رواج اور چلن ہے اور جب مالک اور شریک کے لیے کسی کو اجرت پر رکھ کر کام کرانے اور نفع حاصل کرنے کا حق ہے تو بدون عوض بضاعت کرانے کا بدرجۂ اولیٰ حق ہوگا اور بضاعت کی طرح ودیعت پر بھی مال دینے کا حق اور اختیار ہے، کیونکہ تجارت میں ان سب چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

(۳) تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہر ہر شریک کو اپنا مال مضاربت پر بھی دینے کا حق ہے، کیونکہ مضاربت شرکت سے کم تر ہوتی ہے کیونکہ شرکت میں جو نقصان ہوتا ہے وہ ہر شریک پر لازم ہوتا ہے جب کہ مضاربت کا نقصان مضارب پر لازم نہیں ہوتا اور صرف رب المال ہی اسے برداشت کرتا ہے اور جب شرکت پر مال دینا جائز ہے تو مضاربت پر دینا بھی جائز ہوگا۔ یہ مبسوط کی روایت ہے اور یہی اصح ہے کیونکہ مضاربت پر مال دینے سے شرکت مقصود نہیں ہوتی بلکہ نفع کا حصول مقصود ہوتا ہے اور چوں کہ مضاربت کی صورت میں اگر مضارب نفع نہ حاصل کر سکے تو رب المال پر اس کی مزدوری لازم نہیں ہوتی جب کہ اجرت پر مزدور رکھنے کی صورت میں نفع ہو یا نہ ہو بہر صورت مالک کو مزدور کی مزدوری دینی ہے اس لیے اس حوالے سے مضاربت استیجار سے آسان اور سہل ہے اور استیجار جائز ہے تو مضاربت بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگی۔ البتہ ایک شریک کو اپنے شریک کے علاوہ کسی دوسرے کے ساتھ عقد شرکت کرنے کا حق اور اختیار نہیں ہے، کیونکہ ایک چیز اپنے ہی مثل دوسری چیز کے تابع ہو کر ثابت نہیں ہوتی یعنی شرکت چھوڑ کر شرکت ہی کو اختیار کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۴) چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ ہر ہر شریک کو عقد شرکت میں تجارت کرنے کے لیے وکیل بنانے کا حق ہے، کیونکہ بیع وشراء کے لیے وکیل بنانا تجارت کے لوازمات سے ہے اور شرکت کا مقصد بھی تجارت ہی ہے اس لیے توکیل درست ہے، لیکن اگر کوئی شخص وکیل بالشراء ہو تو موکل کی اجازت کے بغیر وہ کسی دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا، کیونکہ توکیل بالشراء عقد خاص ہے اور اس سے متعین چیز کی تحصیل مقصود ہوتی ہے اور وکیل کا وکیل بنانا استتباع بمثلہ ہے حالانکہ الشیئ لایستتبع بمثلہ کا حکم وارد ہے۔

(۵) پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ ہر ہر شریک کے پاس دوسرے کا جو مال ہوتا ہے وہ بطور امانت ہوتا ہے یعنی ہلاک ہونے کی صورت میں مضمون نہیں ہوتا جیسے مودَع کے پاس مالِ ودیعت مضمون نہیں ہوتا۔

قَالَ وَأَمَّا شِرْكَةُ الصَّنَائِعِ وَيُسَمّٰى شِرْكَةُ التَّقَبُّلِ كَالْخَيَّاطِيْنَ وَالصَّبَّاغِيْنَ يَشْتَرِكَانِ عَلٰى أَنْ تَقَبَّلَا الْأَعْمَالَ وَيَكُوْنُ الْكَسْبُ بَيْنَهُمَا فَيَجُوْزُ ذٰلِكَ وَهٰذَا عِنْدَنَا، وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ رحمہما اللہ لَايَجُوْزُ، لِأَنَّ هٰذِهٖ شِرْكَةٌ لَايُفِيْدُ مَقْصُوْدَهَا وَهُوَ التَّثْمِيْرُ لِأَنَّهٗ لَا بُدَّ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الشِّرْكَةَ فِي الرِّبْحِ تَبْتَنِيْ عَلَى الشِّرْكَةِ فِي الْمَالِ عَلٰى أَصْلِهِمَا عَلٰى مَا قَرَّرْنَاهُ، وَلَنَا أَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنْهُ التَّحْصِيْلُ وَهُوَ مُمْكِنٌ بِالتَّوْكِيْلِ لِأَنَّهٗ لَمَّا كَانَ وَكِيْلًا فِي النِّصْفِ أَصِيْلًا فِي النِّصْفِ تَحَقَّقَتِ الشِّرْكَةُ فِي الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ، وَلَايُشْتَرَطُ فِيْهِ اتِّحَادُ الْعَمَلِ وَالْمَكَانِ، خِلَافًا لِمَالِكٍ وَزُفَرَ رحمہما اللہ فِيْهِمَا، لِأَنَّ الْمَعْنَى الْمُجَوِّزَ لِلشِّرْكَةِ وَهُوَ مَاذَكَرْنَاهُ لَايَتَفَاوَتُ، وَلَوْشُرِطَ الْعَمَلُ نِصْفَيْنِ وَالْمَالُ أَثْلَاثًا جَازَ، وَفِي الْقِيَاسِ لَايَجُوْزُ لِأَنَّ الضَّمَانَ بِقَدْرِ الْعَمَلِ فَالزِّيَادَةُ عَلَيْهِ رِبْحُ مَالَمْ يَضْمَنْ فَلَمْ يَجُزِ الْعَقْدُ لِتَادِيَتِهٖ إِلَيْهِ وَصَارَ كَشِرْكَةِ الْوُجُوْهِ، لٰكِنَّا نَقُوْلُ مَايَأْخُذُهٗ لَايَأْخُذُهٗ رِبْحًا، لِأَنَّ الرِّبْحَ عِنْدَ اتِّحَادِ الْمَجْلِسِ وَقَدِاخْتَلَفَ، لِأَنَّ رَأْسَ الْمَالِ عَمَلٌ وَالرِّبْحُ مَالٌ فَكَانَ بَدَلَ الْعَمَلِ، وَالْعَمَلُ يُتَقَوَّمُ بِالتَّقْوِيْمِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ مَا قُوِّمَ بِهٖ فَلَايَحْرُمُ، بِخِلَافِ شِرْكَةِ الْوُجُوْهِ، لِأَنَّ جِنْسَ الْمَالِ مُتَّفِقٌ وَالرِّبْحُ يَتَحَقَّقُ فِي الْجِنْسِ الْمُتَّفِقِ، وَرِبْحُ مَالَمْ يَضْمَنْ لَايَجُوْزُ إِلَّا فِي الْمُضَارَبَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ شرکت صنائع جسے شرکتِ تقبل کہا جاتا ہے جیسے دو درزیوں اور دو رنگ ریزوں نے اس بات پر شرکت کی کہ دونوں کام کریں گے اور کمائی ان کے مابین مشترک ہوگی تو یہ جائز ہے۔ یہ حکم ہمارے یہاں ہے۔ امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ایسی شرکت ہے جس سے اس کا مقصود حاصل نہیں ہوتا یعنی مال بڑھانا، کیونکہ رأس المال کا ہونا ضروری ہے یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ ان حضرات کی اصل پر شرکت فی الربح شرکت فی المال پر مبنی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد شرکت سے مال حاصل کرنا مقصود ہے اور یہ مقصود توکیل سے ممکن ہے، اس لیے کہ جب ہر ایک شریک نصف میں وکیل ہے اور نصف میں اصیل ہے تو مالِ مستفاد میں شرکت متحقق ہو جائے گی اور اس کام اور مقام کا ایک ہونا شرط نہیں ہے۔ ان دونوں میں امام مالک اور امام زفر رحمہما اللہ کا اختلاف ہے، کیونکہ شرکت کو جائز قرار دینے والا معنی یعنی تحصیل ربح متفاوت نہیں ہوتا۔

اور اگر دونوں نے آدھا آدھا کام کرنے کی شرط لگائی اور نفع میں دو بٹہ ایک کی شرط لگائی تو بھی جائز ہے لیکن قیاساً جائز نہیں ہے، کیونکہ ضمان کام کے اعتبار سے ہوتا ہے لہٰذا کام سے زیادہ کا ضمان ربح مالم یضمن ہوگا اس لیے عقد جائز نہیں ہوگا، کیونکہ عقد ہی مفضی الی الربح ہے اور یہ شرکتِ وجوہ کی طرح ہوگیا، لیکن ہم کہتے ہیں کہ جو وہ زیادہ لیتا ہے اسے نفع کے طور پر نہیں لیتا، کیونکہ نفع اتحاد جنس کی صورت میں ہوتا ہے حالانکہ یہاں اصل اور ربح مختلف ہیں، کیونکہ رأس المال کام ہے اور ربح مال ہے، لہٰذا اس نے جو لیا ہے وہ کام کا بدل ہے اور تقویم سے عمل بھی متقوم ہو جاتا ہے، لہٰذا جس مقدار سے اس کی قیمت لگائی گئی ہوگی وہی مقدار ثابت ہوگی، اور زیادتی حرام نہیں ہوگی۔

برخلاف شرکتِ وجوہ کے، کیونکہ اس میں مال کی جنس متفق ہوتی ہے اور جنس متفق میں ربح متحقق ہوتا ہے اور ربح مالم یضمن صرف مضاربت میں جائز ہے۔

اللغات:

﴿خیاط﴾ درزی۔ ﴿صباغ﴾ رنگ ساز۔ ﴿کسب﴾ کمائی۔ ﴿تنمیر﴾ اضافہ کرنا، بڑھانا۔ ﴿تبتنی﴾ مبنی ہوگا۔ ﴿ربح﴾ منافع۔ ﴿تقویم﴾ قیمت لگانا۔

شرکت صنائع کا بیان:

اس عبارت میں شرکت کی تیسری قسم یعنی شرکت صنائع کا بیان ہے۔ شرکت صنائع یہ ہے کہ دو کاریگر اس بات پر شرکت کریں کہ وہ دونوں مل کر کام کریں اور جو نفع ہو وہ ان کے درمیان مشترک ہو تو ہمارے یہاں یہ شرکت جائز ہے، لیکن امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ کے یہاں جائز نہیں ہے، کیونکہ اس شرکت سے شرکت کا مقصود یعنی نفع کا حصول حاصل نہیں ہوگا، اس لیے کہ حصول ربح کے لیے راس المال کا ہونا ضروری ہے اور یہاں رأس المال معدوم ہے اور ان حضرات کے یہاں شرکت فی الربح شرکت فی المال پر مبنی ہے اور چوں کہ شرکت فی المال معدوم ہے، اس لیے شرکت فی الربح بھی معدوم ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد شرکت کا مقصد نفع کا حصول ہے اور یہ حصول ایک شریک کے دوسرے کو وکیل بنانے سے متحقق ہو جاتا ہے، کیونکہ ہر ہر شریک نصف میں وکیل ہوتا ہے اور نصف میں اصیل ہوتا ہے اور وکالت کے حوالے سے شرکت متحقق ہو جاتی ہے اور تحقق شرکت کے لیے کام اور مقام کے ایک ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ شرکت کو جائز قرار دینے والی چیز یعنی تحصیلِ ربح کام اور مقام کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتی اور اصل مقصود جب حاصل ہو جاتا ہے تو پھر رأس المال کے ہونے اور نہ ہونے سے صحت شرکت پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

ولو شرطا الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دونوں شریک نے یہ شرط لگائی کہ ہم دونوں کام برابر کریں گے لیکن نفع میں سے ایک شریک دو تہائی لے گا اور ایک شریک ایک تہائی لے گا تو استحساناً یہ جائز ہے، لیکن قیاساً جائز نہیں ہے، کیونکہ ضمان اور نفع بقدر عمل ملتا ہے اور چوں کہ عمل نصف ہے لہٰذا ربح بھی نصف ملنا چاہئے اور نصف سے زائد لینا ربح مالم یضمن ہے اور ربح مالم یضمن جائز نہیں ہے، جیسا کہ شرکت فی الوجوہ میں تفاضل فی الربح جائز نہیں ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی تفاضل فی الربح جائز نہیں ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں دونوں فریق جو لے رہے ہیں وہ نفع نہیں ہے، بلکہ ان کے کام کی اجرت ہے اور کام کی اجرت طے کردہ حساب سے کم یا زیادہ لی جاسکتی ہے، کیونکہ یہاں عمل رأس المال ہے اور اجرت مال ہے اور ان دونوں میں اختلاف ہے جب کہ شرکت وجوہ میں مال کی جنس متفق اور ایک ہوتی ہے اور متفق الجنس میں نفع متحقق ہوتا ہے اور متفق الجنس میں زیادتی ربح کی شرط لگانا جائز ہے، لیکن شرکت صنائع میں چوں کہ اختلاف جنس ہوتا ہے اور اختلاف جنس میں تفاضل جائز ہے، جیسا کہ مضاربت کی صورت میں ربح مالم یضمن بھی جائز ہے۔

قَالَ وَمَا يَتَقَبَّلُهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ يَلْزَمُهُ وَيَلْزَمُ شَرِيكَهُ حَتّٰى أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُطَالَبُ بِالْعَمَلِ

وَيُطَالَبُ الْأَجْرُ وَيَبْرَأُ الدَّافِعُ بِالدَّفْعِ إِلَيْهِ، وَهٰذَا ظَاهِرٌ فِي الْمُفَاوَضَةِ وَفِي غَيْرِهَا اِسْتِحْسَانٌ، وَالْقِيَاسُ خِلَافُ ذٰلِكَ، لِأَنَّ الشِّرْكَةَ وَقَعَتْ مُطْلَقَةً وَالْكَفَالَةُ مُقْتَضَى الْمُفَاوَضَةِ، وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ أَنَّ هٰذِهِ الشِّرْكَةَ مُقْتَضِيَةٌ لِلضَّمَانِ، أَلَا تَرٰى أَنَّ مَاتَقَبَّلَهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ مَضْمُوْنٌ عَلَى الْآخَرِ، وَلِهٰذَا يَسْتَحِقُّ الْأَجْرَ بِسَبَبِ نَفَاذِ تَقَبُّلِهٖ عَلَيْهِ فَجَرٰى مَجْرَى الْمُفَاوَضَةِ فِي ضَمَانِ الْعَمَلِ وَاقْتِضَاءِ الْبَدَلِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ شریکین میں سے ہر شریک جو بھی عمل قبول کرے گا وہ اس پر اور اس کے شریک پر لازم ہوگا حتی کہ ان میں سے ہر ایک سے عمل کا مطالبہ کیا جائے گا ہر شریک اجرت کا مطالبہ کرے گا اور اجرت دینے والا ایک شریک کو دینے سے بری ہو جائے گا، مفاوضہ میں تو یہ ظاہر ہے اور مفاوضہ کے علاوہ میں استحساناً جائز ہے، لیکن قیاس اس کے مخالف ہے، کیونکہ شرکت مطلق واقع ہوئی تھی اور کفالت مفاوضہ کا مقتضی ہے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ یہ شرکت ضمان کی متقاضی ہے کیا دکھتا نہیں کہ ان میں سے ہر شریک جو کام قبول کرتا ہے وہ دوسرے پر مضمون ہوتا ہے اور ایک شریک کے کام قبول کرنے کے دوسرے پر نافذ ہونے کی وجہ سے دوسرا مستحق اجرت ہوتا ہے لہٰذا کام کے ضمان اور اجرت کے مطالبہ میں یہ عقد مفاوضہ کے قائم مقام ہوگا۔

شرکت صنائع کا نتیجہ:

مسئلہ یہ ہے کہ جب ہمارے شرکت صنائع درست اور جائز ہے تو شریکین میں سے ایک شریک جو بھی کام قبول کرے گا وہ دوسرے پر بھی لازم ہوگا اور دونوں سے اس کام کا مطالبہ کیا جائے گا نیز دونوں میں سے ہر ایک کے لیے اس کام کی اجرت کا مطالبہ کرنا صحیح ہوگا، یہ ساری چیزیں عقد مفاوضہ میں تو ظاہر و باہر ہیں یعنی اگر تقبل کی شرکت مفاوضہ اور مساوات کے طور پر ہو تب تو ظاہر ہے کہ ہر ہر شریک ہر ہر چیز میں شریک ہوگا، لیکن اگر مطلق شرکت ہو اور اس میں مفاوضہ کی شرط نہ ہو تو اس صورت میں استحساناً مساوات ثابت ہوگی، قیاساً ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ مطلق شرکت میں کفالہ نہیں ہوتا اور بدون کفالہ مساوات متحقق نہیں ہوتی۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ مفاوضہ کی صراحت کے بغیر بھی اس شرکت میں ضمان اور مساوات ثابت ہوتے ہیں، اسی لیے تو ایک کا قبول کردہ کام دوسرے پر لازم ہوتا ہے اور ایک کے قبول کرنے سے دوسرا مستحق اجرت ہوتا ہے لہٰذا مفاوضہ کی صراحت کے بغیر بھی کام کے ضمان اور اجرت کے مطالبے کے حوالے سے یہ شرکتِ شرکت مفاوضہ کے درجے میں ہوگی اور دونوں میں مساوات ثابت ہوگی۔

قَالَ وَأَمَّا شِرْكَةُ الْوُجُوْهِ فَالرَّجُلَانِ يَشْتَرِكَانِ وَلَامَالَ لَهُمَا عَلٰى أَنْ يَشْتَرِيَا بِوُجُوْهِهِمَا وَيَبِيْعَا فَتَصِحُّ الشِّرْكَةُ عَلٰى هٰذَا، سُمِّيَتْ بِهٖ لِأَنَّهُ لَايَشْتَرِيْ بِالنَّسِيْئَةِ إِلَّا مَنْ كَانَ لَهُ وَجَاهَةٌ عِنْدَ النَّاسِ، وَإِنَّمَا تَصِحُّ مُفَاوَضَةً لِأَنَّهُ يُمْكِنُ تَحْقِيْقُ الْكَفَالَةِ وَالْوَكَالَةِ فِي الْأَبْدَالِ وَإِذَا أُطْلِقَتْ تَكُوْنُ عِنَانًا، لِأَنَّ مُطْلَقَهُ يَنْصَرِفُ إِلَيْهِ وَهِيَ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَالْوَجْهُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ مَا قَدَّمْنَاهُ فِي شِرْكَةِ التَّقَبُّلِ. قَالَ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَكِيْلُ الْآخَرِ فِيْمَا يَشْتَرِيْهِ، لِأَنَّ التَّصَرُّفَ عَلَى الْغَيْرِ لَايَجُوْزُ إِلَّا بِوَكَالَةٍ أَوْ بِوِلَايَةٍ وَلَا وِلَايَةَ فَتَعَيَّنَ الْوَكَالَةُ،

فَإِنْ شَرَطَا أَنَّ الْمُشْتَرىٰ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَالرِّبْحُ كَذٰلِكَ يَجُوْزُ، وَلَايَجُوْزُ أَنْ يَتَفَاضَلَا فِيْهِ، وَإِنْ شَرَطَا أَنْ يَكُوْنَ الْمُشْتَرىٰ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا فَالرِّبْحُ كَذٰلِكَ، وَهٰذَا لِأَنَّ الرِّبْحَ لَايَسْتَحِقُّ إِلَّا بِالْمَالِ أَوْ بِالْعَمَلِ أَوْ بِالضَّمَانِ فَرَبُّ الْمَالِ يَسْتَحِقُّهُ بِالْمَالِ، وَالْمُضَارِبُ يَسْتَحِقُّهُ بِالْعَمَلِ، وَالْأُسْتَاذُ الَّذِيْ يُلْقِي الْعَمَلَ عَلَى التِّلْمِيْذِ بِالنِّصْفِ بِالضَّمَانِ، وَلَايَسْتَحِقُّ بِمَا سِوَاهَا أَلَا تَرٰى أَنَّ مَنْ قَالَ لِغَيْرِهٖ تَصَرَّفْ فِيْ مَالِكَ عَلٰى أَنَّ لِيْ رِبْحَهٗ لَمْ يَجُزْ لِعَدَمِ هٰذِهِ الْمَعَانِيْ، وَاسْتِحْقَاقُ الرِّبْحِ فِيْ شِرْكَةِ الْوُجُوْهِ بِالضَّمَانِ عَلٰى مَا بَيَّنَّا وَالضَّمَانُ عَلٰى قَدْرِ الْمِلْكِ فِي الْمُشْتَرىٰ وَكَانَ الرِّبْحُ الزَّائِدُ عَلَيْهِ رِبْحَ مَالَمْ يَضْمَنْ فَلَايَصِحُّ اشْتِرَاطُهٗ إِلَّا فِي الْمُضَارَبَةِ، وَالْوُجُوْهُ لَيْسَتْ فِيْ مَعْنَاهَا، بِخِلَافِ الْعِنَانِ لِأَنَّهٗ فِيْ مَعْنَاهَا مِنْ حَيْثُ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَعْمَلُ فِيْ مَالِ صَاحِبِهٖ فَيُلْحَقُ بِهَا. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ شرکتِ وجوہ یہ ہے کہ ایسے دولوگ جن کے پاس مال نہ ہو اس بات پر شرکت کریں کہ وہ دونوں اپنے اثر ورسوخ اور ذاتی تعلقات کی بنا پر خرید وفروخت کریں گے تو اس حوالے سے شرکت صحیح ہے اور اس کو شرکت وجوہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہی شخص ادھار خرید سکتا ہے جس کا لوگوں میں اثر ورسوخ ہوتا ہے۔ اور یہ شرکت مفاوضہ کے طور پر اس لیے صحیح ہے کہ ابدال یعنی اثمان میں کفالت اور وکالت ثابت کرنا ممکن ہے اور اگر اس شرکت کو مطلق رکھا گیا تو یہ شرکتِ عنان ہو جائے گی کیونکہ مطلق شرکت عنان کی طرف راجع ہے اور ہمارے یہاں یہ شرکت جائز ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ اور دونوں فریق کی دلیلیں شرکت تقبل میں ہم نے بیان کر دی ہیں۔

فرماتے ہیں کہ شریکین میں سے ہر ایک جو بھی خریدے گا اس میں دوسرے کا وکیل ہوگا، کیونکہ وکالت یا ولایت کے بغیر دوسرے پر تصرف جائز نہیں ہے، اور یہاں ولایت معدوم ہے اس لیے وکالت متعین ہے۔ پھر اگر دونوں نے یہ شرط لگائی کہ مشتریٰ ان کے مابین نصف نصف ہوگی اور نفع بھی آدھا آدھا ہوگا تو جائز ہے لیکن نفع میں کمی بیشی لینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر یہ شرط لگائی کہ خرید ہوئی چیز ان کے مابین ایک بٹہ دو کے حساب سے ہوگی تو نفع بھی ایسا ہی ہوگا اس لیے کہ نفع کا استحقاق یا تو مال سے ہوتا ہے یا کام سے ہوتا ہے یا ضمان سے ہوتا ہے چنانچہ رب المال مال کی وجہ سے مستحق ربح ہوتا ہے، مضارب کام کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے اور وہ استاذ جو نصف وغیرہ دینے کی شرط پر اپنے شاگرد پر کام ڈال دیتا ہے وہ ضمان کی وجہ سے مستحق نفع ہوتا ہے اور ان صورتوں کے علاوہ کسی اور صورت سے نفع کا استحقاق نہیں ہوتا۔ کیا دکھتا نہیں کہ اگر کسی نے دوسرے سے کہا تم اپنے مال میں تجارت کرو اس شرط پر کہ اس کا نفع میرے لیے ہوگا تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اسباب معدوم ہیں اور شرکت وجوہ میں نفع کا استحقاق ضمان سے ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور ضمان مشتریٰ میں بقدر ملک ثابت ہوتا ہے اور اس سے زائد نفع ربح مالم یضمن ہوتا ہے، لہٰذا مضاربت کے علاوہ میں ربح مالم یضمن کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے۔ اور شرکت وجوہ مضاربت کے معنی میں نہیں ہے۔ برخلاف عنان کے، کیونکہ وہ مضاربت کے معنی میں ہے اس حیثیت سے کہ ان میں سے ہر شریک اپنے ساتھی کے مال میں کام کرتا ہے لہٰذا عنان کو مضاربت کے ساتھ لاحق

کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

اللغات:

﴿وجوههما﴾ اپنی وجاہت، اپنی جان پہچان۔ ﴿سمیت به﴾ اس کو یہ نام دیا گیا ہے۔ ﴿نسيئة﴾ ادھار، قرض۔
﴿یلقی﴾ ڈالتا ہے۔ ﴿ربح﴾ منافع۔

شرکت وجوہ کے احکام:

اس عبارت میں شرکت وجوہ کا بیان ہے۔ شرکت وجوہ کی تعریف یہ ہے کہ دو لوگ جن کے پاس مال نہ ہو اس شرط پر شرکت کریں کہ ہم دونوں اپنی ذاتی وجاہت اور اپنے ذاتی تعلقات کی بنا پر خرید وفروخت کریں گے اور جو نفع ہوگا اسے آدھا آدھا یا بحسب الشراء لے لیں گے تو ہمارے یہاں یہ شرکت صحیح ہے، لیکن شوافع کے یہاں صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کے یہاں نفع کی شرکت مال کی شرکت پر مبنی ہے اور یہاں مال معدوم ہے، اس لیے شرکت صحیح نہیں ہے جب کہ ہمارے یہاں شرکت کی صحت عقد پر مبنی ہے اور یہاں عقد موجود ہے۔ والوجه من الجانبين سے صاحب کتاب نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

والمفاوضة الخ فرماتے ہیں کہ یہ شرکت مفاوضہ کے طور پر اس وجہ سے درست ہے کہ مفاوضہ میں کفالت اور وکالت ہوتی ہے اور اس میں اگرچہ ابتداءً کفالت نہیں ہوتی تاہم بقاءً یعنی اثمان اور مبیع میں کفالت ہوتی ہے۔

قال وکل واحد الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں شریک میں سے کوئی بھی شریک جو چیز خریدے گا اس میں وہ دوسرے کا وکیل ہوگا اور شراء اور نفع ان کی آپسی شرط کے موافق ان میں تقسیم ہوگا کسی بھی شریک کے لیے زیادہ نفع لینے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس شرکت میں نفع کا استحقاق ضمان کی وجہ سے اور ضمان کے اعتبار سے ملتا ہے اور ضمان خریدی ہوئی چیز میں حصہ اور ملکیت کے تناسب سے واجب ہوتا ہے اس لیے زیادہ نفع لینے کی شرط ربح مالم یضمن کو متضمن ہوگی اور ربح مالم یضمن جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا جواز مضاربت میں ہے اور شرکت وجوہ مضاربت کے معنی میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فَصْلٌ فِي الشِّرْكَةِ الْفَاسِدَةِ

یہ فصل شرکت فاسدہ کے احکام کے بیان میں ہے

وَلَايَجُوْزُ الشِّرْكَةُ فِي الْإِحْتِطَابِ وَالْإِصْطِيَادِ، وَمَا اصْطَادَهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَوِاحْتَطَبَهُ فَهُوَ لَهُ دُوْنَ صَاحِبِهِ، وَعَلٰى هٰذَا الْإِشْتِرَاكُ فِي أَخْذِ كُلِّ شَيْءٍ مُبَاحٍ، لِأَنَّ الشِّرْكَةَ مُتَضَمِّنَةٌ مَعْنَى الْوَكَالَةِ، وَالتَّوْكِيْلُ فِي أَخْذِ الْمَالِ الْمُبَاحِ بَاطِلٌ، لِأَنَّ أَمْرَ الْمُوَكِّلِ بِهِ غَيْرُ صَحِيْحٍ، وَالْوَكِيْلُ يَمْلِكُهُ بِدُوْنِ أَمْرِهِ فَلَايَصْلَحُ نَائِبًا عَنْهُ، وَإِنَّمَا يَثْبُتُ الْمِلْكُ لَهُمَا بِالْأَخْذِ وَإِحْرَازِ الْمُبَاحِ فَإِنْ أَخَذَاهُ مَعًا فَهُوَ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ لِاسْتِوَائِهِمَا فِي سَبَبِ الْإِسْتِحْقَاقِ، وَإِنْ أَخَذَهُ أَحَدُهُمَا وَلَمْ يَعْمَلِ الْآخَرُ شَيْأً فَهُوَ لِلْعَامِلِ، وَإِنْ عَمِلَ أَحَدُهُمَا وَأَعَانَهُ الْآخَرُ فِي عَمَلِهِ بِأَنْ قَلَعَهُ أَحَدُهُمَا وَجَمَعَهُ الْآخَرُ أَوْ قَلَعَهُ وَجَمَعَهُ وَحَمَلَهُ الْآخَرُ فَلِلْمُعِيْنِ أَجْرُ الْمِثْلِ بَالِغًا مَا بَلَغَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ، وَعِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ رحمۃ اللہ علیہ لَا يُجَاوَزُ بِهِ نِصْفَ ثَمَنِ ذٰلِكَ وَقَدْ عُرِفَ فِي مَوْضِعِهِ.

ترجمہ: ایندھن جمع کرنے اور شکار کرنے میں شرکت جائز نہیں ہے اور دونوں میں سے ہر ایک جو شکار کرے گا یا جتنی لکڑیاں جمع کرے گا وہ اس کا ہوگا اس کے ساتھی کا نہیں ہوگا اور ہر مباح چیز لینے کے اشتراک کا یہی حکم ہے، کیونکہ شرکت وکالت کے معنی کو متضمن ہوتی ہے اور مال مباح لینے کے لیے وکیل بنانا باطل ہے، کیونکہ موکل بہ کا حکم دینا ہی صحیح نہیں ہے اور وکیل موکل کے حکم کے بغیر بھی اسے لے سکتا ہے لہٰذا وہ موکل کا نائب بننے کے لائق نہیں رہا اور مباح چیز کو لینے اور جمع کرنے سے ان کے لیے ملکیت ثابت ہو جائے گی اور اگر دونوں نے ساتھ اسے لیا تو وہ ان کے مابین نصف نصف ہوگی، کیونکہ وہ دونوں سبب استحقاق میں برابر ہیں، اور اگر ان میں سے ایک نے کوئی چیز اور دوسرے نے کوئی کام نہیں کیا تو وہ چیز عامل کی ہوگی، اور اگر ان میں سے ایک نے کام کیا اور دوسرے نے کام میں اس کا تعاون کیا مثلاً ایک نے (کوئی درخت) اکھاڑا اور دوسرے نے اسے جمع کیا یا ایک نے اکھاڑ کر جمع کیا اور دوسرے نے اسے لاد دیا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اعانت کرنے والے کو اجرت مثلی ملے گی جو بھی ہوگی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اسے اس چیز کے نصف ثمن سے زیادہ اجرت نہیں ملے گی اور یہ اختلاف اپنی جگہ واضح کر دیا گیا ہے۔

اللغات:

﴿احتطاب﴾ لکڑیاں اکٹھی کرنا۔ ﴿اصطیاد﴾ شکار کرنا۔ ﴿متضمنة﴾ ضمناً مشتمل ہوتی ہے۔ ﴿إحراز﴾ محفوظ کرنا، بچانا، محفوظ مقام پر منتقل کرنا۔ ﴿استواء﴾ برابری۔ ﴿أعان﴾ مدد کی۔

مباح مال لینے میں شرکت کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ ایندھن جمع کرنے اور شکار وغیرہ کرنے میں شرکت جائز نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص ایندھن جمع کرے یا شکار کرے اور کوئی دوسرا محض شرکتِ زبانی کی بنا پر اس میں شریک ہو یہ درست نہیں ہے بلکہ ایندھن صرف جمع کرنے والے کا ہوگا اور شکار صرف شکاری کا ہوگا۔ ہر مباح چیز کو لینے اور اٹھانے کا یہی حکم ہے، کیونکہ شرکت وکالت کے معنی کو متضمن ہوتی ہے حالانکہ مالِ مباح کو لینے کے لیے وکیل بنانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ بدون وکالت بھی مال مباح کو لینا جائز ہے۔

اب اگر دو لوگوں نے مل کر کوئی چیز یعنی ایندھن جمع کیا یا شکار کو پکڑا تو وہ چیز ان کے مابین آدھی آدھی ہوگی، کیونکہ ان دونوں نے مل کر اسے حاصل کیا ہے، لیکن اگر ایک ہی شخص نے اسے حاصل کیا اور دوسرے نے اس میں ہاتھ نہیں لگایا تو جس نے حاصل کیا وہی صرف اس چیز کا مالک اور مستحق ہوگا۔ ہاں اگر دوسرے نے اس میں تعاون کیا ہو مثلاً ایک نے شکار پر وار کیا اور دوسرے نے اسے پکڑ لیا یا ایک نے کوئی درخت اکھاڑ پھاڑا اور دوسرے نے اسے جمع کر لیا تو اعانت کرنے والے کو اجرت مثل ملے گی یعنی اس طرح کے تعاون کی جو اجرت ملتی ہے وہ اسے ملے گی۔ یہ حکم امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس معاون کو اجرت تو ضرور ملے گی، لیکن جس چیز میں تعاون کیا گیا ہے اس کی نصف قیمت سے زیادہ نہیں ملے گی۔

قَالَ وَإِذَا اشْتَرَكَا وَلِأَحَدِهِمَا بَغْلٌ وَلِلْآخَرِ رَاوِيَةٌ يَسْتَقِيْ عَلَيْهِمَا الْمَاءُ فَالْكَسْبُ بَيْنَهُمَا لَمْ تَصِحَّ الشِّرْكَةُ، وَالْكَسْبُ كُلُّهُ لِلَّذِيْ اسْتَقٰى وَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِ الرَّاوِيَةِ إِنْ كَانَ الْعَامِلُ صَاحِبَ الْبَغْلِ، وَإِنْ كَانَ صَاحِبَ الرَّاوِيَةِ فَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِ الْبَغْلِ، أَمَّا فَسَادُ الشِّرْكَةِ فَلِانْعِقَادِهَا عَلٰى إِحْرَازِ الْمُبَاحِ وَهُوَ الْمَاءُ، وَأَمَّا وُجُوْبُ الْأَجْرِ فَلِأَنَّ الْمُبَاحَ إِذَا صَارَ مِلْكًا لِلْمُحْرِزِ وَهُوَ الْمُسْتَقِيْ فَقَدِ اسْتَوْفٰى مَنَافِعَ مِلْكِ الْغَيْرِ وَهُوَ الْبَغْلُ أَوِ الرَّاوِيَةُ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ فَيَلْزَمُهُ أَجْرُهُ، وَكُلُّ شِرْكَةٍ فَاسِدَةٍ فَالرِّبْحُ فِيْهَا عَلٰى قَدْرِ الْمَالِ وَيَبْطُلُ شَرْطُ التَّفَاضُلِ، لِأَنَّ الرِّبْحَ فِيْهَا تَابِعٌ لِلْمَالِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهِ كَمَا أَنَّ الرَّيْعَ تَابِعٌ لِلْبَذْرِ فِي الْمُزَارَعَةِ وَالزِّيَادَةُ إِنَّمَا تُسْتَحَقُّ بِالتَّسْمِيَةِ وَقَدْ فَسَدَتْ فَبَقِيَ الْإِسْتِحْقَاقُ عَلٰى قَدْرِ رَأْسِ الْمَالِ، وَإِذَا مَاتَ أَحَدُ الشَّرِيْكَيْنِ أَوِ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتِ الشِّرْكَةُ، لِأَنَّهَا تَتَضَمَّنُ الْوَكَالَةَ وَلَا بُدَّ مِنْهَا لِيَتَحَقَّقَ الشِّرْكَةُ عَلٰى مَا مَرَّ، وَالْوَكَالَةُ تَبْطُلُ بِالْمَوْتِ وَكَذَا بِالْإِلْتِحَاقِ مُرْتَدًّا إِذَا قَضَى الْقَاضِيْ بِلِحَاقِهِ، لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ.

وَلَافَرْقَ بَيْنَهُمَا إِذَا عَلِمَ الشَّرِيْكُ بِمَوْتِ صَاحِبِهٖ أَوْلَمْ يَعْلَمْ لِأَنَّهٗ عَزْلٌ حُكْمِيٌّ فَإِذَا بَطَلَتِ الْوَكَالَةُ بَطَلَتِ الشِّرْكَةُ، بِخِلَافِ مَا إِذَا فَسَخَ أَحَدُ الشَّرِيْكَيْنِ الشِّرْكَةَ حَيْثُ يَتَوَقَّفُ عَلٰى عِلْمِ الْاٰخَرِ، لِأَنَّهٗ عَزْلٌ قَصْدِيٌّ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر دو آدمیوں نے اس طرح شرکت کی کہ ان میں سے ایک کا خچر ہو اور دوسرے کے پاس پکھال ہو اس میں پانی بھر کر خچر پر لادا جائے اور لوگوں کو بیچا جائے اور جو آمدنی ہو وہ دونوں میں مشترک ہو تو شرکت صحیح نہیں ہے اور پوری آمدنی پانی بھرنے والے کی ہوگی، اور اس پر پکھال کی اجرت مثلی واجب ہوگی اگر خچر والے نے پانی بھرا ہو اور اگر پکھال والے نے پانی بھرا ہو تو اس پر خچر کی اجرت مثلی واجب ہوگی۔ رہا شرکت کا فاسد ہونا تو وہ اس وجہ سے ہے کہ شرکت مال مباح یعنی پانی کے احراز پر منعقد ہوئی ہے اور اجرت اس لیے واجب ہے کہ مال مباح جب محرز یعنی بھرنے والے کا مملوک ہو گیا تو وہ عقد فاسد دوسرے کی ملکیت منافع حاصل کرنے والا ہو گیا اور وہ خچر یا پکھال ہے، اس لیے اس پر اس کی اجرت لازم ہوگی۔

اور ہر شرکت فاسدہ میں نفع بقدر مال ہوتا ہے اور تفاضل کی شرط باطل ہوتی ہے کیونکہ شرکت فاسدہ میں نفع مال کے تابع ہوتا ہے لہٰذا نفع مال ہی کے بقدر مقدر ہوگا جیسے کھیتی میں پیداوار بیج کے تابع ہوتی ہے اور نفع کی زیادہ متعین کرنے سے ثابت ہوتی ہے حالانکہ شرکت ہی فاسد ہو چکی ہے لہٰذا راس المال کے بقدر استحقاق باقی رہے گا۔

اور اگر احد الشریکین مر جائے یا مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی، کیونکہ شرکت وکالت کو متضمن ہوتی ہے اور شرکت کے لیے وکالت ناگزیر ہے تاکہ شرکت متحقق ہو جائے جیسا کہ گذر چکا ہے اور موت سے نیز مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے وکالت باطل ہو جاتی ہے بشرطیکہ قاضی نے اس کے دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دیا ہو، کیونکہ دار الحرب جانا موت کے درجے میں ہے جیسا کہ اس سے پہلے ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ شریک اپنے ساتھی کی موت سے واقف ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ عزل حکمی ہے پھر جب وکالت باطل ہوگی تو شرکت بھی باطل ہو جائے گی۔ برخلاف اس صورت کے جب احد الشریکین نے شرکت کو فسخ کر دیا تو یہ دوسرے کی واقفیت پر موقوف ہوگا، کیونکہ یہ عزل قصدی ہے۔ واللہ اعلم

اللغات:

﴿بغل﴾ خچر۔ ﴿راویة﴾ بڑا مشکیزہ۔ ﴿کسب﴾ کمائی۔ ﴿استقٰی﴾ پانی بھرا۔ ﴿إحراز﴾ اکٹھا کرنا، محفوظ کرنا۔ ﴿استوفٰی﴾ پورا وصول کر لیا۔ ﴿ریع﴾ کھیتی، فصل۔ ﴿بذر﴾ بیج۔

شرکت فاسدہ کی ایک مثال اور شرکت کے باطل ہونے کی صورتیں:

حل عبارت سے پہلے یہ ذہن میں رکھئے کہ راویۃ سے یہاں چمڑے کی وہ بڑی مشک مراد ہے جس میں پانی بھر کر اونٹ اور خچر وغیرہ پر لاد کر فروخت کیا جاتا ہے جسے پکھال کہتے ہیں۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر دو لوگوں نے اس طرح شرکت کا معاملہ طے کیا کہ ایک کا خچر ہوگا دوسرے کی پکھال ہوگی اور دونوں مل کر پانی بھریں گے بیچیں گے اور جو نفع ہوگا وہ ان میں مشترک ہوگا تو یہ شرکت

صحیح نہیں ہے، کیونکہ مال مباح یعنی احراز ماء پر یہ شرکت منعقد ہوئی ہے اور مباحات میں شرکت باطل ہے اور پوری آمدنی پانی بھرنے والے کو ملے گی چنانچہ اگر خچر والے نے پانی بھرا ہے تو وہ پوری آمدنی لے کر صاحب پکھال کو اس کے پکھال کی مثلی اجرت دے گا اور اگر پکھال والے نے پانی بھرا ہو تو وہ خچر والے کو خچر کی اجرت مثلی دے گا، کیونکہ عامل نے عقد فاسد کے ذریعے دوسرے کی ملکیت کے منافع حاصل کیا ہے اس لیے اس پر اجرت تو واجب ہی ہوگی۔

وکل شرکة الخ فرماتے ہیں کہ ہر شرکت فاسدہ میں شریکین کو ملنے والا نفع ان کے رأس المال کے مطابق ملے گا چنانچہ اگر کسی کے دو ہزار ہوں اور ایک کے ایک ہزار روپے رأس المال ہوں تو نفع کی تقسیم اثلاثا ہوگی اور کمی بیشی کی شرط باطل ہوگی، کیونکہ شرکت فاسدہ میں نفع مال کے تابع ہوتا ہے جیسا کہ کھیتی کی پیداوار اس کی بیج کے تابع ہوتی ہے اور تفاضل کا استحقاق شرط اور تعیین سے ہوتا ہے اور شرط کی صحت صحتِ شرکت پر موقوف ہوتی ہے حالانکہ شرکت فاسدہ میں شرکت کے فاسد ہونے سے شرط بھی فاسد اور باطل ہو جاتی ہے اس لیے نفع کی تقسیم کا سارا دار و مدار رأس المال پر ہوگا۔

وإذا مات الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر احد الشریکین مرجائے یا مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے اور قاضی اس کے دار الحرب جانے کا فیصلہ بھی کردے تو شرکت باطل ہو جائے گی، کیونکہ شرکت وکالت کو متضمن ہوتی ہے اور موت یا التحاق بدار الحرب سے وکالت باطل ہو جاتی ہے اس لیے ان وجوہ سے شرکت بھی باطل ہو جائے گی خواہ دوسرے شریک کو اپنے شریک کی موت اور التحاق کا علم ہو یا نہ ہو بہر صورت شرکت باطل ہوگی اس لیے کہ یہ عزلِ حکمی ہے اور عزل حکمی معزول کے علم پر موقوف نہیں ہوتا، ہاں اگر عزل قصدی ہو مثلاً احد الشریکین نے شرکت کو فسخ کردیا تو جب تک شریک ثانی کو فسخ کا علم نہیں ہوگا اس وقت تک فسخ ثابت اور مکمل نہیں ہوگا، کیونکہ اگر اس صورت میں ہم شریک ثانی کے علم اور اس کی واقفیت کے بغیر فسخ کو صادر کردیں گے تو اسے ضرور لاحق ہوگا حالانکہ لا ضرر ولا ضرار کا ضابطہ معروف ہے۔

فَصْلٌ

وَلَيْسَ لِأَحَدِ الشَّرِيْكَيْنِ أَنْ يُؤَدِّيَ زَكوٰةَ مَالَ الْاٰخَرِ إِلَّا بِإِذْنِهِ، لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ التِّجَارَةِ، فَإِنْ أَذِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِصَاحِبِهِ أَنْ يُؤَدِّيَ زَكوٰتَهُ فَأَدّٰى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَالثَّانِي ضَامِنٌ عَلِمَ بِأَدَاءِ الْأَوَّلِ أَوْلَمْ يَعْلَمْ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحمۃ اللہ علیہ، وَقَالَا لَايَضْمَنُ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ، وَهٰذَا إِذَا أَدَّيَا عَلَى التَّعَاقُبِ، أَمَّا إِذَا أَدَّيَا مَعًا ضَمِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نَصِيْبَ صَاحِبِهِ، وَعَلٰى هٰذَا الْإِخْتِلَافِ الْمَأْمُوْرُ بِأَدَاءِ الزَّكوٰةِ إِذَا تَصَدَّقَ عَلَى الْفَقِيْرِ بَعْدَ مَا أَدّٰى الْاٰمِرُ بِنَفْسِهِ، لَهُمَا أَنَّهُ مَأْمُوْرٌ بِالتَّمْلِيْكِ مِنَ الْفَقِيْرِ وَقَدْ أَتٰى بِهِ فَلَايَضْمَنُ لِلْمُوَكِّلِ، وَهٰذَا لِأَنَّ فِي وُسْعِهِ التَّمْلِيْكُ لَاوُقُوْعُهُ زَكوٰةً لِتَعَلُّقِهِ بِنِيَّةِ الْمُوَكِّلِ، وَإِنَّمَا يُطْلَبُ مِنْهُ مَا فِي وُسْعِهِ وَصَارَ كَالْمَأْمُوْرِ بِذِبْحِ دَمِ الْإِحْصَارِ إِذَا ذَبَحَ بَعْدَ مَا زَالَ الْإِحْصَارُ وَحَجُّ الْاٰمِرِ لَمْ يَضْمِنِ الْمَأْمُوْرُ عَلِمَ أَوْلَا، وَلِأَبِي حَنِيْفَةَ رَحمۃ اللہ علیہ أَنَّهُ مَأْمُوْرٌ بِأَدَاءِ الزَّكوٰةِ وَالْمُؤَدّٰى لَمْ يَقَعْ زَكوٰةً فَصَارَ مُخَالِفًا، وَهٰذَا لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنَ الْأَمْرِ إِخْرَاجُ نَفْسِهِ عَنْ عُهْدَةِ الْوَاجِبِ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ لَايَلْتَزِمُ الضَّرَرَ إِلَّا لِدَفْعِ الضَّرَرِ وَهٰذَا الْمَقْصُوْدُ حَصَلَ بِأَدَائِهِ وَعَرِيَ أَدَاءُ الْمَأْمُوْرِ عَنْهُ فَصَارَ مَعْزُوْلًا عَلِمَ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ لِأَنَّهُ عَزْلٌ حُكْمِيٌّ، وَأَمَّا دَمُ الْإِحْصَارِ فَقَدْ قِيْلَ هُوَ عَلٰى هٰذَا الْإِخْتِلَافِ، وَقِيْلَ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ وَوَجْهُهُ أَنَّ الدَّمَ لَيْسَ بِوَاجِبٍ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يَصْبِرَ حَتّٰى يَزُوْلَ الْإِحْصَارُ، وَفِي مَسْأَلَتِنَا الْأَدَاءُ وَاجِبٌ فَاعْتُبِرَ الْإِسْقَاطُ مَقْصُوْدًا فِيْهِ دُوْنَ دَمِ الْإِحْصَارِ.

ترجمہ: احد الشریکین کو یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے کی اجازت کے بغیر وہ اس کے مال کی زکوۃ ادا کرے، کیونکہ یہ تجارت کی جنس سے نہیں ہے، ہاں اگر ہر شریک نے اپنے ساتھی کو اپنی زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دے رکھی ہو پھر ان میں سے ہر ایک نے زکوۃ دے دی تو دوسرا (یعنی بعد میں ادا کرنے والا) ضامن ہوگا خواہ وہ پہلے کی ادائیگی سے واقف ہو یا نہ ہو۔ یہ حکم امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں

ہے۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ اگر دوسرے کو معلوم نہ ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا، یہ حکم اس صورت میں ہے جب انہوں نے یکے بعد دیگرے ادا کیا ہو۔ اور اگر ایک ساتھ ادا کیا ہو تو ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے حصے کا ضامن ہوگا۔

اسی اختلاف پر وہ شخص بھی ہے جسے ادائیگیٔ زکوۃ کا حکم دیا گیا ہو، اگر آمر کے بذات خود ادا کرنے کے بعد اس نے فقیر کو صدقہ کر دیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ ضامن ہوگا اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں ضامن نہیں ہوگا۔ حضرات صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ شخص فقیر کو مالک بنا دینے پر مامور ہے اور اس نے وہ کام کر دیا ہے اس لیے وہ موکل کے لیے ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے بس میں صرف مالک بنانا تھا، زکوۃ واقع کرنا نہیں تھا کیونکہ اس کا تعلق موکل کی نیت سے ہے اور انسان سے اسی چیز کا مطالبہ ہوتا ہے جو اس کے بس میں ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہو گیا جیسے وہ شخص جسے دم احصار ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہو اور اس نے احصار ختم ہونے سے اور آمر کے حج کرنے کے بعد ذبح کیا تو بھی وہ ضامن نہیں ہوگا خواہ اسے انقطاع احصار کا علم ہو یا نہ ہو۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل ادائے زکوۃ پر مامور ہے اور جو اس نے ادا کیا ہے وہ زکوۃ نہیں واقع ہوئی لہٰذا وکیل امر موکل کی مخالفت کرنے والا ہوا یہ اس وجہ سے ہے کہ وکیل بنانے سے موکل کا مقصد اپنے آپ کو ادائے واجب سے بری کرنا تھا اس لیے کہ ظاہری یہی ہے کہ وہ دفع ضرر ہی کے لیے ضرر برداشت کرے گا اور یہ مقصود خود موکل کی ادائیگی سے حاصل ہو گیا اور ماموز عنہ کی ادائیگی اس مقصود سے خالی ہو گئی لہٰذا وہ معزول ہو جائے گا خواہ اسے موکل کے ادا کرنے کا علم ہو یا نہ ہو، اس لیے یہ عزل حکمی ہے۔ رہا دم احصار تو ایک قول یہ ہے کہ وہ بھی اسی اختلاف پر ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ان میں فرق ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ محصر پر قربانی واجب نہیں ہے اور اس لیے کہ صبر کرنا ممکن ہے یہاں تک کہ احصار ختم ہو جائے۔ اور صورت مسئلہ میں زکوۃ ادا کرنا واجب ہے لہٰذا اس میں اسقاط مقصود بن کر معتبر ہوگا اور دم احصار اسقاط مقصود نہیں ہوگا۔

اللغاتُ:

﴿أذِن﴾ اجازت دے دی۔ ﴿تعاقب﴾ آگے پیچھے۔ ﴿تصدّق﴾ صدقہ کر دیا۔ ﴿تمليك﴾ مالک بنانا۔ ﴿إحصار﴾ حج سے روکنا۔ ﴿إخراج﴾ نکالنا۔ ﴿عهدة﴾ ذمہ داری۔ ﴿إسقاط﴾ ساقط کرنا۔

شریک کی طرف سے زکوۃ دینا:

مسئلہ یہ ہے کہ شرکت مفاوضہ اور عنان کے دونوں شریکوں میں سے کسی بھی شریک کے لیے دوسرے کی اجازت کے بغیر اس کے مال کی زکوۃ دینا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ زکوۃ ادا کرنا تجارت سے متعلق نہیں ہے اور احد الشریکین کو دوسرے کے مال میں صرف تجارتی تصرف کا حق ہوتا ہے اور زکوۃ وغیرہ ادا کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ہر شریک نے دوسرے اپنی زکوۃ دینے کی اجازت دے رکھی ہو اور ہوا یوں کہ ایک مرتبہ خود مالک نے دی اور دوسرے مرتبہ اس کے شریک نے اس کی طرف سے دیدی تو جس نے دوبارہ دیا ہے وہ دہندہ رقم کا ضامن ہوگا خواہ اسے یہ معلوم ہو کہ میں جس مال کی زکوۃ دے رہا ہوں اس کی زکوۃ دی جا چکی ہے یا یہ معلوم نہ ہو۔ یہ حکم امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے۔ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا مسلک یہ ہے کہ اگر دوسرے کو معلوم نہ ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا، فتح القدیر میں ہے کہ اگر معلوم ہو تو بھی ان حضرات کے یہاں دوسرا ضامن نہیں ہوگا، خواہ یکے بعد دیگرے دونوں نے ادا کیا ہو یا ایک ساتھ ادا کیا ہو، لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک ساتھ ادا کرنے کی صورت میں ہر شریک اپنے ساتھی کے حصے کا ضامن ہوگا، اسی

طرح اگر کسی نے دوسرے کو اپنی زکوۃ ادا کرنے کے لیے وکیل بنایا اور دوسرے نے آمر اور موکل کے بذات خود زکوۃ ادا کرنے کے بعد مال زکوۃ کسی فقیر کو صدقہ دیدیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وکیل ضامن ہوگا اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں ضامن نہیں ہوگا۔

حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ وکیل اور مامور صرف فقیر کو مالک بنانے پر مامور ہے اور اس نے اپنا کام کردیا ہے اس لیے موکل کے از خود ادا کرنے کی وجہ سے وہ ضامن نہیں ہوگا، کیونکہ یہ اس میں موکل کی غلطی ہے نہ کہ وکیل کی۔ اور پھر وکیل کے بس میں صرف فقیر کو مال دے کر اسے مالک بنایا ہے نہ کہ زکوۃ واقع کرنا اور **لایکلف اللّٰہ نفسا** کے پیش نظر انسان سے اسی چیز کا مطالبہ کیا جاتا ہے جو اس کے بس میں ہوتا ہے اور چوں کہ صورت مسئلہ میں وکیل اور مامور کے بس میں جو تھا وہ کرگذرا ہے لہٰذا اس پر ضمان نہیں ہوگا۔ جیسے اگر کوئی شخص محصَر ہوگیا اور اس نے دم احصار ذبح کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنایا پھر احصار ختم ہونے اور موکل کے حج سے فارغ ہونے کے بعد وکیل نے دم احصار ذبح کیا تو بھی وکیل اس کا ضامن نہیں ہوگا خواہ اسے موکل کے حج کرنے اور احصار ختم ہونے کے علم ہو یا نہ ہو اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی وکیل ضامن نہیں ہوگا خواہ اسے موکل کے فعل کا علم ہو یا نہ ہو۔

ولأبي حنيفة رحمۃ اللہ علیہ الخ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں آمر نے مامور کو مال برباد کرنے کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ زکوۃ ادا کرنے اور اپنا ذمہ فارغ کرنے کا حکم دیا ہے حالانکہ خود موکل کے ادا کرنے کی وجہ سے اس کا مقصود (یعنی فراغ ذمہ) حاصل ہو چکا ہے اور وکیل اور مامور کا فعل اور اس کا اداء کرنا مقصود سے خالی ہے لہٰذا وہ وکیل معزول شمار ہوگا اور یہ عزل حکمی ہوگا اور عزل حکمی کے لیے وکیل کا عزل سے واقف ہونا ضروری نہیں ہے۔ بہر حال جب وکیل کا فعل موکل کے مقصود سے عاری اور خالی ہے اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور اس پر ضمان واجب ہوگا۔

وأمّا دم الخ فرماتے ہیں کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا اس مسئلے کو دم احصار پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ایک قول کے مطابق دم احصار کا مسئلہ بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں مختلف فیہ ہے لہٰذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اس سے استشہاد کرنا درست نہیں ہے، اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے یعنی دم احصار والے مسئلے میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی مامور پر ضمان نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ محصر پر قربانی واجب نہیں ہے اور اس کے لیے احصار ختم ہونے تک صبر کرنا ممکن اور متوقع ہے جب کہ زکوۃ والے مسئلے میں زکوۃ ادا کرنا واجب ہے اور زکوۃ میں اسقاط ذمہ معتبر ہے اور دم احصار میں اسقاط کا اعتبار نہیں ہے اور اس حوالے سے دونوں میں فرق ہے، لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

قَالَ وَإِذَا أَذِنَ أَحَدُ الْمُتَفَاوِضَيْنِ لِصَاحِبِهٖ أَنْ يَشْتَرِيَ جَارِيَةً فَيَطَأُهَا فَفَعَلَ فَهِيَ لَهٗ بِغَيْرِ شَيْءٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رحمۃ اللہ علیہ، **وَقَالَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ بِنِصْفِ الثَّمَنِ، لِأَنَّهٗ أَدّٰى عَلَيْهِ خَاصَّةً مِنْ مَالٍ مُشْتَرَكٍ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ صَاحِبُهٗ بِنَصِيْبِهٖ كَمَا فِي شِرَاءِ الطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْمِلْكَ وَاقِعٌ لَهٗ خَاصَّةً، وَالثَّمَنُ بِمُقَابَلَةِ الْمِلْكِ، وَلَهٗ أَنَّ الْجَارِيَةَ دَخَلَتْ فِي الشِّرْكَةِ عَلَى الْبَتَّةِ جَرْيًا عَلٰى مُقْتَضَى الشِّرْكَةِ إِذْهُمَا لَايَمْلِكَانِ تَغْيِيْرَهٗ فَأَشْبَهَ حَالَ عَدَمِ الْإِذْنِ غَيْرَ أَنَّ الْإِذْنَ يَتَضَمَّنُ هِبَةَ نَصِيْبِهٖ مِنْهُ، لِأَنَّ الْوَطْيَ لَايَحِلُّ إِلَّا بِالْمِلْكِ، وَلَا وَجْهَ إِلٰى إِثْبَاتِهٖ بِالْبَيْعِ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهٗ**

يُخَالِفُ مُقْتَضَي الشِّرْكَةِ فَأَثْبَتْنَاهُ بِالْهِبَةِ الثَّابِتَةِ فِيْ ضِمْنِ الْإِذْنِ، بِخِلَافِ الطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ، لِأَنَّ ذٰلِكَ مُسْتَثْنٰى عَنْهَا لِلضَّرُوْرَةِ فَيَقَعُ الْمِلْكُ لَهُ خَاصَّةً بِنَفْسِ الْعَقْدِ وَكَانَ مُؤَدِّيًا دَيْنًا عَلَيْهِ مِنْ مَالِ الشِّرْكَةِ، وَفِيْ مَسْأَلَتِنَا قَضٰى دَيْنًا عَلَيْهِمَا لِمَا بَيَّنَّا، وَلِلْبَائِعِ أَنْ يَأْخُذَ بِالثَّمَنِ أَيَّهُمَا شَاءَ بِالْإِتِّفَاقِ، لِأَنَّهُ دَيْنٌ وَجَبَ بِسَبَبِ التِّجَارَةِ، وَالْمُفَاوَضَةُ تَضَمَّنَتِ الْكَفَالَةَ فَصَارَ كَالطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر احد المتفاوضین نے اپنے ساتھی کو یہ اجازت دی کہ وہ ایک باندی خرید کر اس سے وطی کرلے چنانچہ اس نے کرلیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ باندی بغیر ضمان اور عوض کے اسی کی ہوگی، حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ اجازت دینے والا اس سے نصف ثمن لے گا اس لیے کہ مشتری نے مال مشترک سے ایسا دین ادا کیا ہے جو صرف اسی پر واجب تھا لہٰذا اس کا ساتھی اس سے اپنا حصہ واپس لے گا جیسے اپنے اہل وعیال کے لیے غلہ اور کپڑا خریدنے میں ہوتا ہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ ملکیت تو صرف مشتری کو حاصل ہوئی ہے اور ثمن ملکیت ہی کے مقابلے میں واجب ہوتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مقتضائے شرکت پر عمل کرتے ہوئے یہ باندی یقیناً مشترکہ طور پر مملوک ہوئی ہے، اس لیے کہ دونوں شریک مقتضائے شرکت کو نہیں بدل سکتے تو یہ اجازت نہ دینے کے مشابہ ہوگیا تاہم اجازت دینا ماذون لہ کو اپنا حصہ ہبہ کرنے کو متضمن ہوتا ہے، کیونکہ ملکیت کے بغیر وطی حلال نہیں ہوتی۔ اور بیع کے ذریعے اثباتِ ملکیت کی کوئی صورت نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے ہیں کہ یہ مقتضائے شرکت کے خلاف ہے لہٰذا ہم نے اجازت کے ضمن میں ثابت ہونے والے ہبہ کے ذریعے ملکیت ثابت کردی۔ برخلاف طعام اور کسوہ کے، اس لیے کہ بربنائے ضرورت یہ شرکت سے مستثنیٰ ہیں لہٰذا ان میں نفسِ عقد ہی سے مشتری کو ملکیت حاصل ہوجائے گی اور مشتری مال شرکت سے اپنا دین ادا کرنے والا ہوگا اور زیر بحث مسئلے میں مشتری نے ایسا دین (ثمن) ادا کیا ہے جو دونوں پر لازم تھا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کرچکے ہیں۔ اور بائع کو یہ حق ہے کہ دونوں میں سے جس سے چاہے ثمن کا مطالبہ کرے، اس لیے کہ یہ ثمن ایسا دن ہے جو تجارت کے سبب واجب ہوا ہے اور مفاوضہ کفالہ کو متضمن ہوتی ہے تو یہ طعام اور کسوہ کی طرح ہوگیا۔

اللغات:

﴿جاریة﴾ باندی۔ ﴿شراء﴾ خریدنا۔ ﴿کسوة﴾ کپڑے، ملبوسات۔ ﴿البتّة﴾ لازمی طور پر۔

مفاوضہ کے ایک شریک کا وطی کے لیے باندی خریدنا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر شرکت مفاوضہ کے شریکین میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ وہ ایک باندی خرید کر اس سے وطی کرلے چنانچہ مامور نے ایک باندی خریدی، مال مشترک سے اس کا ثمن دیا اور اس سے ہم بستری کرلی تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ باندی مشتری اور واطی کی مملوک ہوگی اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس پر شریک ثانی کے لیے کوئی ضمان وغیرہ نہیں ہوگا، جب کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں شریک ثانی یعنی جس نے حکم دیا ہے وہ مشتری سے نصف ثمن واپس لے گا، کیونکہ مشتری نے مال مشترک سے

اپنے اوپر واجب شدہ قرضہ ادا کیا ہے اور اس قرضے یعنی ثمن کا پورا عوض اور نفع بھی اسی کو ملا ہے اس لیے دوسرا شریک اسے اپنے حصے کا ثمن واپس لے گا جیسے اگر کوئی شریک اپنے اہل وعیال کے لیے مال مشترک سے غلہ یا کپڑا خریدے تو اس کا ساتھی اس سے نصف ثمن کی رقم واپس لیتا ہے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب دونوں شریک شرکتِ مفاوضہ کے طور پر مشترک ہیں تو ظاہر ہے کہ خریدی ہوئی یہ باندی بھی مشترک طور پر ان کی ملکیت میں داخل ہوئی ہے، اس لیے کہ شرکت مفاوضہ مساوات کی متقاضی ہے اور شریکین اس مساوات کو ختم کرنے کے مالک نہیں ہیں اور یہ معاملہ عدم رجوع کے متعلق اجازت نہ دینے کے مشابہ ہوگیا لیکن چوں کہ اجازت ہی سے مشتری کے لیے وطی حلال ہے اس لیے اس کی طرف سے اجازت ہبہ کرنے کو متضمن ہوگی اور یہ کہا جائے گا کہ شریک ثانی نے مشتری کو شراء اور وطی کی اجازت دے کر اپنا حصہ ہبہ کردیا ہے اور ہبہ میں رجوع نہیں ہوتا، اس لیے شریک ثانی مشتری سے کچھ واپس نہیں لے گا اور وہ باندی اسے فری میں ملے گی۔ اور صورت مسئلہ میں مشتری کے لیے حلتِ وطی کا واحد راستہ یہی ہے، کیونکہ ہم بذریعۂ بیع مشتری کے لیے ملکیت نہیں ثابت کرسکتے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے پوری باندی صرف اپنے لیے خریدی ہے اس لیے کہ یہ عقد شرکت کے خلاف ہے۔

اور اسے طعام اور کسوۃ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ طعام اور کسوۃ ضرورتاً عقد شرکت اور اشتراک سے مستثنیٰ ہیں اور طعام وکسوۃ میں صرف مشتری ہی کے لیے ملکیت ثابت ہوگی اور مشتری مال مشترک سے اس کا ثمن ادا کرنے والا ہوگا، اس لیے اس کا ساتھی اس سے واپس لے لے گا جب کہ صورت مسئلہ میں مشتری دونوں شریک پر لازم شدہ دین ادا کرتا ہے اس لیے اسے اپنے ساتھی سے واپس لینے کا حق نہیں ہوگا۔ اور بائع دونوں شریکین میں جس سے چاہے گا ثمن لینے کا حق دار ہوگا، کیونکہ یہ ثمن تجارت کی وجہ سے واجب ہوا ہے اور شرکت شرکتِ مفاوضہ ہے اس لیے یہ شرکت کفالہ کو متضمن ہوگی اور ثمن بھی دونوں پر واجب ہوگا اور جب ثمن دونوں پر واجب ہوگا تو اس کا مطالبہ بھی دونوں سے ہوگا۔ **فقط واللہ أعلم وعلمہ أتم.**

کتاب الشرکۃ کے بعد کتاب الوقف کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے دونوں میں اصل اور رأس المال کو باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع حاصل کیے جاتے ہیں لیکن شرکت میں اصل ملکیت انسان کی ملکیت میں باقی رہتی ہے جب کہ وقف میں اکثر حضرات کے یہاں یہ ملکیت واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے، اسی لیے شرکت کو وقف پر مقدم کیا گیا ہے۔

وقف کے لغوی معنی ہیں روکنا۔ اور اصطلاحِ شرع میں وقف کی تعریف یہ ہے کہ مالک عین کو اپنی ملکیت پر باقی رکھے اور اس کے منافع صدقہ کردے۔

قَالَ أَبُوْحَنِيْفَةَ رحمة الله عليه لَايَزُوْلُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنِ الْوَقْفِ إِلَّا أَنْ يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ أَوْ يُعَلِّقَهُ بِمَوْتِهِ فَيَقُوْلُ إِذَا مُتُّ فَقَدْ وَقَفْتُ دَارِيْ عَلٰى كَذَا، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رحمة الله عليه يَزُوْلُ مِلْكُهُ بِمُجَرَّدِ الْقَوْلِ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَايَزُوْلُ حَتّٰى يَجْعَلَ لِلْوَقْفِ وَلِيًّا وَيُسَلِّمَهُ إِلَيْهِ، قَالَ الْوَقْفُ لُغَةً هُوَ الْحَبْسُ يَقُوْلُ وَقَفْتُ الدَّابَّةَ وَأَوْقَفْتُهَا بِمَعْنًى وَهُوَ فِي الشَّرْعِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رحمة الله عليه حَبْسُ الْعَيْنِ عَلٰى مِلْكِ الْوَاقِفِ، وَالتَّصَدُّقُ بِالْمَنْفَعَةِ بِمَنْزِلَةِ الْعَارِيَةِ ثُمَّ قِيْلَ الْمَنْفَعَةُ مَعْدُوْمَةٌ فَالتَّصَدُّقُ بِالْمَعْدُوْمِ لَايَصِحُّ فَلَايَجُوْزُ الْوَقْفُ أَصْلًا عِنْدَهُ وَهُوَ الْمَلْفُوْظُ فِي الْأَصْلِ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ جَائِزٌ عِنْدَهُ إِلَّا أَنَّهُ غَيْرُ لَازِمٍ بِمَنْزِلَةِ الْعَارِيَةِ، وَعِنْدَهُمَا حَبْسُ الْعَيْنِ عَلٰى حُكْمِ مِلْكِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَيَزُوْلُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنْهُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى وَجْهٍ تَعُوْدُ مَنْفَعَتُهُ إِلَى الْعِبَادِ فَيَلْزَمُ وَلَايُبَاعُ وَلَايُوْهَبُ وَلَايُوْرَثُ وَاللَّفْظُ يَنْتَظِمُهُمَا وَالتَّرْجِيْحُ بِالدَّلِيْلِ، لَهُمَا قَوْلُ النَّبِيِّ ❶ صلى الله عليه وسلم ((لِعُمَرَ رضي الله عنه حِيْنَ أَرَادَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِأَرْضٍ لَهُ تُدْعٰى ثَمْغٌ تَصَدَّقْ بِأَصْلِهَا لَايُبَاعُ وَلَايُوْرَثُ وَلَايُوْهَبُ))، وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ مَاسَّةٌ إِلٰى أَنْ

يَلْزَمَ الْوَقْفُ مِنْهُ لِيَصِلَ ثَوَابُهُ إِلَيْهِ عَلَى الدَّوَامِ وَقَدْ أَمْكَنَ دَفْعُ حَاجَتِهِ بِإِسْقَاطِ الْمِلْكِ وَجَعْلِهِ لِلّٰهِ تَعَالٰى، إِذْ لَهُ نَظِيْرٌ فِي الشَّرْعِ وَهُوَ الْمَسْجِدُ فَيُجْعَلُ كَذٰلِكَ، وَلِأَبِي حَنِيْفَةَ رحمة الله عليه قَوْلُهُ عليه السلام لَاحَبْسَ عَنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَعَنْ شُرَيْحٍ جَاءَ مُحَمَّدٌ عليه السلام بِبَيْعِ الْحَبْسِ، وَلِأَنَّ الْمِلْكَ بَاقٍ فِيْهِ بِدَلِيْلِ أَنَّهُ يَجُوْزُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ زِرَاعَةً وَسُكْنٰى وَغَيْرِ ذٰلِكَ، وَالْمِلْكُ فِيْهِ لِلْوَاقِفِ أَلَا تَرٰى لَهُ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ فِيْهِ بِصَرْفِ غَلَّاتِهِ إِلٰى مَصَارِفِهَا وَنَصْبُ الْقَوَّامِ فِيْهَا إِلَّا أَنَّهُ يَتَصَدَّقُ بِمَنَافِعِهِ فَصَارَ شَبِيْهُ الْعَارِيَةِ، وَلِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى التَّصَدُّقِ بِالْغَلَّةِ دَائِمًا وَلَاتَصَدُّقَ عَنْهُ إِلَّا بِالْبَقَاءِ عَلٰى مِلْكِهِ، وَلِأَنَّهُ لَايُمْكِنُ أَنْ يُزَالَ مِلْكُهُ لَا إِلٰى مَالِكٍ، لِأَنَّهُ غَيْرُ مَشْرُوْعٍ مَعَ بَقَائِهِ كَالسَّائِبَةِ، بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ، لِأَنَّهُ إِتْلَافٌ، وَبِخِلَافِ الْمَسْجِدِ لِأَنَّهُ جُعِلَ خَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالٰى وَلِهٰذَا لَايَجُوْزُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ وَهٰهُنَا لَمْ يَنْقَطِعْ حَقُّ الْعَبْدِ عَنْهُ فَلَمْ يَصِرْ خَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالٰى، قَالَ فِي الْكِتَابِ لَايَزُوْلُ مِلْكُ الْوَاقِفِ إِلَّا أَنْ يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ أَوْ يُعَلِّقَهُ بِمَوْتِهِ، وَهٰذَا فِي حُكْمِ الْحَاكِمِ صَحِيْحٌ، لِأَنَّهُ قَضَاءٌ فِي مُجْتَهَدٍ فِيْهِ، أَمَّا فِي تَعْلِيْقِهِ بِالْمَوْتِ فَالصَّحِيْحُ أَنَّهُ لَايَزُوْلُ مِلْكُهُ إِلَّا أَنَّهُ تَصَدَّقَ بِمَنَافِعِهِ مُؤَبَّدًا فَيَصِيْرُ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ بِالْمَنَافِعِ مُؤَبَّدًا فَيَلْزَمُ، وَالْمُرَادُ بِالْحَاكِمِ الْمَوْلٰى فَأَمَّا الْمُحَكَّمُ فَفِيْهِ اخْتِلَافُ الْمَشَائِخِ، وَلَوْ وَقَفَ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ، قَالَ الطَّحَاوِيُّ هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالصَّحِيْحُ أَنَّهُ لَايَلْزَمُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رحمة الله عليه وَعِنْدَهُمَا يَلْزَمُهُ إِلَّا أَنَّهُ يُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ وَالْوَقْفُ فِي الصِّحَّةِ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ، وَإِذَا كَانَ الْمِلْكُ يَزُوْلُ عِنْدَهُمَا يَزُوْلُ بِالْقَوْلِ عِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ رحمة الله عليه وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رحمة الله عليه بِمَنْزِلَةِ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ إِسْقَاطُ الْمِلْكِ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رحمة الله عليه لَا بُدَّ مِنَ التَّسْلِيْمِ إِلَى الْمُتَوَلِّيْ، لِأَنَّهُ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَإِنَّمَا يَثْبُتُ فِيْهِ فِيْ ضِمْنِ التَّسْلِيْمِ إِلَى الْعَبْدِ لِأَنَّ التَّمْلِيْكَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ مَالِكُ الْأَشْيَاءِ لَايَتَحَقَّقُ مَقْصُوْدًا وَقَدْ يَكُوْنُ تَبَعًا لِغَيْرِهِ فَيَأْخُذُ حُكْمَهُ فَيَنْزِلُ مَنْزِلَةَ الزَّكٰوةِ وَالصَّدَقَةِ.

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شئ موقوف سے واقف کی ملکیت ختم نہیں ہوتی الا یہ کہ حاکم اس کے خروج کا فیصلہ کردے یا واقف اسے اپنی موت پر معلق کرتے ہوئے یوں کہے کہ جب میں مرجاؤں تو میرا گھر فلاں کے لیے وقف ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وقف کرتے ہی اس کی ملکیت زائل ہوجائے گی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک واقف کسی کو متولی بنا کر شئ موقوف اس کے حوالے نہیں کرے گا اس وقت تک اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔

فرماتے ہیں کہ وقف کے لغوی معنی ہیں روکنا چنانچہ وقفت الدابة اور أوقفتها دونوں ایک ہی معنی میں ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وقف کے شرعی معنی یہ ہیں عین کو واقف کی ملکیت پر روک کر اس کے منافع کو صدقہ کرنا جیسے عاریت میں ہوتا ہے۔ پھر

کہا گیا کہ منفعت معدوم ہوتی ہے اور معدوم کو صدقہ کرنا صحیح نہیں ہے لہٰذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وقف ہی صحیح نہیں ہے یہی مبسوط میں مذکور ہے حالانکہ اصح یہ ہے کہ وقف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی جائز ہے لیکن لازم نہیں ہے جیسے عاریت جائز ہے مگر لازم نہیں ہے۔ اور حضرات صاحبین کے یہاں وقف کے شرعی معنی یہ ہیں مال عین کو اللہ کی ملکیت پر روکنا چنانچہ شیٔ موقوف سے واقف کی ملکیت زائل ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے بایں طور کہ اس کی منفعت بندوں کی طرف لوٹتی ہے، لہٰذا ان حضرات کے یہاں وقف لازم ہوگا جیسے فروخت کرنا، ہبہ کرنا اور وراثت میں دینا صحیح نہیں ہوگا اور لفظ وقف ان دونوں معنوں کو (زوال ملک اور عدم زوال کو) شامل ہے اور ترجیح دلیل سے ہوگی۔

حضرات صاحبین علیہما الرحمۃ کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقام خیبر میں واقع ثمغ نامی اپنی زمین کو صدقہ کرنا چاہا تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اس زمین کی اصل صدقہ کر دو تاکہ دوبارہ نہ فروخت کی جا سکے نہ وراثت میں جا سکے اور نہ ہی ہبہ کی جا سکے۔ اور اس لیے کہ کبھی واقف کو بھی لزوم وقف کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ہمیشہ اسے ثواب ملتا رہے۔ اور اس کی ملکیت کو اس کی ذات سے ساقط کر کے اللہ کے لیے ملکیت ثابت کر دینے سے واقف کی یہ ضروری پوری کرنا ممکن بھی ہے، کیونکہ شریعت میں اس کی نظیر بہ شکل مسجد موجود ہے، لہٰذا ایسا ہی کیا جائے گا۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ اللہ کے فرائض میں سے کسی بھی چیز میں حبس نہیں ہے، حضرت شریح سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر حبس کو فروخت فرما دیا ہے۔ اور اس لیے کہ موقوف چیز میں واقف کی ملکیت باقی رہتی ہے اس دلیل سے کہ کاشت کاری اور رہائش وغیرہ کے اعتبار سے واقف کے لیے ارضِ موقوفہ سے نفع اٹھانا جائز ہے اور اس کی ملکیت واقف ہی کی ہوتی ہے کیا دیکھتا نہیں کہ واقف کو ارض موقوف کی آمدنی کو ان کے مصارف میں صرف کرنے کا حق ہے اور اوقاف کے مصارف کے لیے نگراں متعین کرنے کا اختیار اسی کو ہے، لیکن واقف وقف کے منافع کو صدقہ کر دیتا ہے لہٰذا یہ عاریت کے مشابہ ہو گیا۔

اور اس لیے کہ واقف وقف کی آمدنی کو ہمیشہ صدقہ کرنے کا ضرورت مند ہے اور وقف کے اس کی ملکیت میں نہ ہونے سے اس کی طرف سے صدقہ ممکن نہیں ہوگا نیز بغیر کسی مالک کی طرف اس کی ملکیت کا زائل ہونا بھی ممکن نہیں ہے، کیونکہ کوئی چیز باقی ہو اور اس کا مالک نہ ہو یہ مشروع نہیں ہے جیسے سانڈ وغیرہ کو چھوڑنا صحیح نہیں ہے۔ برخلاف اعتاق کے، کیونکہ وہ اتلاف ہے اور برخلاف مسجد کے کیونکہ مسجد خالص اللہ کے لیے ہی بنائی جاتی ہے اسی لیے اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے جب کہ وقف میں شیٔ موقوف سے واقف کا حق منقطع نہیں ہوتا، لہٰذا وقف خالص اللہ کے لیے نہیں ہوا۔

قدوری میں جو لایزول ملك الواقف الخ کہا ہے یہ حاکم کے حکم میں صحیح ہے، کیونکہ یہ اختلافی مسئلے کا قضاء ہوگا لیکن موت پر معلق کرنے کی صورت میں صحیح یہ ہے کہ واقف کی ملکیت زائل نہیں ہوگی، لیکن اس نے ہمیشہ کے لیے اس کے منافع صدقہ کر دیا لہٰذا یہ ہمیشہ کے لیے کسی منافع کی وصیت کے درجے میں ہو جائے گا لہٰذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی اس صورت میں لازم ہوگا۔

اور حاکم سے وہ شخص مراد ہے جسے بادشاہ وقت کی طرف سے قضاء کی ولایت دی گئی ہو رہا وہ حاکم جسے لوگوں نے منتخب کر لیا ہو تو اس کے حکم میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنے مرض الموت میں وقف کیا تو امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ موت کے بعد وصیت کرنے کی طرح ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ وقف لازم نہیں ہے جب کہ حضرات صاحبین کے یہاں لازم ہے، لیکن تہائی مال سے اس کا اعتبار ہوگا اور حالت صحت کا وقف پورے مال سے معتبر (نافذ) ہوتا ہے۔ اور جب حضرات صاحبین کے یہاں ملکیت زائل ہوجاتی ہے تو امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں محض وَقَفْتُ کہنے سے بھی زائل ہوجائے گی یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے، کیونکہ اعتاق کی طرح یہ بھی اسقاط ملک ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں زوالِ ملک کے لیے متولی کو سپرد کرنا ضروری ہے، کیونکہ وقف اللہ پاک کا حق ہے اور بندے کی طرف سپرد کرنے سے ضمناً اس میں اللہ کی ملکیت ثابت ہوجائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر ایک چیز کے مالک ہیں، لہٰذا انھیں بالقصد مالک بنانا درست نہیں ہے ہاں بندے کے واسطے سے اللہ کے لیے ملکیت ثابت کی جائے گی اور وہ تملیک کا حکم لے لے گی اور صدقہ اور زکوۃ کی طرح ہوجائے گی۔

اللغات:

﴿یسلمہ﴾ اس کے سپرد کردے۔ ﴿حبس﴾ روکنا۔ ﴿دابۃ﴾ سواری۔ ﴿تصدق﴾ صدقہ کرنا۔ ﴿تعود﴾ لوٹے گی، دوبارہ آئے گی۔ ﴿ینتظمھا﴾ اس پر مشتمل ہوگا۔ ﴿غلّۃ﴾ آمدن۔ ﴿إتلاف﴾ ہلاک کرنا۔ ﴿لم یصر﴾ نہیں ہوگیا۔ ﴿مؤبد﴾ ہمیشہ کا، دوامی۔

تخریج:

1. اخرجہ بخاری فی کتاب الوصایا باب وما للوصی، حدیث رقم: ٢٧٦٤.
2. اخرجہ دارقطنی فی سننہ، باب فی الفرائض (٤/٦٨).

وقف کی شرعی حیثیت اور اس میں اختلاف:

عبارت کا مطلب ترجمہ سے واضح ہے اور آسان بھی ہے وقف کے سلسلے میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اصح اور معتمد قول یہ ہے کہ وقف جائز تو ہے، لیکن لازم نہیں ہے یعنی وقف کرنے کے بعد شئ موقوف سے واقف کا حق اور تعلق منقطع نہیں ہوتا بلکہ باقی رہتا ہے اور واقف کے لیے عند الامام اس کو بیچنا، ہبہ کرنا اور وراثت میں دینا درست ہے، جب کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں وقف صحیح بھی ہوتا ہے اور لازم بھی ہوتا ہے یعنی ان کے یہاں واقف سے واقف کی ملکیت بالکلیہ منقطع ہوجاتی ہے اور واقف کے لیے شئ موقوف کو بیچنا اور ہبہ وغیرہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ دونوں فریق کی دلیلیں کتاب میں موجود ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے **لاحبس عن فرائض اللہ** سے جو استدلال کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا کوئی بھی مال میراث ہونے سے روکا نہیں جاسکتا اور ہر مال کو میراث میں تقسیم کردیا جاتا ہے اور وقف بھی اس کا مال ہوتا ہے لہٰذا اسے بھی میراث میں تقسیم کیا جائے گا، لیکن حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مبسوط میں اس حدیث سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کو صحیح نہیں قرار دیا ہے، کیونکہ اوّلا تو یہ وقف سے متعلق نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ جب وقف کرنے سے وہ مال واقف کی ملکیت سے خارج ہوجاتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ میراث بھی نہیں بنے گا اور اگر ہم اس سے استدلال صحیح مان لیں تو یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے

ہی متعلق ہوگا اور اس کا حکم عام نہیں ہوگا۔ اسی طرح حدیث شریح کا پس منظر یہ ہے کہ کفار سائبہ وسیلہ اور حام وغیرہ کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کی خرید وفروخت سے اعراض کرتے تھے اسے حضرت نبی اکرم ﷺ نے بالکل ختم فرمادیا اور حبس کردہ جانور کو فروخت کر کے یہ بتلا دیا کہ اسلام میں سائبہ اور حام وغیرہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کا یہ عمل زمانۂ جاہلیت کی رسم کے لیے فسخ کے طور پر نہ تھا نہ کہ فروختگیٔ وقف کے لیے تھا لہٰذا اس سے بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال درست نہیں ہے۔ اسی لیے بیشتر فقہاء ومشائخ نے حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کو ترجیح دی ہے اور شیخ الاسلام خوہرزادہ وغیرہ کے یہاں بھی حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما ہی کا قول محقق، مختار اور مفتیٰ بہ ہے۔ (ملاحظہ ہو، بنایہ: ۶/ص، ۸۹۰ سے ص: ۸۹۵ تک)

قال في الکتاب لایزول ملك الواقف إلا أن یحکم الخ اس عبارت کے تحت صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے **هذا في حکم الحاکم** صحیح اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی چیز وقف کردی اور اسے متولی کے سپرد کر دیا پھر واقف نے متولی سے وقف واپس لینا چاہا اور اس نے منع کر دیا اور دونوں جھگڑتے ہوئے حاکم کے پاس آئے تو حاکم اس وقف کے لازم ہونے کا فیصلہ کردے گا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی یہ وقف لازم ہو جائے گا لیکن حاکم کا بادشاہ وقت کی طرف سے متعین ہونا شرط ہے لیکن تعلیق بالموت والا وقف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں لازم نہیں ہوگا تاہم اس سے جو بھی آمدنی ہوگی وہ ہمیشہ صدقہ کی جائے گی۔

مرض الموت کا وقف بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں لازم نہیں ہوگا جب کہ حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں لازم تو ہوگا مگر تہائی مال سے ہی معتبر اور نافذ ہوگا۔ رہا مسئلہ لزوم وقف کا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں واقف کے وقفت کہنے سے وقف لازم ہو جائے گا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں لزوم وقف کے لیے شیٔ موقوف کو متولی کو سونپنا اور اس کے سپرد کرنا ضروری ہے، کیونکہ وقف کی مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اللہ پاک سارے جہاں کے خالق اور مالک ہیں لہٰذا انھیں براہ راست کسی چیز کا مالک بنانا صحیح نہیں ہے اس لیے جس طرح صدقہ اور زکوۃ میں فقیر کے واسطے سے اللہ کے لیے ملکیت ثابت کی جاتی ہے اسی طرح وقف میں موقوف علیہ کے واسطے سے اللہ کے لیے ملکیت ثابت کی جائے گی۔

قَالَ وَإِذَا صَحَّ الْوَقْفُ عَلٰی اِخْتِلَافِهِمْ وَفِيْ بَعْضِ النُّسَخِ وَإِذَا اسْتَحَقَّ مَكَانَ قَوْلِهٖ وَإِذَا صَحَّ خَرَجَ مِنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ وَلَمْ يَدْخُلْ فِيْ مِلْكِ الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ، لِأَنَّهٗ لَوْ دَخَلَ فِيْ مِلْكِ الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ لَايَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ بَلْ يَنْفُذُ بَيْعُهٗ كَسَائِرِ أَمْلَاكِهٖ، وَلِأَنَّهٗ لَوْ مَلَكَهٗ لِمَا انْتَقَلَ عَنْهُ بِشَرْطِ الْمَالِكِ الْأَوَّلِ كَسَائِرِ أَمْلَاكِهٖ، قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَوْلُهٗ خَرَجَ عَنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ يَجِبُ أَنْ يَكُوْنَ عَلٰی قَوْلِهِمَا.

ترجمہ: جب حضرات فقہاء کے اختلاف کے باوجود وقف صحیح ہے تو شیٔ موقوف واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی، لیکن موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی، کیونکہ اگر وہ موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل ہوئی تو اس پر موقوف نہیں رہے گی بلکہ اس میں اس کی بیع نافذ ہوگی جیسے اس کی دوسری املاک میں نافذ ہوتی ہے۔ اور اس لیے کہ اگر موقوف علیہ وقف کا مالک ہوتا تو مالک اول (واقف) کی شرط سے وہ موقوف علیہ سے منتقل نہ ہوتی جیسے اس کی دوسری املاک منتقل نہیں ہوتیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام قدوری کا

خرج عن ملك الواقف کہنا صاحبین ہی کے قول پر درست معلوم ہوتا ہے اس اختلاف کی وجہ سے جو پہلے گذرا ہے۔

اللغات:

﴿لایتوقف﴾ موقوف نہیں ہوگی۔ ﴿سائر﴾ سب کی سب۔

موقوف چیز کا واقف کی ملکیت سے نکل جانا:

مسئلہ یہ ہے کہ جب لزوم اور عدم لزوم کے اختلاف کے باوجود وقف صحیح ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ شئ موقوف واقف کی ملکیت سے تو خارج ہو جائے گی، لیکن موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی، کیونکہ اگر موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل ہوتی تو وہ اس کو بیچنے پر قادر ہوتا جیسے اپنی دوسری مملوکہ چیزوں کے بیچنے پر قادر ہے حالانکہ اسے شئ موقوف کو بیچنے کا حق نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر واقف نے یہ کہا ہو کہ فلاں موقوف علیہ کے لیے یہ چیز سال بھر کے لیے وقف ہے اس کے بعد فلاں شخص کے لیے ہے تو سال بھر بعد خود بخود وہ چیز موقوف علیہ کے قبضے سے خارج ہو جائے گی حالانکہ اگر وہ اس کا مالک ہوتا تو شئ موقوف اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ موقوف علیہ وقف کا مالک نہیں ہوتا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام قدوری کا خرج عن ملك الواقف کہنا حضرات صاحبین ؒ کے قول پر تو صحیح ہے لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر یا تو صحیح نہیں ہے یا اگر صحیح ہے تو حکم حاکم کی قید کے ساتھ صحیح ہے۔

قَالَ وَوَقْفُ الْمُشَاعِ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رحمۃ اللہ علیہ، لِأَنَّ الْقِسْمَةَ مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ، وَالْقَبْضُ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ فَكَذَا تَتِمَّتُهُ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَايَجُوْزُ، لِأَنَّ أَصْلَ الْقَبْضِ عِنْدَهُ شَرْطٌ فَكَذَا مَا يَتِمُّ بِهِ، وَهٰذَا فِيْمَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ فَأَمَّا فِيْمَا لَايَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ فَيَجُوْزُ مَعَ الشُّيُوْعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ أَيْضًا، لِأَنَّهُ يَعْتَبِرُهُ بِالْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ الْمُنَفَّذَةِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ وَالْمَقْبَرَةِ فَإِنَّهُ لَا يَتِمُّ مَعَ الشُّيُوْعِ فِيْمَا لَايَحْتَمِلُ أَيْضًا عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رحمۃ اللہ علیہ، لِأَنَّ بَقَاءَ الشِّرْكَةِ يَمْنَعُ الْخُلُوْصَ لِلّٰهِ تَعَالٰى، وَلِأَنَّ الْمُهَايَاةَ فِيْهِمَا فِيْ غَايَةِ الْقُبْحِ بِأَنْ يُقْبَرَ الْمَوْتٰى فِيْهِ سَنَةً وَيُزْرَعُ سَنَةً وَيُصَلّٰى فِيْهِ فِيْ وَقْتٍ وَيُتَّخَذَ اِصْطَبْلًا فِيْ وَقْتٍ، بِخِلَافِ الْوَقْفِ لِإِمْكَانِ الْإِسْتِغْلَالِ وَقِسْمَةِ الْغَلَّةِ، وَلَوْ وَقَفَ الْكُلَّ ثُمَّ اسْتُحِقَّ جُزْءٌ مِنْهُ بَطَلَ فِي الْبَاقِيْ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ، لِأَنَّ الشُّيُوْعَ مُقَارِنٌ كَمَا فِي الْهِبَةِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا رَجَعَ الْوَاهِبُ فِي الْبَعْضِ أَوْ رَجَعَ الْوَارِثُ فِي الثُّلُثَيْنِ بَعْدَ مَوْتِ الْمَرِيْضِ وَقَدْ وَهَبَ أَوْ وَقَفَ فِيْ مَرَضِهِ وَفِي الْمَالِ ضِيْقٌ، لِأَنَّ الشُّيُوْعَ فِيْ ذٰلِكَ طَارِئٌ، وَلَوِاسْتُحِقَّ جُزْءٌ مُمَيَّزٌ بِعَيْنِهِ لَمْ يَبْطُلْ فِي الْبَاقِيْ لِعَدَمِ الشُّيُوْعِ وَلِهٰذَا جَازَ فِي الْإِبْتِدَاءِ، وَعَلٰى هٰذَا الْهِبَةُ وَالصَّدَقَةُ الْمَمْلُوْكَةُ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مشترک چیز کا وقف امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز ہے، اس لیے کہ تقسیم کرنا تمامیت قبضہ میں سے

ہے اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مشاع پر قبضہ شرط نہیں ہے لہٰذا اس کے لوازمات بھی شرط نہیں ہوں گے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وقفِ مشاع جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کے یہاں اصل پر قبضہ شرط ہے لہٰذا اس کے متمم پر بھی قبضہ شرط ہوگا، یہ اختلاف اس چیز میں ہے جو تقسیم کے قابل ہو لیکن جو چیز تقسیم کے لائق نہ ہو تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی شیوع کے ساتھ اس کا وقف جائز ہے، کیونکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اسے سپرد کردہ ہبہ اور صدقہ پر قیاس کرتے ہیں، لیکن امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد اور قبرستان کا استثناء کیا ہے چنانچہ جو تقسیم کے قابل نہ ہو اس میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں شیوع ہوتے ہوئے وقف جائز نہیں ہے۔ کیونکہ شرکت کی بقاء اللہ کے لیے خالص ہونے سے مانع ہے۔

اور اس لیے کہ مسجد اور مقبرہ میں مہایات متعین کرنا انتہائی قبیح ہے بایں طور کہ ایک سال اس زمین مردے دفن کئے جائیں اور ایک سال کھیتی کی جائے ایک وقت اس میں نماز پڑھی جائے اور دوسرے وقت میں اس اصطبل بنادیا جائے، برخلاف وقف کے، کیونکہ کرایہ اور غلہ کی تقسیم ممکن ہے۔ اگر کسی نے کوئی چیز وقف کی پھر اس کا ایک حصہ مستحق نکل گیا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں باقی میں وقف باطل ہوجائے گا کیونکہ شیوع مقارن تھا۔ جیسے ہبہ میں ہوتا ہے۔ برخلاف اس صورت کے جب واہب کچھ حصہ واپس لے لے یا مریض کی موت کے بعد ورثاء نے دو ثلث واپس لے لیا حالانکہ مریض نے اپنے مرض الموت میں پوری زمین ہبہ یا وقف کی تھی اور مال میں تنگی ہوگئی، کیونکہ اس کا شیوع طاری ہے اور اگر کوئی ایسا حصہ مستحق ہوا ہو جو معین ہو اور الگ ہو تو باقی میں وقف باطل نہیں ہوگا، کیونکہ شیوع معدوم ہے، اسی لیے ابتداءً بھی اس کا وقف جائز ہے۔ ہبہ اور صدقۂ مملوکہ کا بھی یہی حکم ہے۔

اللغات:

﴿مشاع﴾ پھیلا ہوا، مشترک۔ ﴿تمام﴾ پورا ہونا۔ ﴿منفذہ﴾ سپرد کیا گیا۔ ﴿مھایاۃ﴾ مہیا کرنا، باری باری کوئی کام کرنا۔ ﴿غایۃ﴾ انتہاء۔ ﴿قبح﴾ برائی، گندگی۔ ﴿یزرع﴾ کھیتی کی جائے گی۔ ﴿استغلال﴾ کمانا، کمائی حاصل کرنا۔ ﴿مقارن﴾ ساتھ ملا ہوا۔ ﴿ضیق﴾ تنگی۔

مشاع کا وقف:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مشاع یعنی مشترک اور قابل تقسیم چیز کا ہبہ درست اور جائز ہے، کیونکہ ان کے یہاں محض وقفت کہنے سے وقف درست ہوجاتا ہے اور صحت وقف کے لیے اسے متولی کے سپرد کرنا شرط نہیں ہے، اسی لیے ان کے یہاں اصل یعنی وقف کردہ چیز پر قبضہ کرنا بھی شرط نہیں ہے، اس لیے مشاع کی تقسیم بھی شرط نہیں ہے، جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مشاع اور مشترک چیز کا وقف صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ان کے یہاں شئ موقوف کو موقوف علیہ کے سپرد کرنے سے وقف تام ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ قبضہ کو شرط قرار دیتے ہیں اور چوں کہ تقسیم قبضہ کے مکملات میں سے ہے لہٰذا صحتِ وقف کے لیے تقسیم بھی شرط ہوگی۔ لیکن یہ اختلاف ان چیزوں میں ہے جو تقسیم کے قابل ہوں۔ اور وہ چیزیں جو تقسیم کے قابل نہ ہوں ان میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اشتراک اور شیوع کے ہوتے ہوئے بھی وقف جائز ہے، کیونکہ جب ان میں تقسیم ممکن ہی نہیں ہے تو وہ شرط کیا خاک ہوگی۔ اور جس طرح اگر کسی نے غیر قابل تقسیم مشاع چیز کو ہبہ یا صدقہ کرکے سپرد کردیا تو درست ہے اسی طرح غیر قابلِ تقسیم مشاع کا وقف

بھی درست اور جائز ہے۔

إلا في المسجد و المقبرة الخ یہ استثناء شروع متن یعنی و وقف المشاع جائز الخ سے متعلق ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے مسجد اور قبرستان کے لیے مشاع اور مشترکہ زمین وقف کیا تو یہ وقف امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی درست نہیں ہے اگر چہ وہ زمین قابلِ تقسیم نہ ہو، کیونکہ مسجد اور قبرستان کا وقف اللہ کے لیے خالص ہوتا ہے اور شرکت خلوص کے منافی ہے، کیونکہ اس مشاع کے وقف کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک سال واقف اس میں مردے دفن کرائے اور نماز پڑھوائے تو دوسرے سال دوسرا شریک اس میں کھیتی کرے اور اصطبل بجائے اور ظاہر ہے کہ یہ مسجد اور مقبرہ کے احترام اور ان کی عظمت وتقدس کے خلاف ہے، اس لیے ان چیزوں کے لیے وقف جائز نہیں ہے، ہاں ان کے علاوہ دوسرے کار خیر میں وقف جائز ہے، کیونکہ اس کی آمدنی کو تقسیم کرکے وقف کا حصہ مصارف وقف میں صرف کیا جاسکتا ہے اور دوسرے شریک کو اس کا حصہ دیا جاسکتا ہے۔

ولو وقف الكل الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک زمین وقف کی پھر اس کا کوئی حصہ مستحق نکل گیا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں پورا وقف باطل ہوجائے گا، کیونکہ اس میں شیوع پہلے سے تھا اور مستحق کا حق بوقتِ وقف بھی موجود تھا لہٰذا ارض موقوفہ پر واقف کا قبضہ تام نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہوگیا، اس لیے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ارض موقوفہ اور شیَ موقوفہ پر قبضہ شرط ہے۔ لہٰذا جیسے اگر بوقتِ ہبہ وہ مشترک ہوتو ہبہ باطل ہے اسی طرح بوقت وقف اگر وہ مشاع ہوتو اما محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں باطل ہے۔ ہاں اگر ہبہ میں شیوع طاری ہو یعنی بوقتِ ہبہ شیوع نہ ہو، بلکہ کچھ حصہ واپس لے لے یا کسی نے مرض الموت میں اپنا سارا مال ہبہ یا وقف کیا تھا اور اس کے ورثاء نے دوثلث لے کر صرف ایک ثلث میں اس کی اجازت دی اور اس کے پاس اس مال کے علاوہ کوئی دوسرا مال نہ ہوتو یہ شیوع طاری کہلائے گا اور مبطل ہبہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر ارضِ موہوبہ یا موقوفہ کے کسی معین حصے میں استحقاق ثابت ہوا تو بھی باقی میں وقف اور ہبہ باطل نہیں ہوگا، اس لیے کہ مستحق کے معین اور ممیز ہونے کی وجہ سے شیوع معدوم ہے۔ اسی لیے تو اگر ابتداء ہی میں ایک فریق اپنا حصہ وقف یا ہبہ کرے اور دوسرا فریق نہ کرے اور دونوں کے حصے ایک دوسرے سے ممتاز ہوں تو وقف اور ہبہ درست ہے۔ صدقہ مملوکہ کا بھی یہی حکم ہے اور مملوکہ سے مسلمة الى الفقير مراد ہے۔

قَالَ وَلَايَتِمُّ الْوَقْفُ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٍ حَتّٰى يُجْعَلَ اٰخِرُهُ بِجِهَةٍ لَاتَنْقَطِعُ أَبَدًا، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ إِذَا سُمِّيَ فِيْهِ جِهَةٌ تَنْقَطِعُ جَازَ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِمْ، لَهُمَا أَنَّ مُوْجَبَ الْوَقْفِ زَوَالُ الْمِلْكِ بِدُوْنِ التَّمْلِيْكِ وَأَنَّهُ يَتَأَبَّدُ كَالْعِتْقِ فَإِذَا كَانَتِ الْجِهَةُ يُتَوَهَّمُ انْقِطَاعُهَا لَايَتَوَفَّرُ عَلَيْهِ مُقْتَضَاهُ فَلِهٰذَا كَانَ التَّوْقِيْتُ مُبْطِلًا لَهُ كَالتَّوْقِيْتِ فِي الْبَيْعِ، وَلِأَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّ الْمَقْصُوْدَ هُوَ التَّقَرُّبُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ مُوَفَّرٌ عَلَيْهِ، لِأَنَّ التَّقَرُّبَ تَارَةً يَكُوْنُ فِي الصَّرْفِ إِلٰى جِهَةٍ تَنْقَطِعُ وَمَرَّةً بِالصَّرْفِ إِلٰى جِهَةٍ تَتَأَبَّدُ فَيَصِحُّ فِي الْوَجْهَيْنِ، وَقِيْلَ إِنَّ التَّابِيْدَ شَرْطٌ بِالْإِجْمَاعِ إِلَّا أَنَّ عِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَايُشْتَرَطُ ذِكْرُ التَّابِيْدِ، لِأَنَّ لَفْظَةَ الْوَقْفِ وَالصَّدَقَةِ مُنْبِئَةٌ عَنْهُ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ إِزَالَةُ الْمِلْكِ بِدُوْنِ التَّمْلِيْكِ كَالْعِتْقِ، وَلِهٰذَا قَالَ فِي الْكِتَابِ فِي

بَيَانِ قَوْلِهِ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِمْ وَهٰذَا هُوَ الصَّحِيْحُ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ ذِكْرُ التَّابِيْدِ شَرْطٌ، لِأَنَّ هٰذَا صَدَقَةٌ بِالْمَنْفَعَةِ أَوْ بِالْغَلَّةِ وَذٰلِكَ قَدْ يَكُوْنُ مُؤَقَّتًا وَقَدْ يَكُوْنُ مُؤَبَّدًا فَمُطْلَقُهُ لَايَنْصَرِفُ إِلَى التَّابِيْدِ فَلَابُدَّ مِنَ التَّنْصِيْصِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں اسی صورت میں وقف تام ہوگا جب اس کے آخر میں یہ بتادیا جائے کہ اس کا مصرف یہ ہوگا جو کبھی ختم ہونے والانہیں ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرایسا مصرف متعین کیا گیا جوختم ہوسکتا ہوتو بھی جائز ہے اوراس کے بعد وقف فقراء کے لیے ہوگا اگر چہ واقف ان کی تعیین نہ کرے۔ حضرات طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا موجب ملکیت کا زوال ہے چاہے واقف کی ملکیت ختم ہو یا نہ ہواور زوال ملک میں تابید ہوتی ہے جیسے عتق میں تابید ہوتی ہے پھراگر وقف کا مصرف ایسا ہوجس کا ختم ہونا موہوم ہوتو اس سے وقف کا مقصد کما حقہ پورانہیں ہوگا لہٰذا توقیت اسے باطل کردے گی جیسے بیع کی توقیت اسے باطل کردیتی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا مقصد اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہےاور وقف سے یہ مقصد مکمل طور پر حاصل ہوتا ہے، کیونکہ کبھی تقرب ختم ہونے والے مصرف میں وقف کرنے سے حاصل ہوتا ہےاور کبھی دائمی مصرف میں وقف کرنے سے تقرب حاصل ہوتا ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں وقف صحیح ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ تابید بالاتفاق شرط ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تابید کو ذکر کرنا شرط نہیں ہے، کیونکہ لفظ وقف اور لفظ صدقہ تابید کی خبر دیتے ہیں اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ وقف بدون تملیک ازالۂ ملک ہے جیسے عتق، اسی لیے قدوری میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول بیان کرنے کے بعد امام قدوری نے وصار بعدھا للفقراء وإن لم یسمھم کہا ہے یہی صحیح ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تابید کا ذکر شرط ہے، اس لیے کہ یہ منفعت یا آمدنی کا صدقہ ہےاور یہ کبھی موقت ہوتا ہےاور کبھی موبد ہوتا ہے، لہٰذا مطلق وقف تابید کی طرف راجع نہیں ہوگا لہٰذا تابید کی صراحت کرنا ضروری ہے۔

اللغاتْ:

﴿جھة﴾ سمت، طرف۔ ﴿لم یسمّھم﴾ ان کا ذکر نہ کیا ہو۔ ﴿لایتوفر﴾ بھرپور طریقے سے نہیں ہوگا۔ ﴿یتأبد﴾ ابدی ہوگا۔ ﴿توقیت﴾ وقت مقرر کرنا۔ ﴿تقرّب﴾ قرب حاصل کرنا۔

وقف کے تام ہونے کے لیے فقراء پر ہونے کی شرط:

مسئلہ یہ ہے کہ حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں وقف اسی صورت میں تام ہوگا جب اس کا مصرف دائمی اور ابدی ہو مثلاً فقراء ومساکین اور مساجد ومقابر کے لیے وقف کیا گیا ہو۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وقف ہر حال میں صحیح ہے خواہ اس کا مصرف دائمی ہو یا وقتی ہواور وقتی ہونے کی صورت میں وقت ختم ہونے کے بعد وہ فقراء کا ہوجائے گا۔ حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا موجب یہ ہے کہ شئ موقوف سے واقف کی ملکیت ختم ہوجائے خواہ وہ دوسرے کی ملکیت میں جائے یا نا جائے اور ملکیت کا

زوال دائمی اور ابدی ہوتا ہے لہٰذا وقف بھی دائمی اور ابدی ہوگا اور اگر غیر ابدی اور ختم ہونے والے مصرف میں وقف کیا جائے گا تو کما حقہ اس کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، اسی لیے ہم نے موقت یعنی دو چار دس برس کے لیے وقف کرنے کو باطل قرار دے دیا ہے جیسے کہ بیع میں توقیت باطل ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا مقصد قربت الٰہی اور تقرب خداوندی کا حصول ہے اور یہ مقصد موبد اور موقت دونوں میں حاصل ہوتا ہے اس لیے وقتی اور ابدی دونوں وقف صحیح ہے۔ بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ تابید تو سب کے یہاں شرط ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تابید کی صراحت اور وضاحت شرط نہیں ہے، کیونکہ جب وقف کا موجب ازالۂ ملک ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں خود بخود تابید ہوگی جیسے عتق میں بدون صراحت تابید پائی جاتی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تابید کی وضاحت کو ضروری قرار دیتے ہیں، کیونکہ وقف میں منفعت اور آمدنی کا صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ موقت اور موبد دونوں طرح ہوتا ہے لہٰذا جب تک تابید کی صراحت نہیں کی جائے گی اس وقت تک تابید ثابت نہیں ہوگی۔

قَالَ وَيَجُوْزُ وَقْفُ الْعِقَارِ لِأَنَّ جَمَاعَةً مِنَ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَقَفُوْهُ، وَلَايَجُوْزُ وَقْفُ مَايُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ، قَالَ وَهٰذَا عَلَى الْإِرْسَالِ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ إِذَا وَقَفَ ضَيْعَةً بِبَقَرِهَا وَأَكَرَتِهَا وَهُمْ عَبِيْدُهُ جَازَ وَكَذَا سَائِرُ الَاتِ الْحِرَاثَةِ، لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلْأَرْضِ فِيْ تَحْصِيْلِ مَا هُوَ الْمَقْصُوْدُ، وَقَدْ يَثْبُتُ مِنَ الْحُكْمِ تَبَعًا مَا لَا يَثْبُتُ مَقْصُوْدًا كَالشِّرْبِ فِي الْبَيْعِ وَالْبِنَاءِ فِي الْوَقْفِ، وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ مَعَهُ فِيْهِ، لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَ إِفْرَادُ بَعْضِ الْمَنْقُوْلِ بِالْوَقْفِ عِنْدَهُ فَلِأَنْ يَجُوْزَ الْوَقْفُ فِيْهِ تَبَعًا أَوْلٰى.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ غیر منقولہ جائیداد کا وقف جائز ہے، کیونکہ حضرات صحابہ کی ایک جماعت نے عقار کو وقف کیا ہے اور منتقل ہونے والی چیزوں کا وقف جائز نہیں ہے، صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطلقاً ناجائز ہونے کا قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جوتنے والے بیل اور کاشت کار سمیت اپنا کھیت وقف کرے اور وہ کاشت کار واقف کے غلام ہوں تو جائز ہے اور دیگر کاشت کاری کے آلات کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ مقصود (غلہ) حاصل کرنے میں یہ زمین کے تابع ہیں اور کبھی کوئی چیز تابع ہو کر ثابت ہوتی ہے لیکن مقصود بن کر ثابت نہیں ہوتی جیسے زمین کی فروختگی میں اس کی نالی داخل ہو جاتی ہے اور زمین کے وقف میں عمارت داخل ہو جاتی ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں، کیونکہ جب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تنہا کچھ منقولات کا وقف جائز ہے تو غیر منقول کے تابع ہو کر بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔

اللغات:

﴿عقار﴾ غیر منقولہ املاک، زمین، جائیداد۔ ﴿یحوّل﴾ پھیرا جاتا ہو، تبدیل کیا جاتا ہو۔ ﴿ضیعة﴾ اراضی، جائیداد۔ ﴿بقر﴾ گائے، بیل۔ ﴿أکرۃ﴾ کاشت کار، کارندے۔ ﴿حراثة﴾ کاشت کاری۔

منقولہ اموال کا وقف:

غیر منقولہ جائداد کا وقف بالاتفاق جائز ہے، لیکن امام اعظم کے یہاں منقول کا وقف مطلقاً جائز نہیں خواہ مقصود بن کر ہو یا تابع بن کر، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے جوتنے والے بیلوں اور کاشت کاروں سمیت کوئی زمین وقف کی تو صحیح ہے اور کاشت کے آلات واوزار کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ اصل مقصود یعنی غلہ کی آمدنی اور پیداوار زمین سے ہوتی ہے اور آلات وغیرہ تحصیل مقصود میں تابع ہیں لہٰذا اصل کے تابع قرار دے کر منقول کا وقف بھی صحیح ہوگا اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک چیز قصداً ثابت نہ ہو مگر تبعاً ثابت اور جائز ہو جیسے زمین سیراب کرنے والی نالی کو تنہا فروخت کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اصل یعنی زمین کے ساتھ اس کی فروختگی درست ہے، اسی طرح صرف عمارت کو بدون زمین فروخت کرنا جائز نہیں ہے، مگر زمین کے تابع کر کے اس کے ساتھ فروخت کرنا درست ہے اسی طرح غیر منقول کے تابع کر کے منقول کو وقف کرنا بھی درست ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ کیونکہ جب تنہا منقول کے وقف میں انھیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو غیر منقول کے تابع کر کے منقول کو وقف کرنے میں بدرجۂ اولیٰ کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ یَجُوْزُ حَبْسُ الْکُرَاعِ وَالسَّلَاحِ، مَعْنَاہُ وَقْفُہٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَأَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ مَعَہٗ فِیْہِ عَلٰی مَا قَالُوْا وَھُوَ اسْتِحْسَانٌ، وَالْقِیَاسُ أَنْ لَایَجُوْزَ لِمَا بَیَّنَّا مِنْ قَبْلُ، وَجْہُ الْإِسْتِحْسَانِ الْآثَارُ الْمَشْھُوْرَۃُ فِیْہِ مِنْھَا قَوْلُہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ ((وَأَمَّا خَالِدٌ فَقَدْ حَبَسَ أَدْرُعًا وَأَفْرَاسًا لَہٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَطَلْحَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ حَبَسَ دُرُوْعَہٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیُرْوٰی وَأَکْرَاعَہٗ))، وَالْکُرَاعُ الْخَیْلُ، وَیَدْخُلُ فِیْ حُکْمِ الْإِبِلِ، لِأَنَّ الْعَرَبَ یُجَاھِدُوْنَ عَلَیْھَا وَکَذَا السَّلَاحُ یُحْمَلُ عَلَیْھَا، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ أَنَّہٗ یَجُوْزُ وَقْفُ مَا فِیْہِ تَعَامُلٌ مِنَ الْمَنْقُوْلَاتِ کَالْفَاسِ وَالْمَرِّ وَالْقَدُوْمِ وَالْمِنْشَارِ وَالْجَنَازَۃِ وَالْقُدُوْرِ وَالْمَرَاجِلِ وَالْمَصَاحِفِ وَعِنْدَ أَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ لَایَجُوْزُ، لِأَنَّ الْقِیَاسَ إِنَّمَا یُتْرَکُ بِالنَّصِّ، وَالنَّصُّ وَرَدَ فِی الْکُرَاعِ وَالسَّلَاحِ فَیُقْتَصَرُ عَلَیْہِ، وَمُحَمَّدٌ یَقُوْلُ الْقِیَاسُ قَدْ یُتْرَکُ بِالتَّعَامُلِ کَمَا فِی الْإِسْتِصْنَاعِ وَقَدْ وُجِدَ التَّعَامُلُ فِیْ ھٰذِہِ الْأَشْیَاءِ، وَعَنْ نُصَیْرِ بْنِ یَحْیٰ أَنَّہٗ وَقَفَ کُتُبَہٗ إِلْحَاقًا بِالْمُصْحَفِ، وَھٰذَا صَحِیْحٌ لِأَنَّ کُلَّ وَاحِدٍ یُمْسَکُ لِلدِّیْنِ تَعْلِیْمًا وَتَعَلُّمًا وَقِرَاءَۃً، وَأَکْثَرُ فُقَھَاءِ الْأَمْصَارِ عَلٰی قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ، وَمَالَا تَعَامُلَ فِیْہِ لَایَجُوْزُ عِنْدَنَا وَقْفُہٗ، وَقَالَ الشَّافِعِیُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ کُلُّ مَا یُمْکِنُ الْإِنْتِفَاعُ بِہٖ مَعَ بَقَاءِ أَصْلِہٖ وَیَجُوْزُ بَیْعُہٗ وَقْفُہٗ، لِأَنَّہٗ یُمْکِنُ الْإِنْتِفَاعُ بِہٖ فَأَشْبَہَ الْعِقَارَ وَالْکُرَاعَ وَالسَّلَاحَ وَلَنَا أَنَّ الْوَقْفَ فِیْہِ لَایَتَأَبَّدُ مِنْہُ عَلٰی مَا بَیَّنَّاہُ فَصَارَ کَالدَّرَاھِمِ وَالدَّنَانِیْرِ، بِخِلَافِ الْعِقَارِ، وَلَامُعَارِضَ مِنْ حَیْثُ السَّمْعِ وَلَا مِنْ حَیْثُ التَّعَامُلِ فَبَقِیَ عَلٰی أَصْلِ الْقِیَاسِ، وَھٰذَا لِأَنَّ الْعِقَارَ یَتَأَبَّدُ، وَالْجِھَادُ سَنَامُ الدِّیْنِ

فَكَانَ مَعْنَى فِيهِمَا أَقْوٰى فَلَا يَكُونُ غَيْرُهُمَا فِي مَعْنَاهُمَا.

ترجمہ: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گھوڑے اور ہتھیار کو اللہ کے راستے میں وقف کرنا جائز ہے اس سلسلے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے ساتھ ہیں جیسا کہ حضرات مشائخ نے فرمایا ہے اور یہ استحسان ہے قیاس یہ ہے کہ ان کا وقف جائز نہ ہو اس دلیل کی وجہ سے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

استحسان کی دلیل وہ آثار ہیں جو اس کے جواز میں منقول ہیں اور مشہور ہیں انھی میں سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ خالد نے اپنی زرہیں اور اپنے گھوڑے اللہ کے راستے میں وقف کر دیا اور طلحہ نے اپنی زرہیں راہِ خدا میں وقف کردی ہیں اور ایک روایت میں واکراعہ مروی ہے اور کراع سے گھوڑے مراد ہیں اور اونٹ بھی خیل کے حکم میں داخل ہے اس لیے کہ عرب اونٹوں سے بھی جہاد کرتے ہیں اور ان پر سامان لادتے ہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جن منقولات کے لین دین کا رواج ہے ان میں وقف جائز ہے جیسے کلہاڑی، پھاوڑا، بسولا، آری، تابوت اور اس کے کپڑے ہانڈیاں اور پیتل کی پتیلیاں اور کلام پاک۔ لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز نہیں ہے، کیونکہ قیاس کو نص کی وجہ سے ترک کیا جاتا ہے اور نص صرف الکرع اور السلاح کے متعلق وارد ہے، لہٰذا اسی پر منحصر رہے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کبھی تعامل کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا جاتا ہے جیسے استصناع میں ہوتا ہے اور ان چیزوں کے وقف میں تعامل جاری ہے۔

نصیر بن یحییٰ سے مروی ہے کہ قرآن شریف پر قیاس کرتے ہوئے انھوں نے اپنی کتابیں وقف کردی تھیں یہ صحیح ہے، اس لیے کہ مصحف اور کتب دینیہ تعلیم وتعلم اور پڑھنے کے لیے وقف کی جاتی ہیں اور شہروں کے اکثر فقہاء امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ اور جن منقولات کے لین دین کا تعامل نہیں ہے ہمارے یہاں ان کا وقف جائز نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس کی اصل باقی رکھ کر اس سے نفع اٹھانا ممکن ہو اور اس کی بیع جائز ہو تو اس کا وقف بھی جائز ہے اس لیے کہ اس سے نفع اٹھانا ممکن ہے تو یہ عقار، کراع اور سلاح کے مشابہ ہوگیا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کا وقف ابدی نہیں ہوتا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں تو یہ دراہم اور دنانیر کے مشابہ ہوگیا۔ برخلاف عقار کے۔

اور یہاں کوئی معارض نہیں ہے، نہ حدیث اور اثر کے اعتبار سے اور نہ ہی تعامل کے اعتبار سے، لہٰذا حکم اصل قیاس پر باقی رہا۔ یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ عقار ہمیشہ باقی رہتی ہے اور جہاد دین کا اعلیٰ رکن ہے، لہٰذا کراع اور سلاح میں قربات کے معنی اقویٰ ہوں گے اور ان کے علاوہ دوسری چیز ان کے معنی میں نہیں ہے۔

اللغات:

﴿حبس﴾ روکنا، مراد: وقف کرنا۔ ﴿کراع﴾ جنگی سواریاں، اونٹ گھوڑے وغیرہ۔ ﴿سلاح﴾ ہتھیار۔ ﴿أدرع﴾ زرہیں۔ ﴿أفراس﴾ گھوڑے۔ ﴿دروع﴾ زرہیں۔ ﴿فاس﴾ کلہاڑا۔ ﴿مرّ﴾ پھاوڑا۔ ﴿قدوم﴾ رندہ۔ ﴿منشار﴾ آرا۔ ﴿جنازۃ﴾ تابوت۔ ﴿قدور﴾ ہانڈیاں۔ ﴿مراجل﴾ پتیلی۔ ﴿أمصار﴾ واحد مصر؛ شہر۔ ﴿سنام﴾ چوٹی، عروج۔

گھوڑے اور ہتھیار کو وقف کرنا:

مسئلہ یہ ہے کہ گھوڑے اور ہتھیار کو اللہ کے راستے میں وقف کرنا حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے یہاں استحساناً جائز ہے، لیکن قیاساً جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کے وقف میں تابید معدوم ہوتی ہے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت خالد بن الولید اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے زرہیں اور گھوڑوں کا وقف ثابت ہے ولم ینکر علیہ النبي صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ کرنا ان میں جواز وقف کی بیّن دلیل ہے۔ اونٹ کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ اہل عرب اونٹوں سے بھی جہاد کرتے ہیں اور ان پر جہاد کا سامان لادتے ہیں۔

وعن محمد رحمۃ اللہ علیہ الخ مسئلہ یہ ہے کہ جن منقول چیزوں کے لین دین کا رواج جاری ہے جیسے کلہاڑی اور پھاوڑا وغیرہ ہے ان کا وقف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز ہے، لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز نہیں ہے، کیونکہ قیاس ان میں جواز وقف کا منکر ہے اور نص کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے اور چوں کہ کراع اور سلاح ہی کے متعلق نص وارد ہوئی ہے لہٰذا نص انھی پر منحصر رہے گی اور ان کے علاوہ میں قیاس علی اصلہ باقی رہے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ تعامل کی وجہ سے بھی کبھی قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے جیسے آرڈر دے کر کوئی چیز بنوانے کا تعامل ہے تو اس میں وقف صحیح ہوگا اور ان چیزوں کا تعامل جاری ہے، لہٰذا ان میں وقف صحیح ہوگا، حضرت حسن بن زیادؒ کے شاگرد نصیر بن یحییٰ نے قرآن شریف کے وقف پر قیاس کرتے ہوئے اپنی دینی کتابوں کو بھی وقف کر دیا تھا اور مشائخ نے ان کے فعل کو سراہا تھا اور اسی پر فتویٰ دیا تھا، کیونکہ قرآن شریف کی طرح دینی کتابیں بھی پڑھنے پڑھانے کے لیے وقف کی جاتی ہیں اور قرآن کریم کا وقف جائز ہے لہٰذا دینی کتابوں کا وقف بھی جائز ہوگا اور جن چیزوں کے لین دین کا تعامل نہ ہو ان میں ہمارے یہاں وقف جائز نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس چیز کی اصل باقی رکھتے ہوئے اس سے انتفاع ممکن ہو اور اس کو فروخت کرنا جائز ہو تو اس کا وقف بھی جائز ہوگا جیسے کراع اور سلاح وغیرہ کا وقف جائز ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ صحت وقف کے لیے تابید شرط ہے اور منقولات میں عموماً تابید نہیں ہوتی لہٰذا ان کا وقف بھی جائز نہیں ہوگا جیسے دراہم ودنانیر کا وقف صحیح نہیں ہے۔ اس کے برخلاف عقار میں تابید پائی جاتی ہے، لہٰذا منقولات کو عقار پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، نیز کراع وغیرہ پر بھی دیگر منقولات کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ان میں خلاف قیاس نص سے وقف کا جواز ثابت ہے لہٰذا اس میں دوسری چیز کو قیاس نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ ماثبت علی خلاف القیاس فغیرہ لایُقاسُ علیہ۔ اور جن چیزوں میں وقف کا جواز تعامل سے ثابت ہے ان پر بھی ان چیزوں کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے جن میں تعامل معدوم ہے اور پھر ہتھیار اور گھوڑے سے جہاد کیا جاتا ہے اور جہاد دین کا اعلیٰ رکن ہے اس لیے کراع وغیرہ میں جس درجہ قربت کا معنی ہوگا وہ معنی دوسری منقولات میں معدوم ہوگا لہٰذا کراع اور سلاح کا وقف جائز ہے اور ان کے علاوہ دیگر منقولات کا (جن میں تعامل نہ ہو) وقف صحیح نہیں ہے۔

قَالَ وَإِذَا صَحَّ الْوَقْفُ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهُ وَلَاتَمْلِيْكُهُ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ مُشَاعًا عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ فَيَطْلُبُ الشَّرِيْكُ الْقِسْمَةَ فَيَصِحُّ مُقَاسَمَتُهُ، أَمَّا امْتِنَاعُ التَّمْلِيْكِ فَلِمَا بَيَّنَّا، وَأَمَّا جَوَازُ الْقِسْمَةِ فَلِأَنَّهَا تَمَيُّزٌ وَإِفْرَازٌ، غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّ الْغَالِبَ فِيْ غَيْرِ الْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ مَعْنَى الْمُبَادَلَةِ إِلَّا أَنَّ فِي الْوَقْفِ جَعَلْنَا الْغَالِبَ مَعْنَى الْإِفْرَازِ نَظْرًا

لِلْوَقْفِ فَلَمْ يَكُنْ بَيْعًا وَتَمْلِيكًا، ثُمَّ إِنْ وَقَفَ نَصِيبَهُ مِنْ عِقَارٍ مُشْتَرَكٍ فَهُوَ الَّذِي يُقَاسِمُ شَرِيكَهُ، لِأَنَّ الْوِلَايَةَ إِلَى الْوَاقِفِ وَبَعْدَ الْمَوْتِ إِلَى وَصِيِّهِ، وَإِنْ وَقَفَ نِصْفَ عِقَارٍ خَالِصٍ لَهُ فَالَّذِي يُقَاسِمُهُ الْقَاضِيْ أَوْ يَبِيعُ نَصِيبَهُ الْبَاقِيْ مِنْ رَجُلٍ ثُمَّ يُقَاسِمُهُ الْمُشْتَرِيْ ثُمَّ يَشْتَرِيْ ذٰلِكَ مِنْهُ، لِأَنَّ الْوَاحِدَ لَايَجُوْزُ أَنْ يَكُوْنَ مُقَاسِمًا وَمُقَاسَمًا، وَلَوْ كَانَ فِي الْقِسْمَةِ فَضْلُ دَرَاهِمَ إِنْ أَعْطَى الْوَاقِفُ لَايَجُوْزُ لِامْتِنَاعِ بَيْعِ الْوَقْفِ، وَإِنْ أَعْطَى الْوَاقِفُ جَازَ وَيَكُوْنُ بِقَدْرِ الدَّرَاهِمِ شِرَاءً.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ جب وقف لازم ہوجائے تو اسے فروخت کرنا اور کسی کی ملکیت میں دینا جائز نہیں ہے الا یہ کہ وہ وقف مشاع ہوتو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں شریک ثانی کے بٹوارے کے مطالبے پر اس کی تقسیم درست ہے، اس دلیل کی وجہ سے ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور جوازِ تقسیم کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم سے علاحدگی اور امتیاز ہوجاتا ہے زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ مکیلات وموزونات کے علاوہ میں مبادلہ کے معنی غالب ہوتے ہیں لیکن واقف پر شفقت کرتے ہوئے ہم نے وقف میں افراز کا معنی غالب کر دیا لہٰذا یہ بیع اور تملیک نہیں ہوگی۔ پھر اگر کسی شخص نے عقارِ مشترک سے اپنا حصہ وقف کر دیا تو واقف ہی اپنے شریک سے اپنا حصہ ممتاز کرالے، کیونکہ وقف پر واقف ہی کی ولایت ہوتی ہے اور اس کی موت کے بعد اس کے ولی کو ولایت ملتی ہے۔

اگر کسی نے اپنی خالص زمین کا نصف حصہ وقف کیا تو قاضی اس سے بٹوارے کرے گا یا وہ اپنا باقی حصہ کسی سے فروخت کردے پھر مشتری اس سے بٹوارہ کرلے اور اس کے بعد واقف مشتری سے خرید لے اس لیے کہ ایک ہی شخص کا مقاسم اور مقاسم ہونا جائز نہیں ہے۔ اور اگر تقسیم میں کچھ دراہم زائد ہوا اگر مشتری واقف کو وہ دراہم دے تو جائز نہیں ہے، اس لیے کہ وقف کردہ چیز کو فروخت کرنا ممنوع ہے اور اگر واقف نے مشتری کو دیدیا تو جائز ہے اور دراہم کے بقدر شراء ہوگا۔

اللغات:

﴿تملیك﴾ مالک بنانا۔ ﴿مشاع﴾ پھیلا ہوا۔ ﴿مقاسمة﴾ تقسیم کرنا، بٹوارا۔ ﴿إفراز﴾ علیحدہ کرنا۔ ﴿غاية﴾ انتہاء۔ ﴿نصیب﴾ حصہ۔ ﴿عقار﴾ زمین، جائیداد۔ ﴿فضل﴾ اضافی۔

وقف مکمل ہوجانے کے بعد بیع وغیرہ کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وقف کے صحیح اور لازم ہونے کے بعد اسے فروخت کرنا یا کسی اور طرح سے اسے کسی کی ملکیت میں دینا جائز نہیں ہے، لیکن اگر مشاع اور مشترک چیز کا وقف ہوتو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں غیر واقف کے مطالبہ پر اس کی تقسیم درست اور جائز ہے، کیونکہ وقف کردہ چیز میں اس کا بھی حق اور حصہ ہے اور تقسیم ہی سے اس کے حصے کو دینا ممکن ہے اس لیے وقف مشاع کی تقسیم جائز ہے، لیکن کسی دوسرے کو اس کا مالک بنانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ماقبل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صدقہ کرنے سے متعلق تصدق بأصلها لایباع ولایوهب الخ وارد ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وقف کرنے کے بعد اس کی تملیک ممنوع ہے۔

وقف کی تقسیم سے زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گی کہ اگر غیر مکیلی اور غیر موزونی چیز کا وقف ہوتو اس کی تقسیم مبادلہ کے معنی میں

ہوگی اور مبادلہ بیع میں ہوتا ہے لہٰذا یہ تقسیم من وجہ بیع ہوگی حالانکہ وقف کی بیع درست نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ تقسیم مبادلہ کے معنی میں ہے لیکن وقف میں واقف پر رحم وکرم کے پیش نظر اس کے تصرف کو درست کرنے کے لیے ہم نے اس میں افراز اور علاحدہ کرنے کے معنی کو غالب قرار دیا ہے اور افراز میں تقسیم کے معنی نہیں ہیں لہٰذا یہ تقسیم بیع اور تملیک نہیں ہوگی اس لیے درست ہے۔

ثم إن وقف الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مشترک عقار (غیر منقولہ جائیداد) سے اپنا حصہ وقف کردیا تو واقف ہی اپنے شریک سے اپنا حصہ تقسیم کرے گا، قاضی نہیں کرے گا، کیونکہ شئ موقوف پر اسی واقف کو ولایت حاصل ہے اور واقف کے بعد اس کے وصی کو یہ ولایت ملے گی اور قاضی کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر کسی نے غیر مشترک عقار کا نصف حصہ وقف کیا تو اب اس نصف حصے کو واقف سے قاضی تقسیم کرے گا یا اس کی صورت یہ ہوگی کہ واقف اپنا باقی حصہ کسی آدمی سے فروخت کردے پھر وہ آدمی اس سے تقسیم کرلے، کیونکہ اگر واقف پر تقسیم لازم کی گئی تو شخص واحد کا مقاسم اور مقاسم یعنی تقسیم کرنے والا اور تقسیم کرانے والا دونوں ہونا لازم آئے گا حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔

ولو کان في القسمة الخ فرماتے ہیں کہ اگر تقسیم اور بٹوارے میں کسی طرف دراہم بھی ہوں مثلاً دونوں شرکاء میں سے کسی کا حصہ عمدہ ہو اور دوسرے کے حصے میں کچھ کمی ہو اور اس کی طرف سے دراہم لگائے جائیں تو واقف کے لیے ان دراہم کا لینا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ واقف دراہم لے گا تو وہ اس کے مقابلے میں وقف کا کچھ حصہ دے گا حالانکہ وقف کی بیع ممنوع ہے لہٰذا واقف ان دراہم کو نہیں لے سکتا ہاں واقف ان دراہم کو مشتری کے حوالے کردے اور پھر مشتری ان دراہم کے عوض کچھ عقار وقف کو دے دے اور واقف انھیں لے کر وقف کردے تو یہ درست اور جائز ہے۔

قَالَ وَالْوَاجِبُ أَنْ يَبْتَدِئَ مِنْ إِرْتِفَاعِ الْوَقْفِ بِعِمَارَتِهِ، شَرَطَ ذٰلِكَ الْوَاقِفُ أَوْلَمْ يَشْتَرِطْ، لِأَنَّ قَصْدَ الْوَاقِفِ صَرْفُ الْغَلَّةِ مُؤَبَّدًا وَلَايَبْقَى دَائِمَةً إِلَّا بِالْعِمَارَةِ فَيَثْبُتُ شَرْطُ الْعِمَارَةِ اقْتِضَاءً، وَلِأَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ وَصَارَ كَنَفَقَةِ الْعَبْدِ الْمُوْصٰى بِخِدْمَتِهِ فَإِنَّهَا عَلَى الْمُوْصٰى لَهُ بِهَا، ثُمَّ إِنْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى الْفُقَرَاءِ وَلَايُظْفَرُ لَهُمْ وَأَقْرَبُ أَمْوَالِهِمْ هٰذِهِ الْغَلَّةُ فَيَجِبُ فِيْهَا، وَلَوْكَانَ الْوَقْفُ عَلٰى رَجُلٍ بِعَيْنِهِ وَاٰخِرُهُ لِلْفُقَرَاءِ فَهُوَ فِيْ مَالِهِ أَيَّ مَالِهِ شَاءَ فِيْ حَالِ حَيَاتِهِ، وَلَا يُؤْخَذُ مِنَ الْغَلَّةِ لِأَنَّهُ مُعَيَّنٌ يُمْكِنُ مُطَالَبَتُهُ وَإِنَّمَا يَسْتَحِقُّ الْعِمَارَةَ عَلَيْهِ بِقَدْرِ مَا يَبْقَى الْمَوْصُوْفُ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِيْ وَقَفَهُ، وَإِنْ خَرِبَ يُبْنٰى عَلٰى ذٰلِكَ الْوَصْفِ، لِأَنَّهَا بِصِفَتِهَا صَارَتْ غَلَّتُهَا مَصْرُوْفَةً إِلَى الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ فَأَمَّا الزِّيَادَةُ عَلٰى ذٰلِكَ فَلَيْسَتْ بِمُسْتَحِقَّةٍ عَلَيْهِ، وَالْغَلَّةُ مُسْتَحِقَّةٌ لَهُ فَلَايَجُوْزُ صَرْفُهَا إِلٰى شَيْءٍ اٰخَرَ إِلَّا بِرِضَاهُ، وَلَوْكَانَ الْوَقْفُ عَلَى الْفُقَرَاءِ فَكَذٰلِكَ عِنْدَ الْبَعْضِ، وَعِنْدَ الْاٰخَرِيْنَ يَجُوْزُ ذٰلِكَ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ، لِأَنَّ الصَّرْفَ إِلَى الْعِمَارَةِ إِبْقَاءُ الْوَقْفِ وَلَاضَرُوْرَةَ فِي الزِّيَادَةِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ وقف کی آمدنی کو سب سے پہلے اس کی تعمیر میں صرف کیا جائے خواہ واقف نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ

لگائی ہو، کیوں کہ واقف کا مقصد یہ ہے کہ اس کی آمدنی ہمیشہ باقی رہے اور عمارت ہی سے آمدنی کی بقاء میں دوام ہوگا لہٰذا اقتضاءً تعمیر کرنا شرط ہوگا۔ اور اس لیے بھی کہ نفع کے اعتبار سے خرچ واجب ہوتا ہے اور یہ ایسا ہو گیا جیسے خدمت کے لیے وصیت کردہ غلام کا نفقہ موصیٰ لہ بالخدمت پر واجب ہوتا ہے۔ پھر اگر وقف فقراء پر ہو اور ان پر قابو نہ پایا جاسکتا ہو اور ان کے اموال میں وقف کی آمدنی زیادہ سہل الحصول ہو تو اس میں تعمیر واجب ہوگی۔

اور اگر کسی معین شخص کے لیے وقف ہو لیکن بعد میں وہ فقراء کا ہونے والا ہو تو وقف کی تعمیر اسی شخص کے مال میں واجب ہوگی خواہ وہ جس مال سے چاہے اپنی زندگی میں تعمیر کرے اور صرف وقف کی آمدنی سے تعمیر کا صرفہ نہ لیا جائے، کیونکہ یہ وقف ایک معین شخص پر ہے اور اس سے تعمیر کا مطالبہ کرنا ممکن ہے اور وقف میں اسی قدر تعمیر ہوگی جس تعمیر سے وقف اسی حالت پر باقی رہے جس حالت پر واقف نے اسے وقف کیا تھا۔ اور اگر وہ خراب ہو جائے تو اسی پر طریقے پر اسے بنا دیا جائے اس لیے کہ اسی صفت کی ساتھ اس کی آمدنی موقوف علیہ پر خرچ کئے جانے کے لیے وقف کی گئی تھی لہٰذا اس سے زیادہ تعمیر موقوف علیہ پر واجب نہیں ہوگی اور موقوف علیہ ہی اس آمدنی کا مستحق ہے لہٰذا اس کی رضامندی کے بغیر اس آمدنی کو دوسرے کے حوالے کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر وقف فقراء پر ہو تو بعض مشائخ کے یہاں یہی حکم ہے اور دوسرے بعض مشائخ کے یہاں تعمیر کی زیادتی جائز ہے، لیکن قول اول اصح ہے، کیونکہ تعمیر میں آمدنی خرچ کرنا وقف کو باقی رکھنے کی ضرورت ہے اور زیادتی میں صرف کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

اللغاتُ:

﴿ارتفاع﴾ آمدن۔ ﴿عمارة﴾ تعمیر کرنا، بسانا، آباد کرنا۔ ﴿غلّة﴾ آمدن۔ ﴿مؤبّد﴾ ہمیشہ کے لیے۔ ﴿لایظفر﴾ کامیاب نہ ہو۔ ﴿خرب﴾ کھنڈر بن گیا۔ ﴿مُبنی﴾ تعمیر کیا جائے گا۔ ﴿إبقاء﴾ باقی رکھنا۔

وقف کی آمدنی خرچ کرنے میں ترجیحات کی ترتیب:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ وقف کی آمدنی سے سب سے پہلے اس کے تعمیراتی کام شروع کئے جائیں خواہ واقف نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو، کیونکہ واقف کا مقصد یہ ہے کہ اس کا وقف ہمیشہ برقرار رہے اور اس کی یہی صورت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب وقف کی آمدنی موقوف علیہ کو ملے گی تو ظاہر ہے کہ اس کی تعمیر کا خرچ بھی اسی پر ہوگا جو وقف کی آمدنی سے پورا کیا جائے گا۔ جیسے اگر کسی شخص کے لیے کسی غلام کے متعلق وصیت کی گئی کہ یہ فلاں کی خدمت کرے گا تو ظاہر ہے کہ اس غلام کا خرچہ بھی مخدوم صاحب پر واجب ہوگا اسی طرح یہاں بھی وقف کی تعمیر کا خرچہ موقوف علیہ پر واجب ہوگا۔

ثم إن کان الخ فرماتے ہیں کہ اگر فقراء پر وقف کیا گیا ہو اور ان سب کو جمع کر کے ان سے تعمیر کے لیے رقم لینا ممکن نہ ہو تو وقف کی آمدنی ہی سے تعمیر کرائی جائے گی ہاں اگر کسی معین شخص پر وقف ہو تو پھر وقف ہی کی آمدنی سے تعمیر ضروری نہیں ہے، بلکہ وہ شخص اپنے دوسرے مال سے بھی تعمیر کرسکتا ہے اور جب آمدنی ہوگی تو اس کا حساب کتاب کر لے گا، کیونکہ اس کا مال بھی اسی کا ہے اور آمدنی بھی خالص اسی کو ملے گی تو دونوں اسی کے مال ہوئے لہٰذا اسے اختیار ہے جس مال سے چاہے تعمیر کرائے۔ اور تعمیر میں بہت زیادہ خرچ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ جس تعمیر اور جس حالت میں واقف نے وقف کیا ہو اسی کے مطابق موقوف علیہ تعمیر کرائے

اور اسراف بے جا سے کلی اجتناب کرے۔

ولو کان الوقف علی الفقراء الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر معین شخص پر وقف نہ ہو، بلکہ فقراء پر ہو تو بعض مشائخ کے یہاں حکم یہ ہے کہ اس صورت میں بھی بقدر ضرورت تعمیر ہوگی اور زیادہ تعمیر جائز نہیں ہوگی جب کہ بعض حضرات کے یہاں اس صورت میں زیادہ تعمیر کرنا درست اور جائز ہے، لیکن عدم جواز والا قول اصح ہے، کیونکہ تعمیر میں آمدنی خرچ کرنا وقف باقی رکھنے کی ضرورت کے لیے ہے اور ظاہر ہے کہ زیادہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لیے ضرورت سے زیادہ صرفہ درست نہیں ہے۔

قَالَ فَإِنْ وَقَفَ دَارًا عَلٰی سُكْنٰی وَلَدِهٖ فَالْعِمَارَةُ عَلٰی مَنْ لَهُ السُّكْنٰی، لِأَنَّ الْخِرَاجَ بِالضَّمَانِ عَلٰی مَا مَرَّ فَصَارَ كَنَفَقَةِ الْعَبْدِ الْمُوْصٰی بِخِدْمَتِهٖ فَإِنِ امْتَنَعَ ذٰلِكَ أَوْكَانَ فَقِيْرًا اٰجَرَهَا الْحَاكِمُ وَعَمَّرَهَا بِأُجْرَتِهَا، وَإِذَا عَمَّرَهَا رَدَّهَا إِلٰی مَنْ لَهُ السُّكْنٰی، لِأَنَّ فِيْ ذٰلِكَ رِعَايَةَ الْحَقَّيْنِ، حَقِّ الْوَاقِفِ وَحَقِّ صَاحِبِ السُّكْنٰی، لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يُعَمِّرْهَا تَفُوْتُ السُّكْنٰی أَصْلًا، وَالْأَوَّلُ أَوْلٰی وَلَايُجْبَرُ الْمُمْتَنِعُ عَلَی الْعِمَارَةِ لِمَا فِيْهِ مِنْ إِتْلَافِ مَالِهٖ فَأَشْبَهَ امْتِنَاعَ صَاحِبِ الْبَذْرِ فِي الْمُزَارَعَةِ فَلَايَكُوْنُ امْتِنَاعُهُ رِضًا مِنْهُ بِبُطْلَانِ حَقِّهٖ، لِأَنَّهُ فِيْ حَيِّزِ التَّرَدُّدِ، وَلَايَصِحُّ إِجَارَةُ مَنْ لَهُ السُّكْنٰی، لِأَنَّهُ غَيْرُ مَالِكٍ.

ترجمه: فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنا گھر اپنی اولاد کی رہائش کے لیے وقف کیا تو اس گھر کی تعمیر اسی شخص پر لازم ہوگی جو اس میں رہے گا کیونکہ آمدنی ضمان کے مقابلے میں ہوتی ہے جیسا کہ گذر چکا ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے موصیٰ بالخدمت غلام کا نفقہ۔ پھر اگر موقوف علیہ تعمیر سے رک جائے یا وہ فقیر ہو تو حاکم اسے اجرت پر دے کر اس کی اجرت سے تعمیر کرائے اور تعمیر کرانے کے بعد وہ دار من لہ السکنیٰ کو واپس کردے، کیونکہ ایسا کرنے میں واقف اور صاحب سکنیٰ دونوں کے حق کی رعایت ہے، کیونکہ اگر حاکم اسے تعمیر نہیں کرائے گا تو رہائش بالکل فوت ہو جائے گی لہٰذا تعمیر کرانا بہتر ہے۔ اور انکار کرنے والے کو تعمیر پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ایسا کرنے میں اس کے مال کو برباد کرنا لازم آتا ہے تو یہ کاشت کاری کرنے میں صاحب بذر کے امتناع کے مشابہ ہو گیا، لہٰذا اس کا انکار کرنا اپنے حق کے بطلان پر رضامندی نہیں ہوگی، اس لیے کہ وہ ابھی شک کے دائرے میں ہے۔ اور من لہ السکنی کے لیے اجارہ پر دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہے۔

اللغات:

﴿سکنیٰ﴾ رہائش۔ ﴿عمارۃ﴾ تعمیر کرنا۔ ﴿اجرھا﴾ اس کو کرائے پر دے دے۔ ﴿ردھا﴾ اس کو واپس کردے۔ ﴿بذر﴾ بیج۔ ﴿حیز﴾ مقام۔ ﴿تردد﴾ شک، غیر یقینی کیفیت۔ ﴿إجارۃ﴾ کرائے پر دینا۔

اپنی اولاد پر وقف کیے گئے گھر کی تعمیر کس کے ذمے ہوگی:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنا گھر اپنی اولاد کی رہائش کے لیے وقف کیا تو جو اس میں رہے گا اسی پر اس گھر کی تعمیر لازم

ہوگی، اس لیے کہ وہی اس سے نفع اندوز بھی ہوگا لہٰذا الخراج بالضمان پر عمل کرتے ہوئے اسی پر تعمیر لازم ہوگی۔ اور اگر وہ شخص تعمیر سے انکار کردے یا فقیر ہو اور اس کے پاس تعمیر کا صرف نہ ہو تو قاضی اس گھر کو کرایہ پر دے کر اس کے کرائے سے تعمیر کرائے گا اور تعمیر کرا کر من لہ السکنی کے حوالے کردے گا، کیونکہ تعمیر نہ کرانے سے رہائش بالکل فوت ہوجائے گی اور واقف کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، لہٰذا امتناع وغیرہ کی صورت میں حاکم کے لیے تعمیر کرانا ضروری ہے۔

وَلَایُجبر الممتنع الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر من لہ السکنی تعمیر کرانے سے انکار کردے تو اسے تعمیر پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ جبر کرنے میں اس کے مال کو برباد کرنا لازم آئے گا لہٰذا جس طرح صاحب بذر اگر کھیتی میں بیج ڈالنے سے انکار کردے تو اس پر جبر نہیں کیا جاتا اسی طرح اس منکر پر بھی جبر نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کا انکار اپنے حق کے بطلان پر رضامندی کی دلیل بھی نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا انکار شک کے دائرے میں ہے ہوسکتا ہے وہ نفقہ نہ ہونے کی وجہ سے انکار کر رہا ہو اور ہوسکتا ہے قاضی کے تعمیر کرانے کی امید میں انکار کر رہا ہو لہٰذا شک کی وجہ سے اس کا حق باطل نہیں ہوگا۔ اور اگر من لہ السکنی وہ گھر کرایے پر دینا چاہے تو نہیں دے سکتا کیونکہ وہ اس گھر کا مالک نہیں ہے۔

قَالَ وَمَا انْهَدَمَ مِنْ بِنَاءِ الْوَقْفِ وَآلَتِهِ صَرَفَهُ الْحَاكِمُ فِيْ عِمَارَةِ الْوَقْفِ إِنْ احْتَاجَ إِلَيْهِ وَإِنِ اسْتَغْنَى عَنْهُ أَمْسَكَهُ حَتّٰى يَحْتَاجَ إِلٰى عَمَارَتِهِ فَيَصْرِفُهُ فِيْهَا، لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْعِمَارَةِ لِيَبْقٰى عَلَى التَّابِيْدِ فَيَحْصُلُ مَقْصُوْدُ الْوَاقِفِ، فَإِنْ مَسَّتِ الْحَاجَةُ إِلَيْهِ فِي الْحَالِ صَرَفَهَا فِيْهَا وَإِلَّا أَمْسَكَهَا حَتّٰى لَايَتَعَذَّرَ عَلَيْهِ ذٰلِكَ أَوَانَ الْحَاجَةِ فَيَبْطُلُ الْمَقْصُوْدُ، وَإِنْ تَعَذَّرَ إِعَادَةُ عَيْنِهِ إِلٰى مَوْضِعِهِ بِيْعَ وَصُرِفَ ثَمَنُهُ إِلَى الْمَرَمَّةِ صَرْفًا لِلْبَدَلِ إِلٰى مَصْرَفِ الْمُبْدَلِ، وَلَايَجُوْزُ أَنْ يُقْسِمَهُ يَعْنِي النَّقْضَ بَيْنَ مُسْتَحِقِّي الْوَقْفِ، لِأَنَّهُ جُزْءٌ مِنَ الْعَيْنِ وَلَا حَقَّ لِلْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِمْ فِيْهِ، وَإِنَّمَا حَقُّهُمْ فِي الْمَنَافِعِ، وَالْعَيْنُ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلَايُصْرَفُ إِلَيْهِمْ غَيْرُ حَقِّهِمْ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر وقف کی عمارت منہدم ہوگئی اور اس کے اسباب کا کچھ حصہ ٹوٹ پھوٹ گیا ہو تو اگر اس کی ضرورت ہو تو حاکم وہ سامان وقف کی تعمیر میں لگا دے اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو حاکم اسے روک لے یہاں تک کہ اس کے تعمیر کی ضرورت ہو پھر تعمیر میں اسے صرف کردے، کیونکہ دائمی طور پر وقف برقرار رہنے کے لیے عمارت ضروری ہے تاکہ واقف کا مقصود حاصل ہوجائے۔ پھر اگر اس کی فوری ضرورت ہو تو اسے تعمیر میں لگا دے ورنہ اسے روکے رکھے تاکہ بوقتِ ضرورت اسے دشواری نہ ہو اور مقصود باطل ہوجائے۔ اور اگر بعینہ اسے اس کی جگہ لگانا ناممکن ہو تو اسے فروخت کرکے اس کا ثمن مرمت میں لگا دیا جائے تاکہ مبدل کی جگہ بدل لگ جائے۔

اور ٹوٹے سامان کو مستحقینِ وقف میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ سامان عینِ وقف کا حصہ ہے اور اس میں موقوف علیہم کا کوئی حق نہیں ہے ان کا حق تو منافع میں ہے اور عین اللہ تعالیٰ کا حق ہے، لہٰذا انھیں دوسرے کا حق نہیں دیا جائے گا۔

اللغات:

﴿انهدم﴾ گر گیا۔ ﴿بناء﴾ عمارت۔ ﴿صرفۂ﴾ اس کو لگا دے، اس کو خرچ کر دے۔ ﴿أمسك﴾ سنبھال لے، روک کے رکھے۔ ﴿لایتعذّر﴾ ناممکن نہ ہو جائے۔ ﴿إعادۃ﴾ واپس کرنا۔ ﴿نقض﴾ توڑنا۔

وقف کے ٹوٹے ہوئے سامان کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر وقف کی عمارت منہدم ہو جائے یا وقف کے ساز وسامان میں سے کوئی سامان ٹوٹ پھوٹ جائے اور تعمیر میں اس کی ضرورت ہو تو حاکم اور قاضی کو چاہیے کہ دوبارہ مرمت کراتے ہوئے اسے عمارت میں لگوا دے اور اگر ضرورت نہ ہو تو بحافظت اسے رکھ لے تاکہ بعد میں ضرورت پڑنے پر اسے استعمال کر سکے، کیونکہ واقف کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے ایک نہ ایک دن عمارت کی ضرورت تو پڑے گی ہی اس لیے بہتر یہی ہے کہ اسے رکھ لیا جائے تاکہ بعد میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔

اور اگر بعینہ اس سامان کو اس کی جگہ لگانا اور فٹ کرنا ممکن نہ ہو تو اسے فروخت کر کے اسے ثمن مرمت میں لگا دیا جائے تاکہ مبدل کی جگہ بدل کو کام میں لگایا جا سکے۔ لیکن اسے کہیں نہ کہیں ضرور لگا دیا جائے اور موقوف علیہم میں تقسیم نہ کیا جائے، کیونکہ وہ سامان عین کا حصہ ہے اور عین اللہ کا حق ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حق کو بندوں میں کس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے؟۔

قَالَ وَإِذَا جَعَلَ الْوَاقِفُ غَلَّةَ الْوَقْفِ لِنَفْسِهِ أَوْ جَعَلَ الْوِلَايَةَ إِلَيْهِ جَازَ عِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، قَالَ ذَكَرَ فَصْلَيْنِ، شَرْطُ الْغَلَّةِ لِنَفْسِهِ، وَجَعْلُ الْوِلَايَةِ إِلَيْهِ، أَمَّا الْأَوَّلُ فَهُوَ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَلَايَجُوْزُ عَلَى قِيَاسِ قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَهُوَ قَوْلُ هِلَالِ الرَّازِيِّ وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ، وَقِيْلَ إِنَّ الْإِخْتِلَافَ بَيْنَهُمَا بِنَاءً عَلَى الْإِخْتِلَافِ فِي اشْتِرَاطِ الْقَبْضِ وَالْإِفْرَازِ، وَقِيْلَ هِيَ مَسْأَلَةٌ مُبْتَدَأَةٌ، وَالْخِلَافُ فِيْمَا إِذَا شَرَطَ الْبَعْضَ لِنَفْسِهِ فِيْ حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَوْتِهِ لِلْفُقَرَاءِ وَفِيْمَا إِذَا شَرَطَ الْكُلَّ لِنَفْسِهِ فِيْ حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَوْتِهِ لِلْفُقَرَاءِ سَوَاءٌ، وَلَوْ وَقَفَ وَشَرَطَ الْبَعْضَ أَوِالْكُلَّ لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَمُدَبَّرِيْهِ مَا دَامُوْا حَيًّا فَإِذَا مَاتُوْا فَهُوَ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ فَقَدْ قِيْلَ يَجُوْزُ بِالْإِتِّفَاقِ وَقَدْ قِيْلَ هُوَ عَلَى الْخِلَافِ أَيْضًا وَهُوَ الصَّحِيْحُ، لِأَنَّ اشْتِرَاطَهُ لَهُمْ فِيْ حَيَاتِهِ كَاشْتِرَاطِهِ لِنَفْسِهِ. وَجْهُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ الْوَقْفَ تَبَرُّعٌ عَلَى وَجْهِ التَّمْلِيْكِ بِالطَّرِيْقِ الَّذِيْ قَدَّمْنَاهُ فَاشْتِرَاطُ الْبَعْضِ أَوِالْكُلِّ لِنَفْسِهِ يُبْطِلُهُ، لِأَنَّ التَّمْلِيْكَ مِنْ نَفْسِهِ لَايَتَحَقَّقُ فَصَارَ كَالصَّدَقَةِ الْمُنَفَّذَةِ وَشَرْطِ بَعْضِ بُقْعَةِ الْمَسْجِدِ لِنَفْسِهِ، وَلِأَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ مَارُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ صَدَقَتِهِ، وَالْمُرَادُ مِنْهَا صَدَقَةُ الْمَوْقُوْفَةُ وَلَايَحِلُّ الْأَكْلُ مِنْهَا إِلَّا بِالشَّرْطِ فَدَلَّ عَلَى صِحَّتِهِ، وَلِأَنَّ الْوَقْفَ إِزَالَةُ الْمِلْكِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى عَلَى وَجْهِ الْقُرْبَةِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فَإِذَا شَرَطَ الْبَعْضَ أَوِالْكُلَّ لِنَفْسِهِ فَقَدْ جَعَلَ مَا صَارَ مَمْلُوْكًا لِلّٰهِ تَعَالَى لِنَفْسِهِ لَا أَنْ

يَجْعَلَ مِلْكَ نَفْسِهٖ لِنَفْسِهٖ وَهٰذَا جَائِزٌ كَمَا إِذَا بَنٰى خَانًا أَوْ سِقَايَةً أَوْ جَعَلَ أَرْضَهٗ مَقْبَرَةً وَشَرَطَ أَنْ يَنْزِلَهٗ أَوْيَشْرَبَ مِنْهُ أَوْيُدْفَنَ فِيْهِ، وَلِأَنَّ مَقْصُوْدَهُ الْقُرْبَةُ وَفِي التَّصَرُّفِ إِلٰى نَفْسِهٖ ذٰلِكَ، قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلٰى نَفْسِهٖ صَدَقَةٌ، وَلَوْ شَرَطَ الْوَاقِفُ أَنْ يَسْتَدِلَّ بِهٖ أَرْضًا أُخْرٰى إِذَا شَاءَ ذٰلِكَ فَهُوَ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الْوَقْفُ جَائِزٌ، وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ، وَلَوْ شَرَطَ الْخِيَارَ لِنَفْسِهٖ فِي الْوَقْفِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ جَازَ الْوَقْفُ وَالشَّرْطُ عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الْوَقْفُ بَاطِلٌ، وَهٰذَا بِنَاءٌ عَلٰى مَا ذَكَرْنَا. وَأَمَّا فَصْلُ الْوِلَايَةِ فَقَدْ نَصَّ فِيْهِ عَلٰى قَوْلِ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ هِلَالٍ أَيْضًا وَهُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ وَذَكَرَ هِلَالٌ فِيْ وَقْفِهٖ وَقَالَ أَقْوَامٌ إِنْ شَرَطَ الْوَاقِفُ الْوِلَايَةَ لِنَفْسِهٖ كَانَتْ لَهٗ وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطْ لَمْ تَكُنْ لَهٗ وِلَايَةٌ، قَالَ مَشَايِخُنَا الْأَشْبَهُ أَنْ يَكُوْنَ هٰذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لِأَنَّ مِنْ أَصْلِهٖ أَنَّ التَّسْلِيْمَ إِلَى الْقَيِّمِ شَرْطٌ لِصِحَّةِ الْوَقْفِ فَإِذَا سَلَّمَ لَمْ يَبْقَ لَهٗ وِلَايَةٌ فِيْهِ، وَلَنَا أَنَّ الْمُتَوَلِّيَ إِنَّمَا يَسْتَفِيْدُ الْوِلَايَةَ مِنْ جِهَتِهٖ بِشَرْطِهٖ فَيَسْتَحِيْلُ أَنْ لَا يَكُوْنَ لَهُ الْوِلَايَةُ، وَغَيْرُهٗ يَسْتَفِيْدُ الْوِلَايَةَ مِنْهُ، وَلِأَنَّهٗ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلٰى هٰذَا الْوَقْفِ فَيَكُوْنُ أَوْلٰى بِوِلَايَتِهٖ، كَمَنِ اتَّخَذَ مَسْجِدًا يَكُوْنُ أَوْلٰى بِعِمَارَتِهٖ وَنَصْبِ الْمُؤَذِّنِ فِيْهِ، وَكَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا كَانَ الْوَلَاءُ لَهٗ، لِأَنَّهٗ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلَيْهِ، وَلَوْ أَنَّ الْوَاقِفَ شَرَطَ وِلَايَتَهٗ لِنَفْسِهٖ وَكَانَ الْوَاقِفُ غَيْرَ مَأْمُوْنٍ عَلَى الْوَقْفِ فَلِلْقَاضِيْ أَنْ يَنْزِعَهَا مِنْ يَدِهٖ نَظْرًا لِلْفُقَرَاءِ كَمَا لَهٗ أَنْ يُخْرِجَ الْوَصِيَّ نَظْرًا لِلصِّغَارِ وَكَذَا إِذَا شَرَطَ أَنْ لَيْسَ لِسُلْطَانٍ وَلَا لِقَاضٍ أَنْ يُخْرِجَهَا مِنْ يَدِهٖ وَيُوَلِّيَهَا غَيْرَهٗ، لِأَنَّهٗ شَرْطٌ مُخَالِفٌ لِحُكْمِ الشَّرْعِ فَبَطَلَ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر واقف نے وقف کی آمدنی اپنے لیے مقرر کرلی یا وقف کی ولایت اپنے لیے مخصوص کرلی تو امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز ہے، صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے دو مسئلے بیان کئے ہیں (۱) اپنے لیے پیداوار کی شرط لگانا اور (۲) ولایت کو اپنے لیے مخصوص کرنا۔ پہلی چیز تو امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز ہے، لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے قیاس پر جائز نہیں ہے، یہی ہلال رازی کا قول ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان حضرات کے مابین جو اختلاف ہے یہ اس اختلاف پر مبنی ہے جو متولی کا قبضہ شرط ہونے اور افراز کرنے کے متعلق ان کا اختلاف ہے۔ دوسرا قول یہ ہے یہ نیا اور مستقل مسئلہ ہے۔ اور خواہ اپنی زندگی میں کچھ آمدنی اپنے لیے مخصوص کرکے اپنی موت کے بعد فقراء کے لیے وقف کردے بہر دوصورت یہ مسئلہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے مابین مختلف فیہ ہے۔

اگر کسی نے وقف کرکے یہ شرط لگادی کہ کچھ یا پوری آمدنی اس کی امہات اولاد اور اس کے مدبرین کے لیے ہے جب تک وہ

لوگ زندہ رہیں اور ان کے مرنے کے بعد وہ فقراء ومساکین کے لیے وقف ہے تو ایک قول یہ ہے کہ بالاتفاق جائز ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بھی مختلف فیہ ہے اور یہی صحیح ہے، کیونکہ واقف کا اپنی زندگی میں امہات اولاد وغیرہ کے لیے شرط لگانا اپنی ذات کے لیے شرط لگانے کی طرح ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ وقف کرنا درحقیقت بنیتِ تقرب مالک بنانے کے طور پر احسان کرنا ہے لہٰذا بعض یا کل آمدنی کی اپنی ذات کے لیے شرط لگانا وقف کو باطل کردے گا، کیونکہ اپنی ذات کو (اپنے ہی مال سے) مال بنانا متحقق نہیں ہوتا تو یہ صدقۂ منفذہ کی طرح اور مسجد کے کچھ حصے کو اپنے لیے لینے کی شرط لگانے کی طرح ہو گیا۔

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو یوں مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صدقہ کے مال سے کھاتے تھے۔ اور اس سے وقف مراد ہے حالانکہ بدون شرط مالِ وقف سے کھانا حلال نہیں ہے، لہٰذا یہ حدیث شرط کے صحیح ہونے پر دلیل ہے۔ اور اس لیے کہ بنیت قربت اللہ کے لیے ملکیت زائل کرنے کا نام وقف ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اب اگر واقف کچھ آمدنی کی یا پوری آمدنی کی اپنے لیے شرط لگائے گا تو جو چیز اللہ کی مملوک ہو چکی تھی اسے اس نے اپنے لیے مخصوص کرلیا (اور اس نے اپنی ذاتی ملکیت کو اپنے لیے مخصوص نہیں کیا ہے) اور یہ جائز ہے جیسے اگر کسی نے سرائے خانہ یا سبیل بنایا یا اپنی زمین کو قبرستان بنادیا اور سرائے خانہ میں ٹھہرنے یا سبیل سے پانی پینے یا قبرستان میں دفن ہونے کی شرط لگادیا تو جائز ہے۔ اور اس لیے کہ واقف کا مقصود قربتِ خداوندی ہے اور اپنی ذات میں صرف کرنے سے بھی یہ مقصود حاصل ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے انسان کا اپنی ذات پر خرچ کرنا صدقہ ہے۔

اور اگر واقف نے یہ شرط لگادی کہ جب چاہے گا ارض موقوفہ کو دوسری زمین سے بدل دے گا تو امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وقف جائز ہے شرط باطل ہے۔ اور اگر واقف نے وقف میں اپنے لیے تین دن کی شرط لگائی تو امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وقف اور شرط دونوں جائز ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وقف باطل ہے۔ یہ اختلاف اسی اختلاف پر مبنی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور ولایت کی تفصیل یہ ہے کہ امام قدوری نے اس میں یہ صراحت کردی ہے کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز ہے یہی ہلال رازی کا بھی قول ہے اور یہی ظاہر المذہب بھی ہے۔ ہلال رازی نے اپنی کتاب الوقف میں لکھا ہے کہ بعض مشائخ کا قول ہے اگر واقف نے اپنے لیے ولایت کی شرط لگائی تو ولایت اسی کی ہوگی اور اگر شرط نہ لگائی ہو تو اسے ولایت نہیں ملے گی۔ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ زیادہ بہتر یہ لگتا ہے کہ یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہو، کیونکہ ان کی اصل یہ ہے کہ شئ موقوف کو منتظم کے حوالے کرنا (ان کے یہاں) صحتِ وقف کی شرط ہے اور جب واقف نے شئ موقوف متولی کے سپرد کردیا تو اس میں اس کی ولایت ختم ہوگئی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ واقف ہی کی طرف سے متولی ولایت حاصل کرتا ہے اور یہ محال ہے کہ واقف کو ولایت نہ ہو اور دوسرا شخص اس سے ولایت حاصل کرے۔ اور اس لیے کہ واقف ہی اس وقف سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے لہٰذا وہی اس کی ولایت کا زیادہ مستحق ہوگا جیسے اگر کسی نے مسجد بنائی تو وہی شخص اس کی تعمیر کرنے اور اس میں موذن مقرر کرنے کا زیادہ حق دار ہوگا اور جیسے اگر کسی نے کوئی غلام آزاد کیا تو معتِق ہی کو ولاء ملے گی، کیونکہ معتِق ہی معتَق کا سب سے اقرب ہے۔

اور اگر واقف نے اپنے لیے ولایت کی شرط لگادی اور وقف کے سلسلے میں وہ قابل اعتماد نہ ہو تو قاضی کو یہ حق ہے کہ فقراء پر

شفقت کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے ولایت چھین لے جیسے قاضی کو یہ حق ہے کہ وہ بچوں پر شفقت کے پیش نظر وصی کو وصایت سے برطرف کردے۔ ایسے ہی اگر واقف نے یہ شرط لگادی کہ بادشاہ اور قاضی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ وقف کو واقف کے قبضہ سے نکال کر دوسرے کو اس کا والی بنادے، کیونکہ یہ شرط حکم شرع کے مخالف ہے لہٰذا شرط خود ہی باطل ہوجائے گی۔

اللغاتُ:

﴿غلة﴾ آمدن۔ ﴿ولاية﴾ متولی ہونا، دیکھ بھال کا ذمے دار ہونا۔ ﴿إفراز﴾ علیحدہ کرنا۔ ﴿ماداموا﴾ جب تک وہ رہیں۔ ﴿منفذه﴾ سپرد کردیا گیا۔ ﴿خان﴾ سرائے، ڈاک بنگلہ۔ ﴿سقاية﴾ سبیل، پانی پینے کی جگہ۔ ﴿عمارة﴾ تعمیر و آبادی۔ ﴿ينزعها﴾ اس کو لے لے۔

وقف میں اپنے لیے شرط لگانا:

عبارت میں کئی مسئلے بیان کیے گئے ہیں (۱) مسئلہ یہ ہے کہ اگر واقف نے وقف کی آمدنی خود لینے کی شرط لگادی یا یہ شرط لگادی کہ وقف کی ولایت اسی کی ہوگی تو ان میں سے پہلی صورت یعنی آمدنی لینے کی شرط امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز ہے، لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز نہیں ہے یہی ہلال رازی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اختلاف درحقیقت اس اختلاف پر مبنی ہے کہ امام محمد کے یہاں موقوف کو متولی کے قبضے میں دینا اور اسے علاحدہ کرنا شرط ہے اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ مستقل اور نیا مسئلہ ہے اور خواہ واقف پوری آمدنی کی شرط لگائے یا کچھ آمدنی لینے کی شرط لگائے بہر صورت یہ صورت مختلف فیہ ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وقف میں درحقیقت تقرب اور ثواب کی نیت سے اپنی مملوکہ چیز کے منافع کا دوسرے کو مالک بنانا ہوتا ہے اب ظاہر ہے کہ بعض یا کل آمدنی لینے کی شرط لگانا اس تملیک کے منافی ہے اس لیے یہ شرط وقف کو باطل کردے گی، کیونکہ اس میں اپنی مملوکہ چیز کا اپنی ذات کے لیے مالک بنانا لازم آتا ہے اور تملیک لنفسہ درست نہیں ہے، جیسے اگر کسی نے کسی فقیر کو کوئی چیز صدقہ کر کے اس کے سپرد کردیا یا مسجد کے لیے زمین وقف کر کے اسے متولی اور منتظم کے حوالے کردیا اب اگر وہ صدقہ مسلّمہ یا وقف کردہ زمین میں سے اپنے لیے کچھ لینے کی شرط لگاتا ہے تو اس کا وقف باطل ہوجائے گا، اسی طرح صورت مسئلہ میں آمدنی کی شرط لگانے سے بھی وقف باطل ہوجاتا ہے۔

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ حدیث پاک میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صدقہ سے کھاتے تھے اور صدقہ سے مراد وقف کردہ چیز ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ کھانے کی شرط لگائے بغیر مالِ موقوف سے کھانا حلال نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ واقف کے لیے وقف میں سے کچھ لینے کی شرط لگانا درست اور جائز ہے اور یہ شرط مبطل وقف نہیں ہے۔

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ قربت کی نیت سے اللہ کے لیے ملکیت ختم کرنے کا نام وقف ہے۔ اب اگر واقف اس میں لینے کی شرط لگاتا ہے تو وہ اللہ کی مملوکہ چیز کو لینے کی شرط لگا رہا ہے نہ کہ اپنی مملوکہ چیز کو لے رہا ہے۔ اس لیے یہ شرط صحیح ہے کیوں کہ اللہ کی مملوکہ چیز لینا درست ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ٹھہرنے کے لیے سرائے خانہ یا پانی کی سبیل بنوائی یا اپنی زمین کو قبرستان بنوادیا پھر خود سرائے خانہ میں ٹھہرنے یا سبیل سے پانی پینے یا اسی بنوائے ہوئے قبرستان میں دفن ہونے کی شرط لگادی

نہ یہ درست ہے جائز ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں وقف کردہ شئ سے کچھ منافع لینے کی شرط لگانا بھی جائز ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ واقف کا مقصود قربت ہے اور اپنے نفس پر وقف کی آمدنی خرچ کرنے سے بھی یہ مقصود حاصل ہوجاتا ہے، کیونکہ حدیث پاک میں ہے نفقة الرجل علی نفسه صدقة۔

ولو شرط الخ فرماتے ہیں کہ اگر واقف نے یہ شرط لگادی کہ جب میں چاہوں گا ارض موقوفہ کے عوض دوسری زمین لے لوں گا تو امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں استحساناً یہ جائز ہے، لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں شرط جائز نہیں ہے، وقف جائز ہے، یہی قیاس ہے۔ اور اگر واقف نے وقف کرنے نہ کرنے کے متعلق اپنے لیے تین دنوں کی خیار شرط لگائی تو امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں شرط اور وقف دونوں جائز ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وقف باطل ہے اور یہ اختلاف درحقیقت اس اختلاف پر مبنی ہے کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں واقف کے لیے وقف کی آمدنی اپنے لیے مخصوص کرنا جائز ہے، اسی لیے خیار شرط بھی جائز ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں چوں کہ واقف کے لیے وقف کی آمدنی لینا درست نہیں ہے لہٰذا خیار شرط لگانا بھی جائز نہیں ہے۔

واما فصل الولایة الخ ابھی تک غلہ اور آمدنی لینے کی شرط لگانے کا بیان تھا اور اب یہاں سے ولایت لینے کے متعلق شرط لگانے کا بیان ہے۔ اس کے متعلق امام قدوری کی وضاحت یہ ہے کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور ہلال رازی کی کتاب الوقف میں یہ صراحت ہے کہ اگر واقف نے اپنے لیے ولایت لینے کی شرط لگادی تو اسی کو ولایت ملے گی اور بدون شرط نہیں ملے گی۔ حضرات مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ولایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے زیادہ مشابہ ہے، کیونکہ ان کے یہاں صحتِ وقف کے لیے متولی کو سپرد کرنا شرط ہے اور جب واقف وقف کو متولی کے سپرد کردے گا تو اس کی ولایت ختم ہوجائے گی اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تسلیم الی المتولی شرط نہیں ہے، اس لیے ان کے یہاں بدون شرط بھی ولایت اسی کی ہوگی، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص سے کوئی ولایت حاصل کرے اور وہ خود ولایت کا مالک نہ ہو، فقہ کا مشہور ضابطہ ہے من لا یَملِكُ شیأً لا یُمَلِّکُهٗ غیرہ یعنی جو شخص کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا وہ دوسرے کو اس چیز کا مالک بھی نہیں بنا سکتا۔

اس سلسلے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ واقف ہی وقف سے سب سے زیادہ قریب اور اس کے متعلق سب سے بڑا واقف اور باخبر ہوتا ہے، لہٰذا وقف کی ولایت کا وہی سب سے زیادہ مستحق بھی ہوگا جیسے اگر کسی شخص نے مسجد بنوائی تو وہی اس کی تعمیر وترقی اور موذن وغیرہ مقرر کرنے کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔

ولو أن الواقف الخ مسئلہ یہ ہے کہ واقف نے کوئی چیز وقف کرکے اپنے لیے ولایت کی شرط لگادی حالانکہ وہ قابل اعتماد نہیں ہے اور اس کی طرف سے وقف میں خرد برد کرنے کا اندیشہ ہے تو قاضی کو یہ حق ہے کہ اس سے ولایت چھین کر کسی امین کے حوالے کردے جیسے اگر بچوں کے وصی کے متعلق ان کے مال میں خیانت کا اندیشہ ہو تو قاضی اسے بھی برطرف کرسکتا ہے۔

اگر واقف نے یہ شرط لگائی کہ بادشاہ یا قاضی کوئی بھی اسے ولایت سے برطرف نہیں کرسکتا تو بھی قاضی اسے باہر کا راستہ دکھلا دے گا، کیونکہ یہ شرط حکم شرع کے مخالف ہے، اس لیے کہ قاضی کی ولایت عام ہوتی ہے اور وہ مسلمانوں کے امور ومعاملات کی اصلاح کے لیے مقرر کیا جاتا ہے اور یہاں واقف صاحب اپنے مفاد کی خاطر اس کی ولایت ساقط کرنے پر آمادہ ہیں لہٰذا شریعت اسے برداشت نہیں کرے گی۔ **فقط واللہ أعلم**.

وَإِذَا بَنٰى مَسْجِدًا لَمْ يَزَلْ مِلْكُهٗ عَنْهُ حَتّٰى يُفْرِزَهٗ عَنْ مِلْكِهٖ بِطَرِيْقِهٖ وَيَأْذَنُ لِلنَّاسِ بِالصَّلَاةِ فِيْهِ فَإِذَا صَلّٰى فِيْهِ وَاحِدٌ زَالَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَنْ مِلْكِهٖ، أَمَّا الْإِفْرَازُ فَلِأَنَّهٗ لَايَخْلُصُ لِلّٰهِ تَعَالٰى إِلَّا بِهٖ، وَأَمَّا الصَّلَاةُ فِيْهِ فَلِأَنَّهٗ لَا بُدَّ مِنَ التَّسْلِيْمِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَيُشْتَرَطُ تَسْلِيْمُ نَوْعِهٖ وَذٰلِكَ فِي الْمَسْجِدِ بِالصَّلَاةِ فِيْهِ أَوْ لِأَنَّهٗ لِمَا تَعَذَّرَ الْقَبْضُ يُقَامُ تَحَقُّقُ الْمَقْصُوْدِ مَقَامَهٗ ثُمَّ يَكْتَفِيْ بِصَلَاةِ الْوَاحِدِ فِيْهِ رِوَايَةً عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَكَذَا عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ فِعْلَ الْجِنْسِ مُتَعَذِّرٌ فَيُشْتَرَطُ أَدْنَاهُ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَنَّهٗ يُشْتَرَطُ الصَّلَاةُ بِالْجَمَاعَةِ، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ بُنِيَ لِذٰلِكَ فِي الْغَالِبِ، وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَزُوْلُ مِلْكُهٗ بِقَوْلِهٖ جَعَلْتُهٗ مَسْجِدًا، لِأَنَّ التَّسْلِيْمَ عِنْدَهٗ لَيْسَ بِشَرْطٍ لِأَنَّهٗ إِسْقَاطٌ لِمِلْكِ الْعَبْدِ فَيَصِيْرُ خَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالٰى بِسُقُوْطِ حَقِّ الْعَبْدِ وَصَارَ كَالْإِعْتَاقِ، وَقَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ: اگر کسی نے مسجد بنائی تو اس مسجد سے اس کی ملکیت اس وقت ختم ہوگی جب وہ مسجد کا راستہ نکال کر اسے اپنی ملکیت سے الگ کردے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدے، اگر ایک آدمی نے اس میں نماز پڑھ لیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ مسجد اس کی ملکیت سے ختم ہو جائے گی۔ افراز اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر وہ خالص اللہ کے لیے نہیں ہوسکتی اور اس میں نماز پڑھنا اس لیے ضروری ہے کہ حضرات طرفین کے یہاں وقف کی صحت کے لیے اسے سپرد کرنا ضروری ہے اور وقف میں جس طرح سپرد کیا جاتا ہے اسی طرح کی تسلیم شرط ہے اور مسجد کی تسلیم اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے کر نماز پڑھوانا ہے۔ یا اسے یوں کہا جائے کہ جب مسجد پر حقیقی قبضہ متعذر رہے تو اس کے مقصد کی برآوری قبضہ کے قائم مقام ہوگی۔

پھر حضرات طرفین علیہما الرحمۃ سے ایک روایت میں ایک ہی آدمی کا نماز پڑھنا تسلیم کے لیے کافی ہے، کیونکہ پوری جنس کا فعل متعذر ہے لہٰذا جنس کا ادنیٰ شرط ہوگا۔ امام محمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ نماز باجماعت شرط ہے، کیونکہ مسجد عموماً نماز باجماعت ہی کے

لیے بنائی جاتی ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بنانے والے کے **جعلته مسجدا** کہنے سے ہی اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی اس لیے کہ ان کے یہاں تسلیم شرط نہیں ہے، کیونکہ وقف بندے کی ملکیت کا اسقاط ہے لہٰذا حق عبد کے سقوط ہی سے وہ خالص للّٰہ ہو جائے گا جیسے اعتاق میں ہوتا ہے اور ہم پہلے بھی اسے بیان کر چکے ہیں۔

اللغاتُ:

﴿بنٰی﴾ تعمیر کی، بنائی۔ ﴿یفرزہٗ﴾ اس کو علیحدہ کردے۔ ﴿طریق﴾ راستہ۔ ﴿یأذن﴾ اجازت دے دے۔ ﴿لایخلص﴾ خالص نہیں ہوگی۔ ﴿تسلیم﴾ سپرد کرنا۔ ﴿إعتاق﴾ آزاد کرنا۔

مسجد کا وقف کب ملکیت سے نکلے گا:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مسجد بنائی تو جب تک وہ مسجد کا راستہ نکال کر اسے اپنی ملکیت سے جدا نہیں کرے گا اور اس میں نماز پڑھنے کی عام اجازت نہیں دے گا اس وقت تک حضرات طرفین کے یہاں وہ مسجد اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوگی، کیونکہ اسے خالص اللہ کے لیے بنانے میں افراز ضروری ہے اور اسے سپرد کرنے کا راستہ نماز ہے لہٰذا یہ دونوں چیزیں زوال ملک کے لیے ضروری ہوں گی۔

پھر حضرات طرفین رحمہما اللہ کے یہاں ایک روایت یہ ہے کہ اگر ایک آدمی بھی اس مسجد میں نماز پڑھ لے گا تو وہ مسجد بانی کی ملکیت سے خارج ہو جائے گی، کیونکہ ہر ہر فرد مسلم کا اس میں نماز پڑھنا متعذر ہے اس لیے جنس کے ادنیٰ یعنی فرد واحد کے نماز پڑھنے سے تسلیم متحقق ہو جائے گی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ تسلیم کے لیے باجماعت نماز پڑھنا شرط ہے، کیونکہ عموماً مسجدوں میں باجماعت نماز ہوتی ہے اور مساجد اسی لیے تعمیر بھی کی جاتی ہیں لہٰذا تنہا ایک آدمی کے نماز پڑھنے سے تسلیم متحقق نہیں ہوگی۔

اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صحتِ وقف کے لیے چوں کہ تسلیم شرط نہیں ہے، اس لیے اگر بانی **جعلته مسجدا** کہہ دے تو وہ مسجد اس کی ملکیت سے نکل کر اللہ کے لیے مختص ہو جائے گی جیسے اعتاق میں محض اعتقت کہنے سے اعتاق متحقق ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ اسقاطِ ملکِ عبد ہے اور اسقاط کے لیے تسلیم وغیرہ شرط نہیں ہے۔

قَالَ وَمَنْ جَعَلَ مَسْجِدًا تَحْتَهُ سِرْدَابٌ أَوْ فَوْقَهُ بَيْتٌ وَجَعَلَ بَابَ الْمَسْجِدِ إِلَى الطَّرِيْقِ وَعَزَلَهُ عَنْ مِلْكِهِ فَلَهُ أَنْ يَبِيْعَهُ، وَإِنْ مَاتَ يُوْرَثُ عَنْهُ لِأَنَّهُ لَمْ يَخْلُصْ لِلّٰهِ تَعَالٰى لِبَقَاءِ حَقِّ الْعَبْدِ مُتَعَلِّقًا بِهِ، وَلَوْ كَانَ السِّرْدَابُ لِمَصَالِحِ الْمَسْجِدِ جَازَ كَمَا فِيْ مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدَسِ، وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ إِذَا جَعَلَ السِّفْلَ مَسْجِدًا وَعَلٰى ظَهْرِهِ مَسْكَنٌ فَهُوَ مَسْجِدٌ، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مِمَّا يَتَأَبَّدُ وَذٰلِكَ يَتَحَقَّقُ فِي السِّفْلِ دُوْنَ الْعِلْوِ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رحمۃ اللہ علیہ عَلٰى عَكْسِ هٰذَا، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مُعَظَّمٌ وَإِذَا كَانَ فَوْقَهُ مَسْكَنٌ أَوْ مُسْتَغَلٌّ يَتَعَذَّرُ تَعْظِيْمُهُ، وَعَنْ أَبِيْ

يُوْسُفَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ أَنَّهُ جَوَّزَ فِي الْوَجْهَيْنِ حِيْنَ قَدِمَ بَغْدَادَ وَرَأَى ضَيْقَ الْمَنَازِلِ فَكَأَنَّهُ اعْتَبَرَ الضَّرُوْرَةَ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ أَنَّهُ حِيْنَ دَخَلَ الرَّيَّ أَجَازَ ذٰلِكَ كُلَّهُ لِمَا قُلْنَا، قَالَ وَكَذٰلِكَ إِنِ اتَّخَذَ وَسَطَ دَارِهٖ مَسْجِدًا وَأَذِنَ لِلنَّاسِ بِالدُّخُوْلِ فِيْهِ يَعْنِي لَهُ أَنْ يَبِيْعَهُ وَيُوْرِثَ عَنْهُ، لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مَالَايَكُوْنُ لِأَحَدٍ فِيْهِ حَقُّ الْمَنْعِ، وَإِذَا كَانَ مِلْكُهُ مُحِيْطًا بِجَوَانِبِهٖ كَانَ لَهُ حَقُّ الْمَنْعِ فَلَمْ يَصِرْ مَسْجِدًا، لِأَنَّهُ أَبْقَى الطَّرِيْقَ لِنَفْسِهٖ فَلَمْ يَخْلُصْ لِلّٰهِ تَعَالٰى، وَعَنْ مُحَمَّدٍ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ أَنَّهُ لَايُبَاعُ وَلَايُوْرَثُ وَلَايُوْهَبُ اعْتَبَرَهُ مَسْجِدًا وَهٰكَذَا عَنْ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ أَنَّهُ يَصِيْرُ مَسْجِدًا، لِأَنَّهُ لِمَا رَضِيَ بِكَوْنِهٖ مَسْجِدًا وَلَايَصِيْرُ مَسْجِدًا إِلَّا بِالطَّرِيْقِ دَخَلَ فِيْهِ الطَّرِيْقُ وَصَارَ مُسْتَحَقًّا كَمَا يَدْخُلُ فِي الْإِجَارَةِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے ایسی جگہ مسجد بنائی جس کے نیچے تہہ خانہ ہو یا اوراوپر بالا خانہ ہو اور مسجد کا دروازہ بڑے راستے کی طرف نکالا اوراسے اپنی ملکیت سے الگ کر دیا تو (وہ مسجد نہیں ہوگی) اسے اس کے فروخت کرنے کا حق ہوگا اور اگر مرجائے تو اس کی طرف سے وہ میراث بن جائے گی، کیونکہ یہ جگہ خالص اللہ کے لیے نہیں ہوئی اس لیے اس سے بندے کا حق وابستہ ہے، اور اگر تہہ خانہ مصالح مسجد کے لیے ہو تو وقف جائز ہے جیسے بیت المقدس کی مسجد میں۔

حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کسی نے نیچے والے حصے کو مسجد بنا دیا اور مسجد کے اوپر رہائشی مکان ہو تو وہ مسجد ہے، کیونکہ مسجد ہمیشہ کے لیے مسجد رہتی ہے اور یہ بات نیچے والے حصے میں پائی جاتی ہے، اوپر والے میں نہیں پائی جاتی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے برعکس مروی ہے، کیونکہ مسجد قابل تعظیم ہے اور جب اس کے اوپر رہائشی مکان ہوگا یا کرایہ لینے جیسی کوئی چیز ہوگی تو اس کی تعظیم متعذر ہوگی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انھوں نے دونوں صورتوں میں جائز قرار دیا ہے، اس لیے کہ جب وہ بغداد گئے اور وہاں مکانات کی تنگی دیکھی تو ضرورت کا اعتبار کر کے جائز قرار دیا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب وہ شہر رَے گئے تو ضرورت کی وجہ سے ان سب کو جائز قرار دیدیا، فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنے گھر کے بیچ میں مسجد بنائی اور لوگوں کو اس میں آنے کی اجازت دیدی تو بھی یہی حکم ہے یعنی اسے وہ جگہ فروخت کرنے کا حق ہے اور اس کی موت کے بعد وہ ورثاء کی ہو جائے گی، کیونکہ مسجد وہ جگہ کہلاتی ہے جس میں کسی کو حق منع حاصل نہ ہو حالانکہ جب اس مسجد کے چاروں طرف مالک کی ملکیت باقی ہے تو اسے حق منع حاصل ہے اس لیے وہ مسجد نہیں ہوئی، کیونکہ مالک نے راستے اپنے لیے باقی رکھ لیا اور وہ مسجد خالص اللہ کے لیے نہیں ہوئی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نہ تو اسے فروخت کیا جاسکتا ہے، نہ وراثت میں دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے ہبہ کیا جاسکتا ہے گویا انھوں اسے مسجد مان لیا ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے کہ وہ مسجد ہو جائے گی، کیونکہ جب واقف اس کے مسجد ہونے پر راضی ہو گیا ہے تو راستہ بھی اس میں داخل ہو جائے گا، کیونکہ راستہ کے بغیر وہ مسجد نہیں ہوگی اور وہ راستہ مسجد کا ہو جائے گا جیسے کرایہ پر دینے سے وضاحت کے بغیر بھی راستہ اس میں داخل ہو جاتا ہے۔

اللغات:

﴿سرداب﴾ تہہ خانہ۔ ﴿عزلہ﴾ اس کو علیحدہ کر دیا۔ ﴿سفل﴾ نچلی منزل۔ ﴿مسکن﴾ رہائش گاہ۔ ﴿مستغل﴾ آمدنی کا ذریعہ۔ ﴿لم یصر﴾ نہیں ہوگئی۔

مسجد کی عمارت میں تہہ خانہ یا بالا خانہ بنانے کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ایسی جگہ مسجد بنائی جس کے نیچے تہہ خانہ ہو یا اس کے اوپر کوئی مکان ہو اور مسجد کا دروازہ بڑے راستے کی طرف نکالا تو شرعاً اور ظاہراً وہ مسجد نہیں ہوگی اور بنانے والے کو اسے فروخت کرنے کا حق ہوگا اسی طرح اگر وہ مر جائے تو اس کے ورثاء اس میں مستحق میراث ہوں گے، کیونکہ اس سے مالک کا حق وابستہ ہے اور وہ جگہ خالص اللہ کے لیے متعین نہیں ہو سکی ہے۔ ہاں اگر وہ تہہ خانہ یا بالا خانہ مسجد کی مصالح اور ضروریات کے لیے بنایا گیا ہو تو وہ مسجد ہوگی جیسے بیت المقدس کی مسجد کا تہہ خانہ وقف ہے اور کسی کا مملوک نہیں ہے۔

حسن بن زیاد نے امام اعظم رالیٹیلیہ سے روایت کرتے ہوئے ان کا ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے مکان کے نچلے حصے اور گراؤنڈ فلور کو مسجد بنا دیا اور اس کے اوپر والے حصوں پر رہائشی مکانات اور فلیٹ ہوں تو وہ نچلا حصہ مسجد کا ہوگا کیونکہ مسجد کے لیے تابید ضروری ہے اور نچلے حصے میں تابید اور دوام متحقق ہے اس کے برخلاف اگر بالائی حصے کو مسجد بنا کر نیچے حصوں میں رہائشی مکانات بنائے گئے تو وہ مسجد شرعی مسجد نہیں ہوگی۔ اور امام محمد رالیٹیلیہ سے اس کے برخلاف مروی ہے یعنی ان کے یہاں بالائی حصے کو مسجد بنانا صحیح ہے اور نچلے حصے کو مسجد بنانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ مسجد محترم اور معظم ہوتی ہے اور اس کے اوپر رہائشی مکانات ہونے سے اس کی تعظیم فوت ہو جائے گی اس لیے نچلے حصے کو مسجد بنانا درست نہیں ہے۔

امام ابو یوسف رالیٹیلیہ کے متعلق مروی ہے کہ جب وہ شہر بغداد تشریف لے گئے اور وہاں مکانات کی تنگی کا مشاہدہ کیا تو دونوں صورتوں کی مسجد کو شرعی مسجد قرار دیدیا یعنی خواہ اس کے نیچے تہہ خانہ ہو یا اوپر بالا خانہ ہو بہر صورت وہ مسجد شرعی مسجد ہوگی ورنہ لوگوں کو با جماعت نماز پڑھنے کے لیے جگہ نہیں ملے گی اور جب امام محمد علیہ الرحمہ شہر رے میں گئے تو بربنائے ضرورت انھوں نے بھی دونوں صورتوں میں بنائی گئی مسجد کو شرعی مسجد کا حکم دیدیا اور آج کل بمبئی اور اس طرح کے بڑے اور مہنگی زمینوں والے شہروں اور علاقوں میں اس طرح کی مساجد کثرت سے آباد ہیں اور ان میں پنج وقتہ نمازیں ہوتی ہیں۔

قال و کذلك الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنے دار اور حویلی کے بیچ و بیچ کوئی مسجد بنوائی اور اس میں نماز پڑھنے کی عام اجازت دیدی، لیکن اسے اپنی ملکیت سے علاحدہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی بڑے راستے کی طرف اس کا دروازہ نکالا تو وہ بھی شرعی مسجد نہیں کہلائے گی اور بنوانے والے کو اسے فروخت کرنے اور ہبہ کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ مسجد وہ جگہ کہلاتی ہے جس میں کسی کو حق منع حاصل نہ ہو حالانکہ صورت مسئلہ میں حویلی کے بیچ و بیچ مسجد ہونے کی وجہ سے چاروں طرف سے وہ مالک کی ملکیت میں گھری ہے اور اسے حق منع حاصل ہے جب چاہے اپنی حویلی کا گیٹ بند کر کے اذن عام کو ختم کر سکتا ہے اس لیے یہ مسجد خالص اللہ کے لیے نہیں ہوگی اور اس کی بیع و تملیک درست ہوگی۔

اس سلسلے میں حضرات صاحبین رحمہما اللہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ جگہ مسجد ہو جائے گی کیونکہ واقف نے اسے بنا کر جب مسجد کا نام دیدیا اور عام لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت مل گئی تو ظاہر ہے کہ اب وہ اس کی ملکیت سے خارج ہوگئی۔ رہا مسئلہ راستے کا تو راستہ بغیر وضاحت اور صراحت کے اس کو مل جائے گا کیونکہ بدون راستہ مسجد مسجد ہی نہیں کہلائے گی اور جو شخص مسجد کے لیے لمبی چوڑی جگہ دے سکتا ہے وہ معمولی سی جگہ دینے میں کنجوسی نہیں کرے گا اور جیسے کرایہ پر مکان دینے کی صورت میں راستہ دینے کی وضاحت کے بغیر اس میں راستہ داخل ہو جاتا ہے، اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی مسجد بنوانے میں اس کا راستہ بھی بن جائے گا۔

قَالَ وَمَنِ اتَّخَذَ أَرْضَهُ مَسْجِدًا لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِيْهِ وَلَايَبِيْعَهُ وَلَايُوْرَثُ عَنْهُ، لِأَنَّهُ يُحْرَزُ عَنْ حَقِّ الْعِبَادِ وَصَارَ خَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالٰى، وَهٰذَا لِأَنَّ الْأَشْيَاءَ كُلَّهَا لِلّٰهِ تَعَالٰى، وَإِذَا سَقَطَ الْعَبْدُ مَا ثَبَتَ مِنَ الْحَقِّ رَجَعَ إِلٰى أَصْلِهِ فَانْقَطَعَ تَصَرُّفُهُ عَنْهُ كَمَا فِي الْإِعْتَاقِ، وَلَوْخَرِبَ مَاحَوْلَ الْمَسْجِدِ وَاسْتُغْنِيَ عَنْهُ يَبْقَى الْمَسْجِدُ عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحمۃ اللہ علیہ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ مِنْهُ فَلَايَعُوْدُ إِلٰى مِلْكِهِ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحمۃ اللہ علیہ عَادَ إِلٰى مِلْكِ الْبَانِيْ أَوْ إِلٰى وَارِثِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ، لِأَنَّهُ عَيَّنَهُ لِنَوْعِ قُرْبَةٍ وَقَدِ انْقَطَعَتْ فَصَارَ كَحَصِيْرِ الْمَسْجِدِ أَوْ حَشِيْشِهِ إِذَا اسْتُغْنِيَ عَنْهُ إِلَّا أَنَّ أَبَا يُوْسُفَ رَحمۃ اللہ علیہ يَقُوْلُ فِي الْحَصِيْرِ وَالْحَشِيْشِ أَنَّهُ يُنْقَلُ إِلٰى مَسْجِدٍ اٰخَرَ.

ترجمہ: اگر کسی شخص نے اپنی زمین میں مسجد بنائی تو اسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ جگہ واپس لے لے یا اسے فروخت کردے اور وہ جگہ اس کی طرف سے میراث نہیں ہوگی، اس لیے کہ وہ جگہ حق العباد سے نکل کر اللہ کے لیے خالص ہو چکی ہے، یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ تمام چیزیں اللہ کی ہیں اور جب بندے نے وہ حق ساقط کردیا جو اسے ملا تھا تو وہ حق اپنی اصلیت کی طرف عود کرآئے گا اور اس سے بندے کا تصرف منقطع ہو جائے گا جیسے اعتاق میں ہوتا ہے۔

اور اگر مسجد کے آس پاس کی جگہ ویران ہو جائے اور وہاں کی ضرورت ختم ہوگئی ہو تو بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ مسجد رہے گی، کیونکہ وہ جگہ بندے کی طرف سے اسقاط ہے لہٰذا اس کی ملکیت میں دوبارہ نہیں جائے گی۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بانی کی یا اس کی موت کے بعد اس کے وارث کی ملکیت میں عود کر جائے گی، اس لیے کہ بانی نے ایک طرح کی عبادت کے لیے اسے متعین کیا تھا اور اب وہ عبادت ختم ہوگئی ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے مسجد کی چٹائی اور گھاس جب ان کی ضرورت ختم ہوگئی ہو، لیکن چٹائی اور گھاس کے بارے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انھیں دوسری مسجد میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔

اللغاتُ:

﴿یحرز﴾ محفوظ کرلی جائے گی، نکالی جائے گی۔ ﴿إعتاق﴾ آزاد کرنا۔ ﴿خرِب﴾ اجڑ گیا، کھنڈر بن گیا۔ ﴿استغنی عنهٗ﴾ اس کی ضرورت نہ رہی۔ ﴿عینهٗ﴾ اس کو متعین کیا ہے۔ ﴿حصیر﴾ چٹائی، صف۔ ﴿حشیش﴾ گھاس۔

مسجد بنانے کا حکم:

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی زمین میں مسجد بنوا کر اسے اللہ کے لیے فروخت کر دیا تو بانی اور واقف کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ جگہ واپس لے لے یا اسے فروخت کر دے یا میراث میں دیدے، کیونکہ مسجد بنانے سے وہ جگہ اللہ کے لیے خالص ہوگئی ہے اور چوں کہ دنیا ومافیہا کی ہر ہر شیٔ اللہ کی مملوک ہے، لیکن بندوں کی ضرورت کے پیش نظر ان کے لیے ملکیت اور استعمال کی اباحت ثابت کی گئی ہے، اب اگر کوئی بندہ کسی چیز سے مستغنی ہو کر اسے اللہ کے نام پر وقف کر دیتا ہے تو وہ چیز اپنے اصلی اور حقیقی مالک کی ملکیت منتقل ہو جائے گی اور دوبارہ بندے کی ملکیت میں عود نہیں کرے گی جیسے ایک غلام آزاد ہونے کے بعد اپنی اصل یعنی حریت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور دوبارہ معتق کی ملکیت میں عود نہیں کرتا یہی حال مسجد کا بھی ہے کہ وہ بھی دوبارہ بانی کی ملکیت میں عود نہیں کرتی۔

ولو خرب الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی مسجد کے ارد گرد کا علاقہ ویران ہو جائے مثلاً مسجد کسی گاؤں یا کھیت میں ہو اور وہ کھیتی اور جنگل میں تبدیل ہو جائے اور لوگوں کے لیے اس میں نماز پڑھنا ممکن نہ رہے تو بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ جگہ مسجد کے حکم میں ہوگی اور بانی کا اس پر کوئی داؤ نہیں چلے گا، کیونکہ وہ جگہ بانی کی ملکیت سے نکل کر اللہ کے لیے خالص ہو چکی اور اب اس میں رجوع نہیں ہو سکتا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس صورت حال میں وہ جگہ بانی یا اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی، اس لیے کہ بانی نے اسے ایک خاص مقصد یعنی ادائیگی صلاۃ کے لیے بنایا اور وقف کیا تھا اور اس کے ویران ہو جانے سے یہ مقصد فوت ہو چکا ہے لہٰذا اب وہ پھر سے بانی کی ملکیت میں عود کر جائے گی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے مسجد میں چٹائی دی یا مسجد کی جگہ میں گھاس اُگی اور مسجد کو اس کی ضرورت نہ ہو تو عام لوگوں کے لیے اس کا استعمال مباح ہے، اسی طرح جب مسجد مسجد نہیں رہ گئی تو بانی کے لیے اس جگہ کو اپنے کام میں لانا مباح ہوگا۔ لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف یہ استشہاد درست نہیں ہے، کیونکہ حصیر اور حشیش کی صورت میں بھی ان کے یہاں اباحت نہیں ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ انہیں کسی دوسری مسجد میں (جہاں کی ضرورت ہو) منتقل کیا جائے گا یہی محقق اور مفتی بہ ہے۔

قَالَ وَمَنْ بَنٰى سِقَايَةً لِلْمُسْلِمِيْنَ أَوْخَانًا يَسْكُنُهُ بَنُوالسَّبِيْلِ أَوْ رِبَاطًا أَوْ جَعَلَ أَرْضَهُ مَقْبَرَةً لَمْ يَزَلْ مِلْكُهُ عَنْ ذٰلِكَ حَتّٰى يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَنْقَطِعْ عَنْ حَقِّ الْعَبْدِ، أَلَا تَرٰى أَنَّ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهِ فَيَسْكُنُ فِي الْخَانِ وَيَنْزِلُ فِي الرِّبَاطِ وَيَشْرَبُ مِنَ السِّقَايَةِ وَيُدْفَنُ فِي الْمَقْبَرَةِ فَيُشْتَرَطُ حُكْمُ الْحَاكِمِ أَوِالْإِضَافَةُ إِلٰى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ كَمَا فِي الْوَقْفِ عَلَى الْفُقَرَاءِ، بِخِلَافِ الْمَسْجِدِ، لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ لَهُ حَقُّ الْإِنْتِفَاعِ بِهِ فَخَلَصَ لِلّٰهِ تَعَالٰى مِنْ غَيْرِ حُكْمِ الْحَاكِمِ، وَعِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَزُوْلُ مِلْكُهُ بِالْقَوْلِ كَمَا هُوَ أَصْلُهُ، إِذِالتَّسْلِيْمُ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ وَالْوَقْفُ لَازِمٌ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ إِذَا اسْتَقَى النَّاسُ مِنَ السِّقَايَةِ وَسَكَنُوا الْخَانَ وَالرِّبَاطَ وَدَفَنُوْا فِي الْمَقْبَرَةِ زَالَ الْمِلْكُ، لِأَنَّ التَّسْلِيْمَ عِنْدَهُ شَرْطٌ وَالشَّرْطُ تَسْلِيْمُ نَوْعِهِ وَذٰلِكَ بِمَا

ذَكَرْنَاهُ وَيَكْتَفِي بِالْوَاحِدِ لِتَعَذُّرِ فِعْلِ الْجِنْسِ كُلِّهِ، وَعَلَى هٰذَا الْبِيْرُ الْمَوْقُوْفَةُ وَالْحَوْضُ. وَلَوْ سُلِّمَ إِلَى الْمُتَوَلِّيْ صَحَّ التَّسْلِيْمُ فِيْ هٰذِهِ الْوُجُوْهِ كُلِّهَا لِأَنَّهُ نَائِبٌ عِنْدَ الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ وَفِعْلُ النَّائِبِ كَفِعْلِ الْمَنُوْبِ عَنْهُ. وَأَمَّا فِي الْمَسْجِدِ فَقَدْ قِيْلَ لَايَكُوْنُ تَسْلِيْمًا، لِأَنَّهُ لَاتَدْبِيْرَ لِلْمُتَوَلِّيْ فِيْهِ، وَقِيْلَ يَكُوْنُ تَسْلِيْمًا لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلٰى مَنْ يُكْنِسُهُ وَيُغْلِقُ بَابَهُ فَإِذَا سَلَّمَ إِلَيْهِ صَحَّ التَّسْلِيْمُ، وَالْمَقْبَرَةُ فِيْ هٰذَا بِمَنْزِلَةِ الْمَسْجِدِ عَلٰى مَا قِيْلَ لِأَنَّهُ لَا مُتَوَلِّيَ لَهُ عُرْفًا، وَقِيْلَ هِيَ بِمَنْزِلَةِ السِّقَايَةِ وَالْخَانِ فَيَصِحُّ التَّسْلِيْمُ إِلَى الْمُتَوَلِّيْ، لِأَنَّهُ لَوْ نَصَبَ الْمُتَوَلِّيْ يَصِحُّ وَإِنْ كَانَ بِخِلَافِ الْعَادَةِ. وَلَوْ جَعَلَ دَارًا لَهُ بِمَكَّةَ سُكْنٰى لِحَاجِّ بَيْتِ اللّٰهِ وَالْمُعْتَمِرِيْنَ أَوْجَعَلَ دَارَهُ فِيْ غَيْرِ مَكَّةَ سُكْنًا لِلْمَسَاكِيْنَ أَوْجَعَلَهَا فِيْ ثَغْرٍ مِنَ الثُّغُوْرِ سُكْنٰى لِلْغُزَاةِ وَالْمُرَابِطِيْنَ أَوْ جَعَلَ غَلَّةَ أَرْضِهِ لِلْغُزَاةِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَدَفَعَ ذٰلِكَ إِلٰى وَالٍ يَقُوْمُ عَلَيْهِ فَهُوَ جَائِزٌ وَلَا رُجُوْعَ فِيْهِ لِمَا بَيَّنَّا إِلَّا أَنَّ فِي الْغَلَّةِ يَحِلُّ لِلْفُقَرَاءِ دُوْنَ الْأَغْنِيَاءِ، وَفِيْمَا سِوَاهُ مِنْ سُكْنَى الْخَانِ وَالْإِسْتِقَاءِ مِنَ الْبِيْرِ وَالسِّقَايَةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ يَسْتَوِيْ فِيْهِ الْغَنِيُّ وَالْفَقِيْرُ، وَالْفَارِقُ هُوَ الْعُرْفُ فِي الْفَصْلَيْنِ فَإِنَّ أَهْلَ الْعُرْفِ يُرِيْدُوْنَ بِذٰلِكَ فِي الْغَلَّةِ الْفُقَرَاءَ، وَفِيْ غَيْرِهَا التَّسْوِيَةُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ، وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ تَشْمَلُ الْغَنِيَّ وَالْفَقِيْرَ فِي الشُّرْبِ وَالنُّزُوْلِ، وَالْغَنِيُّ لَايَحْتَاجُ إِلٰى صَرْفِ هٰذِهِ الْغَلَّةِ لِغِنَاهُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے مسلمانوں کے لیے پانی کی سبیل بنوائی یا مسافروں کی رہائش کے لیے مسافر خانہ بنایا یا رباط بنوایا یا اپنی زمین کو قبرستان بنا دیا تو جب تک حاکم اس کا فیصلہ نہیں کرے گا اس وقت تک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وہ چیز بانی کی ملکیت سے ختم نہیں ہوگی، اس لیے کہ ابھی وہ چیز بندے کے حق سے منقطع نہیں ہوئی ہے کیا دکھتا نہیں کہ بانی کو اس سے نفع اندوز ہونے کا حق ہے چنانچہ وہ مسافر خانہ میں رہ سکتا ہے، رباط میں ٹھہر سکتا ہے، سبیل سے پانی پی سکتا ہے اور قبرستان میں اسے دفن کیا جاسکتا ہے، لہٰذا حاکم کا فیصلہ کرنا یا واقف کا اپنی موت کے بعد کی حالت کی طرف منسوب کرنا شرط ہوگا جیسے وقف علی الفقراء میں ہوتا ہے۔ برخلاف مسجد کے کیونکہ مسجد سے واقف کو انتفاع کا حق نہیں رہتا اور حکم حاکم کے بغیر بھی مسجد اللہ کے لیے خالص ہو جاتی ہے۔

اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں واقف کے قول ہی سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی جیسا کہ یہی ان کی اصل ہے کیوں ان کے یہاں تسلیم الی المتولی شرط نہیں ہے اور اس کے بغیر بھی وقف لازم ہو جاتا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جب لوگ سبیل سے پانی پی لیں اور مسافر خانہ اور چھاؤنی میں ٹھہر لیں اور قبرستان میں مردے دفن کر لیں تو واقف کی ملکیت ختم ہو جائے گی، کیونکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تسلیم الی المتولی شرط ہے اور ہر چیز میں اس کے حسب حال تسلیم شرط ہے اور ہماری ذکر کردہ صورتوں میں یہ بات پائی جا رہی ہے اور تحقق تسلیم کے لیے شخص واحد کا فعل کافی ہے، کیونکہ پوری جنس کا

فعل متعذر رہے۔ اور وقف کردہ کنویں اور حوض بھی اسی اختلاف پر ہیں۔

اور اگر واقف نے شئ موقوف متولی کے سپرد کر دیا تو ان تمام صورتوں میں تسلیم صحیح ہوگی، کیونکہ متولی موقوف علیہم کا نائب ہوتا ہے اور نائب کا فعل اصل کے قائم مقام ہوتا ہے، رہا مسجد کا معاملہ تو ایک قول یہ ہے کہ محض متولی کے سپرد کرنے سے تسلیم متحقق نہیں ہوگی کیونکہ مسجد میں متولی کا عمل دخل نہیں ہوتا اور دوسرا قول یہ ہے کہ تسلیم متحقق ہو جائے گی اس لیے کہ مسجد کو ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو وہاں جھاڑو لگائے اور اس کا دروازہ بند کرے، لہٰذا اگر واقف متولی کو سپرد کرتا ہے تو تسلیم صحیح ہوگی۔

اور تسلیم کے معاملے میں قبرستان مسجد کے حکم میں ہے جیسا کہ کہا گیا ہے، کیونکہ عرف میں قبرستان کا کوئی متولی نہیں ہوتا دوسرا قول یہ ہے کہ قبرستان، مسافر خانہ اور سبیل کے حکم میں ہے اور تسلیم الی التولی صحیح ہے، کیونکہ اگر خود واقف قبرستان کے لیے متولی مقرر کرے تو صحیح ہے اگر چہ خلاف عادت ہے۔

اگر کسی شخص نے مکہ مکرمہ میں موجود اپنے گھر کو حج اور عمرہ کرنے والوں کے لیے رہائش گاہ بنا دیا یا غیر مکہ میں واقع اپنے گھر کو مساکین کے لیے وقف کر دیا یا کسی سرحد پر واقع اپنے گھر کو راہِ خدا کے غازیوں اور چھاؤنی والوں کی قیام گاہ کے طور پر دیدیا یا اپنی زمین کی آمدنی مجاہدین کے لیے وقف کر دیا اور اسے کسی متولی یا نگراں کے حوالے کر دیا تو جائز ہے اور اس میں رجوع نہیں ہوسکتا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں، لیکن آمدنی صرف فقراء کے لیے حلال ہوگی، مالداروں کے لیے حلال نہیں ہوگی اور اس کے علاوہ میں یعنی مسافر خانہ میں رہنے، کنویں اور سبیل سے پانی پینے وغیرہ میں غنی اور فقیر برابر ہیں اور دونوں صورتون میں فرق کرنے والی چیز عرف عام ہے چنانچہ غلہ کی صورت میں وقف سے اہل عرف فقراء مراد لیتے ہیں اور غلہ کے علاوہ میں فقراء اور اغنیاء کو برابر مستحق سمجھتے ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ پینے اور ٹھہرنے کی ضرورت امیر و غریب دونوں کو عام ہے جب کہ غنی اپنی مالداری کی وجہ سے اس آمدنی کو استعمال کرنے کا ضرورت مند نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللغات:

﴿سقایة﴾ سبیل، پانی پینے کی جگہ۔ ﴿خان﴾ سرائے۔ ﴿بنو السبیل﴾ مسافرین۔ ﴿رباط﴾ گھوڑے باندھنے کی جگہ، چھاؤنی، سرائے۔ ﴿استقی﴾ پانی نکالا۔ ﴿غلّة﴾ آمدن۔ ﴿بئر﴾ کنواں۔ ﴿تسویة﴾ برابری کرنا۔ ﴿مرابطین﴾ سرحدوں پر رہنے والے، مجاہد۔ ﴿نزول﴾ پڑاؤ ڈالنا۔ ﴿ثغور﴾ سرحدیں۔

سبیل، مسافر خانہ چھاؤنی وغیرہ بنوانے کا حکم:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مسلمانوں کے لیے کوئی سبیل بنوادی جیسا کہ آج کل بڑے شہروں میں واٹر کولر لگوا دیئے جاتے ہیں یا مسافر خانہ بنوا دیا یا چھاؤنی بنوادی یا اپنی زمین میں قبرستان بنوا دیا تو جب تک قاضی اور حاکم اس چیز کے متعلق مسلمانوں کے ہونے کا فیصلہ نہیں کر دے گا اس وقت تک وہ چیز صانع اور بانی کی ملکیت سے جدا نہیں ہوگی، کیونکہ اس سے پہلے پہلے اس چیز سے خود بانی کا حق وابستہ رہتا ہے اور بانی از خود اس سے نفع اٹھا سکتا ہے لہٰذا اس چیز کے بانی کی ملکیت سے زائل ہونے کے لیے یا تو حاکمِ وقت کا اس کے متعلق حکم نامہ صادر ہونا ضروری ہے یا خود بانی کی طرف سے یہ وضاحت ضروری ہے کہ میری موت کے بعد یہ چیز عوام

کے لیے وقف ہے جیسے فقراء پر کوئی چیز وقف کرنے کی صورت میں واقف کی ملکیت کے زوال کے لیے ان دونوں (حکم حاکم اور اضافت مابعد الموت) میں سے ایک چیز شرط ہے اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی ان میں سے ایک چیز شرط ہوگی، یہ حکم اور یہ تفصیل حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے۔

اس کے برخلاف مسجد کا معاملہ ہے تو وہ ان اوقاف سے جدا ہے اور اس میں صرف وقف کرنے سے ہی واقف کی ملکیت زائل ہوجاتی ہے کیونکہ مسجد واقف کو نفع حاصل کرنے کی کوئی راہ نہیں ہوتی اور حکمِ حاکم کے بغیر بھی مسجد اللہ کے لیے خالص اور مختص ہوجاتی ہے۔

وعند أبي یوسف الخ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ان تمام صورتوں میں محض واقف کے قول **جعلته للمسلمین** کہنے سے ہی اس کی ملکیت ختم ہوجائے گی اور زوالِ ملک کے لیے کسی تحریر نامے یا پنچ نامے یا حکم نامے کی ضرورت نہیں ہوگی، اس لیے کہ ان کے یہاں صحت وقف کے لیے تسلیم الی المتولی بھی شرط نہیں ہے اور محض واقف کے قول سے وقف تام ہوجاتا ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ وقف اس وقت تام ہوگا جب لوگ سبیل سے پانی پی لیں گے یا مسافر خانہ اور رباط میں رہنے لگیں گے، یا اگر مقبرہ کا معاملہ ہو تو لوگوں کے اس میں مردوں کو دفن کرنے کے بعد اس زمین اور بنائی ہوئی چیز سے بانی اور واقف کی ملکیت ختم ہوگی، کیونکہ ان کے یہاں صحت وقف کے لیے تسلیم الی المتولی شرط ہے اور تسلیم کی صورت یہی ہے کہ جو چیز جس مقصد کے لیے بنائی گئی ہے جب اس مقصد میں استعمال ہونے لگے تو ظاہر ہے کہ تسلیم متحقق ہوجائے گی۔ البتہ تحققِ تسلیم کے لیے فرد واحد کا استعمال کرنا کافی ہے، کیونکہ پوری جنس کا اکٹھا ہو کر سکنی یا سقایہ یا دفن کا فعل انجام دینا متعذر اور محال ہے وقف کردہ کنویں اور حوض کا مسئلہ بھی فقہائے احناف میں اسی طرح مختلف فیہ ہے۔

ولو سلم الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بانی اور واقف مسافر خانہ یا رباط اور قبرستان وغیرہ کو کسی منتظم اور متولی کے سپرد کردے تو بھی تسلیم متحقق ہوجائے گی اور اس تسلیم سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کی ملکیت زائل ہوجائے گی، کیونکہ متولی موقوف علیہم کا نائب ہوتا ہے اور نائب کا فعل اصل کے فعل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ لیکن مسجد کے متعلق اس سلسلے میں دو قول ہیں (۱) پہلا قول یہ ہے کہ متولی کے سپرد کرنے سے تسلیم متحقق نہیں ہوگی، بلکہ تسلیم کا تحقق اس میں عوام کے نماز پڑھنے سے ہوگا، اس لیے تنہا متولی کو دینے مسجد بنانے کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ صرف متولی کو مسجد سپرد کرنے سے تسلیم متحقق ہوجائے گی، اس لیے کہ مسجد کے لیے ایک خادم اور دربان کی ضرورت مسلّم ہے اور یہ کام متولی کردے گا اس لیے اس کی طرف تسلیم ہمیں تسلیم ہے، لیکن راقم الحروف کو یہ تسلیم نہیں ہے، اس لیے کہ صرف ایک ہی شخص کے لیے مسجد نہیں بنائی جاتی، بلکہ جماعت کے لیے مسجد تعمیر کی جاتی ہے لہٰذا تسلیم الی الجماعت کے بغیر مسجد کی تسلیم ناقابلِ تسلیم ہے۔

مقبرہ کے متعلق بھی دو قول ہیں (۱) مسجد کی طرح اسے بھی متولی کو تسلیم کرنے سے تسلیم متحقق نہیں ہوگی کیونکہ عرفاً قبرستان کا کوئی والی اور متولی نہیں ہوتا (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ جس طرح مسافر خانہ اور سبیل میں شخصِ واحد کے فعل سے تسلیم متحقق ہوجاتی ہے اسی طرح مقبرہ کو بھی متولی کے حوالے کرنے سے تسلیم متحقق ہوجائے گی اور اس سے واقف کی ملکیت زائل ہوجائے گی۔

ولو جعل دارا له الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا مکۃ المکرمہ میں کوئی گھر ہو اور وہ اسے حاجیوں اور معتمروں کے

لیے رہائش بنا کر وقف کردے یا اپنی زمین کی آمدنی اور پیداوار کو مجاہدین کے لیے وقف کردے اور وہ مکان یا آمدنی کسی متولی یا نگراں کے حوالے کردے تو وقف درست اور جائز ہے اور واقف کو حق رجوع نہیں ہے، کیونکہ یہ چیز بندے کی عارضی ملکیت سے نکل کر اللہ کی حقیقی اور دائمی ملکیت میں داخل ہوگئی ہیں۔ لما بینا سے اسی طرف اشارہ ہے۔ البتہ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ مکان کے وقف میں تو امیر وغریب سب کے لیے رہائش حلال ہے لیکن غلہ اور پیداوار کا وقف صرف فقراء اور غرباء کے لیے حلال ہے اور یہ فرق عرف اور عادت کی وجہ سے ہے چناں چہ غلہ وقف کرنے کی صورت میں اہل عرف صرف فقراء کو اس کا مستحق گردانتے ہیں اور غلہ کے علاوہ مسافر خانہ اور سبیل وغیرہ کے وقف میں امیر وغریب دونوں طبقوں کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ اسی لیے ہم نے دونوں میں فرق کیا ہے۔ اس سلسلے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ پانی پینے اور قیام کرنے کی ضرورت امیر وغریب سب کو عام ہے جب کہ مالدار شخص وقف کی آمدنی اور منافع کی طرف توجہ نہیں دیتا اور اپنی قوت بازو کی کمائی سے کھاتا اور زندگی جیتا ہے، لہٰذا اس حوالے سے بھی شرب اور نزول میں امیر وغریب برابر ہوں گے اور غلہ کی حلت فقراء اور غرباء کے ساتھ خاص ہوگی۔ فقط واللّٰہ أعلم وعلمہ أتم.

الحمد للہ آج بروز جمعہ مورخہ ۸/ شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ مطابق ۳۱/ جولائی ۲۰۰۹ء کو احسن الہدایہ کی ساتویں جلد اختتام پذیر ہوئی

ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم وصلى الله على خير خلقه محمد وآله وصحبه أجمعين، اللّٰهم اغفر لشارحه ولوالديه ولمن سعى فيه

آج بروز پیر مورخہ ۳/ مئی ۲۰۱۰ء کو احسن الہدایہ کی ساتویں جلد بحمدہ تعالیٰ اعراب، عنوانات اور حل لغات کے ساتھ مکمل ہوئی۔

اللہ پاک اس کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

محمد صہیب اشفاق